International Bestseller
Cancer Ward (Novel)
Aleksandr Solzhenitsyn
NOBEL PRIZE WINNER
(نوبل انعام یافتہ ناول)
کینسر وارڈ
الیگزینڈر سولنسٹین
مترجم: گوپال متل

کینسر وارڈ

کینسر وارڈ

مصنّف

الکزنڈر سولنسٹین

مترجم

گوپال متل

ناشرین

نیشنل اکاڈمی۔ ۹۔ انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ دہلی ۶

پہلی بار ستمبر ۱۹۷۰ء
قیمت تین روپے

Urdu Translation of
CANCER WARD

Originally Published by
THE BODLEY HEAD Ltd.
9, Bow Street, LONDON. wc 7

مطبوعہ : یونین پرنٹنگ پریس، اردو بازار دہلی ۶

فہرست

ایک کینسر ہے ہی نہیں

باقی سب باتوں کے علاوہ ہسپتال کی عمارت کے جس بازو میں کینسر کے علاج کا شعبہ تھا، اس کا نمبر تیرہ ۱۳ تھا۔ پیول نکولائے وچ روسانوو کبھی بھی توہم پرست نہیں تھا۔ بھلا اس کے دل میں توہم پرستی کی کیا گنجائش؟ لیکن جب اس کے کارڈ پر "بازو نمبر ۱۳" لکھا گیا تو اس کا دل ڈوب گیا۔ ان میں اتنی خوش تدبیری تو ہونی چاہیئے ہی تھی کہ تیرہ ۱۳ کا نمبر کسی اور شعبے کو دیتے۔ دایہ گیری کے شعبے کو یا اضافی قسم کے کسی اور شعبے کو۔

لیکن ساری ری پبلک میں یہ کلینک واحد جگہ تھی جہاں اس کے لیے کچھ کیا جا سکتا تھا۔

"یہ کینسر تو نہیں۔ ڈاکٹر یہ کینسر تو نہیں؟ مجھے کینسر تو نہیں ہو گیا ہے؟" پیول نکولائے وچ نے اپنی گردن کے دائیں طرف کی اذیت رساں رسولی کو ہلکے سے چھو کر امید پرستانہ انداز میں پوچھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسولی ہر روز بڑھ جاتی ہے لیکن باہر کی تنی ہوئی کھال ہمیشہ کی طرح اب بھی سفید تھی اور کوئی تکلیف نہیں دے رہی تھی۔

"خدا نہ کرے، ہرگز نہیں۔" ڈاکٹر ڈونٹسووا نے اپنے ہاتھ سے اس کی بیماری کی تفصیلات درج کرنے کے دوران اسے تسلی دیتے ہوئے دسویں بار کہا۔ وہ جب بھی لکھنے لگتی اپنی مستطیل فریم اور گول کناروں والی عینک کو آنکھوں پر لگا لیتی اور جیسے ہی لکھنا بند کرتی عینک کو نیچے رکھ دیتی۔ وہ اب جوان نہیں رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد نظر آتا تھا اور بہت تھکا ہوا۔

یہ چند دن پہلے کی بات ہے، جب معائنے کے کمرے میں باہر کے مریضوں کو دیکھا جا رہا تھا۔ جن مریضوں کو کینسر کے شعبے میں بھیجا جاتا۔ خواہ سرسری مریض کی حیثیت ہی سے سہی، ان کے لیے آنے والی رات کو سونا مشکل ہو جاتا اور ڈونٹسووا نے پیول نکولائے وچ کو فوراً

ہی داخل ہونے کا حکم دے دیا تھا۔

اس خوش باش شخص پر جس کی زندگی میں کوئی خاص پریشانی تھی نہ تردد، بیماری نے کسی انتباہ کے بغیر چپ چاپ حملہ کر دیا تھا اور صرف وہ ہی ہفتے میں طوفان کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ پیول نکولائے وچ کے لیے بیماری بھی کچھ کم اذیت ناک نہیں تھی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اس بات سے بھی بڑی اذیت پہنچ رہی تھی کہ اسے کلینک میں ایک معمولی مریض کی حیثیت سے داخل ہونا پڑ رہا ہے۔ بالکل عام آدمیوں کی طرح۔ وہ پبلک ہسپتال میں آخری بار کب گیا تھا' یہ اتنی پرانی بات تھی کہ اسے یاد کرنا بھی اس کے لیے کافی دشوار تھا۔ اوجینی سیمینووچ، شینڈیاپن اور الماسیبو کو ٹیلیفون کیے جا چکے تھے۔ انھوں نے دوسرے لوگوں کو فون کیے تھے۔ یہ جاننے کے لیے کہ کیا کلینک میں "بہت اہم شخصیتوں" کے لیے کوئی وارڈ ہے یا کسی چھوٹے سے کمرے کو مختصر سے عرصے کے لیے سپیشل وارڈ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کلینک میں جگہ کی اتنی قلت تھی کہ کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بڑے ڈاکٹر کی مدد سے صرف اتنی کامیابی حاصل ہو سکی تھی کہ اسے کمرۂ انتظار میں جانا نہ پڑے، کپڑے بدلنے نہ پڑیں، اور نہ اس کے لیے حوائج ضروری کے لیے پبلک بیت الخلا میں جانا ضروری ہو۔

یوری اپنی ماں اور اپنے باپ کو ان کی چھوٹی سی نیلی ماسکووچ گاڑی میں بٹھا کر سیدھا وارڈ ۱۳ کی سیڑھیوں تک لے گیا۔ ہلکی ہلکی برف باری کے باوجود دو عورتیں بار بار دھوئی ہوئی سوتی گونیں پہنے باہر پتھر کی پٹیں دہلیز پر کھڑی تھیں۔ سردی سے وہ کانپ ضرور رہی تھیں لیکن اپنی جگہ ڈٹی ہوئی تھیں۔

ان بے ڈھنگی گونوں سے شروع ہو کر پیول نکولائے وچ کو اس جگہ کی ہر چیز ناخوشگوار لگی۔ پٹیں دہلیز کا سیمنٹ کا فرش بتا رہا تھا کہ وہ بے شمار قدموں تلے روندا گیا ہے۔ دروازوں کے دستے بے ڈھنگے تھے اور مریضوں کے بار بار ہاتھ لگانے سے میلے بھی ہو گئے تھے۔ کمرۂ انتظار کا فرش ادھڑ رہا تھا۔ اس کی زیتونی رنگ کی اونچی اونچی دیواروں کا رنگ اکھڑ رہا تھا۔ (ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ زیتونی رنگ ہے ہی گندہ) اور پھر اس کے بڑے بڑے

تختوں والے لکڑی کے بنچ جن پر مریضوں کے بیٹھنے کے لیے کافی جگہ بھی نہیں تھی۔ ان میں سے بہت سے مریض لمبے لمبے فاصلے طے کر کے آئے تھے اور انھیں فرش پر بیٹھنا پڑتا تھا۔ ان میں ازبک تھے جنھوں نے روئی کے بھرے ہوئے گدّے دار کوٹ پہن رکھے تھے۔ بوڑھی ازبک عورتوں نے لمبے لمبے سفید شال اوڑھے ہوئے تھے اور نوجوان عورتوں نے سرخ اور سبز پھول دار شال۔ سبھی نے اونچی ایڑی کے جوتے پہن رکھے تھے اور جوتوں پر ربڑ بھی چڑھا رکھا تھا۔ کریدنی جیسا پتلا دبلا ایک روسی نوجوان اپنے بڑے سے پھولے ہوئے پیٹ کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور کوٹ زمین تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ایک پورے بنچ کو اپنے تصرف میں لے رکھا تھا۔ وہ تکلیف سے متواتر چیخ رہا تھا۔ اس کی چیخوں سے پیول نکولائے وچ کے کان بہرے ہو گئے۔ اسے اتنی تکلیف پہنچی جیسے وہ لڑکا اپنی تکلیف کے باعث نہیں بلکہ روسانوو کی تکلیف کے باعث چیخ رہا ہو۔

پیول نکولائے وچ کا چہرہ سفید ہو گیا۔ اس پر مردنی سی چھا گئی اور اس نے سرگوشی میں اپنی بیوی سے کہا "کاپا! میں یہاں مر جاؤں گا۔ مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ آؤ واپس چلیں۔"

کاپی ٹولینا میٹویونا نے اسے مضبوطی سے بازو سے پکڑ لیا اور کہا "پاشنکا! ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ اور یہاں سے جا کر پھر کیا کریں گے؟"

"ممکن ہے ہم ماسکو میں کوئی صورت نکال سکیں۔"

کاپی ٹولینا میٹویونا نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا۔ اس کا چوڑا سر گھنے تراشیدہ اور گھنگھریالے بالوں کی وجہ سے اور بھی چوڑا لگ رہا تھا۔

"پاشنکا! اگر ہم ماسکو گئے تو شاید ہمیں دو ہفتے اور انتظار کرنا پڑے گا یا شاید ہم وہاں جا ہی نہ سکیں۔ ہم انتظار کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ ہر روز بڑھ جاتی ہے۔"

اس کی بیوی نے اس کا بازو پوری مضبوطی سے تھام لیا جیسے اپنی ہمت اس میں منتقل کر رہی ہو۔ اپنے شہری اور سرکاری فرائض کی انجام دہی میں پیول نکولائے وچ ثابت قدم تھا لہٰذا یہ بات اس کے لیے اور بھی آسان اور خوشگوار تھی کہ وہ گھریلو

معاملات میں اپنی بیوی پر بھروسہ کرتا رہے۔ وہ تمام اہم فیصلے بڑی جلدی سے کر دیتی تھی۔ اور وہ صحیح بھی ہوتے تھے۔

بنچ پر لیٹا ہوا لڑکا اب بھی چیخ رہا تھا اور بری طرح بے حال ہو رہا تھا۔

"شاید ڈاکٹر ہمارے گھر آجائے۔ ہم انھیں فیس دیدیں گے"، پیول نکولائے وچ نے دلیل دی لیکن اپنی بات پر اسے خود بھی بھروسہ نہیں تھا۔

"پاسک" اس کی بیوی نے اسے سرزنش کی۔ وہ خود بھی اتنی ہی دکھی تھی جتنا اس کا خاوند۔ "تم جانتے ہو کہ اس پر سب سے پہلے میں ہی رضامند ہوتی کہ کسی کو بلا لیا جائے اور فیس دے دی جائے۔ لیکن ہم اسے پہلے بھی آزما چکے ہیں۔ یہ ڈاکٹر گھر پر علاج نہیں کرتے اور وہ روپیہ نہیں لیں گے۔ پھر اُن کے آلات کا مسئلہ بھی ہے۔ یہ ممکن نہیں"

پیول نکولائے وچ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ اس نے یہ ذکر صرف اس لیے کر دیا تھا کہ اسے محسوس ہوتا تھا کہ اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہیئے۔

کلینک کے بڑے ڈاکٹر سے یہ طے ہوا تھا کہ کلینک کی منتظمہ دوپہر کے دو بجے ان کی منتظر ہوگی۔ ایک مریض بیساکھیوں کے سہارے سیڑھیاں اُتر رہا تھا لیکن منتظمہ کہیں نظر نہیں آتی تھی اور سیڑھیوں کے نیچے اس کا جو کمرہ تھا اس کے دروازے پر قفل لگا تھا۔

"یہ سب کتنے ناقابل اعتبار ہیں" کاپی ٹولینا میٹویونا نے بھڑاس نکالی "انھیں تنخواہ کاہے کی ملتی ہے!"

عین اس وقت جب کاپی ٹولینا میٹویونا جس کے دونوں کانوں پر سفید براق فرجھول رہے تھے۔ غلام گردش میں داخل ہوئی، اس کی نظر ایک نوٹس پر پڑی جس میں درج تھا "باہر کا لباس پہننے والوں کے لیے داخلہ ممنوع ہے"!

پیول نکولائے وچ کمرۂ انتظار میں کھڑا رہا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنے سر کو دائیں طرف ہلکی سی جنبش دی اور اس رسولی کو جو اس کی ہنسلی اور جبڑے کے درمیان آگے کو نکلی ہوئی تھی، محسوس کیا۔ اس کا کچھ ایسا خیال تھا کہ اس نصف گھنٹے میں

جب اس نے اپنا مفلر لپیٹتے ہوئے آئینے میں آخری بار دیکھا تھا، رسولی کچھ اور بھی بڑی ہوگئی ہے۔ پیول نکولائے وچ کو نقاہت محسوس ہو رہی تھی اور وہ بیٹھنا چاہتا تھا لیکن بنچ گندے نظر آتے تھے اور اس کے علاوہ اسے جگہ دینے کے لیے کسی کسان عورت سے درخواست کرنی پڑتی۔ کسان عورتوں نے اپنے گلوں کے گرد سکارف لپیٹے ہوئے تھے اور اپنے پاؤں کے درمیان گندے تھیلے دبا رکھے تھے۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کافی فاصلے کے باوجود ان گندے تھیلوں کی بدبو اس تک پہنچ رہی ہے۔

وہ وقت کب آئے گا جب ہماری قوم کے لوگ صاف ستھرے سوٹ کیس لیکر سفر کریں گے ؟ (بہرحال اب جب اس کے یہ رسولی نکل آئی ہے یہ بات کیا اہمیت رکھتی ہے)

دیوار کا ایک حصّہ کچھ آگے کو نکلا ہوا تھا۔ روسانوو اس پر کسی قدر جھکا ہوا وہاں کھڑا تھا اسے نوجوان کی چیخ پکار سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی اور ہر اس چیز سے بھی جو اس کی آنکھوں نے دیکھی یا جس کی بو اس کی ناک تک پہنچی۔ ایک کسان داخل ہوا جس نے اپنے ہاتھوں میں نصف لیٹر کا ایک مرتبان سا اٹھا رکھا تھا۔ اس پر لیبل لگا تھا اور زرد رنگ کی کسی سیّال چیز سے وہ تقریباً بھرا ہوا تھا۔ اس نے اسے چھپانے کی بہت کوشش نہیں کی۔ وہ اسے اس فاتحانہ انداز میں اٹھائے ہوئے تھا جیسے یہ بیئر کا مگ ہو جسے حاصل کرنے کے لیے اسے طویل قطار میں کھڑا رہنا پڑا ہو۔ وہ پیول نکولائے وچ کے آگے آکر رک گیا جیسے وہ اپنا مرتبان اسے تھما دینا چاہتا ہو۔ وہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن جیسے ہی اس کی نظر اس کے سمور کے لباس پر پڑی وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر وہ ایک مریض کی طرف مخاطب ہوا جو بیساکھیوں کے سہارے کھڑا ہوا تھا۔

"بھائی! یہ میں کسے دوں ؟"

لنگڑے نے لیبارٹری کے دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

پیول نکولائے وچ کو سخت بیزاری محسوس ہو رہی تھی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا

اور ہسپتال کی منتظمہ داخل ہوئی۔ اس نے صرف ایک سفید کوٹ پہنا ہوا تھا اس کا چہرہ کافی لمبا تھا اور وہ خوبصورت ہرگز نہیں تھی اس نے پیول نکولائے ورچ کو فوراً ہی دیکھ لیا اور یہ اندازہ لگا کر کہ وہ کون ہے، اس کے قریب آئی۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے کہا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا اور اضطراب میں اس کے گال سرخ ہو رہے تھے۔ اس کی لپ اسٹک کی طرح "معاف کیجئے، کیا آپ کو بہت دیر انتظار کرنا پڑا؟ وہ دوائیاں لا رہے تھے اور مجھے جاکر ان کی وصولی کے دستخط کرنے تھے"

پیول نکولائے ورچ کا جی چاہا کہ وہ کوئی تلخ جواب دے لیکن اس نے اپنے پر قابو پا لیا۔ یوری آگے بڑھا۔ اس نے صرف وہی سوٹ پہن رکھا تھا جس میں وہ کار کو ڈرائیو کر کے لایا تھا۔ نہ اوور کوٹ تھا نہ ہیٹ۔ اس نے ایک سوٹ کیس اٹھا رکھا تھا اور اشیائے خورد نوش کا ایک بیگ۔ سنہرے بالوں کی ایک لٹ اس کی پیشانی پر رقص کر رہی تھی، وہ بہت پر سکون تھا۔

"میرے ساتھ آیئے!" منتظمہ نے کہا اور سیڑھیوں کے نیچے اپنے چھوٹے سے کمرے کی طرف جو اسٹور روم سا نظر آتا تھا ان کی راہ نمائی کرنے لگی "نظامندین برا ہموورچ نے کہا تھا کہ آپ اپنا زیر جامہ اور پاجامہ لائیں گے۔ انھیں اس سے پہلے پہنا تو نہیں گیا؟ نہیں پہنا گیا نا؟"

"سیدھے دکان سے آرہے ہیں۔"

"یہ اشد ضروری ہے ورنہ انھیں جراثیم سے پاک کرنا ہوگا۔ سمجھ گئے نا؟ اچھا تو

وہاں آپ کپڑے بدل سکتے ہیں۔"

اس نے پلائی وڈ کا دروازہ کھولا اور روشنی کر دی۔ اس چھوٹے سے دفتر میں جس کی چھت ڈھلوان تھی کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ دیواروں پر صرف رنگدار پنسل سے بنائے ہوئے کچھ نقشے آویزاں تھے۔

یوری چپ چاپ سوٹ کیس اندر لایا اور پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔ پیول نکولائے ورچ کپڑے بدلنے اندر چلا گیا۔ اس عرصے میں ہسپتال کی منتظمہ کسی طرف دوڑنے سی لگی

لیکن کاپی ٹولینا میٹویونا نے اسے جا پکڑا۔
"نرس!" اس نے کہا: "ایسا نظر آتا ہے کہ تم جلدی میں ہو۔"
"ہاں کسی قدر جلدی ہی میں ہوں۔"
"تمھارا نام کیا ہے ؟"
"ینٹا !"
"عجیب سا نام ہے۔ تم روسی نہیں ہو۔ سچ ہے نا؟"
"نہیں۔ جرمن....."
"تم نے ہمیں بڑا انتظار کرایا۔"
"ہاں مجھے افسوس ہے۔ مجھے ان کی وصولی کے دستخط...."
"اب ینٹا میری بات سنو میں تمھیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ میرا خاوند بہت اہم آدمی ہے جو انتہائی اہم اور قیمتی کام کر رہا ہے۔ اس کا نام پول نکولائے وچ ہے۔"
"اچھا۔ پول نکولائے وچ۔ میں یاد رکھوں گی۔"
"وہ اس کا عادی ہے کہ کوئی اس کی دیکھ بھال کرے۔ سمجھ گئیں نا؟ وہ اب سخت بیمار ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس پر ایک نرس کی مستقل ڈیوٹی لگادو۔"
ینٹا کے چہرے پر جو پریشانی تھی وہ اور بھی بڑھ گئی۔ اس نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"ان نرسوں کے علاوہ جو آپریشن تھیٹر میں کام کرتی ہیں ہمارے پاس دن میں تین نرسیں ہیں جنھیں ساٹھ مریضوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے۔ دو نرسیں رات کی ڈیوٹی پر ہوتی ہیں۔"
"اچھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مریض مر رہا ہو، چیختے چیختے اس کے دماغ کے پرخچے اڑ جائیں۔ کوئی بھی نہیں آئے گا۔"
"آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں ؟ ہر شخص کی مناسب دیکھ بھال ہوتی ہے۔"
"ہر شخص" ۔ وہ "ہر شخص" کی بات کر رہی ہے تو کہنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے ،

"کیا نرسیں شفٹوں میں کام کرتی ہیں۔"

"یہ صحیح ہے۔ ہر بارہ گھنٹے کے بعد نرسیں بدل جاتی ہیں۔"

"یہ عمومی اور غیر شخصی سلوک ُ کا ہی تکلیف دہ ہے۔ میری میٹی اور میں بڑی خوشی سے باری باری اس کے پاس بیٹھ سکتی ہیں۔ یا میں ایک مستقل نرس کے لیے اپنی جیب سے ادائیگی کے لیے تیار ہوں لیکن وہ بتاتے ہیں کہ اس کی اجازت نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ واقعی نہیں۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ پھر وارڈ میں کوئی جگہ بھی تو نہیں جہاں کرسی رکھی جا سکے۔"

"میرے خدا۔ اب میں بخوبی اندازہ لگا سکتی ہوں کہ یہ وارڈ کیسا ہے؟ میں وارڈ کو اچھی طرح دیکھنا چاہوں گی۔ یہاں کتنے بیڈ ہیں؟"

"نو۔ تمہارا خاوند خوش قسمت ہے کہ اسے سیدھے ہی وارڈ میں جگہ مل گئی۔ کچھ نئے مریضوں کو تو غلام گردش میں لیٹنا ہوتا ہے یا سیڑھیوں میں"

"میں اب بھی تم سے درخواست کروں گی کہ ہیول نکولائے وچ کے لیے کسی نرس یا اردلی کا انتظام کر دیا جائے جو پرائیویٹ طور پر اس کی دیکھ بھال کرے۔ تم یہاں لوگوں کو جانتی ہو۔ تمہارے لیے اس قسم کا انتظام کرنا آسان ہوگا۔" وہ اب تک اپنا بڑا سا سیاہ بیگ کھول چکی تھی اور اس نے پچاس پچاس روبل کے تین نوٹ نکال لیے تھے۔

اس کا لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا اس نے خاموشی سے اپنا منہ پھیر لیا۔

میٹا نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی پشت کے پیچھے کر لیے۔

"نہیں نہیں مجھے کوئی حق نہیں۔"

"یہ میں تمہیں نہیں دے رہی۔"

کاپی ٹولینا میٹویونا نے نوٹوں کو منتظمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا جیسے وہ اسے نکھار رہی ہو۔ "لیکن اگر یہ قانونی طور پر ممکن نہ ہو، اگر اس پر کسی بھی اعتراض کی گنجائش نہ ہو.... میں تو صرف خدمات کا صلہ دے رہی ہوں۔ صرف اتنا چاہ رہی ہوں کہ یہ روپیہ تم مہربانی سے صحیح آدمی تک پہنچا دو جو اس کا حقدار ہو۔"

"نہیں نہیں" منتظمہ نے کپکپی محسوس کرتے ہوئے کہا: "یہاں ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے"
دروازے میں سے چرچر کی سی آواز آئی اور پیول نکولائے وچ اپنے نئے سبز اور براؤن پاجامے
اور کمرۂ خواب میں پہننے کے گرم اور صاف ستھرے سلیپروں میں منتظمہ کی کوٹھری سے باہر
نکلا۔ اپنے قریب قریب گنجے سر پر اس نے مرس بھری کے رنگ کی ایک ازبک مخملی ٹوپی پہن
رکھی تھی۔ اب جب اس نے اپنا سرمائی اوورکوٹ، کالر اور مفلر اتار دیئے تھے، اس کی گردن
کے دائیں طرف کی رسولی جو حجم میں بھنچی ہوئی مٹھی کے برابر تھی، بہت ہی ڈراونی نظر آرہی تھی
اب تو اس کے لیے یہ بھی دشوار ہو گیا تھا کہ وہ اپنے سر کو سیدھا رکھ سکے۔ اسے اپنے سر کو ایک
طرف کو کسی قدر جھکانا پڑتا تھا۔

اس کا بیٹا اتارے ہوئے کپڑے اٹھانے اندر گیا اور انھیں اس نے سوٹ کیس میں
رکھ دیا۔ کاپا ٹولینا میٹونا نے روپیہ واپس اپنے ہینڈ بیگ میں ڈال لیا تھا۔ اس نے مضطربانہ
طور پر اپنے خاوند کی طرف دیکھا۔

"اس طرح کیا تم منجمد نہیں ہو جاؤ گے؟ تمھیں اپنے ساتھ ایک اچھی سی گرم ڈریسنگ
گون لانی چاہیئے تھی۔ اب میں آؤں گی تو لیتی آؤں گی۔ دیکھو یہ سکارف ہے" اس نے
اپنی جیب سے سکارف باہر نکالا "اسے اپنی گردن کے گرد لپیٹ لو اس طرح تمھیں سردی
نہیں لگے گی" اپنے فرکوٹ میں وہ اپنے خاوند سے تین گنا قوی نظر آرہی تھی۔
اب وارڈ میں جاؤ اور وہاں آرام سے رہو۔ اپنا کھانا نکال لو۔ کسی اور چیز کی ضرورت
ہو تو سوچنا۔ میں یہاں بیٹھ کر انتظار کروں گی۔ جس چیز کی ضرورت ہو مجھے نیچے آکر بتا دینا۔
میں اسی شام لیتی آؤں گی۔"
وہ کبھی نہیں گھبراتی تھی۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔ اپنی مشترکہ زندگی میں
وہ اپنے خاوند کی سچی ساتھی تھی۔ پیول نکولائے وچ نے اس کی طرف تشکر اور آنندگی کے ملے
جلے انداز میں دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے پر نظر ڈالی۔

"اچھا تو اب تم جا رہے ہو یوری۔"

"ابا میں شام کی گاڑی پکڑوں گا۔" اس نے ان کی طرف قدم بڑھایا، اپنے باپ کی

موجودگی میں اس کا رویّہ ہمیشہ مؤدبانہ ہوتا تھا۔ وہ فطرتاً جذباتی نہیں تھا۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی اس نے اپنے باپ کو غیر جذباتی انداز ہی میں الوداع کہی۔ ہر معاملے میں اس کے ردِّعمل کی رو ہمیشہ مدھم ہوتی تھی۔

یہ ٹھیک ہے بیٹے! دیکھو یہ تمھارا پہلا اہم سرکاری سفر ہے۔ احتیاط برتنا اور شروع ہی سے صحیح رویّہ اختیار کرنا۔ بہت زیادہ نرمی نہ برتنا، یاد رہے۔ تمھاری نرمی تمھارے زوال کا سبب بن سکتی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم یوری رومانووہ نہیں ہو۔ تمھاری حیثیت نجی نہیں۔ تم قانون کے نمائندے ہو۔ میری بات سمجھے؟"

یوری بھی اس کی بات سمجھا یا نہیں، لیکن پیول نکولائے وچ کے لیے اس وقت اس سے بہتر الفاظ ڈھونڈنا مشکل ہوتا۔ میٹیا مضطرب سی ہورہی تھی اور جانے کے لیے بیتاب تھی۔

"میں یہاں ماں کے پاس انتظار کروں گا۔" یوری نے مسکرا کر کہا۔ "الوداع کہنے کی ضرورت نہیں آبا صرف چلے جاؤ۔"

"تم اپنا آپ خود سنبھال سکتے ہو؟" میٹیا نے دریافت کیا۔

"تم دیکھتی نہیں کہ یہ مشکل کھڑا ہو سکتا ہے۔ تم اتنا بھی نہیں کرسکتیں کہ اسے بستر تک پہنچا دو اور اس کا بیگ اٹھا کر لے جاؤ؟"

پیول نکولائے وچ یتیمانہ انداز میں اپنے خاندان کو دیکھنے لگا۔ میٹیا نے سہارے کے لیے اپنا بازو جو بڑھایا تھا اسے پکڑنے سے انکار کر دیا۔ زینے کے کٹھرے کو اس نے مضبوطی سے پکڑا اور اوپر چڑھنا شروع کردیا۔ اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ لیکن تاحال اس دھڑکن کا باعث چڑھائی ہرگز نہیں تھی۔ وہ سیڑھیاں اس طرح طے کر رہا تھا جیسے لوگ اس چبوترے پر چڑھتے ہیں جو قتل گاہ میں ہوتا ہے جہاں لے جا کر ان کی گردن زنی کی جاتی ہے۔

منتظمہ اس کا تھیلا اٹھا کر سیڑھیوں پر آگے آگے دوڑ گئی۔ وہ چلا چلا کر کسی سے جس کا نام میریا تھا کوئی بات کہہ رہی تھی۔ پیول نکولائے وچ ابھی پہلا زینہ طے کر پایا

تھا کہ وہ لوٹ کر دوڑتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی اور نیچے کی طرف سیڑھیاں طے کرتی ہوئی عمارت سے باہر نکل گئی۔ اس طرح اس نے کاپی ڈ لینا میٹو یونا کو بتا دیا کہ اس جگہ اس کے خاوند کو کس قسم کا سکون اور تنہائی میسر آسکے گی۔

سیڑھیوں کے درمیان جو چبوترہ سا ہوتا ہے، پیول نکولائے وچ سیڑھیاں چڑھتا چڑھتا اس تک پہنچ گیا۔ یہ چبوترہ کافی لمبا اور کشادہ تھا جیسا کہ بہت پرانی عمارتوں میں ہوتا ہے اس چبوترے پر جو سیڑھیوں میں پہلا چبوترہ تھا دو بیڈ بچھے ہوئے تھے۔ ان پر دو مریض تھے اور ان کے پاس ہی دو چوکیاں رکھی تھیں۔ ان بیڈوں اور چوکیوں سے آمدورفت میں خلل البتہ نہیں پڑتا تھا۔ ایک مریض کی حالت کافی خراب تھی۔ جسمانی طور پر وہ بالکل تباہ حال تھا۔ اور اسے غبارے کے ذریعے آکسیجن دی جا رہی ہے۔

یہ کوشش کرتے ہوئے کہ اس کی نظر مریض کے مایوس چہرے پر نہ پڑے روسانوو منہ پھیر کر چلنے لگا اور اوپر دیکھتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا گیا لیکن دوسرا زینہ طے کرنے کے بعد بھی اس کے سامنے کوئی حوصلہ افزا ماحول نہیں تھا۔ ایک نرس میریا وہاں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سیاہ اور بت جیسا تھا جس پر نہ تو کوئی مسکراہٹ تھی اور نہ کوئی خیر مقدمی تاثر۔ لمبی، پتلی اور سپاٹ سینے والی یہ نرس ایک سنتری کی طرح اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی فوراً آگے بڑھی اور سیڑھیوں کے بیچ آکر اسے بتایا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ ہال کے شروع میں کئی دروازے تھے۔ دروازے بالکل کھلے رکھے گئے تھے کیونکہ وہاں بھی بیڈ تھے اور ان پر مریض۔ مسلسل چلتے ہوئے لیمپ کے نیچے دیوار کے ایک طاق نما محرابی خلا میں نرس کا لکھنے کا میز تھا جس کے نزدیک ہی دیوار کے ساتھ دندانے دار شیشے کی ایک الماری لگی ہوئی تھی جس پر ریڈ کراس کا نشان بنا ہوا تھا۔ وہ میزوں کو پار کر گئے اور ایک بیڈ کو بھی۔ تب میریا نے اپنی لمبی اور پتلی انگلی سے اشارہ کر کے کہا "کھڑکی کے بعد دوسرا بیڈ۔"

اور وہ فوراً ہی بھاگ رہی تھی۔ تمام پبلک ہسپتالوں کا ایک ناخوشگوار پہلو یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی دو چار لفظ کہنے کے لیے رکتا نہیں۔

وارڈ کے دروازے بالکل کھلے رکھے گئے تھے پھر بھی دہلیز پار کرتے ہی پیول نکولائے وچ

کو ایک دم گھونٹنے والی نمناک بو کا احساس ہوگیا جس میں دواؤں کی بو بھی شامل تھی۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو بو کے معاملے میں بہت ہی حساس ہو یہ انتہائی تکلیف دہ تھا۔

بیڈ قطاروں میں لگے تھے اور ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ سر دیوار کی طرف تھے۔ ان کے درمیان اگر کوئی فاصلہ تھا بھی تو صرف اتنا کہ اس میں ایک چھوٹی سی میز رکھی جا سکے اور وارڈ کے درمیان میں جو راستہ تھا وہ بھی صرف اتنا تھا کہ اس میں سے دو آدمی گزر سکیں۔

اس راستے میں ایک موٹا چوڑے شانوں والا مریض کھڑا تھا جس نے سرخ دھاریوں والا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اس کی گردن موٹی اور مضبوط پٹیوں سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی جو قریب قریب اس کے کانوں کی لوؤں تک پہنچی تھیں۔ پٹیوں کا یہ سفید مضبوط حلقہ اس کے بھاری سر کی آزادانہ حرکت میں مزاحم ہو رہا تھا جس پر لومڑی جیسے کتھئی بالوں کا ایک چھپر سا تھا۔

وہ بیٹھی ہوئی آواز میں اپنے ساتھی مریضوں سے کچھ کہہ رہا تھا جو اپنے بیڈوں پر سے سن رہے تھے۔ روسانوو کے داخلے پر اس نے اپنا سارا جسم جس کے ساتھ اس کا سر بھی جڑا ہوا تھا اس کی طرف گھما دیا۔ بغیر کسی ہمدردی کے اس کی طرف دیکھا اور کہا "اچھا! دیکھو یہاں کیا ہے۔ ایک اور چھوٹا سی نفیس کینسر"

پیول نکولائے وچ نے اس قسم کی بے تکلفی کا کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس نے محسوس کیا کہ کمرے کے سارے لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہیں لیکن، ان لوگوں پر جو صرف اتفاق سے اس کے راستے میں آ گئے تھے، اس نے غور کرنا ضروری نہیں سمجھا اور نہ ان کے ساتھ ادب، آداب کی ضرورت ہی سمجھی۔ اس نے صرف لومڑی جیسے کتھئی بالوں والے شخص کی طرف ہاتھ ہلایا تاکہ وہ اس کے لیے راستہ چھوڑ دے۔ اس نے پیول نکولائے وچ کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور اسے دیکھنے کے لیے ایک بار اپنا سارا جسم جس کے اوپر سر بھی لگا ہوا تھا، گھما دیا۔

"ارے دوست کیا تمھیں کینسر ہے؟" اس نے اپنی موٹی آواز میں اس سے پوچھا۔

پیول نکولائے وچ اس وقت تک اپنے بیڈ تک پہنچ چکا تھا، اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس سوال نے اس کی جلد کو چھیل دیا ہے۔ اس نے اس ڈھیٹ گنوار کی طرف آنکھیں

اٹھائیں اور کوشش کی کہ اسے غصہ نہ آئے۔ اس کے باوجود اس کے کندھے پھڑک گئے۔ ایک وقار سے اس نے کہا۔

"مجھے کوئی کینسر نہیں نہیں۔ کسی قسم کی کوئی کینسر نہیں۔"

لومڑی جیسے بالوں والے نے نتھنوں سے آواز نکالی اور پھر ایسی آواز میں جیسے سارا وارڈ سن سکے اپنا فیصلہ صادر کیا۔

"احمق! اگر یہ کینسر نہیں تو پھر وہ تمہیں جھک مارنے کو یہاں لائے ہیں؟"

۲۔ تعلیم زیرک تو نہیں بنا دیتی

وارڈ کی اس پہلی شام کو چند ہی گھنٹے میں پیول نکولائے وچ پر ایک خوف مسلط ہو گیا۔

جس طرح کانٹا مچھلی کو کھینچ لیتا ہے، رسولی کا یہ ناخواندہ بے معنی، بے مصرف اور بے رحم لوندا اسے یہاں کھینچ لایا تھا اور لوہے کے اس تنگ اور ذلیل پلنگ پر جس کی کمانیاں چرمرا رہی تھیں اور جس کا گدا، گدے کے نام کا مذاق اڑا رہا تھا، پٹخ دیا تھا۔ سیڑھیوں کے نیچے کپڑے اتارنے اور اپنے خاندان کو الوداع کہنے کے بعد اوپر اس وارڈ میں پہنچنے پر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمھاری ساری سابقہ زندگی دروازے کے پیچھے رہ گئی ہے اور یہاں کی زندگی اتنی ذلیل اور شرمناک تھی کہ رسولی سے کہیں زیادہ یہ اذیت اور خوف کا سبب بن جاتی تھی۔ اب کسی ایسی چیز پر نظر ڈالنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا جو خوشگوار یا تسکین دہ ہو۔ وہ ان آٹھ ارذل اور دنی مخلوقوں کی طرف دیکھنے پر مجبور تھا جو اب اس کے "ہم رتبہ" تھے۔ آٹھ بیمار آدمی جو پھیکے اور فرسودہ گلابی اور سفید رنگ کے پاجامے پہنے ہوئے تھے۔ یہ پاجامے پیوند لگے اور پھٹے پرانے تھے اور تقریباً سب کے سب غلط ناپ کے تھے۔ یہ فیصلہ بھی وہ نہیں کر سکتا تھا کہ کیا سنے اور کیا نہیں۔ وہ ان غیر مہذب مخلوقوں کی بات سننے پر مجبور تھا اور ان کو تھکا دینے والی گفتگو کا نہ تو اس کے ساتھ کوئی تعلق تھا اور نہ اُسے اس میں کوئی دلچسپی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان سب سے کہہ دے کہ وہ خاموش رہیں۔ بالخصوص لومڑی جیسے کنگھی بالوں والے شخص سے جس کی گردن پٹیوں کے مضبوط حلقے

یں جکڑی ہوئی تھی۔ اس کی گفتگو خاص طور پر تھکا دینے والی تھی۔ ہر شخص اسے "یفریم"[1] کہہ کر پکارتا تھا حالانکہ وہ نوجوان نہیں تھا۔

یفریم کو قابو میں رکھنا ناممکن تھا۔ وہ لیٹنے کا نام نہیں لیتا تھا اور نہ کبھی وارڈ سے باہر جاتا تھا۔ صرف پلنگوں کی قطار کے درمیان راستے پر مضطربانہ انداز میں اوپر تلے گھومتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے چہرے کو سیکڑ لیتا، جیسے اسے انجکشن دیا جا رہا ہو اور اپنے سر کو پکڑ لیتا۔ اس کے بعد وہ پھر اوپر تلے چلنے لگتا۔ اس قسم کی گشت کے بعد وہ ہمیشہ روسانوو کے پلنگ کے پائنتی کھڑا ہو جاتا، اپنے جسم کے پٹیوں میں جکڑے ہوئے بالائی حصے کو کٹہرے کے اوپر سے جھکاتا اور اپنے چوڑے چیچک زدہ افسردہ چہرے کو آگے کی طرف دھکیل کر اسے لیکچر دینا شروع کر دیتا:

"تمھیں وہی ہوگیا ہے پروفیسر! تم اب گھر کبھی نہیں جا سکو گے یاد رکھو"

وارڈ میں گرمی بہت تھی۔ پیول نکولائے وچ اپنے پاجامے اور مخملی ٹوپی میں ملبوس کمبل کے اوپر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اپنی سنہرے فریم والی عینک کو درست کیا، ایفریم کی طرف سختی سے دیکھا، جس کی اسے اچھی طرح مشق تھی، اور جواب دیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کامریڈ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور تم مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو؟ کبھی میں نے بھی تم سے کوئی سوال پوچھا؟"

یفریم نے معاندانہ انداز میں نتھنے پھلا کر کہا "تمھارے سوالوں کی کسے پروا ہے لیکن تم گھر واپس پھر بھی نہیں جا سکو گے۔ تم اپنی یہ عینک لوٹا سکتے ہو اور اپنا پاجامہ بھی۔

---

[1] یہ طرز تخاطب روس میں کسی قدر تحقیر کی علامت ہے۔ عام طور پر بڑی عمر والوں کو ان کے نام اور جد کی نام سے خطاب کیا جاتا ہے جیسے پیول نکولائے وچ یعنی پیول ولد نکولائے۔

اس طرح بے ڈھنگے پن سے پھوٹ پڑنے کے بعد اس نے اپنے بے ڈھنگے جسم کو سیدھا کیا اور ایک سحر زدہ کی طرح پلنگوں کے درمیان خالی جگہ پر اوپر تلے چلنا شروع کر دیا۔

ظاہر ہے کہ پیول نکولائے وچ اگر چاہتا تو اسے جھڑک کر اس کی اوقات بتا سکتا تھا لیکن جانے کیا وجہ تھی کہ وہ اپنی معمول کی قوتِ ارادی کو مجتمع نہ کر سکا۔ اس کی قوتِ ارادی پہلے ہی جواب دے رہی تھی۔ اس پٹیوں والے شیطان کی گفتگو نے تو اسے اور بھی زائل کر دیا۔ وہ سہارا چاہتا تھا لیکن اس کی بجائے اسے گڑھے میں اور بھی نیچے دھکیلا جا رہا تھا۔ چند ہی منٹوں میں اس کا شخصی رتبہ اس کی شہرت اور اس کے مستقبل کے منصوبے سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ اب وہ صرف گیارہ سٹون[1] وزن کے گرم اور سفید گوشت کا لوتھڑا رہ گیا تھا اور نہیں جانتا تھا کل کیا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آزردگیِ دل کا اس کے چہرے پر اثر پڑ رہا تھا کیونکہ کچھ دیر بعد اپنی گشتوں کے دوران یفریم رکا اور کافی صلح جویانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوا "اگر انھوں نے تمھیں گھر جانے دیا تو بھی جلدی ہی یہاں لوٹ آؤ گے۔ کینسر کے کیکڑے کو آدمیوں سے بڑی ہی محبت ہے۔ ایک بار کوئی اس کی گرفت میں آجائے تو چھوڑتا نہیں، جب تک اس کا دم کس نہ نکل جائے۔"

پیول نکولائے وچ میں احتجاج کی سکت نہیں تھی۔ یفریم پھر چلنے لگا۔ کمرے میں کوئی ایسا تھا ہی نہیں جو اس کے منہ میں لگام دیتا۔ وارڈ میں باقی جتنے بھی لوگ تھے وہ یا تو تباہ شدہ ڈھانچے تھے جنھیں نیک و بد کی کوئی پروا نہیں تھی یا پھر روسی تھے۔ دوسری دیوار کے ساتھ صرف چار پلنگ لگے تھے،

---

[1] آٹھ پونڈ کا پیمانۂ وزن

کیونکہ باقی جگہ سٹوو نے گھیر رکھی تھی۔ روسانوو کے پلنگ کے بالمقابل درمیانی راستے کے دوسری طرف یفریم کا پلنگ تھا اور ان دونوں کی پائنتیوں میں تھوڑا ہی فاصلہ تھا۔ باقی تین پلنگ نوجوان لڑکوں نے گھیر رکھے تھے۔ ان میں سے ایک جس کا پلنگ سٹوو کے ساتھ تھا، ایک سیاہ فام ساکو دن تھا۔ دوسرا ایک ازبک تھا جو بیسا کھیوں کے سہارے چلتا تھا اور جس کا پلنگ کوٹھری کے ساتھ تھا وہ بہت ہی منحنی تھا اور پلنگ پر دُہرا پڑا رہتا تھا۔ ایک اور لڑکا تھا جو متواتر چیختا رہتا تھا اور جس کی جلد کافی زرد پڑ چکی تھی۔ پیول نکولائے وچ کی قطار میں دو ایشیائی تھے۔ جن کے پلنگ اس کی بائیں جانب تھے اور ایک روسی لڑکا جس کا پلنگ دریچہ کے قریب تھا۔ لمبا تڑنگا اور خشخشی بالوں والا۔ وہ بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ پیول نکولائے وچ کے بالکل قریب کے پلنگ پر جو کھڑکی کے قریب تھا، ایک اور روسی تھا، لیکن اس شخص کی قربت کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اپنے بشرے سے وہ کوئی خبیث قاتل نظر پڑتا تھا۔ غالباً یہ ایک زخم کا نشان تھا جس کی بنا پر وہ ایسا لگتا تھا۔ یہ نشان اس کے منہ کے کونے سے شروع ہوتا تھا، اور اس کے بائیں گال کے نیچے تک، قریب قریب گردن تک جاتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے سیاہ بال جن میں وہ کبھی کنگھی نہیں کرتا تھا اس کی شباہت کو مکروہ بنا رہے ہوں یا شاید یہ اس کے بشرے کا اجڑپن اور کھردراپن تھا جس کے باعث وہ ایسا لگتا تھا۔ لیکن یہ قاتل کچھ مہذب ہونے کا دعویدار ضرور تھا۔ وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا، جسے قریب قریب ختم کر چکا تھا۔

بتیاں روشن کر دی گئیں۔ دو چمکدار لیمپ جو چھت سے لٹک رہے تھے۔ باہر اندھیرا ہو چکا تھا اور وہ رات کے کھانے کا انتظار کر رہے تھے۔

"یہاں ایک بوڑھا بھلا مانس ہے،" یفریم چھوڑنے والا نہیں تھا وہ نیچے لیٹا ہے۔ کل اس کا آپریشن ہوگا۔ ۱۹۳۳ء کی بات ہے کہ انھوں نے اس کے چھوٹے سے کینسر کو کاٹ کر نکال دیا تھا اور اس سے کہا تھا اب سب ٹھیک

ٹھاک ہے جاؤ مزے کرو۔" یفریم کی زبان بظاہر قینچی کی طرح چل رہی تھی لیکن اس کی آواز ایسی لگتی تھی جیسے اسی کا جسم چاک کیا جا رہا ہو۔"تیرہ ۱۳ برس گزر گئے اور وہ کلینگ کے بارے میں سب کچھ بھول گیا۔ وڈکا پیتا، عورتوں سے رنگ رلیاں مناتا۔ وہ کچھ بانکا سا ہے۔ اس سے ملو گے تو دیکھنا۔ اور اب اس کے ایک بڑا سا کینسر نکل آیا ہے۔" اس نے مزے سے چٹخارے لے کر کہا "میرا خیال ہے کہ آپریشن کے میز سے وہ سیدھا مردہ خانے کی سل پر پہنچے گا۔"

"اب بس کرو۔ میں تمھاری تاریک پیشگوئیاں بہت سن چکا ہوں۔"

پیول نکولائے وچ نے اسے نظر انداز کر کے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ اپنی آواز کو بمشکل ہی پہچان سکا۔ یہ آواز کافی غمگین تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا متقدرانہ لہجہ غائب ہو چکا ہے۔

کسی کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ دوسری قطار میں کھڑکی کے قریب جو نحیف و نزار نوجوان لیٹا تھا وہ بھی مصیبت بن رہا تھا۔ وہ اپنے جسم کو توڑ مروڑ رہا تھا۔ اس نے بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اس نے لیٹنے کی کوشش کی، اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا، اس نے اپنے جسم کو دہرا کیا اور گھٹنوں کو چھاتی کے ساتھ لگا لیا۔ تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی تو اس نے اپنا سر تکیے کی بجائے پلنگ کے کٹہرے پر رکھ لیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ آہیں بھر رہا تھا۔ اس کا بگڑا ہوا چہرہ اور تشنج کی سی کیفیت اس کی تکلیف کی غمازی کر رہی تھی۔ پیول نکولائے وچ نے اس کی طرف سے بھی توجہ ہٹا لی۔ اپنے پاؤں نیچے کر کے کمرۂ خواب میں پہننے کے سلیپر میں ڈالے اور کاہلانہ طور پر اپنے پلنگ کے پاس رکھے میز کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے نعمت خانے کا دروازہ جس میں اس کا کھانا پیکٹ میں بند دھار رکھا تھا پہلے کھولا پھر بند کر دیا۔ اس کے بعد اوپر کا چھوٹا سا دروازہ کھولا جس میں اس کے کپڑے، تیل پھلیل اور بجلی کا ریزر رکھا تھا۔

یفریم اب بھی اوپر تلے چل رہا تھا اور اس نے اپنے بازو سینے پر بھینچ رکھے تھے۔ کئی بار وہ اندرونی تکلیف سے جو اسے نشتر چبھو رہی تھی، جھرجھری سی لیتا اور ایک ایسی آواز میں جیسے کوئی نوحہ کر رہا ہو، کہتا:

"ہا..... ں۔ صورت حال بھیانک ہے۔ واقعی بھیانک ہے۔"

پیول نکولائے وچ نے اپنے پیچھے پٹاخ کی سی آواز سنی۔ اس نے اپنا سر احتیاط سے گھمایا ـــ اس کی ہر ہلکی سی جنبش بھی تکلیف دہ ہوتی تھی ـــ اس نے دیکھا کہ یہ آواز اس کے پڑوسی خونی کی طرف سے آئی تھی جس نے اپنی کتاب کو جو اس نے ابھی ختم کی تھی، زور سے بند کیا تھا اور اسے اپنے بڑے بڑے ہاتھوں میں زور سے گھما رہا تھا۔ کتاب کی گہری نیلی جلد پر سنہری حروف میں جواب کافی مدھم ہو چکے تھے، آر پار مصنف کا نام ثبت تھا، یہی نام کتاب کے پشتے پر لکھا تھا۔ پیول نکولائے وچ یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ نام کس کا ہے۔ لیکن اس قسم کے شخص سے کوئی سوال پوچھنے کی جرأت وہ نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں اپنے پڑوسی کے لیے ایک لقب آیا ـــ ہڈی چوس۔ یہ لقب اس کے لیے بہت موزوں تھا۔

"ہڈی چوس" نے اپنی بڑی بڑی آزردہ آنکھوں سے کتاب کی طرف دیکھا اور بڑی بے شرمی سے انتہائی بلند آواز میں سارے کمرے کو مخاطب کیا۔

"اگر ڈیوما نے یہ کتاب نعمت خانے کے اوپر سے نہ اٹھائی ہوتی تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا تھا کہ اسے خاص طور پر تمھارے لیے بھیجا گیا ہے۔"

"ڈیوما کو کیا ہوا؟ کیسی کتاب؟" دروازے کے نزدیک والے بستر پر لیٹے ہوئے لڑکے نے جواب میں اپنی کتاب پر سے آنکھیں اٹھا کر کہا۔

"تمھیں ایسی کتاب نہیں ملے گی، چاہے سارے شہر کا کونا کونا چھان مارو"

بڈی چوس نے یفریم کے سر کی چوڑی اور چپٹی پشت پر نظر ڈالی۔ اس کے بال کئی مہینے سے کاٹے نہیں گئے تھے۔ یہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتا۔ چنانچہ بال اس کی پٹی کے اوپر سے باہر کو نکل رہے تھے۔ تب اس نے یفریم کے تشنج زدہ چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یفریم روں روں بہت ہو چکی، اب یہ کتاب پڑھو۔"

یفریم ایک جز بز سانڈ کی طرح پھنا کر رہ گیا اور اس کی طرف تلملا کر دیکھا۔

"پڑھوں؟ میں کیوں پڑھوں؟ ہم سب بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔"

بڈی چوس کے زخم کا نشان پھڑکنے لگا۔ "بات یہی ہے۔ اگر تم نے جلدی نہ کی تو اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ گے، دیکھو جلدی کرو۔"

اس نے اپنی کتاب اٹھائی لیکن یفریم نے حرکت نہیں کی۔

"یہاں پہلے ہی لوگ بہت پڑھتے ہیں۔ میں پڑھنا نہیں چاہتا۔"

"تم ناخواندہ ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات ہے؟" بڈی چوس نے اسے گفتگو پر آمادہ کرنے کی نیم دلانہ کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمھارا کیا مطلب ہے؟ میں بہت پڑھا لکھا ہوں۔ اگر ضرورت پڑے تو میں بہت پڑھا لکھا ہوں۔"

بڈی چوس کھڑکی کے آگے کے تختے پر اپنی پنسل توڑنے لگا۔ کتاب کے آخری صفحے کھولے، ان پر نظر دوڑائی اور یہاں وہاں کچھ یاد کر کے لکھنے لگا۔

"ڈرو نہیں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "یہ اچھی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں، لیکن یہ چند ہی کہانیاں ہیں۔ کوشش کرو۔ تمھاری روں روں

سے میں تنگ آگیا ہوں ۔ سنتے ہو، کتاب پڑھو۔"

"میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔" یفریم نے کتاب لے لی اور پلنگ پر پھینک دی۔

نوجوان ازبک احمد جان ایک بیساکھی کے سہارے لنگڑاتا ہوا دروازے میں سے آیا۔ اس کمرے میں وہ واحد شخص تھا جو خوش تھا۔

"کھانا تیار ہے" وہ چلایا۔

دوسرے کھڑکی کے نزدیک والے کالی سی رنگت کے لڑکے میں جان پڑ گئی۔

"دوستو! وہ کھانا لا رہے ہیں۔"

کھانا لانے والی اردلی جس نے سفید کوٹ پہن رکھا تھا، اندر آئی۔ اس نے اپنے کاندھے پر ایک بڑے اٹھا رکھی تھی۔ ٹرے کو اس نے کاندھے سے اٹھا کر اپنے آگے کیا اور مریضوں کے پلنگوں کا چکر لگانے لگی۔ کھڑکی کے پاس کے مبتلائے اذیت نوجوان کے سوا سب حرکت میں آگئے اور ٹرے پر سے پلیٹیں اٹھالیں۔ وارڈ میں ہر شخص کے پلنگ کے ساتھ میز تھا، صرف نوجوان لڑکے ڈیوما کے پاس میز نہیں تھا۔ وہ بڑی بڑی ہڈیوں والے قازق کے میز ہی میں حصہ دار تھا جس کا بالائی ہونٹ ایک کریہہ سرخ کھرنڈ کے باعث سوجا ہوا تھا۔

قطع نظر اس بات کے کہ پیول نکولائیے وچ کو کھانے کی خواہش ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی خواہ وہ اس قسم کا کھانا ہی ہو جو وہ گھر سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہسپتال کے کھانے پر نظر ڈالتے ہوئے اسے ایک بار پھر تلخ احساس ہوا کہ وہ بڑی غلط جگہ آگیا ہے اور کلینک میں آنے پر رضامندی ظاہر کر کے اس نے غالباً بہت بڑی غلطی کی ہے۔ ایک تو پڈنگ ہی ربڑ کی طرح سخت تھی جس کے اوپر جیلی کی زرد سی تہہ جمی ہوئی تھی، پھر المونیم کا خاکستری گندا چمچہ جس کی ڈنڈی دو جگہ سے مڑی ہوئی تھی۔

آہیں بھرنے والے لڑکے کو چھوڑ کر باقی سب لوگ پورے انہماک سے کھانے میں لگ گئے۔ پیول نکولائیے وچ نے پلیٹ اپنے ہاتھ میں نہیں لی۔ وہ اپنے ناخون سے اس کے کنارے کو بجاتا رہا اور ادھر ادھر نظر ڈالتا رہا کہ اسے کس کے حوالے کرے۔ ان میں سے کچھ اس کے پہلو کی طرف کو بیٹھے ہوئے تھے۔ اور باقیوں کی اس کی طرف پشت تھی۔ صرف دروازے کے پاس والا نوجوان ہی اس کے بالمقابل تھا۔

"تمھارا نام کیا ہے؟" پیول نکولائیے وچ نے اپنی آواز کو اونچا کئے بغیر کہا۔ یہ اس نوجوان کا فرض تھا کہ اس کی بات کو سنے کانٹوں کے کھٹکھٹانے کی آواز آرہی تھی۔ پھر بھی وہ سمجھ گیا کہ خطاب اسی سے کیا جارہا ہے۔ کافی مستعدی سے اس نے جواب دیا "پروشکا ..... میرا مطلب ہے۔ پروکوفی سیمیونووچ"

"یہ لے لو۔"

"جی بہت اچھا....." پروشکا آگے بڑھا۔ پلیٹ لی اور سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔

پیول نکولائیے وچ کو اپنے جبڑے کے نیچے سخت لوندے کا احساس ہوا اور یکایک اس نے جان لیا کہ اس کی بیماری معمولی ہرگز نہیں! ان میں سے صرف ایک یعنی ایفریم کے پٹیاں بندھی تھیں اور یہ پٹیاں ٹھیک اس جگہ تھیں جہاں سے پیول نکولائیے وچ کا آپریشن بھی کیا جا سکتا تھا۔ اور جہاں تک ٹیا کھیوں والے نوجوان ازبک کا سوال ہے، وہ ان کا سہارا بہت ہی کم لیتا تھا۔ باقی دوسرے لوگوں میں سے کسی کے جسم پر نہ تو کوئی رسولی نظر آتی تھی اور نہ کوئی اور جسمانی عیب۔ وہ سب تندرست لوگوں کی طرح نظر آتے تھے۔ خاص طور پر پروشکا۔ اس کے پورے چہرے پر چمک تھی جیسے وہ کسی تفریح گاہ میں ہو، ہسپتال میں نہیں۔ جس طرح وہ اس پلیٹ کو چاٹ رہا تھا اس سے

اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اسے بھوک بھی خوب لگتی ہے۔

یہ ضرور ہے کہ ہڈی چوس کے چہرے کا رنگ خاکستری مائل تھا لیکن وہ بغیر کسی دقت کے چلتا پھرتا تھا اور پڈنگ پر اس شان سے حملہ کر رہا تھا کہ پیول نکولائیے وچ کے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح چمکا کہ وہ کوئی خبیث فطرت آدمی ہے جو ریاستی طعام گاہ میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا ہے کیونکہ ہمارے ملک میں مریضوں کو مفت خوراک ملتی ہے۔

لیکن پیول نکولائیے وچ کی حالت مختلف تھی۔ اس کی رسولی کا لوندا اس کے سر کو ایک طرف جھکائے رکھتا تھا اور اس کے لئے اپنا سر گھمانا مشکل تھا۔ یہ لوندا ہر گھنٹے بڑھ بھی رہا تھا۔ صرف یہاں کے ڈاکٹر ہی ایسے تھے جنھیں گھنٹوں کے گزرنے کا متعلق خیال نہیں تھا۔ لنچ سے رات کے آخری کھانے تک کوئی بھی روسانووکا معائنہ کرنے نہیں آیا اور نہ اس کا کوئی علاج ہوا حالانکہ ڈاکٹر ڈونٹسووا اسے یہی لالچ دے کر یہاں لائی تھی کہ فوراً علاج ہوگا تو پھر وہ عورت انتہائی غیر ذمہ دار اور تجربانہ حد تک ناشناس عورت ہوگی، روسانوو نے اس پر بھروسہ کیا تھا اور اپنا قیمتی وقت جو ٹیلیفون کرنے اور ہوائی جہاز پر ماسکو پہونچنے میں صرف کیا جانا چاہیئے تھا، اس نے اس بھیڑ بھڑکے والے بوسیدہ اور گندے وارڈ میں ضائع کر دیا تھا۔

اپنی رسولی کی تکلیف کے علاوہ تاخیر پر غصے اور اس احساس نے کہ وہ ایک غلطی کر بیٹھا ہے، پیول نکولائیے وچ کے دل پر آرے چلا دیے۔ اب ہر چیز اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ پلیٹوں پر چمچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز، لوہے کے پلنگ، کھردرے کمبل، دیواریں، روشنیاں اور یہاں کے لوگ۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ جال میں پھنس گیا ہے اور یہ کہ آئندہ صبح تک کوئی بھی فیصلہ کن قدم اٹھانا ناممکن ہے۔

وہ انتہائی کرب کے عالم میں لیٹ گیا اور روشنی اور وہاں کے سارے ماحول

سے بچنے کے لیے اس نے اپنی آنکھوں پر تولیہ ڈال لیا جو وہ گھر سے لایا تھا۔ اپنے ذہن کو گرد و پیش کی چیزوں سے دور ہٹانے کے لیے اس نے اپنے گھر اور اپنے خاندان کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ اب کیا کر رہے ہوں گے؟ یوری کب کا ٹرین پر سوار ہو چکا ہوگا۔ وہ پہلی بار جانچ پڑتال کے لیے جا رہا تھا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ وہ اچھا اثر پیدا کرے لیکن یوری بارعب نہیں تھا اور اناڑی بھی تھا۔ کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔ اودیٹ ماسکو میں اپنی چھٹیاں گزار رہی ہے۔ وہ وہاں تفریح کر رہی ہوگی، اور تھیٹر بھی دیکھتی ہوگی لیکن اس کا حقیقی مقصد کاروبار ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ صورت حال کیا ہے اور کچھ رابطے پیدا کرنا۔ آخر یونیورسٹی میں یہ اس کا آخری برس ہی تو ہے۔ اسے زندگی میں اپنے لیے راہ پیدا کرنا ہے۔ وہ بہت معاملہ فہم تھی اور صاف ظاہر تھا کہ اسے ماسکو جانا پڑے گا۔ یہاں اسے اپنی صلاحیتوں کے مطابق کامیابی ملنا محال ہے۔ وہ کتنی ذہین اور کتنی باصلاحیت ہے۔ خاندان میں کوئی بھی اس کے قریب نہیں پہنچتا۔ پول نکولائے وچ کو اس سے کوئی آزردگی نہیں تھی بلکہ بہت زیادہ مسرت تھی کہ اس کی لڑکی اس سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ بن گئی ہے۔ اسے اس وقت تک کوئی خاص تجربہ حاصل نہیں ہوا تھا لیکن اس کا ذہن بہت ہی رسا تھا۔ لاورک من موجی قسم کا لڑکا تھا۔ وہ تعلیم سے بے پروا تھا۔ لیکن اس کی صلاحیت کھیلنے میں نمایاں ہوتی تھی۔ وہ کھیلوں کے ٹورنامنٹ میں کب کا ریگا ہو آیا تھا جہاں وہ ہوٹل میں ایک بالغ کی طرح ٹھہرا تھا اور وہ ان کی کار بھی دوڑائے پھرتا تھا۔ وہ کیڈٹ فورس میں کار چلانے کا سبق لے رہا تھا اور امید تھی کہ جلد ہی اسے لائسنس مل جائے گا۔ دوسرے درجے میں وہ دو مضامین میں فیل ہوا۔ اسے کافی سخت محنت کرنی پڑے گی۔ پھر میکا تھی۔ وہ غالباً اب گھر پر پیانو بجا رہی ہوگی (وہ گھر کی پہلی فرد تھی جس نے پیانو بجانا سیکھا) اور جوے پارس غلام گردش میں قالین پر لیٹا ہوگا۔ گزشتہ برس پول نکولائے وچ خود اسے صبح کی سیر کو لے جاتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ اس کی صحت کے لیے مفید ہوگا۔ اب اس کی بجائے لاورک اسے سیر کو لے جاتا ہوگا۔

اس کی عادت تھی کہ زنجیر کو کسی قدر ڈھیلا کر کے کتے کو راہگیروں کے پیچھے لگا دیتا اور پھر کہتا سب ٹھیک ہے ڈرو نہیں میں نے اسے پکڑا ہوا ہے۔

لیکن چند ہی دن کے اندر روسانوو ہر چیز سے کٹ کر رہ گیا تھا۔ اس کا خوش و خرم گھرانہ جس میں مثالی ہم آہنگی تھی۔ انتہائی مربوط زندگی اور ان کا پاک وصاف گھر۔ اب یہ سب اس کی رسولی کے دوسری طرف تھا۔ وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ ان کے باپ کا حشر کچھ بھی ہو۔ وہ چاہے کتنی بھی تشویش کریں، کتنی بھی بھاگ دوڑ کریں اور کتنا بھی روئیں، رسولی ان کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہو گئی تھی اور بڑھتی جارہی تھی اور اس کے اِس طرف وہ بالکل تنہا تھا۔

گھر کے بارے میں سوچنے سے پیول نکولائیے وچ کو کچھ تسکین نہ ملی تو اس نے اپنا ذہن کسی اور طرف لگانے کے لیے ریاست کے معاملات پر سوچنا شروع کر دیا۔ سنیچر کو یو، ایس، ایس آر کی سپریم سوویٹ کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ کوئی اہم بات ہونے کی توقع نہیں تھی۔ بجٹ پاس کر دیا جائے گا۔ آمنا ئے ٹیوان میں گولی چلی تھی ...... جس صبح وہ گھر سے ہسپتال روانہ ہوا تھا، ریڈیو بھاری صنعت کے موضوع پر ایک طویل رپورٹ نشر کرنے لگا تھا۔ لیکن یہاں وارڈ میں ریڈیو تک نہیں اور نہ وہاں غلام گردش ہی میں کوئی ریڈیو تھا۔ کیا عمدہ صورت حال تھی۔ کم سے کم وہ اتنا انتظام ہی کر دیتے کہ ہر صبح اسے "پراودا" دیکھنے کو مل جاتا۔ آج بھاری صنعتوں کی ترقی کی بات ہے، کل گوشت اور دودھ مکھن کی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں حکم جاری ہوا تھا۔ ہاں نظام معیشت بڑی ہی تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ متعدد ریاستی اور معاشی اداروں میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوں گی۔

پیول نکولائیے وچ نے ابھی سے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ تنظیم جدید کو ری پبلک اور صوبائی سطح پر عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے گا۔ تنظیم جدید ہمیشہ دلچسپی اور کچھ جوش و خروش کا سامان پیدا کر دیتی ہے۔ روزمرہ کے کاموں سے

توجہ ہٹ جاتی تھی اور کچھ دل بہلا دے کا سامان ہو جاتا تھا۔ افسر ایک دوسرے کو ٹیلیفون کرتے، جلسے کرتے اور امکانات پر غور کرنے کے لیے آپس میں مشورے اور بحث مباحثے کرتے۔ تنظیم جدید خواہ کوئی بھی رخ اختیار کرتی، اس طرف یا اس طرف، کسی افسر کا جن میں پیول نکولائیے وچ بھی شامل تھا کبھی تنزل نہ ہوتا صرف ترقیاں ہی ہوتیں۔

لیکن ریاستی معاملات پر غور کرنے سے بھی نہ تو اس کی توجہ اپنی بیماری سے ہٹی اور نہ اس کا دل ہی بہلا۔ اس کی گردن کے نیچے تکلیف نشتر چلا رہی تھی۔ اس کی بے رحم رسولی نے جو اس کے ہر احساس سے بے نیاز تھی، بیچ میں آ کر ساری دنیا سے اس کا رشتہ کاٹ دیا تھا۔ ایک بار پھر بجٹ، بھاری صنعتوں، مویشیوں اور دودھ مکھن کی پیداوار اور تنظیم جدید سب رسولی کے دوسری طرف رہ گئے تھے اور اس طرف پیول نکولائیے وچ رو سانوو تھا، بالکل اکیلا۔

وارڈ میں ایک خوشگوار زنانہ آواز سنائی دی۔ اگرچہ اس کا امکان کم ہی تھا کہ آج پیول نکولائیے وچ کو کوئی چیز خوشگوار محسوس ہو لیکن یہ آواز نمایاں طور پر لذیذ تھی۔

"آؤ اب تمھارا ٹمپریچر لیں" ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مٹھائی دینے کا وعدہ کر رہی ہو۔

روسانوو نے تولیہ چہرے سے ہٹا دیا، کسی قدر اوپر اٹھا اور اپنی عینک لگالی۔ کیا ہی خوشگوار تھا! سانولی اور مغموم ماریا کی بجائے ایک چاق و چوبند اور توانا لڑکی سامنے تھی جس نے سر پر رومال لپیٹنے کی بجائے اپنے سنہری بالوں پر ڈاکٹروں کی طرح ایک چھوٹی سی ٹوپی سجا رکھی تھی۔

اس کے پلنگ کے پاس کھڑے کھڑے ہی اس نے کھڑکی کے قریب کے نوجوان کو پکارا "ازدوکن! ارے ازدوکن!" وہ پہلے سے بھی زیادہ بے ڈھنگے پن سے لیٹا ہوا تھا۔ بستر کے آر پار چہرہ نیچے کی طرف کیے، تکیہ پیٹ

کے نیچے رکھے اور کتے کی طرح اپنی ٹھوڑی کو گدّے پر رکھتے وہ بستر کے کٹھرے میں سے یوں جھانک رہا تھا جیسے وہ کسی پنجرے میں بند ہو۔ اس کی اندرونی تکلیف کا سایہ اس کے کشیدہ چہرے پر پھیل رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ فرش کی طرف لٹک رہا تھا۔

"اب آؤ بھی کچھ حوصلہ کرو۔" نرس نے اسے شرم دلاتے ہوئے کہا "تھرمامیٹر خود لگاؤ۔"

اس نے بڑی مشکل سے اپنا فرش کی طرف لٹکا ہوا ہاتھ اٹھایا جیسے کنوئیں میں سے ڈول نکال رہا ہو اور تھرمامیٹر لے لیا۔ وہ اتنا تھکا ہارا تھا اور تکلیف سے اتنا نڈھال تھا کہ یہ باور کرنا مشکل تھا کہ اس کی عمر سترہ سال سے زیادہ نہیں ہے۔

"زویا!" اس نے آہ بھر کر ملتجیانہ انداز میں کہا۔ "مجھے گرم پانی کی بوتل دے دو۔"

"تم اپنے بدترین دشمن ہو۔" وہ سختی سے بولی۔ "ہم نے تمھیں گرم پانی کی بوتل دی لیکن تم نے اسے انجکشن کی جگہ پہ نہیں رکھا، بلکہ اپنے پیٹ پر رکھ لیا۔"

"لیکن اس سے مجھے آرام ملتا ہے" اس نے ایک ایسی آواز میں جس سے انتہائی تکلیف ظاہر ہوتی تھی اصرار کیا۔

"اس سے تمھاری رسولی بڑھتی ہے۔ تمھیں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ شعبے میں گرم پانی کی بوتلوں کی اجازت نہیں ہے۔ ہمیں تمھارے لیے خاص طور پہ منگوانی پڑی۔"

"اچھا تو پھر میں انجکشن نہیں لگواؤں گا۔"

لیکن اب زویا کچھ سن نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی نازک سی چھوٹی انگلی سے بڑی چوس کے پلنگ کے کٹہرے کو کھٹکھٹا رہی تھی "کوسٹوگلوٹوو کہاں ہے؟"

اس نے پوچھا۔

(خوب۔خوب۔ پیول بگولائے وچ کا نشانہ ٹھیک بیٹھا تھا۔ اس نے جو لقب دیا تھا وہ کتنا موزوں تھا)

" وہ تمباکو پینے گیا ہے " ڈیوملتے دروازے میں سے پکارا۔ وہ اب تک پڑھ رہا تھا۔

" میں اسے تمباکو پلواتی ہوں۔" زویا نے برہمی سے کہا۔

" کچھ لڑکیاں واقعی دلکش ہوتی ہیں " پیول بگولائے وچ نے اس فراخدل لڑکی کے گٹھے ہوئے جسم کی طرف دیکھا اور اس کی کشادہ اور ہشیار آنکھوں کی طرف بھی۔ وہ اسے بے غرضانہ ستائش کی نظر سے دیکھ رہا تھا اور اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے اندر کی کشیدگی کم ہو رہی ہے۔ زویا نے مسکراہٹ کے ساتھ تھرمامیٹر اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کی رسولی کے بالکل پاس کھڑی تھی، لیکن اس نے ایسا کوئی اشارہ نہیں کیا، پلکیں تک نہیں اٹھائیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اسے دیکھ کر ڈر گئی ہے یا یہ کہ ایسی کوئی چیز اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھی۔

" کیا میرے لئے کوئی علاج تجویز نہیں کیا گیا؟" روسانوو نے دریافت کیا۔

" ابھی نہیں۔" اس نے معذرت طلبانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

" لیکن کیوں نہیں؟ ڈاکٹر کہاں ہیں؟"

" وہ آج کا کام ختم کر چکے ہیں۔"

زویا سے خفگی کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن اس کا اگر علاج نہیں ہو رہا تو کسی کا قصور تو ضرور ہوگا۔ اسے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ روسانوو کو کاہل اور بے عمل لوگوں سے نفرت تھی۔ جب زویا اس کا ٹمپریچر دیکھنے آئی تو اس

لہ روسی میں کوستوگلوٹوو کے معنے ہیں ہڈی نگلنے والا۔

نے پوچھا

"تمھارا باہر کا ٹیلیفون کہاں ہے؟ مجھے کس جگہ جانا چاہیئے؟"

یہ اس کے لیے بہرحال بہتر ہوگا کہ وہ ابھی سے کوئی فیصلہ کرے اور کامرنڈ اوسٹا پینکو کو فون کر دے۔ ٹیلیفون کا تصور پیول نکولائے وچ کو پھر نارمل دنیا میں واپس لے گیا اور اس کی جرأت بحال ہوگئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی مباذرت طلبی لوٹ آئی ہے۔

"اٹھانوے اعشاریہ چھ" زویا مسکرائی اور بستر کے پائنتی ٹمپریچر کا جو نیا چارٹ لٹک رہا تھا اس پر پہلا نشان بنا دیا۔

"ٹیلیفون رجسٹرار کے دفتر میں ہے لیکن تم اب وہاں نہیں جا سکتے۔ دروازہ دوسری طرف سے ہے۔"

"معاف کرنا نوجوان خاتون!" پیول نکولائے وچ کسی قدر اوپر کو اٹھا اور اس کی آواز میں تھوڑی سی سختی آ گئی "لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کلینک میں ٹیلیفون نہ ہو۔ فرض کرو ابھی کچھ ہو جائے۔ مثال کے طور پر مجھے...."

"ہم دوڑ کر وہاں جائیں گے اور تمھارے لیے ٹیلیفون کر دیں گے۔" زویا ثابت قدم تھی۔

"خوب! فرض کرو طوفان آ جائے یا زور کی بارش آ جائے۔"

زویا اب تک اس کے پڑوسی ازبک تک جا چکی تھی اور اس کے ٹمپریچر کے چارٹ کو پر کر رہی تھی۔

"دن کے وقت ہم سیدھے وہاں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اب وہاں تالا پڑا ہوا ہے۔"

خیر وہ ایک اچھی لڑکی تھی لیکن کسی قدر گستاخ تھی۔ اس نے اس کی پوری بات بھی نہیں سنی اور ابھی سے تازنی کی طرف جا رہی تھی پیول نکولائے وچ کی آواز غیر ارادی طور پر بلند ہوگئی اور اس نے پیچھے سے پکارا "دوسرا ٹیلیفون

ضرور ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ نہ ہو۔"

"ہے " زویا نے جواب دیا۔ اب تک وہ قازق کے پلنگ پر بیٹھ چکی تھی۔ لیکن وہ بڑے ڈاکٹر کے دفتر میں ہے"

" تو اس میں مشکل کیا ہے؟"

" ڈیوما..... اٹھانوے اعشاریہ چار..... دفتر بند ہے۔ نظامت دین بہرامووچ کو یہ پسند نہیں۔" اور وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

بات منطقی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کچھ اچھی نہیں کہ کسی کی عدم موجودگی میں لوگ اس کے دفتر میں جائیں لیکن اس کے باوجود ایک ہسپتال میں ضروری انتظامات تو ہونے ہی چاہئیں۔

ایک لمحے کے لئے اس نے محسوس کیا تھا کہ بیرونی دنیا سے اس کا معمول کا تعلق قائم ہو چکا ہے، اب وہ پھر کٹ گیا۔ ایک بار اور اس کے جبڑے کے نیچے کی رسولی نے جو حجم میں مٹھی کے برابر تھی، ساری دنیا سے اسے الگ کر دیا تھا۔

پیول نکولائے وچ نے اپنے چھوٹے سے آئینے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنے پر نظر ڈالی۔ رسولی پھیل گئی تھی۔ اگر اسے ایک مکمل اجنبی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تو یہ کافی خوفزدہ کرنے والی تھی لیکن اس کی اپنی نظروں میں.....!

نہیں یہ چیز حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اس کے آس پاس جتنے بھی لوگ تھے، ان میں سے کسی کے بھی اس قسم کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی اور اپنی عمر کے پینتالیس برس میں پیول نکولائے وچ نے ایسی بے ڈھنگی چیز کبھی نہیں دیکھی۔

اس نے یہ اندازہ لگانا ضروری نہیں سمجھا کہ یہ مزید بڑھی ہے یا نہیں، اس نے صرف آئینے کو ایک طرف رکھ دیا، اپنے پلنگ کے قریب کے میز سے کچھ کھانا لیا اور چبانا شروع کر دیا۔

وارڈ میں جو دو مریض سب سے زیادہ تند خو تھے یعنی یفریم اور ڈیومی چوں

وہ وہاں نہیں تھے باہر چلے گئے تھے۔ کھڑکی کے قریب پلنگ پر ازوؤکن اپنے جسم کو توڑ مروڑ کر ایک نئی پوزیشن میں لے آیا تھا۔ لیکن وہ کراہ نہیں رہا تھا۔ باقی سب خاموش تھے۔ اسے ایسا سنائی دے رہا تھا جیسے کچھ لوگ کتابوں کے صفحے پلٹ رہے ہیں اور کچھ لوگ سو گئے تھے۔ روسانوف بھی اب یہی کر سکتا تھا کہ سو جائے رات گزار دے اور کچھ نہ سوچے اور صبح ڈاکٹروں کی خبر لے۔

لہٰذا اس نے اپنا پاجامہ اتار دیا اور اپنے زیر جامے ہی میں کمبلوں کے نیچے لیٹ گیا۔ اپنے سر کو اس نے تولیے سے ڈھک لیا جو وہ گھر سے ساتھ لایا تھا۔ اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

لیکن وہاں خاموشی کے باوجود ایک پریشان کن آواز آ رہی تھی، جسے نمایاں طور پر سنا جا سکتا تھا۔ جیسے کہیں کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آواز سیدھی پپول نکولائے وچ کے کانوں میں جا رہی ہے۔ وہ اُسے برداشت نہ کر سکا۔ اس نے اپنے چہرے پر سے تولیہ اتار پھینکا اور یہ کوشش کرتے ہوئے کہ اس کی گردن کو تکلیف نہ پہنچے کسی قدر اوپر کو اٹھا۔ پتہ چلا کہ یہ اس کا پڑوسی ازبک ہے۔ وہ ایک تیلا دبلا بوڑھا تھا۔ جلد تقریباً زرد اور سیاہ نوکیلی داڑھی۔ اس نے ایک میلی کچیلی مخلی ٹوپی پہن رکھی تھی جو اسی کی طرح زرد تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سر کے پیچھے کیے، پشت کے بل لیٹا ہوا تھا، چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرگوشی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ کوئی دعا یا شاید کچھ اور۔

بوڑھا احمق۔ "ارے او اکساکال[1]!" روسانوف نے اس کی طرف اپنی انگلی ہلائی۔ "اسے بند کرو مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔"

اکساکال خاموش ہو گیا۔ روسانوف پھر لیٹ گیا اور تولیے سے اپنا

---

[1] روسی زبان میں اکساکال کا مطلب ہے گاؤں کا بزرگ۔ یہاں اس کا استعمال طنزاً ہے۔

چہرہ ڈھانپ لیا۔ لیکن اب بھی وہ سو نہ سکا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی بےچینی کا باعث چھت سے لٹکے ہوئے لیمپوں کی تیز اور نوکیلی روشنی ہے۔ لیمپوں پر جو شیڈ لگے ہوئے تھے وہ دانے دار شیشے کے نہیں تھے اور بلبوں کو پوری طرح ڈھکتے بھی نہیں تھے۔ تولیے میں سے بھی اسے روشنی کی تیزی محسوس ہو رہی تھی۔ پیول نکولائے وچ بڑبڑایا اور ایک بار پھر کہنیوں کے سہارے تکیے پر سے سر اٹھایا۔ یہ احتیاط برتتے ہوئے کہ رسولی میں درد کے نشتر نہ چلیں۔

پروشکا بجلی کے سوئچ کے نزدیک اپنے پلنگ کے کنارے کھڑا تھا۔ اور کپڑے اتار رہا تھا۔

"نوجوان! بجلی بند کر دو۔" پیول نکولائے وچ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"میں..... نرس ابھی دوائیاں لے کر نہیں آئی۔" پروشکا نے رکتے رکتے کہا لیکن اس نے اپنا ایک ہاتھ سوئچ کی طرف بڑھا دیا۔

"روشنی بجھا دو؟ تمہارا کیا مطلب ہے؟" روسانوو کے پیچھے سے ہڈی چوس کے غرانے کی آواز آئی۔ "تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا یہاں صرف تمہیں ہو؟"

پیول نکولائے وچ سیدھا بیٹھ گیا اور اپنی عینک لگا لی۔ اپنی رسولی کو احتیاط سے سہلاتے ہوئے اس نے اپنا رخ بدل لیا جس سے اس کے پلنگ کے اسپرنگ چرمرائے۔ "تمہیں ذرا مہذب ہونا چاہئے۔" اس نے کہا۔

اس گستاخ نے منہ بنا کر مدھم سی آواز میں جواب دیا۔ "موضوع مت بدلو۔ تم میرے حاکم نہیں ہو۔"

پیول نکولائے وچ نے اس کی طرف پژمردہ سی نظر ڈالی لیکن اس کا ہڈی چوس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"بہت اچھا، لیکن تمہیں روشنی کی کیا ضرورت ہے؟" روسانوو نے

مصالحانہ گفتگو کی کوشش کی۔

"تاکہ میں اپنے سرین کھجا سکوں۔" کوسٹوگلوتو نے بھونڈے لہجے میں جواب دیا۔

پیول نکولائے وچ کو سانس لینے میں دقت محسوس ہونے لگی۔ حالانکہ اس وقت تک وارڈ کی ہوا کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ اس گستاخ شخص کو بیس منٹ کے نوٹس پر ہسپتال سے نکال دینا چاہیئے اور کام پر واپس بھیج دینا چاہیئے۔ لیکن فی الحال کوئی واضح طریق کار اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا (یہ تو ہے ہی کہ وہ بعد میں ہسپتال کے منتظمین سے اس کا ذکر کرے گا)

"اگر تم پڑھنا چاہتے ہو یا کچھ اور کرنا چاہتے ہو تو باہر غلام گردش میں جا سکتے ہو۔" پیول نکولائے وچ نے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ اس کا رویہ منصفانہ ہے، باہر اشارہ کیا۔ "آخر تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ فیصلہ تمہیں کرو۔ یہاں مختلف قسم کے مریض ہیں اور کچھ امتیاز کرنا ضروری ہے......"

"امتیاز ضرور ہوگا۔" بڑی چوس نے اپنے زہریلے پھن پھیلائے "تمہاری موت کی خبر کے ساتھ وہ مختصر سی سوانح عمری بھی چھاپیں گے۔ اتنی مدت سے پارٹی ممبر، اور جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہمیں بس ٹانگ سے گھسیٹ کے لے جائیں گے۔"

پیول نکولائے وچ کو اس قسم کی بے لگام سرکشی اور ہٹ دھرمی کا کبھی سامنا نہیں ہوا تھا۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ ایسا پہلے کبھی ہوا ہو۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس قسم کی صورت حال کا کیسے مقابلہ کرے؟ وہ اس لڑکی سے شکایت نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت یہی مناسب ہے کہ جس حد تک باوقاری سے ممکن ہو گفتگو کو مختصر کر دیا جائے۔ پیول نکولائے وچ نے اپنی عینک اتار دی، احتیاط سے لیٹ گیا اور اپنے سر کو تولیے سے ڈھانپ لیا۔

اس خیال سے اس کے اندر غصے اور تکلیف کا لاوا بھڑک رہا تھا کہ اس نے کمزوری کیوں دکھائی اور اس کلینک میں داخلے پر رضامند کیوں ہو گیا۔ لیکن کل اگر وہ کوشش کرکے ہسپتال سے ڈسچارج ہو جائے تو سمجھو آسانی سے چھوٹ گیا

اس کی گھڑی میں آٹھ بجکر کچھ منٹ ہو گئے تھے۔ خیر اچھا کچھ دیر کے لئے وہ یہ سب کچھ برداشت کرے گا۔ دیر یا زود لوگ خاموش ہو جائیں گے۔

لیکن کوئی شخص پلنگوں کے بیچ اوپر تلے چلنے لگا اور فرش پھر لرزنے لگا۔ ظاہر ہے کہ یہ یفریم تھا جو واپس آگیا تھا۔ اس کے قدموں کی چاپ سے فرش کے پرانے تختے تھرتھرا رہے تھے اور وہ سانود کو پلنگ کے کٹہرے اور تکیے میں سے تھرتھراہٹ واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن پیول نکولائے وچ نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے کوئی سرزنش نہیں کرے گا اور اسے برداشت کرے گا۔

ہماری قوم میں کیسے کیسے گستاخ اور بداطوار لوگ ہیں۔ ابھی تک ہم ان سے نجات حاصل نہیں کر سکے۔ ان کے کاندھوں پر اس سارے بوجھ کے ساتھ ہم نئے سماج کی طرف ان کی راہنمائی کیسے کر سکتے ہیں؟

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ رات کبھی ختم نہیں ہو گی۔ نرس نے اپنی گشت جاری رکھی، ایک بار، دوسری بار، تیسری بار، اور چوتھی بار۔ ایک کے لیے مکسچر، ایک کے لیے پوڈر اور دوسرے کے لیے انجکشن۔ ازدوکن کو انجکشن لگایا گیا تو اس نے چیخ ماری، اور گڑگڑانے لگا کہ اسے گرم پانی کی بوتل دی جائے تاکہ اس کی مدد سے انجکشن کی دوائی جلدی تحلیل ہو جائے۔ یفریم اوپر تلے پاؤں پٹختا رہا۔ اسے چین نہیں آتا تھا۔ احمد جان اور پروشکا اپنے بستروں پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ صحیح طور پر زندگی ابھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ جیسے انھیں دنیا میں کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔ ایسی کسی چیز کی پرواہ نہ ہو جس کا علاج ضروری ہو۔ ڈیوما تک سونے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ آکر کوسٹوگلوٹوف کے بستر پر بیٹھ گیا اور پیول نکولائے وچ کے کان کے بالکل قریب کھسر پھسر کرنے لگا۔

"اب جب وقت ہے تو میں کوشش کروں گا کہ کچھ اور پڑھ لوں میں یونیورسٹی میں جانا چاہتا ہوں۔" ڈیوما کہہ رہا تھا

"یہ اچھی بات ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تعلیم کچھ زیادہ چاق و چوبند نہیں بناتی۔"

(ایک بچے سے اس قسم کی باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟)

"اس سے تمھارا کیا مطلب ہے؟ چاق و چوبند نہیں بناتی۔؟"

"یہ صرف ایک بات ہے۔"

"تو کیا چیز چاق و چوبند بناتی ہے؟"

"زندگی۔ یہی ہے جو چاق و چوبند بناتی ہے۔"

ڈیوما ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر جواب دیا۔ "میں متفق نہیں ہوں" ہمارے یونٹ میں کیسا رتھا پشکن۔ وہ کہا کرتا تھا۔ تعلیم چاق و چوبند نہیں بناتی، عہدہ بھی نہیں۔ وہ تمھارے کاندھے پر ایک اور ستارہ لگا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں تم زیادہ چاق و چوبند ہو گئے ہو لیکن تم ہوتے نہیں۔"

"تو تمھارا کیا مطلب ہے؟ پڑھنے کی ضرورت نہیں؟ میں تم سے متفق نہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تمھیں ضرور پڑھنا چاہیئے۔ پڑھو ضرور اپنے فائدے کے لیے صرف اتنا یاد رکھو کہ یہ وہ چیز نہیں جسے ذہانت کہتے ہیں۔"

تو پھر ذہانت کیا ہے؟"

"ذہانت؟ ذہانت یہ ہے کہ اپنے کانوں کی بجائے اپنی آنکھوں پر بھروسہ کرو۔ تمھاری دلچسپی کسی موضوع سے ہے؟"

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ میری دلچسپی تاریخ اور ادب سے ہے۔"

"انجینئرنگ کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"نہیں۔"

"عجیب بات ہے۔ ہمارے زمانے میں تو یہی ہوتا تھا لیکن اب لڑکے انجینئرنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں؟"

"نہیں میرا خیال ہے کہ مجھے سماجی مسائل سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔"

"سماجی مسائل؟ ارے ڈیوما بہتر یہ ہے کہ تم ریڈیو سیٹ بنانا سیکھ لو۔ ایک انجینئر کے لئے زندگی زیادہ پُرسکون ہوتی ہے۔"

"مجھے سکون اور چین کی چنداں ضرورت نہیں۔ اگر میں ایک یا دو ماہ یہاں لیٹا رہا تو آئندہ چھ ماہ میں اپنے نویں کے ہم جماعتوں کے ساتھ چلنے کے لیے مجھے کافی محنت کرنا پڑے گی:"

"نصاب کی کتابوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"دوسرے پاس یہاں ہیں۔ فن حجم پیمائی پر کتاب بہت مشکل ہے۔"

"فن حجم پیمائی؟ ذرا وہ کتاب یہاں تو لانا۔"

بوسانو دونے سنا کہ لڑکا چل کر گیا اور کتاب لے آیا۔

"مجھے دیکھنے تو دو۔ ہاں ہاں میرا پرانا دوست کیسیلیو۔ فن حجم پیمائی کی کتاب اسی کی تو ہے۔ بالکل وہی، سیدھی لکیریں اور سطح سطح ایک دوسرے کے متوازی اگر ایک ہی سطح مسطح پر ایک سیدھی لکیر دوسری سیدھی لکیر کے متوازی ہو تو وہ سطح مسطح کے بھی متوازی ہوگی۔ اے ڈیڈا کتنا اچھا ہو کہ ہر شخص اسی طرح لکھے۔ کتاب بڑی نہیں۔ کیا ہے؟ لیکن اس میں کتنا مواد بھرا ہے!"

"اس کتاب سے وہ اٹھارہ ماہ کا کورس پڑھاتے ہیں۔"

"مجھے بھی پڑھایا تھا۔ کبھی مجھے یاد تھی۔"

"کب؟"

"بتاتا ہوں میں بھی نویں جماعت میں تھا۔ دوسری ششماہی میں۔۔۔۔ اس کا مطلب ہوا ۳۷ ریا ۳۸ برس۔ اب یہ پھر میرے ہاتھ میں ہے۔ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ جیومیٹری میرا پسندیدہ موضوع تھا۔"

"اور پھر؟"

"اور پھر کیا؟"

"میرا مطلب ہے اسکول کے بعد؟"

"میں نے ایک شاندار مضمون پڑھا، طبیعات الارض"

"یہ مضمون تم نے کہاں پڑھا تھا؟"

"اسی جگہ۔ لینن گراڈ میں۔"

"اور پھر کیا ہوا؟"

"میں نے اپنا پہلا سال مکمل کیا۔ تب ستمبر ۱۹۳۹ء میں حکم صادر ہوا کہ انیس سال کے تمام نوجوان فوج میں بھرتی ہو جائیں۔ مجھے بھی دھر گھسیٹا گیا۔"

"پھر اس کے بعد؟"

"میں عملی فوجی خدمت پر رہا۔"

"اور اس کے بعد؟"

"اس کے بعد؟ — تم نہیں جانتے کہ کیا ہوا؟ جنگ۔"

"تم فوج میں افسر تھے۔"

"نہیں، سپاہی تھا۔"

"کیوں؟"

"کیوں کہ اگر ہر شخص کو جرنیل بنا دیا جائے تو پھر جنگ کون جیتے؟ .... اگر ایک سطح مسطح ایک سیدھی لکیر میں سے گزرے جو ایک اور سطح مسطح کے متوازی ہو اور سطح مسطح کو کاٹتی ہو تو خطِ تقاطع .... سنو ڈیوما تم اور میں ہر روز فن حجم پیمائی کا مطالعہ کیا کریں گے۔ ہم یقیناً بہت کچھ کر لیں گے۔ کیا تمھیں پسند ہے؟"

"ہاں ضرور۔"

(کیا یہ انتہا نہیں ہو گئی۔ بالکل میرے کان کے پاس)

"میں تمھیں درس دیا کروں گا۔"

"خوب!"

"ورنہ ہم وقت ضائع ہی کرتے رہیں گے۔ آؤ ابھی سے شروع کر دیں۔ پہلے ان تین بدیہیات کو لیں۔ دیکھو یہ بدیہیات سادہ اور سہل ہیں۔ لیکن ان کا سامنا ہر مسئلے میں ہو گا۔ دم کہاں لو گے؟ پہلے بدیہہ اول کو لو اگر دو نقطے ایک سطح مسطح پر سیدھے خط میں ہوں تو اس خط کے ساتھ ساتھ جو بھی نقطہ ہو گا وہ ...."

سطح مستوی پر بھی ہوگا۔ دیکھو یہ کیا تصور ہے۔ فرض کرو کہ یہ کتاب سطح مستوی اور پنسل سیدھا خط۔ ٹھیک ہے نا؟ آؤ اب کوشش کرو اور انھیں ترتیب دو......"

وہ اپنے موضوع میں ڈوب گئے اور بدیہات اور ان کے استخراجات پر پھسپھساتے رہے لیکن پیول نکولائیے وچ نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ سب کچھ برداشت کرے گا۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا۔ آخر انھوں نے اپنی بات چیت بند کر دی اور الگ ہو گئے۔ ازوکن بھی نیند کی دوا کی دہری خوراک پی کر سو گیا تھا اور پرسکون تھا۔ لیکن تب اکساکال نے کھانسنا شروع کر دیا۔ پیول نکولائیے وچ اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اس کا منہ اس کی طرف تھا۔ اب بتیاں بجھائی جا چکی تھیں، لیکن اب یہ شخص، اس پر خدا کی لعنت ہو، کھانسنے جا رہا تھا اور وہ بھی اس مکروہ انداز میں کہ اس کا سانس اب رکا کہ اب رکا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ناک سے آوازیں بھی نکال رہا تھا۔

پیول نکولائیے وچ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس نے اپنے سر سے تولیہ ہٹا دیا لیکن ابھی پوری طرح اندھیرا نہیں ہوا تھا۔ غلام گردش میں سے روشنی آ رہی تھی اور شور بھی۔ لوگ چل پھر رہے تھے۔ اور پلنگ دانوں اور بالٹیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

وہ سونے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کی رسولی اسے نڈھال کر رہی تھی۔ اس کی ساری پرمسرت زندگی جو اتنی ہم آہنگ اور مفید تھی اور جسے وہ اتنے اہتمام سے بسر کر رہا تھا، اب ٹوٹ پھوٹ رہی تھی۔ اسے اپنے پر بڑا ترس آیا۔ معمولی سی ٹھیس لگنے سے ہی اس کی آنکھ میں آنسو آ سکتے تھے۔

اور یفریم ٹھیس لگانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا۔ اندھیرا بھی اسے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہوا۔ وہ اپنے پڑوسی احمد جان کو کوئی احمقانہ سی دیومالائی کہانی سنا رہا تھا۔

"یہ کیا ضروری ہے کہ آدمی سو برس زندہ رہے۔ یہ اس طرح ہوا تھا۔ اللہ

نے تمام جانوروں کو پچاس برس کی زندگی دی تھی اور یہ کافی تھی لیکن آدمی سب کے آخر میں آیا اور اللہ کے پاس صرف پچیس رہ گئے تھے۔"

"تمھارا مطلب ہے پچیس روبل[1]؟"

"ہاں یہی۔ اور آدمی نے شکایت شروع کر دی، یہ کافی نہیں۔ اللہ نے کہا یہ کافی ہے اور آدمی نے کہا کہ یہ کافی نہیں چنانچہ اللہ نے کہا کہ بہت اچھا جاؤ اور مانگنے کی کوشش کرو شاید کسی کے پاس زیادہ ہوں اور وہ تمھیں دے دے۔ آدمی چل کھڑا ہوا۔ اسے ایک گھوڑا ملا اس نے اس سے کہا سنو! میری عمر بہت کم ہے۔ کچھ اپنی عمر کے برس مجھے دے دو۔ گھوڑے نے کہا بہت اچھا پچیس برس لے لو۔ آدمی کچھ اور آگے گیا اور اسے کتا ملا۔ اس نے کہا سنو کتے! کچھ اپنی عمر مجھے دینا۔ کتے نے کہا بہت اچھا پچیس برس لے لو۔ آدمی اور آگے بڑھا اسے ایک بندر ملا۔ اس کی عمر کے پچیس برس بھی اس نے لے لیے۔ تب وہ اللہ کے پاس واپس گیا۔ اللہ نے کہا تم جیسا چاہو جیسی تمھاری ہے۔ عمر کے پہلے پچیس برس تم آدمی کی طرح جیوگے۔ آگے کے پچیس برسوں میں تم گھوڑے کی طرح محنت کروگے۔ تیسرے پچیس برس میں تم کتے کی طرح بھونکوگے۔ اور آخری پچیس برس میں لوگ تم پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح بندر پر ہنستے ہیں۔..."

---

[1] احمد جان ازبک ہے۔ وہ گفتگو کو مذاق کا رخ دے کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسے روسی بولنے پر قدرت ہے۔

۳۔ کھلونا ریچھ

اگرچہ زویا بڑی چاق و چوبند تھی اور وارڈوں میں دوائیوں کی میزوں اور مریضوں کے پلنگوں کے درمیان بڑی ہی پھرتی سے آجا رہی تھی لیکن اس نے یہ جان لیا کہ بتیاں بجھنے سے پہلے وہ تمام نسخوں کو نپٹا نہیں سکے گی۔ چنانچہ پہلے اس نے جلدی جلدی مردوں کے وارڈ اور عورتوں کے چھوٹے وارڈ میں اپنا کام پورا کیا اور بتیاں بجھا دیں۔ جہاں تک عورتوں کے بڑے وارڈ کا تعلق تھا ــــ وہ کافی بڑا تھا اور اس میں پورے تیس پلنگ تھے ــــ عورتیں ٹھیک وقت پر کبھی سوتی ہی نہیں تھیں خواہ بتیاں بجھائی جائیں خواہ نہ بجھائی جائیں۔ ان میں سے کئیوں کو ہسپتال میں آئے کافی مدت ہو چکی تھی اور وہ ہسپتال سے کافی عاجز آ چکی تھیں۔ وارڈ میں بھیڑ کافی تھی۔ اس لیے وہ اچھی طرح سو نہیں سکتی تھیں اور ان میں اس قسم کی باتوں پر کہ بالکونی کا دروازہ کھلا رکھا جائے یا بند کیا جائے، ہمیشہ جھگڑا ہوتا رہتا تھا اور ان میں سے کچھ تو اتنی پرجوش اور سرگرم تھیں کہ کمرے کے آر پار بھی ایک دوسرے سے گپ لڑاتی رہتی تھیں۔ آدھی رات تک اور کبھی کبھی صبح تک۔ گپ شپ کا موضوع کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ قیمتیں، فرنیچر، بچے، مرد، پڑوسی حتیٰ کہ بعض انتہائی شرمناک موضوع۔

سب سے بڑھ کر نیلیا تھی۔ ایک اردلی جو اس شام فرشوں کو دھو رہی تھی۔ وہ ایک باتونی اور کنوار مٹول لڑکی تھی جس کی بھویں اور ہونٹ کافی موٹے تھے۔ اسے کام شروع کیے صدیاں ہو چکی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا کام کبھی پورا نہیں کر سکے گی کیونکہ وہ ہر بات چیت میں حصہ لینے لگتی تھی۔ اس دوران سبکا تو وہ اس کا منتظر تھا کہ اسے نہانے دھونے کا موقع ملے جو کام وہ رات ہی

کو کر سکتا تھا۔ اس کا پلنگ مردوں کے وارڈ کے دروازے کے بالکل ہی پاس ہال کمرے میں تھا۔ ایک تو رات کو نہانے دھونے کے باعث اور دوسرے اس بنا پر کہ اس کی پشت سے جو بدبو آتی تھی اس پر اسے بڑی شرم آتی تھی، سبگا لوڈو نے یہ پسند کیا کہ وہ ہال ہی میں رہے حالانکہ وہ ہسپتال میں باقی مریضوں سے کہیں پہلے داخل ہوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مریض کی بجائے اب ایسا لگتا تھا جیسے وہ مستقل عملے کا ایک فرد ہے۔ عورتوں کے وارڈ میں بھاگ دوڑ کرتے ہوئے زدیا نے نیلیا کو کئی بار جھاڑ پلائی لیکن نیلیا نے جواب میں صرف جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا اور اپنا کام سستی ہی سے کرتی رہی۔ نیلیا عمر میں زدیا سے کچھ کم نہیں تھی اور اس کے نزدیک یہ بات اس کے وقار کے منافی تھی کہ وہ ایک دوسری کے ماتحت کام کرے۔ زدیا آج کام پر آئی تو بڑی خوش تھی جیسے تہوار کا دن ہو لیکن اردلی کی مسلسل حکم عدولی سے وہ جھلا گئی۔ اصولاً زدیا یہ تسلیم کرتی تھی کہ ہر شخص کو آزادی کا تھوڑا بہت حق حاصل ہے اور یہ ضروری نہیں کہ کوئی کام پر آئے تو کام کرتے کرتے اپنی جان ہلکان کر دے لیکن ہر بات کی کوئی حد ہوتی ہے خصوصاً اس حالت میں جب معاملہ بیماروں کا ہو۔

آخر جب زدیا نے ہر چیز کی دیکھ بھال کر لی اور نیلیا نے فرش کو صاف کر لیا تو انھوں نے عورتوں کے وارڈ میں بتی بجھا دی اور وہ بتی بھی جو ہال کمرے میں اوپر چھت میں تھی۔ گیارہ سے کچھ اوپر ہی کا وقت ہو گیا۔ جب نیلیا نے پہلی منزل پر گرم محلول تیار کیا اور حسب معمول اسے کونڈے میں وہاں سے سبگا لوڈو کے پاس لے گئی۔

"اوہ! میرے پاؤں بے جان ہو کر رہ گئے ہیں" اس نے زور سے جماہی لی۔ "نیند آ رہی ہے۔ مریض سنو! مجھے معلوم ہے کہ تمھیں یہاں گھنٹے کے قریب لگ جائے گا۔ میں تمھارا انتظار نہیں کروں گی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کونڈے کو نیچے لے جا کر خود ہی خالی کر دو؟"

(بڑے بڑے ہال کمروں والی اس عمارت کی اوپر کی منزل میں نالیاں نہیں تھیں)

شراف سبگا ٹوڈ کبھی کیسا ہوتا تھا۔ یہ پاس کرنا نا ممکن تھا۔ قیاس لگایا جائے تو کس بات پر؟ اس کی بیماری اتنی طویل رہی تھی کہ اس کے اصلی وجود کا کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ لیکن تین برس کی مسلسل جان لیوا بیماری کے باوجود یہ نوجوان تاتاری کلینک کے سارے مریضوں میں سب سے زیادہ مہذب اور حلیم تھا۔ اکثر وہ نحیف سا مسکرا دیتا۔ جیسے اس پر معذرت خواہ ہو کہ وہ اتنے دنوں تک انھیں پریشان کرتا رہا ہے۔ ہسپتال میں اپنے چار ماہ اور اسکے بعد چھ ماہ کے قیام کے دوران وہ وہاں کے تمام ڈاکٹروں، نرسوں، اردلیوں سے پوری طرح مانوس ہوگیا تھا، جیسے وہ اس کے خاندان کے افراد ہوں۔ وہ سب بھی اس سے اسی طرح مانوس تھے، لیکن نیلیا نووارد تھی، اور چند ہی ہفتے پہلے وہاں آئی تھی۔

"یہ میرے لیے بہت مضر ہوگا۔" سبگا ٹوڈ نے نرم لہجے میں احتجاج کیا۔
"اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں اسے لٹکایا جا سکتا تو میں اسے دھیرے دھیرے نیچے لے جاتا۔"

لیکن پاس ہی زویا کا میز تھا۔ اس نے سن لیا اور جھپٹ پڑی: "تمھیں شرم آنی چاہیئے۔ اسے اس کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی پیٹھ پر زور ڈالے اور تم اس سے کونڈا اٹھوانا چاہتی ہو؟ کیوں نا؟"

یہ سب کچھ اس نے اس طرح کہا جیسے وہ چیخ رہی ہو پھر بھی اس کی آواز سرگوشی سے اوپر نہ اٹھی۔ جسے صرف وہ تین ہی سن سکتے تھے۔ نیلیا نے کافی سکون سے جواب دیا۔ اگرچہ اس کی آواز پھر بھی ساری دوسری منزل میں گونج رہی تھی۔ "کیوں شرم آئے میں خود بے دم ہو رہی ہوں۔"

"تم ڈیوٹی پر ہو۔ تمھیں اس کی تنخواہ ملتی ہے۔" زویا نے نفرت سے لیکن اور بھی زیادہ سکون سے کہا۔

"اوہنہ۔ تنخواہ۔ تم اسے تنخواہ کہتی ہو۔ اس سے زیادہ تو مجھے ٹیکسٹائل فیکٹری میں مل سکتی ہے۔"

"شش۔ کیا تم چپ نہیں رہ سکتیں؟"

"اوہ" نیلیا نے ایک ایسی آواز میں جو نصف آہ تھی اور نصف چیخ، سارے ہال کو سنا کر کہا۔ "میرے پیارے پیارے تکیے! مجھے کتنی نیند آ رہی ہے۔ گزشتہ رات میں نے لاری ڈرائیوروں سے نپٹنے میں گزار دی۔ بہت اچھا مریض تم کونڈا! اپنے بستر کے نیچے رکھ لینا۔ میں صبح لے جاؤں گی۔" اپنے منہ پر ہاتھ رکھے بغیر اس نے ایک گہری اور لمبی جماہی لی۔ جماہی لے چکی تو زویا سے بولی۔ "میں یہاں صوفے پر بسر کروں گی۔" اور اجازت کا انتظار کیے بغیر وہ کونے کے دروازے کی طرف چل دی جو اس کمرے میں کھلتا تھا۔ جہاں ڈاکٹروں کی میٹنگوں اور روزانہ کی کانفرنسوں کے لیے گدیدار فرنیچر رکھا ہوا تھا۔

وہ بہت سے کام ادھورا چھوڑ کر ہی چل دی تھی۔ سیڑھیوں کا فرش بھی دھویا جانا چاہیئے تھا جو نہیں دھویا گیا تھا۔ لیکن زویا نے اپنے پر قابو پالیا اور اسے جاتے ہوئے چپ چاپ دیکھتی رہی۔ زویا کو وہاں کام کرتے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی لیکن اتنی مدت میں یہ تکلیف دہ اصول اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ اگر کوئی کاہلی برتے تو کوئی اسے مستعدی دکھانے کو نہیں کہتا اور جو مستعد ہو اسے دو کا کام کرنا پڑتا ہے۔ صبح الزویتا، اناتولیونا آئے گی۔ وہ جھاڑ پونچھ کا اپنے حصے کا کام بھی کرے گی اور نیلیا کے حصے کا بھی۔

سبگاتوو اب تنہا رہ گیا تو اس نے اپنی مقعد کی پٹی کو کھولا اور اپنے بستر کے ساتھ فرش پر رکھے کونڈے پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کا انداز بڑا ہی تکلیف دہ تھا۔ وہ وہاں بڑی احتیاط سے بیٹھا۔ کسی بھی غیر محتاط جنبش سے اسے اپنے پیڑو میں جھرجھری سی محسوس ہوتی تھی۔ زخم کی جگہ سے اگر کوئی چیز چھو جاتی تو اسے بڑی اذیت ہوتی جو اسے زیر جامے کے چھو جانے سے بھی ہوتی رہتی تھی۔ اور یہ تو ہے ہی کہ وہ پیٹھ کے بل لیٹ جانے سے گریز کرتا تھا۔ اس کی پیٹھ پر کیا ہے یہ کبھی اس نے دیکھا نہیں تھا۔ کبھی کبھی اپنی انگلیوں سے چھو کر وہ اندازہ ضرور لگا لیتا

تھا۔ دو سال پہلے اسے سٹریچر پر ہسپتال میں لایا گیا تھا۔ وہ نہ کھڑا رہ سکتا تھا اور نہ چل سکتا تھا۔ اس کا معائنہ کئی ڈاکٹروں نے کیا تھا لیکن اس کا علاج ہمیشہ لُڈمیلا افانسیونا نے ہی کیا تھا اور چار ماہ میں اس کی تکلیف بالکل جاتی رہی تھی۔ وہ چل سکتا تھا، آسانی سے جھک سکتا تھا اور اسے کوئی بھی شکایت نہیں رہی تھی۔ جب اسے ہسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تو لُڈمیلا افانسیونا نے جب وہ اس کے ہاتھوں کو تشکر سے چوم رہا تھا، کہا تھا۔ "شراف احتیاط سے کام لینا۔ اچھل کود نہ کرنا۔" لیکن اسے صحیح قسم کا کام نہ مل سکا۔ اور اسے ایک بار پھر چالک کا کام کرنا پڑا اور حالات کے پیشِ نظر یہ ممکن نہیں کہ وہ لاری کی پشت سے زمین پر چھلانگ لگانے سے گریز کر سکے اور ڈرائیور یا مال لادنے والے کی مدد نہ کرے۔ کافی دن تک سب ٹھیک ٹھاک رہا لیکن ایک دن ایک ٹرنک لاری پر سے گر گیا اور شراف کے اسی جگہ لگا جہاں اس کے تکلیف تھی۔ زخم کا ناسور بن گیا جو ٹھیک ہونے میں نہ آیا اور ایک دن سبگاتو کو کینسر کلینک میں بھیج دیا گیا۔

دنیا کی یہ بھی ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ اپنے میز پر بیٹھ کر اس نے پھر جانچ پڑتال کی کہ ہر شخص کو اس کی دوا دی جا چکی ہے۔ اپنے قلم سے وہ اپنے روزنامچے کو بھی پورا کر رہی تھی اور اس کی تحریر جہاں جہاں سے مدھم پڑ گئی تھی اُسے ٹھیک کرتی جاتی تھی۔ کاغذ اتنا خراب تھا کہ وہ لکھتی بعد میں تھی اور حروف پہلے مدھم پڑ جاتے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ نیلیا کو سبق دے۔ لیکن یہ ایک ایسی بات تھی جو وہ کر نہیں سکتی تھی۔ آخر نیند لینے میں کیا برائی ہے؟ جب اس کے پاس کوئی اچھی اردلی ہو گی تو نصف شب وہ خود بھی سو لیا کرے گی۔ اب تو اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ بیٹھی رہے۔

وہ اپنے روزنامچے پر نظر ڈال رہی تھی کہ اسے ایک آدمی کی آواز سنائی دی جو وہاں اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ کوستوگلوتوف تھا عصبی

اور بکھرے ہوئے بالوں والا کوسٹو گلوتوڈو۔ اس نے اپنے بڑے بڑے ہاتھوں کو ہسپتال کی جیکٹ کی جیبوں میں ڈال رکھا تھا حالانکہ وہ وہاں مشکل ہی سے سماتے تھے۔

"تمھیں بہت دیر پہلے سو جانا چاہیئے تھا۔" زویا نے اسے سرزنش کی۔ "تم کیا کر رہے ہو؟ گھوم رہے ہو؟"

"شام بخیر زوئنکا۔" کوسٹو گلوتوڈو نے انتہائی ملائمت سے کہا۔ جیسے وہ بول نہ رہا ہو گا رہا ہو۔

"شب بخیر۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔ "شام بخیر کہنے کا وقت وہ تھا جب میں تھرمامیٹر لیے تمھارے پیچھے بھاگ رہی تھی۔"

"اس وقت تم ڈیوٹی پر تھیں۔ تمھیں مجھے الزام نہیں دینا چاہیے۔ لیکن اب میں تمھارا مہمان ہوں۔"

"کیا واقعی؟" (اس نے نہ تو ارادۃً اپنی بھنویں ہلائی تھیں نہ عمداً اپنی آنکھوں کو ہی وا کیا تھا۔ یہ سب کچھ از خود ہو گیا تھا۔) "تمھیں یہ کس نے کہا کہ میں مہمانوں کا استقبال کر رہی ہوں۔"

"یوں سہی۔! ہر رات جب تم ڈیوٹی پر ہوتی ہو تو اچھی خاصی چپکی بیٹھی رہی ہوتی ہو۔ لیکن آج نصاب کی کتابیں نظر نہیں آ رہی ہیں۔ کیا تم نے اپنا آخری امتحان پاس کر لیا؟"

"تمھاری نظر تیز ہے۔ ہاں میں نے واقعی پاس کر لیا ہے۔"

"تمھیں کتنے نمبر ملے؟ مطلب یہ نہیں کہ اسے بہت اہمیت حاصل ہے"

"مجھے پانچ میں سے چار نمبر ملے۔ اس کی اہمیت کیوں نہیں؟"

"میرا خیال تھا کہ شاید تمھیں تین ملے اور تم اس بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی ہو تو سب ختم، چھٹی پر ہو۔"

اس نے کسی قدر خوشدلی سے اپنی آنکھوں کو جھپکایا۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ گھبرا کیوں رہی ہے؟ دو ہفتے کی چھٹیاں۔ کیا لطف کی بات تھی۔

کلینک میں آنے کے سوا اسے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ اتنی فراغت! ڈیوٹی کے اوقات میں وہ کوئی ہلکی پھلکی چیز پڑھ سکتی تھی، لوگوں سے بات چیت کر سکتی تھی۔

"تو اچھا ہوا میں تمھیں ملنے چلا آیا۔"

"اچھا تو پھر بیٹھ جاؤ۔"

"لیکن زویا جہاں تک مجھے یاد ہے۔ میرے زمانے میں چھٹیاں ذرا پہلے شروع ہو جاتی تھیں۔ پچیس جنوری کو۔"

"موسم خزاں میں ہم کپاس چن رہے تھے یہ ہم ہر برس کرتے ہیں[1]۔"

"کالج میں تم اور کتنے دن رہو گی؟"

"اٹھارہ ماہ۔"

"پھر اس کے بعد تمھاری ڈیوٹی کہاں لگے گی؟"

اس نے اپنے نرم اور گول شانوں کو جنبش دی ۔" ہمارا ملک کافی بڑا ہے" جب اس کا چہرہ پرسکون ہوتا تھا۔ اس وقت بھی زویا کی آنکھیں کافی بڑی نظر آتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پپوٹوں میں ان کے لیے گنجائش نہیں۔ جیسے وہ قید سے رہائی کی بھیک مانگ رہی ہوں۔

"لیکن غالباً وہ تمھیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تم اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر کس طرح جا سکتی ہو؟"

"کیسے گھر والے؟ میری صرف ایک دادی ہے۔ دادی ماں کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

---

[1] وسطی ایشیا میں کپاس چننے والوں کی قلت ہے اس لیے ہر سال خزاں میں طلبا کو مدد کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ چنانچہ لینن گراڈ کے مقابلے میں یہاں کوستوگلوتوف نے پڑھا تھا، وہاں پڑھائی بھی دیر میں شروع ہوتی ہے اور چھٹیاں بھی مقابلۃً بعد میں۔

"اور تمھارے ماں باپ ؟"

زویا نے آہ بھری: "میری ماں مر چکی ہے۔"

کوسٹوگلوٹوو نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے باپ کے متعلق پوچھنا مناسب نہیں سمجھا: "لیکن تم یہیں کہیں کی رہنے والی ہو۔ کیا نہیں؟"

"نہیں میں سمولنسک کی ہوں۔"

"واقعی .... تم نے وہ جگہ کب چھوڑی؟"

"بھگدڑ کے دوران .... اور کیا۔"

"اس وقت تمھاری عمر کیا ہوگی؟ تقریباً نو برس!"

"ہاں میں دو برس سے سکول میں پڑھ رہی تھی، پھر دادی ماں اور میں یہاں پھنس گئے۔"

زویا نے چھوٹی موٹی چیزیں رکھنے کے ایک نارنجی بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا جو فرش پر دیوار کے پاس رکھا تھا۔ وہاں سے شیشہ نکالا، نرس کی ٹوپی اتاری۔ اپنے بالوں کو جو اس ٹوپی کے نیچے جکڑے ہوئے سے تھے کچھ کھلا چھوڑا اور کنگھی سے اپنے سنہری بالوں کی ایک جھالر سی بنانے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سنہری بالوں کا سایہ پڑنے سے کوسٹوگلوٹوو کے سخت چہرے پر سکون اور نرمی کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہے۔

"اور تمھاری دادی ماں کہاں ہیں؟" آئینے سے فارغ ہوتے ہوئے زویا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"میری دادی ماں ...." کوسٹوگلوٹوو بالکل سنجیدہ ہوگیا تھا "اور میری ماں (اس کے چہرے پر جو تلخی تھی اس لیے یہ لفظ لگتا نہیں کھا رہا تھا) محاصرے میں مر گئیں۔"

"لینن گراڈ کے محاصرے میں؟"

"ہاں اور میری بہن گولی لگنے سے ہلاک ہو گئی۔ تمھاری طرح وہ بھی نرس تھی۔ لیکن اس میں بچپن زیادہ تھا۔"

"ارے" زویا نے آہ بھری اور بچی کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "محاصرے میں بیشمار لوگ مرگئے۔ ہٹلر مردہ باد۔"

کوسٹو گلو ٹوڈو نے شرارت آمیز مسکراہٹ سے کہا۔ "ہٹلر کے مردود ہونے کے ہمارے پاس بہت ثبوت ہیں۔ لیکن لینن گراڈ کے محاصرے کا سارا الزام اس پر نہیں لگایا جا سکتا۔"

"تمھارا مطلب کیا ہے؟ کیوں نہیں؟"

"اچھا سنو! ہٹلر ہمیں تباہ کرنے آیا تھا۔ کیا محصورین کا کام یہ تھا کہ وہ اس سے یہ امید رکھیں کہ وہ آ کر دروازہ کھولے گا اور ان سے کہے گا یکے بعد دیگرے نکل آؤ، ہجوم نہ کرو۔ بھولو نہیں وہ جنگ کر رہا تھا۔ وہ ہمارا دشمن تھا۔ لیکن کوئی اور بھی تھا جو محاصرے کا ذمہ دار تھا۔"

"کون؟" زویا نے سرگوشی میں کہا۔ وہ کافی حیرت زدہ نظر آرہی تھی۔ ایسی بات نہ تو کبھی اس نے سنی تھی اور نہ اس کے ذہن میں آرہی تھی۔

کوسٹو گلو ٹوڈ کی سیاہ بھویں تن گئیں۔ "بہر حال ہم یہ کہہ سکتے ہیں جن کا یہ فرض تھا کہ وہ ہٹلر سے لڑیں خواہ برطانیہ، فرانس اور امریکہ ہٹلر کے حلیف ہی کیوں نہ بن گئے ہوتے۔ وہ لوگ جو برسوں تک اپنی تنخواہیں وصول کرتے رہے اور اس کی انھوں نے کوئی پرواہ نہیں کی کہ لینن گراڈ جغرافیائی طور پر باقی ملک سے الگ تھلگ ہے اور اس کا اس کے دفاع پر اثر پڑ سکتا ہے۔ وہ جو یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہے کہ بمباری کتنی شدید ہو گی اور یہ بات کسی کی سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ خوردونوش کا زیرِ زمین ذخیرہ کیا جانا چاہیے۔ انھوں نے میری ماں کو ہلاک کر دیا! انھوں نے اور ہٹلر نے۔"

یہ سب باتیں کتنی بدیہی تھیں لیکن دہشت ناک حد تک نئی۔
سیگالوڈوان کے پیچھے ایک کونے میں چپ چاپ اپنے کونڈے پر بیٹھا ہوا تھا۔
" لیکن اس صورت میں..... اس صورت میں یقیناً ان پر مقدمہ چلایا جانا چاہیے" زویا نے سرگوشی میں کہنے کی جرأت کی۔
" مجھے نہیں معلوم " کوسٹوگلوتوو نے منہ بنا کر کہا۔ اس کے ہونٹ پہلے سے بھی زیادہ تپلے نظر آتے تھے ایک لکڑی کی طرح۔
زویا نے دوبارہ اپنے سر پر ٹوپی رکھ لی۔ اس کی اوپری پوشاک کے اوپر کا بٹن کھلا تھا اور اس کے لباس کا سنہری بھورا کالر دکھائی دے رہا تھا۔
" زو لنکا میں یہاں ایک کام کے لیے بھی آیا تھا۔"
" کیا تم کام کے لیے آئے تھے " زویا کی بھنویں کسی قدر تن گئیں" اگر ایسا ہے تو تمھیں دن کی ڈیوٹی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اب سونے کا وقت ہے۔ تم نے کہا تو تھا کہ تم صرف ملنے آئے ہو، کیا نہیں ؟"
" ہاں میں ملنے بھی آیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ تم اس گڑبڑ گھٹالے میں پھنس جاؤ، اس سے پہلے کہ تم ایک پوری کوالیفائڈ ڈاکٹر بن جاؤ ایک انسان کے ناطے میری کچھ مدد کر دو۔"
" کیا ڈاکٹر ایسا نہیں کرتے ؟"
" بات یہ ہے کہ یہ مدد اس قسم کی ہے جس کی اُن سے اُمید نہیں کی جا سکتی۔ زویا اس بات سے مجھے زندگی بھر نفرت رہی ہے کہ مجھے ایک ایسا چوہا سمجھ لیا جائے جس پر ڈاکٹر اپنی دوائیں آزماتے رہیں وہ میرا علاج کر رہے ہیں لیکن کوئی مجھے کچھ بتاتا نہیں۔ یہ میرے سینے ناقابل برداشت ہے۔ گزشتہ روز میں نے تمھارے ہاتھ میں ایک

کتاب دیکھی تھی۔ تشریح الامراض، ٹھیک ہے نا ؟"

"ہاں۔!"

"اور یہ کتاب رسولیوں سے متعلق تھی۔ ہے نا ؟"

"ہاں"

"تم مجھ پر ایک نوازش کرو۔ یہ کتاب مجھے لادو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور خود اپنے طور پر اندازہ لگانا چاہتا ہوں اپنے متعلق۔"

زویا نے اپنے ہونٹ سکیڑ لیے اور سر ہلا کر کہا۔ "یہ بات ضابطے کے سخت خلاف ہے کہ مریض طب کی کتابیں پڑھیں۔ حتیٰ کہ طلبا بھی جب کسی خاص بیماری کے متعلق پڑھتے ہیں تو ہمیں ہمیشہ خیال ہوتا ہے کہ۔۔۔۔"

"دوسروں کے لیے یہ بات ممنوع ہو سکتی ہے میرے لیے نہیں۔" کوستوگلوٹوف نے اپنا بھاری پنجہ میز پر مارا۔ "انھوں نے مجھے خوف زدہ کرنے کی کئی بار کوشش کی ہے لیکن میں خوفزدہ نہیں ہوا۔ علاقائی ہسپتال میں میرا معائنہ ایک کوریائی ڈاکٹر نے کیا تھا۔ یہ نوروز کی شام تھی۔ وہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ مجھے کیا بیماری ہے۔ میں نے کہا سچ بولو کھلے بالکل۔ اس نے جواب دیا ہمیں یہاں اس کی اجازت نہیں۔ میں نے پھر کہا ضرور بتاؤ۔ مجھے اپنے خاندان کے معاملات کو نپٹا لینا چاہیئے۔ اس پر وہ پھوٹ پڑا۔ تم تین ہفتے اور زندہ رہو گے۔ اس سے زیادہ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔"

"اسے اس کا حق نہیں تھا کہ۔۔۔"

"وہ اچھا آدمی تھا۔ ایک انسان۔ میں نے اس سے مصافحہ کیا۔ بات یہ ہے کہ صحیح صحیح جاننا میرے لئے بہت ضروری تھا۔ اس سے پہلے کے چھ ماہ میں نے بڑے عذاب میں بسر کیے تھے۔ ایک ماہ سے سخت تکلیف

کے بغیر نہ تو میں لیٹ سکتا تھا، نہ بیٹھ سکتا تھا اور نہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ دن بھر میں نیند مجھے چند منٹ ہی آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عرصے میں میں نے خوب سوچ بچار کیا ہو گا۔ اس خزاں میں تجربے سے مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آدمی موت کی دہلیز کو پار کر سکتا ہے خواہ اس کا جسم نہ بھی مرا ہو۔ خون گردش کرتا ہے، معدہ ہضم کرتا ہے جبکہ تم موت کی تیاری کے سارے نفسیاتی عمل سے گزر جاتے ہو بلکہ خود موت کا تجربہ بھی کر لیتے ہو۔ اپنے آس پاس کی چیزیں تمھیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے تم قبر میں سے دیکھ رہے ہو اور اس کے باوجود کہ عیسائی مرت میں تمھارا کبھی وشواس نہیں تھا بلکہ تمھارا عمل اس کے بالکل متضاد تھا، یکایک تم یہ محسوس کرتے ہو کہ ان تمام لوگوں کو جو تمھارے راستے میں حائل ہوئے، تم نے معاف کر دیا ہے اور ان تمام لوگوں کے خلاف جنھوں نے تمھیں عذاب پہونچایا، تمھارے دل میں کوئی جذبہ نہیں رہا ہے۔ ہر شخص اور ہر چیز کے بارے میں تمھارا رویّہ صرف بے نیازی کا ہے۔ اپنے آپ کو بدلنے کی کوئی خواہش تم میں نہیں ہے۔ تمھیں کسی چیز کا افسوس نہیں۔ اب میں اس منزل سے نکل آیا ہوں لیکن مجھے اس کا یقین نہیں کہ مجھے اس پر خوش ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے تمام جذبے واپس آگئے۔ اچھے بھی اور برے بھی"۔

"واہ۔ کتنی شوخ تقریر ہے۔ تمھیں ضرور خوش ہونا چاہیئے۔ تمھیں یہاں کب داخلہ ملا تھا ...... کتنے دن پہلے؟"

"بارہ"۔

"تم یہاں ہال میں اپنی بیساکھی پر درد سے تلملاتے رہتے تھے۔ تمھیں دیکھ کر دہشت ہوتی تھی۔ تمھارا چہرہ مردوں جیسا تھا اور تم کچھ بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ٹمپریچر صبح و شام سو سے اوپر ہوتا تھا ــ اور اب؟ تم ملاقاتیں کرنے جاتے ہو.... بارہ دن میں آدمی اس طرح زندگی میں لوٹ آئے۔ یہ ایک معجزہ ہے۔ ایسا مشکل ہی سے ہوتا ہے۔"

یہ واقعہ ہے کہ اس کا چہرہ گہری جھرّیوں سے پٹا پڑا تھا جیسے کسی نے

اسے چھینیوں سے کاٹ دیا ہو۔ یہ اس کا ثبوت تھا کہ اس کے اندر زبردست کشیدگی ہے۔ لیکن اب جھریاں کم ہو گئی تھیں اور جو بچ گئی تھیں وہ ماند پڑ گئی تھیں۔

"میری قسمت اچھی تھی۔ پتہ چلا کہ مجھ میں ایکسرے کی بہت برداشت ہے۔"

"ہاں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ یہ قسمت کی دین ہے۔" زویا نے گرمجوشی سے کہا۔

کوسٹوگلوٹوو کے ہونٹوں پر زہرخند پھیل گیا۔ "ایسی خوش بختی مجھے زندگی بھر نہیں ملی۔ یہ ٹھیک ہی ہے کہ ایکسرے کے معاملے میں میں خوش نصیب رہا۔ کیا نہیں؟ اب میں پھر خواب دیکھنے لگا ہوں، مبہم اور خوشگوار خواب۔ میرے خیال میں یہ اس کا ثبوت ہے کہ میں اچھا ہو رہا ہوں۔"

"اغلباً۔"

"تو پھر میرے لیے اور بھی ضروری ہے کہ میں سمجھوں اور تحقیق کروں۔ میں یہ صحیح صحیح جاننا چاہتا ہوں کہ میرا علاج کس طرح کیا جا رہا ہے؟ اس علاج کے دوران امکانات کیا ہیں اور کیا کیا پیچیدگیاں ہیں؟ مجھے اپنی صحت میں اتنی بہتری محسوس ہو رہی ہے کہ شاید علاج بالکل ہی موقوف کرنا پڑے۔ بہرحال میں سمجھنا چاہتا ہوں۔ لڈمیلا افانسیونا اور ویرا کورنیلیونا مجھے کچھ نہیں بتاتیں۔ وہ صرف معالجہ کرتی رہتی ہیں جیسے میں کوئی بندر ہوں۔ زویا مہربانی سے مجھے وہ کتاب لا دو۔ میں کسی کو بتاؤں گا نہیں۔ اس پر کسی کی نظر بھی پڑنے نہیں دوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

وہ اتنے جوشیلے پن سے بول رہا تھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

زویا تذبذب میں پڑ گئی۔ اس نے میز کے ایک دراز کا ہینڈل پکڑ لیا۔

"یہ وہاں ہے۔" کوسٹوگلوٹوو نے فوراً ہی بھانپ لیا۔ "زویا یہ مجھے دے دو۔"

اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔ جیسے وہ کتاب لینے کے لیے بالکل ہی تیار ہو۔ "تمہاری اگلی ڈیوٹی کب ہے؟"

"اتوار کی دوپہر کو۔"

"تب میں تمھیں لوٹا دوں گا۔ ٹھیک ہے نا؟ وعدہ رہا۔"

وہ کتنی خوشگوار اور پرسکون تھی۔ سنہری لٹ اور بڑی بڑی کشادہ آنکھوں کے ساتھ۔

اگر اس کی نظر اپنے پر بھی گئی ہوتی ؟ تکیے پر لیٹے رہنے کی وجہ سے اس کے بال بری طرح جم گئے تھے۔ اور گچھوں کی طرح سر پہ کھڑے تھے۔ اس کی موٹی سوتی قمیص کا اوپر کا ایک کالر اس کی جیکٹ میں سے جس کے اوپر کے بٹن بند نہیں کیے گئے تھے، بے ڈھنگے پن سے جھانک رہا تھا۔

"ارے ہاں ہاں" اس نے کتاب جھپٹتے ہوئے کہا اور مضامین کی فہرست پر نظر ڈالنے لگا۔ "بہت خوب۔ یہ یہاں ہے۔ شکریہ! ورنہ کون جانے وہ مجھے ضرورت سے زیادہ دوائیاں پلا دیتے۔ ان کی واحد دلچسپی آخر یہی تو ہے کہ اپنی رپورٹوں میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں۔ ممکن ہے کہ میں بھاگ ہی جاؤں۔ عمر کو ایک اچھا ڈاکٹر بھی گھٹا سکتا ہے۔"

"تو یہ رہا۔" زویا ہاتھ جھٹک کر بولی: "میں نے یہ تمھیں کیوں دیکھنے دی؟ اسے واپس کر دو۔" وہ کتاب چھیننے لگی۔ پہلے ایک ہاتھ سے پھر دونوں ہاتھوں سے لیکن کوسٹوگلوٹوو نے کتاب نہیں چھوڑی اور یہ اس کے لئے مشکل بھی نہیں تھا۔

"تم اسے پھاڑ ڈالو گے۔ یہ لائبریری کی کتاب ہے۔ واپس کر دو۔"

اس کے کندھے مضبوط اور سڈول تھے۔ ایسے ہی اس کے بازو تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی پوشاک میں ڈھل گئے ہیں۔ اس کی گردن نہ بہت پتلی تھی نہ بہت موٹی نہ بہت چھوٹی نہ بہت لمبی۔ یہ اس کے قد کے لیے بالکل موزوں تھی۔

کتاب کی چھینا جھپٹی میں وہ ایک دوسرے کے قریب آگئے اور ان کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ گلوٹوو کے بے ڈھنگے چہرے پر یکایک ایک مسکراہٹ

کھیل گئی ۔ اس کے زخم کا نشان اب اتنا بھیانک نہیں رہا تھا اور ایک پرانے زخم کی طرح زرد سا ہی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے کتاب پکڑی ہوئی تھی، دوسرے ہاتھ سے اس نے نرمی سے زویا کی انگلیوں کو دبایا " زوئنکا تم جہالت پر نہیں تعلیم پر یقین رکھتی ہو۔ تم لوگوں کو واقف کار بننے سے کیسے روک سکتی ہو۔ میں مذاق کر رہا تھا۔ میں بھاگوں گا نہیں ۔"

اس نے جارحانہ سرگوشی میں جواب دیا۔ "تم اس کے مستحق نہیں ہو کہ تمہیں اس کو بڑھنے دیا جائے۔ تم نے اپنے سے بے توجہی برتی۔ تم یہاں پہلے کیوں نہیں آئے تم یہاں تبھی آئے جب عملاً تم ایک لاش تھے ۔"

" بات یہ ہے " کوسٹوگلوٹوڈ نے اس مرتبہ کسی قدر زور سے آہ بھر کر کہا " سفر کا کوئی وسیلہ نہیں تھا۔"

" سفر کا کوئی وسیلہ نہیں تھا! وہ کیسی جگہ ہے؟ ہوائی جہاز تو ہمیشہ ہی دستیاب ہوتے ہیں ۔کیا وہاں نہیں ہیں؟ تم اسے آخری وقت تک ملتوی کیوں کرتے رہے پہلے ہی کسی معقول جگہ کیوں نہیں آ گئے؟ کیا وہاں کوئی ڈاکٹر نہیں تھا؟ کوئی نیم ڈاکٹر بھی نہیں تھا؟ یا علاج کا کوئی اور انتظام ؟"

اس نے کتاب چھوڑ دی ۔" ہاں زنانہ بیماریوں کی ایک ڈاکٹر تھی، بلکہ ایک نہیں دو ۔"

" زنانہ امراض کی دو ڈاکٹر؟" زویا نے حیرت سے منہ کھول کر کہا "کیا وہاں صرف عورتیں ہی ہیں؟"

" اس کے برعکس عورتیں وہاں کم ہیں۔ لیکن وہاں زنانہ امراض کی دو ڈاکٹر ہیں۔ اور کوئی ڈاکٹر نہیں ۔ وہاں کوئی لیبارٹری بھی نہیں ۔خون ٹسٹ کرانا ناممکن ہے ۔اس معاملے میں وہاں کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

" خدا بچائے کتنا دہشت ناک ہے اور پھر اس کا فیصلہ بھی تم خود ہی کرو گے کہ تمھارا معالجہ ہو یا نہیں؟ اگر تمھیں اپنے آپ پر رحم نہیں آتا تو کم سے کم اپنے

خاندان اور اپنے بچوں پر ہی رحم کرو۔"

"بیچے ہٹو" ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوسٹو گلو ٹود ایک دم جاگ پڑا ہے۔ جیسے کتاب کی وہ چھینا جھپٹی ایک خواب تھی اور اب وہ اپنے نارمل وجود میں آگیا ہے۔ وہی چہرے کی سختی اور وہی مدھم لہجہ "میرے کوئی بچہ نہیں۔" اس نے کہا۔

"اور تمہاری بیوی! کیا وہ انسان نہیں؟"

کوسٹو گلو ٹود کا چہرہ اب اور بھی مدھم ہوگیا۔

"بیوی بھی نہیں ہے۔"

"مرد ہمیشہ کہتے ہیں کہ ان کی کوئی بیوی نہیں۔ تو پھر وہ کون سے خاندانی معاملات تھے جنھیں تم طے کرنا چاہتے تھے۔ کوریائی ڈاکٹر سے تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔"

"میں کیسے جانوں کہ تم اب مجھ سے جھوٹ نہیں بول رہے ہو!"

"نہیں میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں۔" کوسٹو گلو ٹود کے چہرے پر سنجیدگی چھاتی جا رہی تھی۔ "بات صرف اتنی ہے کہ میں انتخاب کے معاملے میں کافی سخت ہوں۔"

"غالباً ایسا ہے کہ وہ تمہیں برداشت نہ کرسکی۔" زویا نے ہمدردی سے سر کو جنبش دی۔ کوسٹو گلو ٹود نے اپنے سر کو بہت آہستہ آہستہ ہلا کر جواب دیا۔ "میری کوئی بیوی کبھی تھی ہی نہیں۔"

زویا نے اس کی عمر کا اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ایک بار اس کے لب ہلے بھی لیکن اس نے فیصلہ کیا کہ اسے یہ سوال پوچھنا نہیں چاہیے۔ اس کے لب بار بار ہلے لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔

زویا سبگا ٹود کی طرف پیٹھ کیے بیٹھی تھی اور کوسٹو گلو ٹود کا اس کی طرف منہ تھا اس نے دیکھا کہ سبگا ٹود ڈرتے ڈرتے اپنے چھوٹے سے کونڈے پر سے اٹھ رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی پشت پر ملے اور کھڑا ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے ہر وہ تکلیف جو انسان برداشت کرسکتا ہے جھیل رکھی ہے۔ اس کا ماضی پُر اذیت تھا اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو

آئینہ اسے خوشی کا یقین دلا سکے۔

کوسٹوگلوٹوو نے پہلے اندر کو سانس لیا اور پھر باہر کو جیسے سانس لینا ہی اس کی زندگی کا واحد کام ہو۔

"میں سگریٹ پینے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟...."

"بالکل نہیں۔ تمھارے لیے سگریٹ پینا موت ہے۔"

"کسی حالت میں بھی نہیں؟"

"کسی حالت میں بھی نہیں۔ خاص طور پر میرے سامنے ہرگز نہیں۔"

"شاید صرف ایک؟"

"مریض سو رہے ہیں تم سگریٹ کیسے پی سکتے ہو؟"

بہرحال اس نے ایک لمبا خالی سگریٹ ہولڈر سے نکالا، جو ہاتھ کا بنا ہوا تھا اور جس پر آرائش کے لیے سنگریزے لگے ہوئے تھے، اور اسے چوسنے لگا۔

"تمھیں یہ کہاوت یاد ہے؟ شادی کے لیے ایک نوجوان ضرورت سے زیادہ نوجوان ہوتا ہے اور بوڑھا ضرورت سے زیادہ بوڑھا۔" اس نے اپنی دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکا دیں اور اپنی انگلیاں سگریٹ ہولڈر سمیت بالوں میں پھیرنے لگا۔ "جنگ کے بعد میری شادی قریب ہو ہی گئی تھی۔ میں طالب علم تھا اور وہ بھی۔ میں شادی ضرور کر لیتا لیکن ہر چیز گڑبڑا گئی۔"

زویا کوسٹوگلوٹوو کے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ چہرہ کچھ زیادہ شفیق نہیں تھا۔ لیکن اس سے استواری ظاہر ہوتی تھی۔ اس کے بازو اور کندھے بے ڈھنگے ضرور تھے لیکن یہ بیماری کا نتیجہ تھا۔

"کیا اس گڑبڑ کا کوئی حل نہیں نکلا۔"

"وہ...... یہ بات کس طرح کہی جاتی ہے؟.... وہ فنا ہو گئی" اس نے مضحکہ خیز انداز میں ایک آنکھ بھینچ لی اور دوسری سے تیز تیز دیکھنے لگا۔ "وہ فنا ہو گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہے۔ گزشتہ برس کبھی باہم

نے ایک دوسرے کو خط لکھے۔" اس نے اپنی دوسری آنکھ کھولی۔ اپنی انگلیوں میں سگریٹ ہولڈر کو دیکھا اور اسے جیب میں رکھ لیا۔

"اور تم جانتی ہو کہ ان خطوں میں کچھ فقرے ایسے تھے کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ اتنی مکمل ہرگز نہیں تھی جتنی مجھے نظر آئی تھی۔ شاید وہ تھی بھی نہیں۔ پچیس برس کی عمر میں کوئی کیا سمجھ سکتا ہے" کوسٹو گلوٹو دا اپنی سیاہ بھوری آنکھوں سے زویا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "مثال کے طور پر اب تم مردوں کے بارے میں کیا جان سکتی ہو۔؟ کچھ بھی تو نہیں۔"

زویا زور سے ہنس پڑی "بہت ممکن ہے میں انھیں بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے" کوسٹو گلوٹو دنے فیصلہ کر دیا۔ "جسے تم سمجھنا کہتی ہو وہ سمجھنا ہے ہی نہیں۔ تم شادی کر لوگی اور بہت بڑی غلطی کر دوگی۔"

"رنگ میں بھنگ ڈالنے والا!" زویا نے اپنا سر ایک طرف سے دوسری طرف ہلایا پھر اس نے اپنا ہاتھ نارنجی بیگ میں ڈالا اور ایک کڑھا ہوا کپڑا نکال کر اس کی تہہ کھولی۔ یہ ایک چھوٹا سا کپڑا تھا۔ اس پر سوزن کاری سے ایک سارس بنائی جا چکی تھی اور گیدڑ اور ایک پیالے کا صرف خاکہ تھا۔ کوسٹو گلوٹو دا اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی معجزے کی چیز ہو۔

"کیا تم کشیدہ کاری کرتی ہو؟"

"اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے؟"

"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جدید طب کی طالبہ اس قسم کی دستکاری کا کام کرے گی۔"

"تم نے لڑکیوں کو کشیدہ کاری کرتے کبھی نہیں دیکھا؟"

"صرف تب جب میں بچہ تھا۔ یہ ۱۹۲۰ء کے بعد کی بات ہے اس وقت بھی بہت سے لوگ اسے بورژوا کام سمجھتے تھے۔ نوجوان کمیونسٹوں کے جلسے میں

اس پر تمھاری خوب ہی گت بنتی ۔"

" ان دنوں یہ بہت مقبول ہے ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ؟"

کوسٹو گلوٹو نے اپنا سر ہلایا ۔

" کیا تم اسے ناپسند کرتے ہو ۔ ؟"

" کیوں ؟ میں کیوں ناپسند کروں گا ؟ یہ بہت اچھا مشغلہ ہے اس سے بڑی تسکین ملتی ہے ۔ میں اس کا مداح ہوں ۔" وہ کشیدہ کاری کرتی رہی اور وہ اسے تماشائی انداز میں دیکھتا رہا ۔ اس کی نظریں اپنے کام پر تھیں، اس کی اس پر ۔ لیمپ کی زرد روشنی میں اس کی سنہری بھنویں چمک رہی تھیں اور اس کے لباس کے ایک کھلے کونے سے اس کا جسم بھی چمک رہا تھا ۔

" سنہرے بالوں والا کھلونا ریچھ ۔" گلوٹو نے سرگوشی میں کہا ۔

" کیا کہا ؟" زویا نے اپنی بھنویں اٹھا کر کہا ۔ وہ اب بھی اپنے کام پر جھکی ہوئی تھی ۔

کوسٹو گلوٹو نے اپنی بات کو دہرا دیا ۔

" ہاں، اچھا ۔" ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زویا کو اس سے زیادہ توصیفی جملے کی امید تھی ۔ " جہاں کے تم ہو اگر وہاں کوئی کشیدہ کاری نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے وہاں دکانوں پر تار کشی، کی بہتات ہوتی ہوگی ۔"

" وہ کیا ہے ؟"

" تار کشی، ان دھاگوں کو کہتے ہیں ۔ سبز، نیلے، سیاہ اور زرد ۔ یہاں انھیں ڈھونڈنا بڑا ہی مشکل ہے ۔"

" تار کشی ۔۔ میں بھولوں گا نہیں ضرور ڈھونڈوں گا ۔ اور اگر ملے تو تمھیں ضرور بھیجوں گا ۔ یا اگر پتہ چلا کہ وہ کمیاب ہیں تو شاید آسان ترین بات یہ ہوگی کہ تم وہیں چلی آؤ ۔۔"

" تم کہاں کے رہنے والے ہو ؟ کیا جگہ ہے ؟"

"میرا خیال ہے تم اسے 'اچھوتی دھرتی' کا نام دے سکتی ہو۔"

"تو تم 'اچھوتی دھرتی' کے باشندے ہو۔"

"میرا مطلب ہے جب میں گیا تھا تو کسی شخص کو یہ نہیں سوجھا تھا کہ وہ دھرتی اچھوتی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھوتی دھرتی ہی ہے۔ اور اچھوتی دھرتی کے جویا وہاں جانے لگے ہیں۔ جب تم گریجویٹ بن جاؤ تو وہاں جانے کی درخواست کیوں نہ دے دو۔ میرا خیال ہے کہ وہ انکار نہیں کریں گے۔ جو شخص ہمارے وہاں جانے کے لیے تیار ہوا سے کون روکتا ہے؟"

"کیا وہاں جانا اتنا بُرا ہے؟"

"بالکل نہیں۔ لیکن اچھے اور بُرے کے متعلق لوگوں کے خیالات بڑے ہی بے ڈھب ہیں۔ ایک پانچ منزلہ پنجرے میں رہنا اچھا سمجھا جاتا ہے۔ جہاں لوگ تمہارے سر کے اوپر دھمک کر چل پھر رہے ہوں اور ریڈیو ہر طرف سے شور مچا رہا ہو۔ اور بنجر زمین کے کنارے مٹی کے گھروندے میں محنت کش کی زندگی بسر کرنا بد قسمتی کی انتہا سمجھا جاتا ہے۔"

وہ مذاق نہیں کر رہا تھا اس کے لفظوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کسلمند اور راسخ العقیدہ لوگوں میں ہے۔ جو اپنی دلیل کو وزن دار بنانے کے لیے اپنی آواز کو اونچا کرنا مطلق ضروری نہیں سمجھتے۔

"لیکن وہ دھرتی بنجر ہے یا ریگستان؟"

"بنجر۔ وہاں ریت کے ٹیلے مطلق نہیں۔ تھوڑی سی گھاس بھی اگتی ہے۔ جھنٹک یعنی اونٹ جھاڑی۔ یہ ایک جھاڑی ہے۔ لیکن جولائی میں اس میں پیازی پیازی پھول لگتے ہیں اور ان میں سے بڑی نازک سی خوشبو بھی نکلتی ہے قازق ان سے سینکڑوں قسم کی دوائیاں بھی بنا لیتے ہیں۔"

"تو کیا یہ قازقستان میں ہے؟"

"ہو نہہ۔"

"اس کا کیا نام ہے ؟"

"اشں ترک ۔"

"کیا یہ کوئی آل[1] ہے ؟"

"ہاں ۔اگر تم یہی کہنا چاہو تو آل ۔یا اسے علاقائی انتظامی مرکز کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ وہاں ایک ہسپتال ہے ۔صرف ڈاکٹر ہی کمیاب ہیں ضرور آنا۔"

اس نے اپنی آنکھوں کو نیچا کر لیا۔

"کیا وہاں اور کوئی چیز نہیں اُگتی ؟"

"ہاں ضرور۔ وہاں کاشت ہوتی ہے لیکن آبپاشی کے ذریعہ۔ گنّا ، مکئی ۔کچن کے پیچھے نجی باغ ہیں۔ وہاں تو جو چاہو مل جاتا ہے۔ صرف بیلچے سے کڑی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ در بازار میں یونانیوں کو تازہ دودھ مل جاتا ہے ، کردوں کو بکری کا گوشت اور جرمنوں کو سوٗر کا[2]۔ وہاں کے بازار بڑے ہی خوبصورت ہیں تمھیں ضرور دیکھنے چاہئیں۔ ہر شخص قومی لباس پہنتا ہے۔ اور اونٹوں کی سواری کرتا ہے ۔"

"کیا تم دیہی معاشیات کے عالم ہو ؟"

"نہیں گرداوَر ۔"

"تم وہاں رہتے کیوں ہو ؟ میرا مطلب ہے اس کا بنیادی سبب کیا ہے ؟"

کوستوگلوتوونے اپنی ناک کھجائی "بات صرف اتنی ہے کہ مجھے وہاں کی آب وہوا بہت پسند ہے۔"

"اور وہاں وسائل سفر بالکل نہیں ۔"

"ضرور ہیں۔ موٹر کاریں جتنی درکار ہوں ۔"

---

[1] وسط ایشیا کے اس حصّے میں جہاں ترکی بولی جاتی ہے۔ گاؤں کو آل کہتے ہیں۔

[2] یونانی، کرد اور جرمن ان لوگوں میں شامل تھے جنھیں جنگ کے دوران اور اس کے فوراً بعد قازق بنجر علاقوں میں جلا وطن کیا گیا۔

"لیکن میں وہاں کیوں جاؤں؟"

اس نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ان کی بات چیت کے دوران کوستوگلوتوو کا چہرہ نرم سے نرم اور شفیق سے شفیق ہوتا جا رہا تھا۔

"تم وہاں کیوں جاؤ؟" وہ اپنی پیشانی پر انگلیاں پھیرنے لگا۔ جیسے کسی کا جام صحت تجویز کرنے کے لیے مناسب ترین لفظ ڈھونڈ رہا ہو، "زوئنکا تم یہ کیسے بتا سکتی ہو کہ دنیا کے کس حصے میں خوش رہو گی اور کس حصے میں ناخوش کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں یہ جانتا ہے۔"

۴۔ مریضوں کی الجھن

جن مریضوں کی سرجری ہوئی تھی، جن کی رسولیوں کو آپریشن کے ذریعے روکا جاتا تھا ان کے لیے نچلی منزل کے وارڈوں میں کافی جگہ نہیں تھی۔ انھیں اوپر کے وارڈوں میں ان مریضوں کے ساتھ رکھ دیا گیا تھا جن کا علاج ایکسرے سے کیا جاتا تھا، جن کا معالجہ ریڈیائی لہروں یا دواؤں کے ذریعے ہوتا تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اوپر کے وارڈوں میں ہر صبح دو راؤنڈ لگتے تھے۔ ایک ان مریضوں کے لیے جن کا علاج ریڈیائی لہروں سے ہوتا تھا اور دوسرا ان مریضوں کے لیے جن کی سرجری ہوئی تھی۔

۴ فروری کو جمعہ کا دن تھا جس روز آپریشن ہوتے ہیں اور سرجن اپنی راؤنڈ نہیں لگاتے۔ چنانچہ ریڈیائی معالج ویرا کورنیلیونا گنگارٹ نے پانچ منٹ کی ہدایات کے فوراً ہی بعد اپنا راؤنڈ شروع نہیں کیا۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ مردوں کے وارڈ کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے اندر جھانک لیا۔

ڈاکٹر گنگارٹ خوش شکل تھی اور لمبی نہیں تھی۔ اس کی پتلی کمر نے جو اس کے جسم کے جملہ نشیب و فراز میں سب سے نمایاں تھی، اُسے اور بھی خوش شکل بنا دیا تھا۔ اس کے بال جو اس نے عام فیشن کے برعکس ایک گچھے کی شکل میں اپنے سر کے پیچھے باندھ رکھے تھے، بالکل سیاہ نہیں تھے لیکن انھیں بھورے نہیں کہا جا سکتا تھا۔

احمد جان نے اسے دیکھتے ہی خوشی خوشی سر کے اشارے سے سلام کیا۔ کوستوگلوتوو کو بھی اپنی بڑی کتاب سے سر اٹھا کر دور ہی سے اسے سلام

کرنے کی مہلت مل گئی ۔ وہ دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور اپنی انگلی اٹھا دی ، جیسے بچوں کو خبردار کر رہی ہو کہ انھیں اس کی غیر موجودگی میں شور نہیں مچانا چاہیئے اور چپ چاپ بیٹھے رہنا چاہیئے ۔ اس کے بعد وہ دروازے سے آگے بڑھ گئی اور چلی گئی ۔

آج اس نے راؤنڈ پر اکیلے نہیں بلکہ لڈمیلا افانسیونا ڈونٹسووا کے ساتھ جانا تھا جو ریڈیائی معالجے کے شعبے کی انچارج تھی ۔ لیکن لڈمیلا افانسیونا کو سینیئر ڈاکٹر نظامتدین بہرامووچ نے طلب کر لیا تھا ۔ اور وہ اب تک وہیں تھی ۔

ہفتے میں ایک بار جب ڈونٹسووا کو راؤنڈوں پر نہیں جانا ہوتا تھا تو اُسے ایکسرے کے ذریعے تشخیص کی نشستوں میں شرکت نہیں کرنی پڑتی تھی ۔ بالعموم صبح کے پہلے دو گھنٹے ، جو دن کا بہترین حصہ ہوتے ہیں ، جب آدمی کی آنکھ تیز ہوتی ہے اور ذہن بالکل صاف ، وہ ایک مددگار کے ساتھ جو اسے دیا گیا تھا ، ایکسرے کے اسکرین کے سامنے بیٹھ کر گزار دیتی تھی ۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے تمام فرائض میں یہ کام پیچیدہ ترین ہے ۔ بیس سال کے تجربے کے بعد اسے احساس ہو گیا تھا کہ تشخیص کے دوران جو غلطیاں ہو جاتی ہیں ۔ وہ بہت مہنگی پڑتی ہیں ۔ اس کے شعبے میں تین ڈاکٹر تھیں اور تینوں ہی نوجوان ۔ ڈونٹسووا چاہتی تھی کہ تشخیص کے معاملے میں ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے اور سبھی تجربہ کار بن جائیں ۔ اس لیے وہ ہر تین ماہ کے بعد ان کی ڈیوٹی تبدیل کر دیتی تھی ۔ وہ یا تو بیرونی مریضوں کے شعبے میں کام کرتی تھیں ۔ یا ایکسرے سے تشخیص کے کمرے میں اور یا کلینک میں انچارج ڈاکٹر کی حیثیت سے ۔

ڈاکٹر گنگارٹ کے ذمہ اب تیسرا کام تھا ۔ اس کا اہم ترین اور خطرناک ترین حصہ اس امر کی نگہداشت کرنا تھا کہ مریضوں کو ریڈیائی لہروں کی جو مقدار دی جائے وہ بالکل صحیح ہو ۔ یہ کام زیادہ مشکل اس لیے تھا کہ اس سلسلے میں اب تک کوئی خاص ریسرچ بھی نہیں کی گئی تھی ۔ ریڈیائی لہروں کی مناسب

شدت کا اندازہ لگانے کا کوئی فارمولا نہیں تھا۔ جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جا سکتا کہ لہروں کی اتنی شدت جہاں رسولی کے لیے قاتل ثابت ہوگی وہاں اس سے جسم کے باقی حصوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کوئی فارمولا اگرچہ موجود نہیں تھا لیکن تجربے مشاہدے اور وجدان کی بنا پر مریض کی حالت کو دیکھ کر کسی فیصلے پر ضرور پہنچا جا سکتا تھا۔ بہرحال یہ بھی تو ایک آپریشن ہی تھا۔ ریڈیائی لہروں کے ساتھ ایک طویل المدت آپریشن جو تاریک کمرے میں کیا جاتا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ جسم کے صحت مند خلیوں کو تباہ کرنے یا گزند پہنچانے سے مکمل طور پر بچا جا سکے۔

جہاں تک باقی فرائض کا تعلق ہے، انچارج ڈاکٹر کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ باضابطگی سے کام کرلے، تشخیص کا بروقت انتظام کر دے، نتائجِ تحقیق کا جائزہ لے اور تیس "مریضوں کے کیفیت ناموں پر اندراجات کرتا رہے۔ کسی ڈاکٹر کو فارم پُر کرنا پسند نہیں ہوتا لیکن ڈیرا کور نیلیو نا یہ برداشت کرلیتی تھی کیونکہ ان تین مہینوں میں وہ اس کے اپنے مریض ہوتے تھے۔ ایکسرے کے اسکرین پر روشنی اور سائے کے زرد منصوبے نہیں بلکہ زندہ انسان جو مستقل طور پر اس کے زیرِ نگرانی تھے، اس پر اعتماد کرتے تھے اور اس کی حوصلہ افزا آواز اور تسکین دہ نظر کے منتظر رہتے تھے اور جب انچارج ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کے فرائض کی میعاد پوری ہوجاتی تھی تو اپنے مریضوں کو الوداع کہتے وقت اسے ہمیشہ افسوس ہوتا تھا کہ وہ انھیں صحت یاب کیے بغیر ہی رخصت ہو رہی ہے۔

نرس ولیڈرس لوونا جس کی آج ڈیوٹی تھی، بھورے بالوں والی ایک بھاری بھرکم معمر عورت تھی جو کئی ڈاکٹروں سے زیادہ پُرشکوہ نظر آتی تھی۔ اس نے ابھی ابھی وارڈوں کی گشت لگائی تھی اور مریضوں کو یہ بتا کر آئی تھی کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتوں کے بڑے وارڈ میں مریضائیں اس اعلان کی منتظر ہی بیٹھی تھیں۔ وہ یکے بعد دیگرے اپنی یکساں بھوری گونوں میں ملبوس سیڑھیوں کے درمیان چبوترے پر اور سیڑھیوں کے نیچے کھڑی ہوگئیں۔

لایا کھٹی کریم لایا اور دودھ اُبنے والی دودھ ۔ لیکن وہ وہاں سے نہیں ٹلیں ۔ وہ کلینک کے پورچ پر سے آپریشن تھیٹر کی کھڑکیوں میں سے جھانکتی رہیں ۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے نصف حصے پر سفیدہ ملا ہوا تھا لیکن اوپر کے حصے میں سے وہ نرسوں اور سرجنوں کی ٹوپیوں اور چھت سے لٹکے ہوئے لیمپوں کو دیکھ سکتی تھیں ۔ بعض عورتیں نالے میں کپڑے دھونے لگیں اور بعض دوسریوں سے ملنے چلی گئیں ۔

ان کی بے ڈھنگی بھوری ڈریسنگ گونیں موٹے سوتی کپڑے کی بنی ہوئی تھیں ۔ ان کی گونیں جب بالکل صاف ہوتی تھیں تب بھی کافی بدنما نظر آتی تھیں اس پر یہ کہ ان کی سرجری ہونے والی تھی ۔ اس نے انھیں ان کی تمام نسوانیت اور نسائی کشش سے محروم کر دیا تھا ۔ ڈریسنگ گونوں کا کوئی بھی خاص سائز نہیں تھا ۔ وہ سب اتنی بڑی تھیں کہ کوئی بھی عورت آسانی سے انھیں اپنے گرد لپیٹ سکتی تھی ۔ ان کی لٹکی ہوئی آستینیں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر چھتریوں کے دو دکش کا گمان گزرتا تھا ۔ مردوں کی پیازی اور سفید دھاریوں والی جیکٹیں ان سے کہیں اچھی تھیں ۔ سچ پوچھو تو عورتوں کو لباس ملتا ہی نہیں تھا انھیں صرف یہ ڈریسنگ گونیں ملتی تھیں جن میں نہ بٹن ہوتے تھے نہ چاک ۔ کچھ عورتیں ڈریسنگ گونوں کو چھوٹا کر لیتی تھیں اور کچھ لمبی ۔ اپنے شبانہ لباس کو چھپانے کے لیے سوتی پیٹی باندھنے کا ان کا ایک ہی ڈھنگ تھا اور اپنے سینوں پر گونوں کے اوپری حصوں کو بھی ایک ہی طرح درست کرتی تھیں ۔ کوئی بھی عورت جو اس قسم کی بیماری میں مبتلا ہو اور اس قسم کی بے ڈھنگی گون میں ملبوس ہو آسودگیٔ نظر کا باعث نہیں بن سکتی تھی اور ان سب کو اس کا احساس تھا ۔

مردوں کے وارڈ میں روسانوو کے ماسوا ہر کوئی ڈاکٹروں کے راؤنڈ کا سکون کے ساتھ منتظر تھا اور وہاں کوئی ہلچل نہیں تھی ۔

ایک بوڑھا ازبک مستی مرسالیموو جو ایک مشترکہ فارم کا دربان تھا

اپنے صاف ستھرے بستر پر پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ معمول کے مطابق اس نے اپنی پھٹی پرانی مخملی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اسے ایک بات کی خوشی ضرور تھی۔ کھانسی اسے ہلکان نہیں کر رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی پر جہاں اسے دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا باندھ رکھے تھے اور چھت کے ایک حصے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے کھوپڑی نما سر کی سانولی جلد کھنچی ہوئی سی تھی۔ اس کی ناک کی چھوٹی ہڈیاں، جبڑے کی ہڈی اور اس کی نوکیلی داڑھی کے پیچھے ٹھوڑی کی ہڈی، سب صاف صاف دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے کان اتنے پتلے تھے کہ کرکری ہڈی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بن کر رہ گئے تھے۔ اگر وہ تھوڑا سا اور سوکھ جاتا اور اس کی جلد قدرے اور سیاہ ہو جاتی تو اس پر ممی کا گمان گزرتا۔

اس سے آگے اگن بر ڈیو تھا۔ متوسط عمر کا قازق گڈریا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹا ہوا نہیں بلکہ بیٹھا ہوا تھا، آلتی پالتی مارے، جیسے چٹائی پر بیٹھا ہو۔ اپنے بڑے بڑے قوی ہاتھوں سے اس نے اپنے گول اور بڑے بڑے گھٹنوں کو پکڑ رکھا تھا۔ اس کا جسم اتنا سخت اور تنا ہوا تھا کہ اس کے لیے حرکت کرنا مشکل تھا۔ اگر کبھی وہ تھوڑی سی حرکت کرتا بھی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی مینار یا کسی فیکٹری کی چمنی ہل رہی ہے۔ اس کی پیازی اور سفید جیکٹ اس کی پیٹھ اور اس کے کندھوں پر بالکل کسی ہوئی تھی اور اس کی بڑی بڑی کلائیوں پر جیکٹ کے کف پھٹے پڑتے تھے۔ اس کے ہونٹ پہ ایک چھوٹا سا پھوڑا تھا جو ہسپتال میں اس کے داخلے کا سبب تھا۔ ریڈیائی لہروں نے اسے ایک بڑے اور پیازی کھرنڈ میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کھرنڈ نے اس کا منہ تقریباً بند کر دیا تھا اور اسے کھانا پینا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن نہ تو وہ تکلیف سے کروٹیں بدلتا تھا نہ چیخ پکار کرتا تھا اور نہ بے کلی کا کوئی اور مظاہرہ کرتا تھا۔ اس کی پلیٹ میں جو کچھ بھی ڈالا جاتا وہ کھا لیتا اور اس کے بعد گھنٹوں

تک بڑے سکون سے خلا میں دیکھتا رہتا تھا۔

اس سے اور آگے دروازے کے قریب کے پلنگ پر سولہ سالہ ڈیوما تھا۔ اس کی بائیں ٹانگ آگے کو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اپنی پنڈلی کے اس مقام کو جہاں تکلیف تھی مسلسل تھپتھپاتا اور سہلاتا رہتا تھا۔ اپنی دوسری ٹانگ اس نے بلی کی طرح موڑ رکھی تھی اور ہر چیز سے بے نیاز پڑھنے میں مصروف تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس وقت کے سوا جب وہ سوتا تھا یا اس کا علاج کیا جاتا تھا وہ ہمیشہ پڑھتا ہی رہتا تھا۔ لیبارٹری میں جہاں ہر قسم کی تشخیص کی جاتی تھی۔ سینئر لیبارٹری اسسٹنٹ کے پاس ایک الماری تھی جو کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ ڈیوما کو اجازت تھی کہ جب چاہے وہاں جا کر نئی کتاب لے آئے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ نئی کتاب اسے تبھی ملے جب وارڈ کے دوسرے مریضوں کو نئی کتابیں دی جائیں۔ اب وہ نیلے رنگ کے ٹائٹل والا ایک موٹا میگزین پڑھ رہا تھا۔ میگزین نیا نہیں تھا۔ کچھ پرانا تھا۔ لیبارٹری اسسٹنٹ کی الماری میں نئے میگزین تھے ہی نہیں۔

پروشکا بھی اپنے بستر پر ٹھیک ڈھنگ سے بیٹھا تھا۔ وہ نہ پڑھ رہا تھا اور نہ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ وہ فرش پر پاؤں رکھے اس اطمینان و سکون سے بیٹھا تھا جیسے وہ بالکل صحت مند ہو اور یہ سچ بھی ہے کہ وہ کافی صحت مند تھا اسے وارڈ میں کسی شے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بیماری کا کوئی بیرونی مظہر نہیں تھا اور اس کے رخساروں کی رنگت بھی صحت مند آدمیوں جیسی تھی۔ اس کی پیشانی پر بالوں کی ایک نرم لٹ لہرا رہی تھی۔ وہ صحت مند نوجوان

لہ مراد روس کے مشہور لبرل ماہنامے "نوو میر" سے ہے جس میں مصنف کی تحریریں اکثر شائع ہوتی رہی ہیں۔ میگزین کا نام وہ عمداً نہیں لکھتا۔ اگرچہ کوئی بھی پڑھا لکھا روسی یہ بھانپ جائے گا کہ اس کی مراد اسی میگزین سے ہے۔

نظر آتا تھا۔ اتنا صحت مند کہ رقص میں بھی شریک ہو سکتا تھا۔

اس کے آگے احمد جان تھا۔ کھیلنے کو کوئی ساتھی نہ ملا تو اس نے اپنے آگے کمبل پر شطرنج کی بساط بچھا کر اپنے ہی خلاف بازی لگا دی۔

یفریم نے جس کی پیٹیوں نے اسے زرہ بکتر کی طرح جکڑ رکھا تھا اور جس کے لیے اپنے سر کو جنبش دینا ناممکن تھا، غلام گردش میں چکر کاٹنا اور مایوسی کی تلقین کرتے پھرنا بند کر دیا تھا۔ اس کی بجائے دو تکیوں کا سہارا لیے اب ، وہ کتاب پڑھنے میں مشغول تھا جو ایک دن پہلے کوستوگلوتوو نے اس پر ٹھونس دی تھی۔ وہ کتاب کے صفحے اتنے آہستہ آہستہ الٹ رہا تھا کہ یہ گمان گزرتا تھا کہ وہ پڑھ نہیں رہا بلکہ کتاب پر اونگھ رہا ہے۔

اپوکن گزشتہ دن ہی کی طرح عذاب میں مبتلا تھا۔ غالباً وہ رات بھر سویا نہیں تھا۔ اس کی ساری چیزیں کھڑکی کے نیچے اور پلنگ کے پاس میز پر بکھری پڑی تھیں اور اس کا بستر بری طرح تڑا مڑا تھا۔ اس کی پیشانی اور کن پٹیوں پر پسینے کی بوندیں تھیں اور اس کا چہرہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ سخت تکلیف میں ہے کبھی کبھی وہ فرش پر کھڑا ہو جاتا اور دہرا ہو کر اپنی میز کو کہنیوں پر رکھ لیتا اور کبھی وہ اپنے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے سارے جسم کو دہرا کر لیتا۔ کئی دن تک اس نے کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا اور اپنی ساری قوت گویائی کو صرف اس مقصد کے لیے وقف کر رکھا تھا کہ ڈاکٹروں اور نرسوں سے مزید دوائیں مانگ سکے۔ جب اس کے گھر والے اسے ملنے آتے تو وہ انھیں مزید دوائیں خریدنے بھیج دیتا جو اس نے ہسپتال میں دیکھ رکھی تھیں۔

باہر دن افسردہ اور بے کیف تھا۔ کوستوگلوتوو صبح کے ایکسرے سے واپس آیا تو اس نے پاول نکولائے وچ کو پوچھے بغیر سر کے اوپر کی چھوٹی سی کھڑکی کھول دی۔ ہوا جو اندر آئی، نم ضرور تھی لیکن ٹھنڈی نہیں تھی۔

پیول نکولائے وچ کو ڈر تھا کہ کہیں اس کی رسولی کو ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ اس
نے اپنی گردن پر کپڑا لپیٹ لیا اور دیوار کے پاس ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سب کتنے
گونگے اور اطاعت شعار تھے جیسے لکڑی کے مجسمے ہوں اور ازودکن کے سوا کسی
کو دیکھ کر کبھی یہ گمان نہیں گزرتا تھا کہ وہ تکلیف میں ہے۔ وہ اس کے مستحق ہی نہیں
تھے کہ صحت یاب ہو جائیں۔ شاید گورکی ہی نے یہ کہا ہے کہ صرف وہی لوگ
آزادی کے مستحق ہیں جو ہمہ وقت اس کے لیے لڑنے کو تیار ہوں۔ جہاں تک
پیول نکولائے وچ کا تعلق ہے اس نے صبح ہی سے کچھ طے شدہ قدم اٹھانے
کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ جیسے ہی رجسٹرار کا دفتر کھلا، اس نے اپنے گھر فون کیا اور
اس نے رات بھر میں جو فیصلے کئے تھے ان سے اپنی بیوی کو آگاہ کیا۔ ہر
طرف درخواستیں بھیجی جاتی تھیں۔ یہ ضروری تھا کہ اسے ماسکو میں منتقل کر دیا
جائے۔ یہ خطرہ مول لینے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں تھا کہ یہاں ٹھہرا رہے اور
مر جائے کا پا جانتی تھی کہ کام کیسے نکالا جاتا ہے؟ وہ مصروف عمل ہو چکی تھی
سچ پوچھو تو یہ اس کی کمزوری ہی تھی۔ اسے رسولی سے ڈرنا نہیں چاہیئے تھا اور ایسی
جگہ داخلہ لینے سے انکار کر دینا چاہیئے تھا۔ اسے کوئی مشکل ہی سے یاد کرے
گا لیکن یہ حقیقت تھی کہ کل دوپہر کے تین بجے سے کسی نے بھی یہ معلوم کرنے
کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کی رسولی بڑھ رہی ہے یا نہیں؟ کسی نے اسے
کوئی دوا نہیں دی تھی۔ سفید وردی والے قاتل[1]! کسی نے کیا خوب کہا ہے۔
انھوں نے صرف اتنا کیا تھا کہ اس کے سرہانے ٹمپریچر کا ایک چارٹ لٹکا دیا تھا
احمقوں کے پڑھنے کیلئے اتنا بھی نہیں ہوا تھا کہ اردلی آ کر اس کا بستر ٹھیک کر جائے۔
یہ بھی اسے خود ہی کرنا پڑے گا۔ میرے خدا! ہمارے طبی اداروں کی حالت و

---

[1] ۱۹۵۳ء میں سٹالن کی صفائی کی آخری مہم میں جب ڈاکٹروں کو سازش کا مجرم
گردانا گیا تو ان کے لیے یہی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔

چو بند ہونے کے لیے ابھی کتنا کچھ کرنا ہے۔

آخر ڈاکٹر نمودار ہوئے۔ لیکن اب بھی وہ کمرے میں داخل نہیں ہوئے تھے وہ وہاں دروازے کے دوسری طرف کافی دیر رکے رہے، سیگا نوو کے پاس جس نے انھیں دکھانے کے لیے اپنی پیٹھ ننگی کر لی تھی (اس عرصے میں کوستوگلوتوو نے اپنی کتاب گدے کے نیچے چھپا دی تھی۔)

بالآخر وہ وارڈ میں آ گئے۔ ڈاکٹر ڈونتسووا، ڈاکٹر گنگارٹ اور بھورے بالوں والی بھاری بھرکم نرس جس نے اپنے ہاتھ میں نوٹ بک سنبھال رکھی تھی اور بازو کے نیچے تولیہ۔ کئی سفید کوٹ بیک وقت جب اندر آئیں تو توجہ، ڈر اور امید کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ گون اور ٹوپیاں جتنی زیادہ سفید ہوں اور چہرے جتنے زیادہ درشت ہوں اتنے ہی مریضوں کے چہروں پر جذبات فراواں ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ درشت اور سنجیدہ چہرہ نرس اولمپیاڈ ولاڈسلاوونا کا تھا۔ اس کے نزدیک صبح کی راؤنڈ اتنی ہی اہمیت رکھتی تھی جتنی کسی پادری کے لیے مذہبی فریضے کی ادائیگی۔ وہ ایک ایسی نرس تھی جس کے نزدیک ڈاکٹروں کا درجہ عام انسانی مخلوق سے کہیں اونچا تھا۔ اس کے نزدیک ڈاکٹر ہربات سمجھتے تھے۔ کبھی کوئی غلطی نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی کوئی غلط ہدایات دیتے تھے۔ وہ اپنی نوٹ بک پر ہر ہدایت اس ولولے سے درج کرتی جیسے اسے بے پایاں مسرت حاصل ہو رہی ہو۔ اس قسم کے احساس سے آجکل کی نوجوان نرسیں عاری تھیں۔

لیکن اب جب وہ وارڈ میں آ بھی گئے تھے ڈاکٹروں نے روسانوو کے پلنگ کی طرف بڑھنے میں کوئی عجلت نہیں دکھائی۔ لڈمیلا افانسیونا جو ایک بھاری بھرکم، سادہ اور موٹے نقش و نگار والی لیڈی ڈاکٹر تھی، جس کے بال خاکستری ہونے لگے تھے لیکن اس کے باوجود وہ انھیں کنگھی سے بنا سنوار کر رکھتی تھی، اس نے سرسری انداز میں صبح بخیر کہا اور اس کے بعد پہلے پلنگ

کے نزدیک جو ڈیوما کا پلنگ تھا، رک گئی۔ اس نے اس کی طرف متجسسانہ طور پر دیکھا اور کہا:

"تم کیا پڑھ رہے ہو ڈیوما؟" (کیا وہ کوئی عقل کی بات نہیں پوچھ سکتی تھی؟ اسے جاننا چاہیے کہ وہ ڈیوٹی پر ہے)

ڈیوما نے نام نہیں بتایا۔ اس نے وہی کیا جو بیشتر لوگ کرتے ہیں، مٹیالے نیلے ٹائیٹل والا میگزین الٹ کر اسے لڈمیلا کو دکھا دیا۔ ڈونتسووا نے اپنی آنکھیں سکیڑ لیں۔

"ارے یہ کتنا پرانا ہے۔ دو سال پرانا۔ کیوں؟"

"اس میں ایک دلچسپ مضمون ہے" ڈیوما نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کا ہے پر؟"

"خلوص پر۔" اس نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ اور بھی پرزور تھا۔ "اس میں لکھا ہے خلوص کے بغیر ادب ....."

وہ اپنی بیمار ٹانگ کو فرش پر نیچے لٹکانے لگا تھا لیکن لڈمیلا افاناسیونا نے فوراً ہی اسے روک دیا۔ "ایسا نہ کرو پائنچہ اوپر کر لو۔"

اس نے اپنا پائنچہ اوپر کر لیا اور وہ بستر کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

بڑی احتیاط سے اپنی دو یا تین انگلیوں سے کام لے کر وہ متاثرہ جگہ کو ٹٹولنے لگی۔

ویرا کورنیلیونا پلنگ کے پائے کی طرف جھکی اور لڈمیلا کے کندھے پر سے جھانک کر سکون سے کہا۔ "پندرہ نشستیں۔ تین ہزار شعاعیے۔"

"کیا یہ دکھتا ہے؟"

"ہاں دکھتا ہے"

"اور یہاں؟"

"اس کے اوپر تک دکھتا ہے۔"

" اچھا تو تم نے تمایا کیوں نہیں ۔ اتنے بہادر نہ بنو۔ جب دکھنے لگے مجھے تما دیا کرو۔"

اس نے زخم کے کناروں کو آہستگی سے چھوا اور پوچھا۔ "کیا یہ ہاتھ لگائے بغیر بھی دکھتا ہے ؟ رات کے وقت ؟"

ڈیوما کا چہرہ بہت نرم تھا۔ اس پر ابھی ایک بھی بال نہیں اگا تھا لیکن اس کے چہرے پر جو مستقل کشیدگی رہتی تھی اس کی وجہ سے وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ معمر نظر آتا تھا۔

" یہ مجھے دن رات ستاتا ہے ۔"

لڈمیلا افانسیونا اور گنگارٹ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

" لیکن کیا تم نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جب تم یہاں آئے تھے اس وقت سے یہ زیادہ دکھتا ہے یا کم ؟"

" میں نہیں جانتا۔ شاید حالت قدرے بہتر ہے۔ ممکن ہے یہ میرا صرف خیال ہی ہو۔"

" خون کا معائنہ ؟" لڈمیلا افانسیونا نے پوچھا۔ گنگارٹ نے کیفیت نامہ اسے دے دیا۔ لڈمیلا افانسیونا نے اس پر نظر ڈالی اور پھر لڑکے سے پوچھا

" تمھاری بھوک کیسی ہے ؟"

" کھانا مجھے ہمیشہ مرغوب رہا ہے ۔" ڈیوما نے شان سے جواب دیا۔

" اسے مخصوص کھانا دیا جا رہا ہے ۔" ویرا کورنیلیونا نے بڑی شفقت کے ساتھ خوش الحانی سے کہا جیسے وہ کوئی گاتا ہو۔ وہ ڈیوما کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور وہ بھی جواب میں مسکرا دیا۔

" کیا خون دیا گیا ؟" گنگارٹ نے ڈونٹسووا سے بڑے سکون اور اطمینان سے پوچھا۔ اس نے کیفیت نامہ واپس لے لیا۔

" اچھا تو ڈیوما تمھارا کیا خیال ہے ؟" لڈمیلا افانسیونا نے اس پر ایک

اور متجسس نظر ڈالی "کیا ہم ایکس رے جاری رکھیں؟"
"ضرور جاری رکھیں،" لڑکے کا چہرہ چمک اٹھا اور اس نے اس کی طرف تشکر کی نظروں سے دیکھا۔
اس کا خیال تھا کہ ایکسرے آپریشن کا بدل ہو گا اور یہ کہ ڈونتسووا کا مطلب یہی ہے (دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ متورم ہڈی کا آپریشن کرنے کی بجائے پہلے اسے شعاع تابی کے ذریعے بے حس کیا جانا چاہیئے تاکہ ذیلی ورم پیدا نہ ہوں۔)
اگن بر ڈیو کچھ دیر سے منتظر کھڑا تھا۔ وہ نظریں لگائے ہوئے تھا اور جیسے ہی لڈمیلا افانسیونا پاس کے بستر پر سے اٹھی وہ اچک کر راستے میں کھڑا ہو گیا۔
اس نے اپنی چھاتی کو پھیلا رکھا تھا۔ اور اس کا جثہ سپاہی جیسا تھا۔
ڈونتسووا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی، اس کے ہونٹ کی طرف جھکی اور اس کے کھرنڈ کا معائنہ کیا۔ گنگارٹ بڑے سکون سے تفصیلات اُسے بتا رہی تھی۔
"ہاں بہت خوب!" اس نے حوصلہ افزا آواز میں کہا۔ اس کی آواز ضرورت سے زیادہ اونچی تھی جیسے بسا اوقات اس وقت ہو جاتی ہے جب کوئی ایسے کسی شخص سے بات کر رہا ہو جس کی مادری زبان اس سے مختلف ہو۔ "اگن برڈیو تم بہت اچھی ترقی کر رہے ہو بہت جلد تم گھر جا سکو گے۔"
احمد جان جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس کا فرض یہ تھا کہ جو کچھ ڈونتسووا کہے اس کا ازبک میں ترجمہ کر دے (وہ اور اگن برڈیو دونوں ہی ایک دوسرے کی زبان سمجھتے تھے لیکن ہر ایک کا خیال تھا کہ دوسرا زبان کو ذبح کر رہا ہے[1])
اگن برڈیو لڈمیلا افانسیونا کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ اس کی

---

[1] احمد جان ازبک ہے اور اگن برڈیو قازق۔ دونوں ہی دو مختلف ترکی بولیاں بولتے ہیں۔

آنکھوں سے امید، اعتماد اور راحت ظاہر ہوتی تھی۔ ایسی راحت جو سادہ لوگوں کو صحیح قسم کے تعلیم یافتہ اور صحیح طور پر مفید لوگوں کی بات .... سن کر ہوتی ہے پھر بھی اس نے اپنے کھرنڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کچھ کہا۔ "یہ بڑھ گیا ہے، بڑا ہو گیا ہے" احمد جان نے ترجمہ کیا۔

"یہ دور ہو جائے گا۔ امید ہے کہ ایسا ضرور ہوگا" ڈونٹسووا اپنے لفظوں پر خاص طور پر زور دے کر بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔" یہ دور ہو جائے گا تین مہینے تم گھر پر آرام کرنا پھر ہمارے پاس آجانا۔"

وہ آگے بڑھ کر بوڑھے مُرسالیمود کے پاس گئی جو پہلے ہی اپنے پاؤں نیچے لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس نے اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن ڈونٹسووا نے اسے روک دیا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ کمزور خاکستری جلد والے بوڑھے نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ اسے قادر مطلق سمجھتا ہو۔ احمد جان کے ذریعے سے اس نے اس کی کھانسی کے بارے میں دریافت کیا اور اس سے کہا کہ وہ اپنی قمیص اٹھالے۔ اس نے اس کی چھاتی کو جہاں سے وہ دکھتی تھی چھوا اور اپنے دوسرے ہاتھ کے اوپر سے اپنی انگلیوں سے اسے ٹھوکنے لگی۔ اس دوران میں ویرا کورنیلیونا اسے بتاتی رہی کہ وہ ایکسرے کے سامنے کتنی بار بیٹھ چکا ہے، اسے کتنے انجکشن دیے جا چکے ہیں اور اس کے خون کی کیفیت کیا ہے۔ اس کے بعد اس نے مریض کے کیفیت نامے کا معائنہ کیا۔ کسی وقت اس کے جسم کا ہر عضو کارآمد تھا اس کے صحت مند جسم میں ہر چیز اپنی جگہ پر تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ہر چیز فالتو اور بیکار ہو گئی ہے پٹھوں کی گرہیں اور ہڈیوں کے کنارے اس کی جلد میں سے باہر کو نکلے پڑتے تھے۔

ڈونٹسووا نے کچھ نئے انجکشن تجویز کیے۔ تب اس نے اس سے کہا کہ اس کے پلنگ کے ساتھ میز پر جو بوتلیں رکھی ہیں، ان پر نظر ڈال کر وہ بتائے کہ

آجکل وہ کونسی گولیاں کھا رہا ہے۔ مرسالیمو د نے ملٹی وٹامنز کی ایک خالی بوتل اٹھالی
"یہ تم نے کب خریدیں؟" ڈونٹسووا نے دریافت کیا۔ احمد جان نے اس کے
جواب کا ترجمہ کرکے بتایا۔ "دو دن پہلے۔"
"تو گولیاں کہاں ہیں؟"
وہ سب اس نے کھالی تھیں۔
"تمھارا کیا مطلب ہے؟ سب گولیاں کھالیں؟ ایک ہی مرتبہ؟" ڈونٹسووا
نے سراسیمہ سی ہو کر کہا۔
"نہیں دو مرتبہ۔" احمد جان نے مرسالیمو د کی بات اس تک پہنچائی۔
ڈاکٹر، نرسیں، روسی مریض اور احمد جان سب کھلکھلا کر ہنس پڑے
لیکن مرسالیمو د دانت نکال رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھا تھا۔
پیول نکولائے وچ واحد شخص تھا، جو ان احمقانہ، بے وقت اور مجرمانہ
قہقہوں پر نفرت محسوس کر رہا تھا۔ خیر وہ بہت جلد ان سب کے مزاج کو اعتدال
پر لے آئے گا۔ وہ دل ہی دل میں اس سوال پر بحث کر رہا تھا کہ ڈاکٹروں کا
سامنا کرنے کے لیے اسے کون سا پوز اختیار کرنا چاہیئے۔ آخر اس نے فیصلہ
کیا کہ بہترین پوز یہ ہوگا کہ وہ اپنی ٹانگیں سمیٹ کر نیم دراز حالت میں ان سے
ہم کلام ہو۔
"خیر کوئی خاص بات نہیں۔" ڈونٹسووا نے مرسالیمو د کو تسلی دی۔ اس
نے مزید وٹامن سی تجویز کیا۔ ایک نرس نے بڑی گرم جوشی سے اسے تولیہ پیش کیا
تھا۔ اس نے اس سے ہاتھ پونچھے اور دوسرے پلنگ کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے
چہرے پر بڑی گمبھیرتا طاری تھی۔ اب جب وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی تو اس
کے چہرے کا ناخوشگوار بھوراپن صاف نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے کی کیفیت
سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت تھکی ہوئی ہے، قریب قریب بیمار۔
پیول نکولائے وچ اپنے گنجے سر پر مخملی ٹوپی رکھے اور عینک لگائے

بستر پر تن کر بیٹھا تھا۔ وہ ایک سکول ماسٹر نظر آتا تھا۔ کوئی بوڑھا اسکول ماسٹر نہیں بلکہ ایک ایسا ممتاز سکول ماسٹر جس نے سیکڑوں طالب علموں کو پڑھایا ہو۔ وہ اس کا منتظر رہا کہ لڈمیلا افانسیونا اس کے بستر کے کافی قریب آجائے۔ اس کے آتے ہی اس نے اپنی عینک کو درست کیا اور اعلان کیا " کامریڈ ڈونٹسووا اس کلینک میں معاملات جس طرح چلتے ہیں اس کے متعلق مجبوراً مجھے وزارتِ صحت کو مطلع کرنا پڑے گا۔ مجھے کامریڈ اوسٹاپنکو کو ٹیلیفون کرنا پڑے گا۔"

وہ نہ تو کانپی نہ زرد ہی پڑی لیکن اس کا چہرہ کسی قدر زیادہ پھول ضرور گیا تھا۔ اس نے اپنے کاندھوں کو عجیب طرح سے جنبش دی۔ دائرے کی سی شکل کی جنبش جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت تھکے ہوئے ہیں اور جو بوجھ ان پر لادا گیا ہے اس سے رہائی پانے کے آرزومند ہیں۔

" اگر وزارت صحت کے ساتھ تمھارے مراسم واقعی اچھے ہیں " وہ فوراً ہی اس سے متفق ہو گئی " اور اگر تم اس پوزیشن میں ہو کہ کامریڈ اوسٹاپنکو کو ٹیلیفون کر سکو تو میں ایسی مزید کئی چیزیں بتا سکتی ہوں جن کے متعلق تمھیں انھیں آگاہ کرنا چاہیئے۔ کیا میں بتاؤں کہ وہ باتیں کیا ہیں ؟"

" مزید کچھ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں جس بے توجہی کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے وہ بہت کافی ہے۔ میں یہاں اٹھارہ گھنٹے سے ہوں اور کوئی میرا علاج نہیں کر رہا۔ اور میں ایک ....." (اس سے زیادہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ فقرہ وہ یقیناً خود ہی مکمل کر سکتی ہے)

کمرے میں ہر کوئی خاموش تھا اور روسانوو کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ صدمہ گنگارٹ کو پہنچا۔ ڈونٹسووا کو نہیں۔ اس کے ہونٹ سکڑ کر ایک تپلی سی لکیر بن گئے۔ اس نے چیں بہ جبیں ہو کر تیوریاں چڑھالیں جیسے اس نے کوئی از دست رفتہ صورت حال رونما ہوتے دیکھی ہو اور اسے روکنے

سے بے بس ہو۔ ڈونٹسووا کا بھاری بھرکم جسم روسانوو پر جو بیٹھا ہوا تھا چھا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑا۔ اس نے اپنے کاندھوں کو دائرے کی سی شکل میں ایک اور جنبش دی اور پرسکون اور مصالحتی لہجے میں کہا۔ "میں یہاں اس لیے آئی ہوں کہ تمھارا علاج کروں۔"

"نہیں اب بہت دیر ہو گئی ہے۔" پیول نکولائیے وچ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ یہاں کام کس طرح ہوتا ہے اور میں جا رہا ہوں۔ کوئی شخص ذرا بھی دلچسپی نہیں لیتا۔ کوئی بھی تشخیص کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔" اس کی آواز غیر ارادی طور پر کانپ گئی۔ اسے واقعی غصہ آ رہا تھا۔

"تمھاری بیماری کی تشخیص ہو چکی ہے۔" ڈونٹسووا نے دونوں ہاتھوں سے اس کے پلنگ کے پائے کو آہستہ سے پکڑ کر کہا۔ "اور ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں تم جا سکو۔ ری پبلک میں ایسا اور کوئی ہسپتال نہیں، جہاں تمھاری مخصوص بیماری کا علاج ہوتا ہو۔"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ مجھے کینسر نہیں ..... تمھاری تشخیص کیا ہے؟"

"عام طور پر مریضوں کو ہم یہ بتاتے نہیں کہ انھیں کیا بیماری ہے۔ لیکن اگر اس سے تمھیں کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو بتائے دیتی ہوں۔ تمھارے پٹھے میں پانی بھر گیا ہے۔"

"تمھارا مطلب ہے یہ کینسر نہیں؟"

"کینسر ہرگز نہیں ہے۔" اس کی آواز میں ایسی کسی تلخی کا شائبہ تک نہیں تھا، جو جھگڑے میں عام طور پر پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے جبڑے کے نیچے مٹھی بھر رسولی اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ تلخی کس کے خلاف محسوس کرے؟ رسولی کے خلاف؟

"کسی نے تمھیں یہاں آنے پر مجبور نہیں کیا۔ تم جہاں چاہو، جا سکتے ہو،

لیکن یاد رکھو......" اس نے رکتے رکتے کہا۔" لوگ صرف کینسر ہی سے نہیں مرتے۔" یہ ایک دوستانہ قسم کا انتباہ تھا۔

" یہ کیا ہے؟ کیا تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو؟" پیول نکولائے وچ چلایا۔" تم یہ کیوں کر رہی ہو؟ یہ پیشہ ورانہ آداب کے منافی ہے" وہ اب بھی پورے زور سے چیخ رہا تھا۔ لیکن لفظ "مرنے" نے اس کے اندر ہر چیز کو منجمد کر دیا تھا۔ جب اس نے بعد میں یہ کہا۔" تم؟ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میری حالت واقعی اس حد تک خطرناک ہے؟" تو اس کا لہجہ نمایاں طور پر نرم پڑ گیا تھا۔

" ہاں اگر تم ایک ہسپتال سے دوسرے ہسپتال میں بھاگتے رہے تو ضرور خطرناک ہو جائے گی۔ اپنا سکارف اتارو اور مہربانی سے کھڑے جاؤ۔"

اس نے اپنا سکارف اتار دیا اور فرش پر کھڑا ہو گیا۔ ڈونٹسووا نے نرمی سے رسولی کو چھوا اور اس کے بعد گردن کے اس حصے کو جو صحت مند تھا، اور ان دونوں کا آپس میں موازنہ کیا۔ پھر روسانوو سے کہا کہ وہ اپنے سر کو پیچھے کی طرف حرکت دے، جتنا بھی اس کے لیے ممکن ہو۔ وہ اپنے سر کو کچھ زیادہ پیچھے کی طرف نہ لے جا سکا۔ فوراً ہی رسولی مزاحم ہونے لگی، اس کے بعد اسے اپنی گردن کو جہاں تک ممکن ہو سکا آگے کو جھکانا پڑا اور پھر دائیں اور بائیں جانب جھکانا پڑا۔

تو معاملہ یہ تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا سر عملاً نقل و حرکت کی آزادی سے محروم ہو گیا ہے۔ ایک ایسی آزادی سے جو جب تک ہمیں حاصل ہوتی ہے، ہم اس کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

" مہربانی سے اپنی جیکٹ اتار دو۔"

سبز اور براؤن جیکٹ صحیح سائز کی تھی اور اس کے بڑے بڑے بٹن تھے۔ یہ بات خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اسے اتار دینا مشکل ہو گا لیکن

جب پیول نکولائے وچ نے اپنے بازو پھیلائے اور سر کو جنبش دی تو وہ آہ بھر کر رہ گیا۔ صورت حال واقعی نازک تھی۔ بھورے بالوں والی نرس نے اس کی مدد کی۔

"کیا تمھاری بغلیں دکھتی ہیں؟" ڈونٹسووا نے دریافت کیا! "کیا تمھیں کوئی اور تکلیف ہے؟"

"تو کیا یہ وہاں تک بھی پھیل سکتی ہے؟" روسانوو کی آواز اب مدھم ہو چکی تھی اور لڈمیلا افانسیونا کی آواز سے بھی زیادہ نرم تھی۔

"اپنے بازوؤں کو باہر کی طرف پھیلاؤ۔" اس نے اس کی بغلوں کو چھوا اور دبا دبا کر دیکھنے لگی۔

"علاج کس قسم کا ہوگا؟" پیول نکولائے وچ نے دریافت کیا۔

"انجکشن۔ میں تمھیں بتا چکی ہوں۔"

"کہاں؟ سیدھے رسولی میں؟"

"نہیں شریانوں میں۔"

"کتنی مرتبہ۔"

"ہفتے میں تین بار۔ اب تم اس کے لیے تیار ہو سکتے ہو۔"

"اور آپریشن ... ناممکن ہے؟"

(اس سوال کے پیچھے آپریشن کے میز پر لیٹنے کا خوف کارفرما تھا تمام مریضوں کی طرح وہ بھی کسی اور طویل المدت علاج کو ترجیح دیتا۔)

"آپریشن بے کار اور بے مصرف ہوگا۔" وہ تولیے سے جو نرس نے اسے پیش کیا تھا، ہاتھ پونچھ رہی تھی۔

میں یہ سن کر خوش ہوا ہوں۔ پیول نکولائے وچ نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہرحال اسے کاپاسے مشورہ ضرور کرنا پڑے گا۔ بالوا سطہ طور پہ اثر و رسوخ استعمال کرنا آسان کبھی نہیں ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اثر و رسوخ اتنا تھا ہی نہیں جتنے کا وہ آرزومند تھا اور نہ وہ اثر و رسوخ اتنا کارگر تھا جتنے

کا وہ مدعی تھا۔ کامریڈ اوستاپینکو کو ٹیلیفون کرنا اتنا آسان ہرگز نہیں تھا۔

"بہت اچھا میں اس کے بارے میں سوچوں گا اور کل ہم کسی فیصلے پر پہنچ جائیں گے۔"

"نہیں۔" ڈونٹسووا نے بے رحمی سے کہا۔ "تمھیں ابھی فیصلہ کرنا ہے کل ہم انجکشن نہیں دے سکتے۔ سنیچر کا دن ہے۔"

پھر ضابطے کی بات! — یہ بات اس کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ ضابطے توڑنے کے لیے ہوتے ہیں۔ "آخر کیا وجہ ہے کہ میں سنیچر کے دن انجکشن نہیں لے سکتا؟"

"کیونکہ ہمیں تمھارے ردعمل کا بڑی احتیاط سے مشاہدہ کرنا پڑے گا۔ انجکشن لگانے کے دن بھی اور اس کے بعد بھی۔ اور اتوار کو ہم یہ نہیں کر سکتے۔"

"تمھارا مطلب ہے.... کیا معاملہ واقعی اتنا نازک ہے؟"

لڈمیلا افانسیونا نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوستوگلوٹوو کے پلنگ کی طرف بڑھ چکی تھی۔

"کیا ہم سوموار تک انتظار نہیں کر سکتے....؟"

"کامریڈ روسانوو تم نے ہم پر یہ الزام لگایا تھا کہ ہم اٹھارہ گھنٹے انتظار کرتے رہے اور تمھارا کوئی علاج نہیں کیا۔ اب تم ہمیں بہتر گھنٹے انتظار کرنے کا مشورہ دے رہے ہو۔" (اس نے جنگ جیتنا شروع کر دی تھی۔ اس کا اسٹیم رولر روسانوو کو کچل رہا تھا اور وہ بے بس تھا)۔ "یا تو ہم علاج کے لیے تمھیں داخل کریں گے یا نہیں۔ اگر تم ہاں کہو گے تو پہلا انجکشن آج ہی صبح گیارہ بجے لگے گا۔ اگر نہیں تو تمھیں لکھ کر دینا پڑے گا کہ تمھیں ہمارا علاج قبول نہیں۔ اور مجھے تمھیں آج ہی ڈسچارج کرنا پڑے گا۔ ہمیں یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ تمھیں تین دن تک یہاں رکھیں اور کچھ بھی نہ کریں۔ جتنے عرصے میں میں اس کمرے میں اپنا راؤنڈ پورا کروں تم سوچ سکتے ہو۔ اس کے بعد مجھے بتا دینا کہ تم نے کیا فیصلہ

کیا ہے"

روسانوو نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

گنگارٹ جس کا سفید کوٹ گردن تک اس کے جسم پر کسا ہوا تھا، چپ چاپ اس کے پاس سے گزر گئی۔ اولمپیا ڈا ولاڈ سلا ووُنا ان کے پیچھے یوں روانہ ہوئی جیسے جہاز حرکت میں آتا ہے۔

ڈونٹسووا دلیل بازی سے تھک چکی تھی اور یہ امید کر رہی تھی کہ اگلے بستر پر اس کا دل کچھ خوش ہوگا۔

"اچھا تو کوسٹوگلوٹوو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

کوسٹوگلوٹوو نے اپنے بالوں کے گچھوں کو درست کیا اور اونچی آواز میں جو ایک صحت مند آدمی کی پُراعتماد آواز تھی، جواب دیا "میں بہت اچھا ہوں لڈمیلا افانسیونا۔ اس سے بہتر حالت کا تو قیاس بھی ممکن نہیں۔"

ڈاکٹروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ویرا کورنلیونا کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی اور اس کی آنکھیں تو تقریب قریب ہنس رہی تھیں۔

"تو بہت اچھا!" ڈونٹسووا اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔ "جو کچھ تم محسوس کرتے ہو اسے لفظوں میں بیان کرو۔ یہاں آنے کے بعد سے تم نے کیا فرق محسوس کیا ہے؟"

"بڑی خوشی سے۔" کوسٹوگلوٹوو تیار بر تیار تھا۔ "دوسری نشست کے بعد تکلیف کم ہونا شروع ہوئی اور چوتھی نشست کے بعد بالکل ہی جاتی رہی۔ میرا ٹمپریچر بھی کم ہو گیا۔ اب میں سوتا بھی اچھی طرح ہوں۔ رات میں دس گھنٹے۔ جیسے بھی چاہوں لیٹ سکتا ہوں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پہلے مجھے کسی پہلو بھی چین نہیں آتا تھا۔ پہلے میں کھانے کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب جو بھی ملے کھا لیتا ہوں اور دوسری بار بھی مانگتا ہوں۔ اور یہاں تکلیف بھی

نہیں ہوتی۔"

گنگارٹ کی ہنسی پھوٹ پڑی۔

"اور وہ تمہیں دوسری بار بھی کھانا دے دیتے ہیں۔" ڈونٹسووا بھی ہنس رہی تھی۔

"کبھی کبھی۔ اب اور کیا کہوں ؟ دنیا کے متعلق میرا رویہ یکسر بدل گیا ہے جب میں آیا تھا تو مردہ تھا۔ اب میں زندہ ہوں۔"

"ابکائی نہیں آتی ؟"

"نہیں۔"

ڈونٹسووا اور گنگارٹ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ان کے چہرے دمک گئے جیسے کوئی استاد اپنے ذہین ترین طالب علم کی طرف دیکھ رہا ہو اور یہ محسوس کرے کہ وہ سوالوں کا جواب اتنے عمدہ طریق پر دیتا ہے جو اس کے اپنے علم اور تجربے سے بھی اوپر ہیں۔ استاد ایسے شاگردوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

"تمہیں رسولی محسوس تو ہوتی ہوگی۔"

"اب میں اس کی کوئی پروا نہیں کرتا۔"

"لیکن کیا یہ محسوس ہوتی ہے ؟"

"بات یہ ہے کہ جب میں لیٹتا ہوں تو مجھے ایک وزنی سی چیز محسوس ہوتی ہے۔ کوئی چیز جو پھڑپھڑا سی رہی ہو لیکن میں اس کی کوئی پروا نہیں کرتا،" کوسٹوگلوٹوف نے اصرار کیا۔

"بہت اچھا اب لیٹ جاؤ۔"

کوسٹوگلوٹوف معمول کے کام میں لگ گیا۔ گذشتہ ماہ مختلف ہسپتالوں میں کئی ڈاکٹروں اور طب کے طالب علموں نے اس کا معائنہ کیا تھا۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ رسولی کو دیکھنے کے لیے وہ دوسرے کمروں سے اپنے ساتھیوں

کو بلا لیتے۔ ہر شخص اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا) اس نے اپنی ٹانگوں کو بستر پر اٹھا لیا۔ گھٹنے سمیٹے اور تکیے کے بغیر پشت کے بل لیٹ کر اپنا پیٹ ننگا کر لیا۔ اسے فوراً ہی محسوس ہوا کہ اس کے اندر کی مینڈک نما رسولی جو اس کی زندگی کی ساتھی بن گئی تھی اور اس کے اندر سے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی، گڑبڑ پیدا کر رہی ہے۔

لڈمیلا افانسیونا اس کے پاس بیٹھ گئی اس کا ہاتھ ہلکے دائرے بناتا ہوا رسولی کے قریب جانے لگا۔

"اکڑو نہیں، اکڑو نہیں" وہ اسے یاد دلاتی رہی۔

وہ یہ جانتا تھا لیکن اس پر بھی غیر شعوری طور پر وہ اکڑتا ہی گیا بالآخر افانسیونا اسے اپنا پیٹ ڈھیلا چھوڑنے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اس نے پیٹ کے پیچھے رسولی کا کنارہ محسوس کر لیا۔ پھر وہ اپنے ہاتھ سے اسے ہر طرف سے ٹٹولنے لگی۔ پہلے آہستہ آہستہ پھر ذرا مضبوطی سے اور تیسری بار اور بھی زیادہ مضبوطی سے۔

گنگارٹ اس کے کاندھے پر سے دیکھ رہی تھی اور کوسٹوگلوتوو گنگارٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی شخصیت بڑی ہی دلکش تھی۔ وہ سختی کرنا چاہتی تھی لیکن کر نہیں سکتی تھی۔ جلدی ہی مریضوں سے گھل مل جاتی۔ وہ بزرگ نظر آنا چاہتی تھی لیکن اس معاملے میں بھی اسے کامیابی نہیں ہوتی تھی اس کے برتاؤ میں چھوٹی لڑکیوں جیسی کوئی بات نہ تھی۔

"میں اسے صاف طور پر محسوس کر سکتی ہوں، پہلے ہی کی طرح" لڈمیلا افانسیونا نے اعلان کیا۔ "یہ پہلے سے کچھ چپٹی ضرور ہو گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ ذرا آگے کھل گئی ہے اور پیٹ کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا ہے اس لیے بیان تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ نرم پڑ گئی ہے لیکن اس کا حجم اتنا ہی ہے۔ کیا تم دیکھنا چاہو گی؟"

"نہیں، میرے خیال میں یہ ضروری نہیں۔ روز ہی دیکھتی ہوں۔ ایک دن نہ سہی خون کی کیفیت ــــ پچیس ــــ سفید۔ خلیے ــــ پانچ آٹھ سو۔ تلچھٹ بننے کا عمل...... تم یہاں خود دیکھ سکتی ہو......"

روسانووا نے اپنے سر کو ہاتھوں پر سے اٹھایا اور سرگوشی میں نرس سے پوچھا۔ "وہ انجکشن؟ کیا وہ بہت تکلیف دہ ہے۔؟"

کوستوگلوٹوو بھی سوال پوچھ رہا تھا۔ "لڈمیلا افانیونا مجھے ایکسرے کے سامنے کتنی بار اور بیٹھنا ہوگا؟"

"اس کا فیصلہ ہم ابھی سے نہیں کر سکتے۔"

"نہ سہی لیکن قریب قریب؟ مجھے چھٹی کب ملے گی؟"

"کیا؟" اس نے کیفیت نامے پر سے سر اٹھا کر کہا۔ "کیا کہا تم نے؟"

"تم مجھے چھٹی کب دے رہی ہو؟" کوستوگلوٹوو نے اسی اعتماد سے اپنا سوال دہرایا۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے پنڈلیوں کو پکڑ لیا اور اپنے چہرے پر ایک خود سری سی طاری کر لی۔ ڈونٹسووا کی نظروں میں اپنے قابل ترین شاگرد کے لیے جو ستائش تھی اس کا شائبہ تک باقی نہ رہا۔ اب وہ صرف ایک پیچیدہ مریض تھا جس کے چہرے سے ضدی پن ظاہر ہوتا تھا۔

"میں نے تمھارا علاج شروع ہی کیا ہے۔" اس نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔ "جو کل سے شروع ہوگا۔ اب تک تو ہم صرف جانچ پڑتال ہی کر رہے تھے۔"

لیکن کوستوگلوٹوو ہار ماننے والا نہیں تھا۔ "لڈمیلا افانیونا میں اپنی بات کی تھوڑی سی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ میں ابھی تندرست نہیں ہوا۔ لیکن مکمل صحت یابی تو میری آرزو کبھی نہیں ہے"

"کیسے کیسے مریض ہیں ایک سے بڑھ کر ایک" لڈمیلا افانیونا کی پیشانی پر بل تھے۔ اس مرتبہ وہ برہم ہو گئی۔ "تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا تمھارا دماغ ٹھیک

ہے؟"

"لڈمیلا افانسیونا!" کوستوگلوتوو نے اپنا بڑا سا ہاتھ ہلا کر اسے کچھ اور کہنے سے روک دیا۔ "اس دور کے آدمی کی صحیح الدماغی یا پاگل پن پر بحث ہمیں اصل موضوع سے بہت دور لے جائے گی.... میں تمھارا واقعی بہت شکرگزار ہوں کہ تمھاری بدولت اتنی اچھی حالت میں آگیا۔ اب میں اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اور جینا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر میں نے علاج جاری رکھا تو کیا ہوگا....؟ یہ میں نہیں جانتا۔" جب وہ بول رہا تھا تو لڈمیلا افانسیونا کا نچلا ہونٹ بے صبری اور نفرت سے پھڑک رہا تھا۔ گنگارٹ کی بھنویں کھنچ گئی تھیں، وہ کبھی ایک کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی دوسرے کی طرف، وہ چاہتی تھی کہ بیچ میں پڑ کر ان کی صلح کرا دے۔ اولمپیاڈا دلاڈسلادونا یاعنی کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ "واقعہ یہ ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ مستقبل کی زندگی کی امید میں اب بہت بڑی قیمت ادا کروں۔ میں جسم کی قدرتی دفاعی صلاحیتوں پر بھروسہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم اور تمھارے جسم کی قدرتی دفاعی صلاحیتیں اس کلینک میں پیٹ کے بل رینگتی ہوئی آئی تھیں۔" ڈونٹسووا نے کڑی سرزنش کی اور بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "جو کھیل تم کھیل رہے ہو اس کا تمھیں کوئی علم نہیں۔ میں تم سے بات تک نہیں کروں گی۔"

اس نے اپنا ہاتھ لہرایا اور ادودکن کی طرف مڑ گئی۔ کوستوگلوتوو کمبل کے نیچے اپنے گھٹنوں کو سمیٹے لیٹا رہا وہ کتے کی طرح غرا رہا تھا۔ اس کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"لڈمیلا افانسیونا میں اب بھی اس مسئلے پر تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تمھیں اس تجربے میں دلچسپی ہو سکتی ہے یہ جاننے کے لیے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ لیکن میں مزے سے جینا چاہتا ہوں خواہ ایک ہی برس سہی۔ بات صرف

اتنی ہے۔"

"بہت اچھا۔" ڈونٹسووا نے اس کے کاندھے پر سے اپنا فقرہ پھینکا "تمھیں بلا لیا جائے گا۔"

اب وہ ازودکن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے اور اس کی آواز میں جو بے چینی پیدا ہو گئی تھی، اس سے نجات پانا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

ازودکن کھڑا نہیں ہوا۔ وہ اپنے پیٹ کو پکڑے بیٹھا رہا اور صرف اپنا سر اٹھا کر ڈاکٹروں کا خیر مقدم کیا۔ اس کے دونوں ہونٹ مل کر سالم منہ نہیں بناتے تھے۔ ہر ہونٹ اپنی تکلیف کا جدا گانہ مظہر تھا۔ اس کی آنکھوں میں التجا کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں تھا۔ مدد کی التجا، سب سے جو اس کی بات سن بھی نہیں سکتے تھے

"تو کولیا کیا حال ہے؟" لڈمیلا افانسیونا نے اس کے شانوں کے گرد اپنے بازوؤں سے دائرہ بنا کر کہا۔

"بُرا" اس نے نرمی سے جواب دیا۔ جب وہ بولتا تھا تو صرف اپنا منہ ہلاتا تھا۔ وہ کوشش کرتا تھا کہ اس کی چھاتی سے ہوا خارج نہ ہو کیونکہ اس کے پھیپھڑوں کی ہلکی سی جنبش بھی اس کے معدے اور اس کی رسولی کو متاثر کر دیتی تھی۔ چھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ وہ نوجوان کمیونسٹوں کی اتوار کے دن کام کرنے والی ٹولی میں اپنے کاندھے پر کدال رکھے، اونچی آواز میں گاتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا ـــــ اب یہ عالم تھا کہ اپنی تکلیف کی بات بھی وہ سرگوشی ہی میں کر سکتا تھا

"بہت اچھا کولیا ـــــ آؤ ہم مل کر سوچیں" ڈونٹسووا انتہائی نرمی سے بول رہی تھی۔ "غالباً تم علاج سے تنگ آ گئے ہو۔ تم ہسپتال میں قیام سے تنگ آ چکے ہو۔ سچ ہے نا؟"

"ہاں ...."

"یہ شہر تمھارا مولد ہے، شاید گھر پر آرام کرنا تمھارے لیے مفید ہو۔ کیا تم اسے پسند کرو گے؟ ہم تمھیں ایک ماہ یا چھ ہفتے کے لیے چھٹی دے سکتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد.... تم مجھے پھر داخل کر لو گی؟"

"ہاں۔ ہم تمھیں ضرور لے لیں گے۔ اب تم ہم میں سے ایک ہو۔ اس سے تمھیں انجکشنوں سے چھٹی مل جائے گی۔ اس کی بجائے تم کیمسٹ سے دوائی خرید سکتے ہو اور دن میں تین بار اپنی زبان کے نیچے رکھ سکتے ہو۔"

"سنٹر دل؟"

"ہاں۔"

ڈونٹسووا اور گنگارٹ کو علم نہیں تھا کہ کئی مہینے سے ازدوکن ڈیوٹی دینے والی ہر نرس اور رات کو ڈیوٹی دینے والے ہر ڈاکٹر سے مزید دوا کی دیوانہ وار بھیک مانگتا رہتا تھا۔ خواب آور گولیاں، درد کش دوائیاں اور ہر قسم کا پوڈر اور گولی۔ دوائیوں کے اس اندوختے کو وہ اپنے کپڑوں کے چھوٹے سے بیگ میں جمع کرتا رہتا تھا۔ انھیں وہ اس دن کے لیے بچا رہا تھا جب ڈاکٹر اس کی مدد نہیں کریں گے۔

"تمھیں آرام کی ضرورت ہے میرے پیارے کولیا آرام کی۔"

وارڈ میں مکمل سکوت تھا۔ روسانوو نے آہ بھری اور اپنا سر اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اس کی آواز سارے کمرے میں گونج گئی "ڈاکٹر میں ہتھیار ڈالتا ہوں۔ میرے انجکشن لگا دو۔"

۵۔ ڈاکٹروں کی الجھن

اسے کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ دل شکستگی؟ افسردگی؟ جب اداسی چھا جاتی ہے، جب ایک طرح کی غیر مرئی، لیکن دبیز اور بھاری دھند دل پر چھا جاتی ہے، جسم پر گھیرا ڈال لیتی ہے اور اس کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر کے بے بس بنا دیتی ہے۔ ہم سب اس بے بسی کو محسوس کرتے ہیں، اپنے گرد اس دھند کو دیکھتے ہیں۔ شروع شروع میں تو ہم یہ تک نہیں سمجھ پاتے کہ جس چیز نے ہمیں بے بس بنا رکھا ہے وہ ہے کیا۔؟

ویرا کورنیلیونا جب اپنا راؤنڈ پورا کر کے ڈونٹسووا کے ساتھ سیڑھیاں اتری تو بعینہٖ وہ یہی محسوس کر رہی تھی۔ وہ بہت مضطرب تھی۔

ان حالات میں یہ بہت مفید ہوتا ہے کہ اپنا جائزہ لیا جائے۔ یہ اندازہ لگایا جائے کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟ اور اگر ممکن ہو تو کوئی حفاظتی دیوار بھی کھڑی کر لی جائے۔

لیکن اس کے پاس اس کی مہلت کہاں تھی کہ وہ جائزہ لے سکے، کوئی اندازہ لگا سکے

معاملہ یہ تھا کہ اسے "اماں" کے بارے میں تشویش ہو رہی تھی (ریڈیائی علاج کے شعبے میں تینوں ماتحت آپس میں بات چیت کرتے وقت لڈمیلا افانسیونا کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے) وہ اسے اماں کچھ تو اس کی عمر کی بنا پر کہتے تھے — ان سب کی عمر تیس سال تھی جبکہ لڈمیلا تقریباً پچاس برس کی تھی — اور کچھ اس لیے کہ اس نے انھیں کام خاص لگن سے سکھایا

تھا۔ وہ جنون کی حد تک مستعد تھی اور چاہتی تھی کہ اس کی تینوں "بیٹیاں" بھی اسی مستعدی اور اسی جنون کو اپنا لیں۔ وہ ان ڈاکٹروں کی آخری کھیپ سے تعلق رکھتی تھی جو ایکس رے کے ذریعے تشخیص کے بھی ماہر تھے اور ایکسرے کے علاج کے بھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے عام رجحان یہ تھا کہ علم کو شاخوں میں بانٹ دیا جائے لیکن اس کے باوجود اس کی کوشش یہی تھی کہ اس کے ماتحت دونوں میں مہارت پیدا کریں۔

اس کی زندگی میں کوئی راز نہیں تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی جسے وہ اپنے تک رکھے اور اس میں دوسروں کو شریک نہ کرے اور جب کبھی گنگارٹ یہ ظاہر کرتی کہ وہ اپنی "اماں" کے مقابلے میں زیادہ تیز اور زیادہ چالاک ہے تو لڈمیلا افانسیونا کو اس سے خوشی ہی ہوتی۔ میڈیکل کالج چھوڑنے کے بعد سے ویرا نے اس کے ساتھ آٹھ برس کام کیا تھا۔ اور اب جو وہ اپنے میں یہ صلاحیت محسوس کرتی تھی کہ جو مریض زندگی کی بھیک مانگنے آتے ہیں انھیں وہ موت کی سرحد سے واپس لا سکتی ہے تو اس صلاحیت کا سرچشمہ لڈمیلا افانسیونا ہی کی دین تھا۔

یہ شخص روسانوو اماں کے لیے پریشان کن مصیبت بن سکتا تھا۔ جسم پر سرآ دیا ان تو کوئی جادوگر ہی کر سکتا ہے لیکن اسے کاٹ ہر احمق سکتا ہے۔

کاش روسانوو صرف ایک ہی ہوتا۔ کوئی بھی مریض جس کے دل میں تلخی ہو اس کا طرز عمل اسی طرح کا ہوتا ہے اور جب کتے غضب میں ہوں تو انھیں حسب مرضی خاموش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس قسم کی دھمکیاں پانی پر خواہ کوئی نقش نہ چھوڑیں لیکن دل پر انمٹ اثر ضرور چھوڑ جاتی ہیں۔ ایسا نہیں کہ اس نقش کو مٹایا نہ جا سکے لیکن جب کوئی بدمست نشکاری پکارنے لگتا ہے۔ "ڈاکٹر مردہ باد" یا "انجینئر مردہ باد" تو ہدف ملنے میں دیر نہیں لگتی

سفید کوٹ والوں[1] پر شک و شبہ کے جو کالے بادل چھائے تھے۔ ان کی پرچھائیاں کہیں کہیں اب بھی باقی تھیں۔ حال ہی کی بات تھی کہ ایم، بی، جی[2] کا ایک ڈرائیور جس کے معدے میں رسولی تھی، کلینک میں داخل ہوا تھا اس کا آپریشن ہونا تھا۔ ویرا کورنیلیونا کا اس کے معاملے سے کوئی تعلق تھا تو صرف اتنا کہ ایک رات جب وہ رات کی ڈیوٹی پر تھی تو گشت کے دوران مریض نے اس سے کہا تھا کہ اسے نیند نہیں آتی۔ اس نے اس کے لیے خواب آور دوا تجویز کی تھی اور جب دوا دینے والی نرس نے اسے بتایا تھا کہ اس دوا کی چھوٹی چھوٹی خوراکیں ہی موجود ہیں تو ویرا نے کہا تھا کہ "دو خوراکیں دے دو" مریض نے دوا لے لی اور ویرا کورنیلیونا کو یہ مطلق احساس نہیں ہوا کہ دوا لیتے ہوئے اس نے اس کی طرف مخصوص انداز سے دیکھا ہے۔ کسی کو بھی کچھ معلوم نہ ہوتا لیکن ہوا یہ کہ لیبارٹری میں کام کرنے والی ایک لڑکی اسی فلیٹ میں رہتی تھی جس میں ڈرائیور رہتا تھا اور وہ وارڈ میں اس سے ملنے آئی تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی بھاگی بھاگی ویرا کورنیلیونا کے پاس گئی۔ ڈرائیور نے دوا کھائی نہیں تھی۔ دو خوراکیں بیک وقت کیوں؟ وہ ساری رات جاگتا رہا اور اب اس لڑکی سے پوچھ رہا تھا کہ اس کا خاندانی نام گنگارٹ کیوں ہے؟ اس کے متعلق مجھے مزید کچھ بتاؤ۔ اس نے مجھے زہر دینے کی کوشش کی ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے متعلق پوری پوری تفتیش کی جائے۔

ویرا تفتیش کا کئی ہفتے انتظار کرتی رہی۔ اس دوران میں اس نے تشخیص پورے اعتماد، مکمل احتیاط بلکہ پورے ولولے سے بھی کی۔ وہ

---

[1] ڈاکٹروں کی مبینہ سازش کی طرف ایک اور اشارہ

[2] ریاستی تحفظ کی وزارت۔ یہ تنظیم ان دنوں کے، جی، بی یعنی ریاستی تحفظ کی کمیٹی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تنظیم اسی قسم کی ہے جیسی نازی جرمنی میں گسٹاپو تھی۔

اپنی نظروں اور اپنی مسکراہٹ سے مریضوں کا دل بھی بڑھاتی رہی تاکہ اس بدنام کینسر وارڈ میں آکر انھیں جو تکلیف محسوس ہو رہی ہے اس کی تھوڑی بہت تلافی ہو جائے لیکن اس تمام عرصے میں وہ اس کی منتظر بھی رہی کہ اُن مریضوں میں سے کوئی اس کی طرف اس طرح دیکھے گا جیسے کہہ رہا ہو تم قیدی ہو۔

ایک اور بات جس نے آج کی راؤنڈ کو خاص طور پر خشک بنا دیا تھا یہ تھی کہ کوسٹوگلوٹوو جس کے مرض میں خاص طور پر افاقہ ہوا تھا اور جس کا علاج کسی نہ کسی سبب سے ویرا کورنیلیونا نے خاص شفقت سے کیا تھا "اماں" سے اس مخصوص لہجے میں بحث کر رہا تھا جیسے اسے یہ شبہ ہو کہ اس پر کوئی بہت ہی ظالمانہ تجربہ کیا جا رہا ہے۔

لڈمیلا افانسیونا بھی راؤنڈ ختم کرنے کے بعد بہت دل برداشتہ تھی۔ اسے وہ ناخوشگوار ہنگامہ یاد تھا جو ایک فسادی عورت پولینا ازدوچکووا نے برپا کیا تھا۔ بیمار وہ نہیں بلکہ اس کا بیٹا تھا۔ وہ خود کلینک میں صرف اس کے ساتھ رہنے آئی تھی۔ انھوں نے آپریشن کر کے لڑکے کے اندر سے رسولی نکال دی تھی۔ لیکن غلام گردش میں وہ سرجن پر برس پڑی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ اس کے بیٹے کی رسولی کا ٹکڑا اسے دیا جائے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ رسولی کے اس ٹکڑے کو کسی اور کلینک میں لے جائے اور اس کی تصدیق کرائے کہ تشخیص ٹھیک ہوئی ہے اور اگر وہ تشخیص ڈونٹسووا کی تشخیص سے مختلف ہو تو یا تو وہ اس سے زرِ تاوان کا مطالبہ کرے ورنہ اسے عدالت میں کھینچ لے جائے۔

ہسپتال کے سٹاف کے ہر ممبر کو ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ یاد تھا۔

اب جب انھوں نے راؤنڈ پورا کر لیا تھا تو وہ آپس میں کچھ ایسے امور پر بات چیت کرنا چاہتی تھیں جن کا ذکر مریضوں کے سامنے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے یہ بات چیت ضروری تھی۔

کینسر وارڈ میں کمروں کی کمی تھی۔ کوئی ایسا چھوٹا سا کمرہ بھی نہیں تھا جس پر ریڈیائی علاج کرنے والوں کا تصرف ہو۔ آتشک کے علاج کے یونٹ یا اس یونٹ میں بھی جہاں ایکسرے کی دور سے تصویر لینے والی بڑی بڑی طاقت کی مشینیں نصب تھیں، کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ایکسرے کے جس یونٹ میں تشخیص کی جاتی تھی وہاں ایک کمرہ ضرور تھا لیکن وہ ہمیشہ تاریک رہتا تھا لہذا انھیں اسی پر اکتفا کرنی پڑتی تھی کہ ایکسرے کے جس یونٹ میں نزدیک سے تصویریں لی جاتی ہیں وہیں ایک میز پر بیٹھ جائیں۔ اپنے روزمرہ کے مسائل کا فیصلہ وہ یہیں کرتی تھیں اور یہیں اپنے کیفیت نامے لکھتی تھیں جیسے یہ کافی نہیں تھا کہ وہ برسوں سے ایکسرے کے تکلیف دہ ماحول میں جہاں ایک مخصوص قسم کی بدبو اور گرمی ہوتی تھی کام کرتی رہی تھیں۔ انھیں اپنا لکھنے کا کام بھی وہیں کرنا پڑتا تھا۔

وہ آئیں، اور کھردری سطح کے بڑے سے میز پر جس میں کوئی دراز نہیں تھے، ایک دوسری کے پاس بیٹھ گئیں۔ ویرا کورنیلیونا ہسپتال کے اندر کے مریضوں کے کارڈوں کو چھانٹنے لگی۔ مردوں کے کارڈوں کو بھی اور عورتوں کے کارڈوں کو بھی۔ ان میں سے ان مریضوں کے کارڈ اس نے ایک طرف رکھے جن کا علاج وہ خود کرنا چاہتی تھی اور دوسری طرف ان مریضوں کے کارڈ جن کے بارے میں انھیں مل کر فیصلہ کرنا تھا۔ لڈمیلا افانسیونا نے میز پر پاس کی نظر ڈالی اور اسے اپنی پنسل سے تھپتھپانے لگی۔ اس کا نچلا ہونٹ کسی قدر آگے کو بڑھا ہوا تھا۔

ویرا کورنیلیونا نے اس کی طرف ہمدردی سے دیکھا۔ لیکن وہ یہ فیصلہ نہ کر پائی کہ روسانوو اور کوستوگلوتوو کے بارے میں کچھ کہے یا ڈاکٹروں کے متعلق کچھ عمومی قسم کی باتیں کہے کیونکہ ان باتوں کو دہرانا جو ان سب کو معلوم تھیں، اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے کافی معاملہ فہمی سے کام

لینا پڑے گا اور لفظوں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط برتنا پڑے گی۔ ورنہ ممکن ہے اس کی باتوں سے تسلی کی بجائے الٹی اسے کھٹکیں لگے۔

لڈمیلا افانسیونا نے بات شروع کی۔ "یہ بڑا ہی وحشت انگیز ہے۔ کیا نہیں؟ ہم کتنے بے بس ہیں:" (یہ بات ان مریضوں میں سے بہت سوں کے بارے میں کہی جا سکتی تھی جن کا انھوں نے آج معائنہ کیا تھا)۔ وہ اپنی پنسل سے میز کو پھر تھپتھپانے لگی "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری طرف سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔" (اس کا اطلاق ازدوکن پر بھی ہو سکتا تھا اور مرسالیمود پر بھی) "ایک تشخیص کے معاملے میں ہماری توجہ تھوڑی سی ادھر ادھر ہو گئی تھی۔ لیکن علاج ہم نے ٹھیک کیا تھا۔ ہم اتنی کم مقدار کی خوراک شاید نہ دیتے لیکن ہمارا کام شیشی نے کر دیا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سبگاتوڈ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کچھ ایسے مریض ہوتے ہیں کہ ہر محنت رائیگاں جاتی ہے۔ خواہ تم اپنی عام مہارت کے مقابلے میں تین گنا توجہ اور محنت صرف کرو لیکن پھر بھی مریض کو بچایا نہیں جا سکتا۔ جب سبگاتوڈ کو سٹریچر پر ڈال کر پہلی بار ایکسرے کے سامنے لے جایا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی مقعد کی تقریباً تمام کی تمام ہڈیاں تباہ ہو چکی ہیں۔ غلطی مقعد کی ہڈی کا تعین کرنے میں ہوئی تھی۔ حالانکہ انھوں نے ایک پروفیسر سے بھی مشورہ کیا تھا۔ یہ بات رفتہ رفتہ بعد ہی میں معلوم ہوئی کہ مصیبت کی جڑ بڑے بڑے خلیوں والی ایک رسولی تھی جو سیال مادے کو ہڈی میں منتقل کر دیتی اور وہاں جا کر جھلّی سی بن جاتی تھی۔ لیکن علاج دونوں صورتوں میں ایک ہی تھا۔

مقعد کی ہڈی کو نہ کاٹا جا سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ یہ تو جسم کا سنگ بنیاد ہے۔ صرف ایک ہی بات باقی رہ گئی تھی کہ ایکسرے کے ذریعہ علاج کیا جائے۔ علاج فوری بھی ہونا چاہیئے تھا اور شعاع زنی بھی بڑی

مقداریں کی جانی چاہیئے تھی۔ کم مقدار میں کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ بسبگاٹوو کو افاقہ ہوگیا۔ مفعد کی بڑی تقویت پا گئی۔ سبگاٹوو کو افاقہ تو ہوا لیکن جس مقدار میں شعاع زنی کی گئی تھی وہ ایک گھوڑے کے لیے بھی کچھ زیادہ ہی ہوتی۔ آس پاس کے خلیے ضرورت سے زیادہ حساس ہوگئے اور ان میں نئی رسولیاں بنانے کا رجحان پیدا ہوگیا۔ اس کے خون اور اس کے خلیوں پر ریڈیائی علاج کا اب کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایک نئی رسولی بڑھ رہی تھی اور اسے شکست دینا ممکن نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا تھا کہ اس کے بڑھنے پر روک لگا دی جائے۔

معالج کے لیے اس کا مطلب تھا بے بسی کا احساس۔ یہ احساس کہ علاج کے جو طریقے استعمال کیے جا رہے ہیں ذرا بھی مؤثر نہیں۔ ایک دبی تاسف، ایک عام رحمدلی کا جذبہ۔ ادھر سبگاٹوو تھا، شریف النفس، مہذب اور مخزون قسم کا تاتاری جو شکریہ بجالانے پر ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا اور ادھر اس کیلئے اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس کے عذاب کو طول دیا جائے۔

آج صبح نظامتدین بہرامووچ نے ڈونٹسووا کو خصوصی ملاقات کے لیے طلب کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ زیادہ مریضوں کے لیے گنجائش نکالی جائے۔ ان تمام مریضوں کو جن کا معاملہ مشکوک تھا اور اصلاح کا کوئی یقین نہیں تھا، ڈسچارج کیا جانا تھا۔ ڈونٹسووا اس کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ کمرۂ انتظار میں داخلے کی درخواست دینے والوں کا مسلسل کیو لگا رہتا تھا، بسا اوقات کئی کئی دن تک۔ اور کینسر کے صوبائی کلینکوں کی طرف سے بھی بار بار مطالبے کئے جا رہے تھے کہ مریضوں کو بھیجنے کی اجازت دی جائے۔ وہ اصولاً اس پر رضامند ہوگئی تھی اور اس نوعیت کے مریضوں میں سب سے نمایاں سبگاٹوو تھا۔ اور اسے ڈسچارج کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس ایک مریض کے لئے بہت ہی زیادہ طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد کی گئی تھی۔ اگرچہ یہ امید بڑی ہی مدھم تھی کہ فروگزاشت۔ ڈاکٹر کی بجائے موت سے ہوگی۔ لیکن اس مرحلے پر وہ دانشمندی کی اس معمولی سی بات

کو ماننے پر تیار نہیں تھی اور نہ اپنی کوششوں سے دستکش ہونے کو تیار تھی سبگاٹود نے تو اس کی سائنسی دلچسپیوں تک کا رخ بدل دیا تھا۔ ہڈی کی بیماریوں میں اس کی دلچسپی کا صرف ایک سبب تھا، اسے بچانا! انتظار کرنے والوں میں ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جنھیں معالجے کی اتنی ہی اشد اور فوری ضرورت ہو لیکن اس صورت میں بھی وہ سبگاٹود کو جانے نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے تحفظ کے لیے وہ اعلیٰ ڈاکٹر کے مقابلے میں ہر قسم کی چالاکی اور ہر حیلہ استعمال کرنے کو تیار تھی۔

نظامتدین پھر اموویچ اس پر بھی مصر تھا کہ جن مریضوں کے بچنے کی امید نہیں انھیں ڈسچارج کر دیا جائے۔ جہاں تک ممکن ہو موتیں کلینک کے باہر ہونی چاہئیں اندر نہیں۔ اس سے مزید پلنگوں کی گنجائش بھی نکل سکتی تھی۔ جو مریض باقی رہتے ان کی دل شکستگی کا بھی کم امکان تھا اور اعداد و شمار کے معاملے میں بھی اس سے فائدہ ہی پہنچتا کیونکہ جن مریضوں کو ڈسچارج کیا جاتا ان کا نام فوت شدگان کی بجائے گرتی ہوئی صحت والوں کی فہرست میں درج ہوتا۔

اندو دکن اس فہرست کے ذیل میں آتا تھا اور اسے آج ڈسچارج کیا جانا تھا۔
گزشتہ کئی ماہ کے دوران اس کی بیماری کا کیفیت نامہ بڑھتے بڑھتے کھردرے بھورے کاغذوں کی ایک موٹی کتاب بن گیا تھا۔ کاغذ میں لکڑی کے مہین مہین سفید ذرے بھی رہ گئے تھے۔ کاغذ پر بنفشئی یا نیلی سیاہی سے اندراجات کیے جاتے۔ تو ان ذرات کے باعث کئی بار قلم رک جاتا۔ کاغذوں کے ان پلندوں کے پیچھے دونوں ڈاکٹروں کو ایک قصباتی لڑکا نظر آ رہا تھا جو اپنے بستر میں دہرا ہو کر لیٹا تکلیف سے پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ کاغذ پر درج تفصیلات کو اگرچہ بڑے پرسکون اور نرم لہجے میں پڑھا جا رہا تھا لیکن یہ کورٹ مارشل کی طوفانی تقریروں سے بھی زیادہ بے رحمانہ تھیں جن کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی۔ اس کے اندر کینسر کے پھوڑے کی ۲۶ ہزار جڑیں تھیں جن میں سے ۱۲ ہزار جڑیں پرانے پھوڑے کی تھیں۔ اسے سنیٹرول کے پچاس انجکشن لگائے جا چکے تھے اور سات بار

اس کے جسم میں خون داخل کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود اس کے خون میں سفید ذرات ۴۰۰۰۰ تھے اور سرخ ... بیماری کے کیڑے اس کی قوت دفاع کو تباہ کر رہے تھے۔ وہ اس کے سینے کی دیوار کو سخت بنا رہے تھے۔ اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو رہے تھے اور اس کی ہنسلی کے آس پاس ورم پیدا کر رہے تھے۔ اس کا جسم کمزور پڑتا جا رہا تھا اور بیماری کو روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔

ڈاکٹر اب بھی کارڈوں کی چھان بین میں مصروف تھیں اب وہ ان کارڈوں کو دیکھ رہی تھیں جنہیں پہلے ایک طرف رکھ دیا گیا تھا۔ ایکسرے لیبارٹری کی ایک نرس بیرونی مریضوں کے علاج میں مصروف رہی۔ اس وقت وہ نیلے لباس میں ملبوس ایک چار سالہ لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو وہاں اپنی ماں کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے چہرے کی شریانوں پر ورم تھا۔ ورم ابھی کم تھا اور زہریلا نہیں تھا لیکن یہ عام معمول تھا کہ اسے زہریلا ہونے سے بچانے کے لیے ریڈیائی لہروں سے علاج کیا جائے۔ جہاں تک ننھی لڑکی کا تعلق ہے وہ ہر چیز سے بے پروا نظر آتی تھی اسے یہ مطلق خیال نہیں تھا کہ اس کے ننھے سے ہونٹ پر موت کا سایہ لہرا رہا ہے۔ وہ یہاں پہلی بار نہیں آئی تھی اور خوف اس کے دل سے رخصت ہو چکا تھا۔ وہ ایک پرندے کی طرح چہچہا رہی تھی اور ریڈیائی مشین کے چمکتے ہوئے حصوں کی طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ اپنے آس پاس کی چمکدار دنیا اسے کافی دلچسپ نظر آتی تھی اسے مشین کے سامنے صرف تین منٹ بیٹھنا پڑا لیکن پھر بھی اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ تنگ سی نلی کے نیچے جو اس کے چہرے کے متورم حصوں پر مرکوز تھی، چپ چاپ بیٹھی رہے۔ وہ اپنے آپ کو چھڑاتی رہی اور اپنا چہرہ گھماتی رہی۔ ریڈیائی ماہر مضطرب ہو گیا تھا اس نے کئی بار کرنٹ بند کیا اور نلی کی سمت درست کی۔ اس کی ماں اسے متوجہ کرنے کے لیے کھلونا دکھا رہی تھی اور یہ وعدہ کر رہی تھی کہ اگر وہ خاموش بیٹھ گئی تو اسے مزید کھلونے دیے جائیں گے۔

پھر ایک اداس سی بوڑھی عورت آئی اور اس نے اپنا سکارف کھولنے

اور اپنی جیکٹ اتارنے میں صدیاں گزار دیں۔ اس کے بعد کھورے رنگ کا ڈریسنگ گون پہنے ایک ایسی عورت آئی جو ہسپتال ہی میں زیر علاج تھی۔ اس کے پاؤں کے نچلے حصے پر ایک گول سی رنگدار رسولی تھی۔ اس کے نزدیک ہوا صرف یہ تھا کہ اس کے جوتے کی کیل چبھ گئی تھی۔ وہ نرس سے ہنسی خوشی باتیں کر رہی تھی اور اسے مطلق احساس نہیں تھا کہ یہ چھوٹی سی گیند جو قطر میں ایک سنٹی میٹر سے زیادہ نہیں تھی، خطرناک رسولیوں کی ملکہ تھی۔ خواہ انھیں پسند ہو یا ناپسند ڈاکٹروں کو ان مریضوں پر بھی وقت صرف کرنا پڑتا تھا۔ وہ انھیں دیکھتیں اور نرس کو مشورہ دیتی رہتیں۔ اس طرح دیر ہوتی گئی۔ وہ وقت کبھی کا گزر چکا تھا جس کے مطابق ویراکور نیلیونا کو ایم، پی، کوئن کا انجکشن دینا تھا۔ اس نے آخری کارڈ نکالا اور اسے لڈمیلا افاناسیونا کے سامنے رکھ دیا۔ اس کارڈ کو جو کوسٹوگلوٹوو کا تھا اس نے عمداً روک رکھا تھا۔

" یہ مریض افسوس ناک لاپرواہی کا شکار رہا ہے۔" اس نے کہا۔ " لیکن ہمارے علاج کی ابتدا بہت اچھی ہوئی ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ بہت ضدی آدمی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ اس علاج کو جاری رکھنے سے کہیں واقعی انکار نہ کر دے۔"

" وہ کر کے تو دیکھے۔" لڈمیلا افاناسیونا نے میز پر ہاتھ مار کر کہا " کوسٹوگلوٹوو کی بیماری وہی ہے جو ازدوکن کی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے معاملے میں علاج اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ وہ انکار کی جرأت کیسے کر سکتا ہے؟"

" جہاں تک تمھارا تعلق ہے وہ شاید جرأت نہ کرے۔" گنگارٹ فوراً ہی مان گئی۔ " لیکن مجھے شک ہے کہ میں ضد میں اس سے بازی لے جا سکتی ہوں۔ کیا میں تم سے ملنے کے لیے اسے بلا بھیجوں؟" اپنے ناخنوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔ " اس وقت ہمارے مراسم میں کچھ کشیدگی سی ہے .... مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اس سے متقدمانہ لہجے میں

بات نہیں کر سکتی۔ پتہ نہیں کیوں؟"

ان کے تعلقات اسی دن سے کشیدہ تھے جب پہلی بار ان کی ملاقات ہوئی

یہ جنوری کا ابر آلود دن تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ کلینک میں گنگارٹ کی رات کی ڈیوٹی تھی اور اس نے اپنا کام شروع کیا ہی تھا۔ نو بجے کے قریب نچلی منزل میں کام کرنے والا ایک موٹا اور صحت مند نظر آنے والا اردلی اس کے پاس شکایت لے کر آیا۔ "ڈاکٹر! مریضوں میں سے ایک مریض گڑبڑ پھیلا رہا ہے۔ میں اپنے طور پر قابو پانے میں ناکام ہوں۔ اگر کچھ نہ کیا گیا تو سب مریض ہماری گردنوں پر سوار ہو جائیں گے۔"

ویرا کورنیلیونا باہر گئی اور اس نے دیکھا کہ ہسپتال کی منتظمہ کے چھوٹے سے تاریک دفتر کے مقفل دروازے کے سامنے سیڑھیوں کے پاس ایک آدمی فرش پر لیٹا ہوا ہے۔ وہ ایک پتلا دبلا شخص ہے۔ اس نے بڑے بڑے بوٹ، سپاہیوں والا ایک بوسیدہ سا بڑا کوٹ اور شہریوں والی چھجے دار فر کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ یہ ٹوپی اس کے لیے بہت چھوٹی تھی۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے اسے اوڑھ لیا تھا۔ اس کے سر کے نیچے ایک تھیلا تھا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سونے ہی والا ہے۔ گنگارٹ سیدھی اس کے پاس گئی۔ گنگارٹ لباس کے معاملے میں کبھی بے احتیاطی نہیں برتتی تھی۔ اس کی ٹانگیں سڈول تھیں اور اس نے اونچی ایڑی کے جوتے پہن رکھے تھے۔ اس کے نزدیک جا کر اس نے سختی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس امید میں کہ اس سے اسے کچھ شرم آئے گی اور وہ اٹھ کھڑا ہوگا لیکن اگرچہ اس نے اسے دیکھ بھی لیا تھا لیکن اس نے اس پر بے توجہی سے ہی نظر ڈالی۔ وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا اور سچ پوچھو تو ایسا نظر آتا تھا جیسے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہوں۔

"تم کون ہو؟" گنگارٹ نے پوچھا
"ایک انسان۔" اس نے کسی بھی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر سکون سے کہا۔
"کیا تمھارے پاس داخلے کا کارڈ ہے؟"
"ہاں۔"
"تمھیں داخلے کا کارڈ کب ملا؟"
"آج!"
فرش پر جو نشان تھے اس سے نظر آتا تھا کہ اس کا کوٹ بھیگا ہوا ہے اور اس کے جوتے اور اس کا تھیلا بھی بھیگا ہوا ہوگا۔
"خیر تم یہاں نہیں لیٹ سکتے۔ اس کی .... اس کی اجازت نہیں۔ اس کے علاوہ یہ مناسب بھی نہیں ......"
"یہ بالکل مناسب ہے" اس نے مدھم آواز میں کہا "یہ میرا ملک ہے۔ میں شرماؤں کیوں؟"
ویرا کورنیلیونا جزبز سی ہو گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس پر چلاّنا اور اسے اٹھنے کا حکم دینا بے سود ہوگا۔ اس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔
گنگارٹ نے کمرۂ انتظار کی طرف دیکھا۔ دن میں یہ آنے والوں اور انتظار کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں مریضوں کے رشتہ داروں کے لیے تین بنچ رکھے ہوئے تھے جن پر وہ مریضوں سے بات چیت کرتے ہوئے بیٹھ سکتے تھے۔ لیکن رات کو جب کلینک بند ہوتا تھا تو وہ لوگ جو دور سے آتے تھے اور ان کے رہنے کا کوئی انتظام نہیں تھا وہ انھیں لیٹنے کے لیے دے دیا جاتا تھا۔ اس وقت وہاں صرف دو بنچ تھے۔ ان میں سے ایک پر ایک بوڑھی عورت لیٹی ہوئی تھی اور دوسری پر رنگین سکارف والی ایک نوجوان ازبک عورت نے اپنے بچے کو لٹا رکھا تھا اور خود اس کے

پاس بیٹھی ہوئی تھی۔
گنگارٹ اسے کمرۂ انتظار کے فرش پر لیٹنے کی اجازت دے سکتی تھی لیکن ان تمام جوتوں کا کیچڑ جن کے تلے وہ روندا گیا تھا اس پر بکھرا ہوا تھا اور شیشے کے دروازے کے اس طرف ہر چیز جراثیم کش اشیا سے پاک کی ہوئی تھی۔ ادھر وہی آسکتا تھا جس نے یا تو ہسپتال کا لباس پہن رکھا ہو یا سفید کوٹ۔
ایک بار اور ویرا کورنیلیونا نے اس وحشی نما مریض پر نظر ڈالی۔ اس کا نوکیلا اور کمزور چہرہ غمازی کر رہا تھا کہ وہ صحت سے بے پروائی برتتا رہا ہے
"کیا شہر میں ایسا کوئی نہیں جس کے پاس تم جا سکو؟"
"نہیں"
"کیا تم نے ہوٹل میں کوشش کی ہے؟"
"ہاں کوشش کی ہے" ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے سوالوں کا جواب دیتے دیتے تھک گیا ہے۔
"یہاں پانچ ہوٹل ہیں۔"
"وہ میری بات تک نہیں سنتے" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں جیسے یہ ظاہر کر رہا ہو کہ بات چیت ختم ہو گئی۔
کاش وہ کچھ پہلے آگیا ہوتا۔ گنگارٹ نے سوچا "ہماری کچھ نرسیں مریضوں کو رات کو اپنے گھروں میں ٹھہرا لیتی ہیں وہ کچھ زیادہ معاوضہ نہیں لیتیں۔"
وہ اپنی آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔
"یہ کہتا ہے مجھے پرواہ نہیں خواہ ایک ہفتہ یہاں لیٹا رہوں" اردلی نے رعب جماتے ہوئے کہا۔ "یہ کہتا ہے جب تک مجھے پلنگ نہیں ملتا میں یہیں سب کے راستے میں لیٹا رہوں گا۔" مریض کی طرف بڑھتے ہوئے

اردلی چلایا: "یہ شرمناک ہے۔ اٹھو، حماقت چھوڑو۔ اس فرش کو جراثیم کش اشیا سے پاک کیا جا چکا ہے۔"

"یہاں صرف دو بنچ کیوں ہیں؟ کیا یہاں ایک اور بنچ نہیں تھا؟" گھنگارٹ نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

"وہاں — وہ تیسرے بنچ کو وہاں لے گئے ہیں۔" اردلی نے شیشے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

یہ سچ تھا۔ ایک بنچ کو ریڈیائی مشینوں والے کمرے کی طرف جانے والی غلام گردش میں لے گئے تھے۔ اب اسے بیرونی مریضوں کو بٹھانے کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔ جو دن کے وقت شعاع زنی کی نشست کے لیے آتے تھے۔

ویرا کورنیلیونا نے اردلی سے کہا کہ وہ غلام گردش کا دروازہ کھول دے۔ مریض کو مخاطب کرتے ہوئے وہ بولی: "میں تمھیں کسی ایسی جگہ لے چلوں گی جو نسبتہً آرام دہ ہو۔ مہربانی سے ذرا اٹھو۔"

مریض نے اس کی طرف دیکھا۔ شروع شروع میں اس کی نظر میں شبہات تھے۔ پھر تکلیف سے پیچ و تاب کھاتا ہوا وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے لگا۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ اپنے جسم کی ہر حرکت، ہر جنبش کے لیے اسے بڑی کوشش کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن اس نے اپنا تھیلا فرش پر ہی رہنے دیا۔ جھک کر تھیلا اٹھانے میں اسے جو تکلیف ہوتی وہ اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

ویرا کورنیلیونا نیچے کو جھکی اور اپنی سفید انگلیوں سے غلیظ اور بھیگا ہوا تھیلا اٹھا کر اسے دے دیا۔

"شکریہ!" اس نے اس کی طرف عیاری سے دیکھا۔ "معاملہ کافی اچھا ہوتا جا رہا ہے۔"

فرش پر اس جگہ جہاں وہ لیٹا ہوا تھا ایک مستطیل سا نم آلود دھبہ تھا۔

"تم بارش میں رہے ہو۔" گنگارٹ نے اس کی طرف ہمدردی سے دیکھا۔ "اپنا کوٹ اتار دو۔ غلام گردش میں زیادہ سردی نہیں۔ تمھیں بخار تو نہیں محسوس ہو رہا؟ تمھیں ٹمپریچر تو نہیں ہے؟" اس کی پیشانی مردود تنگ سیاہ ٹوپی سے بالکل ڈھکی ہوئی تھی اس لیے اس نے اپنی انگلیوں سے پیشانی کی بجائے اس کے گالوں کو چھوا۔ چھوتے ہی اسے پتہ چل گیا کہ اسے بخار ہے۔

"کیا تم کوئی دوا کھا رہے ہو؟" اس مرتبہ اس نے اس کی طرف کچھ مختلف انداز سے دیکھا۔ اس نظر میں پہلے کی طرح مکمل بیگانگی نہیں تھی۔

"انلجیسن"

"کیا وہ اب تمھارے پاس ہے؟"

"ہاں"

"کیا تمھارے لیے کچھ خواب آور گولیاں لاؤں؟"

"اگر لا سکتی ہو۔"

"ارے ہاں۔" یکایک گنگارٹ کو یاد آیا۔ "کیا میں تمھارا داخلے کا کارڈ دیکھ سکتی ہوں۔"

یا تو وہ مسکرایا اور یا درد کی کسی لہر کے تابع ہو کر ہی اس کے ہونٹ ہل گئے۔ "اگر وہ کاغذ میرے پاس نہیں تو مجھے پھر بارش میں جانا پڑے گا۔ یہی ہے نا؟" اس نے اپنے بڑے کوٹ کے اوپر کے بٹن کھولے اور اپنی فوجی قمیص کی جیب سے جو کوٹ سے نظر آ رہی تھی کارڈ باہر نکالا۔ ہاں یہ کارڈ بیرونی مریضوں کے شعبے سے واقعی آج ہی صبح جاری ہوا تھا۔ گنگارٹ نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ وہ اس کے اپنے مریضوں میں تھا۔ ریڈیائی شعبے کا مریض۔ اس نے کارڈ لے لیا اور خواب آور گولیاں لینے چل دی۔ "اب میں جا کر لاتی ہوں۔ آؤ یہاں لیٹ جاؤ۔"

"ایک منٹ ٹھہرو، ایک منٹ ٹھہرو۔" جیسے مریض میں یکایک جان پڑ گئی ہو۔ "میں ان چالوں کو خوب سمجھتا ہوں"

"تم ڈرتے کیوں ہو؟" وہ کچھ خفا ہو کر مڑی۔ "کیا تمھیں مجھ پر اعتماد نہیں؟"

اس نے مشکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا اور غرایا۔ "میں تم پر کیوں بھروسہ کروں؟ کیا میں نے اور تم نے ایک ہی پیالے میں شوربا پیا ہے؟" وہ جا کر لیٹ گیا۔

یکایک گنگارٹ برہم ہو گئی۔ وہ اسے دیکھنے واپس نہیں آئی بلکہ اس کی بجائے اس نے خواب آور گولیاں اور داخلے کا کارڈ ایک اردلی کے ہاتھ بھیج دیا۔ اس نے کارڈ کے اوپر "ارجنٹ" کا لفظ لکھ دیا اور اس کے نیچے لکیریں ماردیں اور آگے علامت فجائیہ لگا دی۔

جب وہ پھر اس کے پاس سے گزری تو رات ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا بنچ سونے کے لیے کافی اچھا تھا وہ اس پر سے گر نہیں سکتا تھا۔ نشست کی گولائی کی وجہ سے اس کی کمر بھی مڑی ہوئی سی تھی۔ اس نے اپنا بھیگا ہوا کوٹ اتار دیا تھا۔ لیکن اسے اس نے اپنے اوپر پھیلا لیا تھا۔ کوٹ کا ایک سرا اس کی ٹانگوں پر تھا اور دوسرا کاندھے پر۔ اس کے بوٹ بینچ کے کنارے پر لٹک رہے تھے اور ان کا تلا نظر آرہا تھا۔ بوٹ کا کوئی بھی حصہ سلامت نہیں تھا۔ اس پر جگہ جگہ سرخ اور سیاہ چمڑے کی تیاں لگی ہوئی تھیں۔ بوٹوں کی ٹھوکر پر دھات کی ٹوپیاں چڑھی ہوئی تھیں اور پچھلے حصہ پر ایڑی لگی ہوئی تھی۔

صبح دیرا کورنیلیونا نے ہسپتال کی منتظمہ سے اس کا ذکر کیا جس نے اسے اوپر کی منزل میں جگہ دے دی۔

اس پہلے دن کے بعد کوسٹوگلوٹو و پھر کبھی گنگارٹ سے بے ڈھنگے پن سے

پیش نہیں آیا۔ اس نے جب کبھی اس سے بات کی اپنے معمول کے شہری لہجے میں، مہذبانہ طور پر صبح بخیر کہنے میں وہ ہمیشہ پہل کرتا حتیٰ کہ اس کا استقبال دوستانہ مسکراہٹ سے بھی کرتا لیکن گنگارٹ کو ہمیشہ یہی محسوس ہوتا کہ وہ کوئی نہ کوئی عجیب و غریب حرکت کرسکتا ہے۔

اور بالکل یہی ہوا۔ پرسوں اس نے اسکے خون کا زمرہ معلوم کرنے کے لیے اُسے ٹیسٹ کے لیے بلایا تھا۔ اس نے اس کی نس سے خون لینے کے لیے سرنج تیار کیا ہی تھا کہ وہ اپنی آستین نیچے گراکر بڑی مضبوطی سے بولا۔ "مجھے بڑا افسوس ہے ویرا کورنیلیونا لیکن تمھیں نمونے کے بغیر ہی کام چلانا پڑے گا۔"

"میرے خدا۔ لیکن کیوں؟"

"وہ پہلے ہی میرا کافی خون پی چکے ہیں۔ اب میں زیادہ نہیں دینا چاہتا۔ کوئی اور دیدے گا جس کے پاس وافر خون ہو۔"

"تمھیں شرم آنی چاہیے۔ تم مرد ہو۔ کیا نہیں؟" اس نے اس کی طرف اسی مخصوص استہزائیہ زنانہ انداز میں دیکھا جس کی تاب مرد مشکل ہی سے لا سکتے ہیں۔ "میں صرف تین کیوبک سنٹی میٹر خون لوں گی۔"

"تین سی سی؟ اس کا تم کیا کرو گی؟"

"ہم تمھارے خون کے زمرے کا تعین کریں گے اور ردّعمل کا بھی۔ اگر ہمارے پاس صحیح قسم کا خون ہوا تو ہم تمھیں ۲۵۰ سی سی خون دیں گے۔"

"نقل خون؟ میرے جسم میں؟ خدا بچائے۔ مجھے کسی کے خون کی کیا ضرورت ہے! میں کسی اور کا خون نہیں چاہتا اور نہ اپنا ایک قطرہ خون دوں گا۔ میرے خون کا زمرہ نوٹ کرلو۔ میں جنگ کے دوران محاذ پر تھا۔ اسی وقت سے مجھے یاد ہے۔"

اس کی کسی بات کا اس پر اثر نہیں ہوا اور اس نے اپنی رائے نہیں بدلی۔ وہ مسلسل انکار کرتا رہا اور نئی نئی اور غیر متوقع قسم کی دلیلیں دیتا رہا اسے

یقین تھا کہ یہ سب وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔

آخر وہ خفا ہو گئی ۔" تم مجھے ایک احمقانہ اور مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈال رہے ہو۔ صرف آخری بار۔ برائے مہربانی ۔"

اپنے آپ کو اس طرح پست کرنا یقیناً اس کی غلطی تھی ۔ وہ اس طرح استدعا کیوں کرے ؟ لیکن فوراً ہی اس نے اپنا بازو ننگا کرکے آگے بڑھا دیا۔" بہت اچھا۔ لیکن صرف تمھارے لیے۔ تم تین سی سی خون لے سکتی ہو۔"

یہ واقعہ ہے کہ وہ اس کی وجہ سے کافی پریشان سی تھی اور ایک دن ایک عجیب و غریب بات ہوئی ۔ کوسٹوگلوٹوو نے کہا۔" تم جرمن نظر نہیں آتیں۔ تم نے اپنے خاوند کا خاندانی نام اختیار کر لیا ہوگا۔"

"ہاں ۔" بے دھیانی میں اس کے منہ سے نکلا۔

اس نے یہ کیوں کہا؟ شاید اس لیے کہ اس وقت کچھ اور کہنا تکلیف دہ ہوتا۔

کوئی اور سوال اس نے نہیں پوچھا۔

واقعہ یہ ہے کہ گنگارٹ اس کے باپ کا بھی خاندانی نام تھا اور اس کے دادا کا بھی ۔ وہ جرمن نہیں روسی تھے لیکن وہ کہتی بھی کیا ؟ میں شادی شدہ نہیں ہوں ۔ میری کبھی شادی نہیں ہوئی ۔!

اس قسم کے جواب کا سوال کہاں پیدا ہوتا تھا۔

۶- ایک تشخیص کی روداد

پہلے لڈمیلا افانسیونا کوسٹوگلوٹوو کو کمرۂ علاج میں لے گئی۔ ایک زنانہ مریض ابھی ابھی ایکس رے کے سامنے بیٹھ کر واپس آئی تھی۔ تاروں کے ساتھ چھت سے لٹکتی ہوئی ۔۔۔۔ ۱۸ وولٹ کی ایکسرے ٹیوب صبح آٹھ بجے سے مسلسل مصروف تھی۔ کمرے میں تازہ ہوا کے آنے کا انتظام نہیں تھا اور اندر کی ہوا ایکس رے کی میٹھی میٹھی لیکن کسی قدر ناخوشگوار گرمی سے پُر تھی۔

یہ گرمی (اگرچہ جس چیز کو گرمی کا نام دیا جارہا ہے وہ گرمی کے علاوہ بھی کچھ تھی) پھیپھڑوں میں محسوس ہونے لگتی تھی ... تقریباً نصف درجن نشستوں کے بعد مریض ناگواری سی محسوس کرنے لگتے تھے۔ لیکن لڈمیلا افانسیونا اس کی عادی ہوگئی تھی اور اس نے اس کا نوٹس ہی لینا چھوڑ دیا تھا کہ وہ خوشگوار ہے یا ناخوشگوار۔ اس نے بیس سال پہلے کام شروع کیا تھا جب مشین کے سامنے کوئی حفاظتی پلیٹ بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ ایک تار کے نیچے بھی آگئی تھی، جس میں بجلی کی زبردست رو چل رہی تھی، اور مرتے مرتے بچی تھی۔ وہ ہر روز ایکسرے کے کمروں کی ہوا میں سانس لیتی۔ وہ شعاع زنی کی نشستوں میں اس سے کہیں زیادہ بیٹھتی جتنے کی اجازت تھی۔ حفاظتی پلیٹوں اور دستانوں کے باوجود اس نے اپنے اندر اتنی شعاعیں جذب کی تھیں جتنی کسی شدید سے شدید اور اطاعت شعار سے اطاعت شعار مریض نے جذب نہیں کی ہوں گی۔ بات صرف اتنی تھی کہ کسی نے نہ تو کبھی ان شعاعوں کی گنتی کی تھی۔ اور نہ کبھی ان کا میزان لگایا تھا۔

وہ جلدی میں تھی۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو باہر

نکلنا چاہتی تھی بلکہ اس لیے بھی کہ ایکس رے کے پروگرام میں چند منٹ کی تاخیر بھی ممکن نہیں تھی۔ اس نے کوسٹو گلوٹوو سے کہا کہ وہ ایکس رے پلیٹ کے نیچے سخت کوچ پر لیٹ جائے اور اپنا پیٹ ننگا کرلے اس کے بعد وہ ایک ٹھنڈے سے گدگدی پیدا کرنے والے برش کے ساتھ اس کی جلد پر جھک گئی۔ اس نے وہاں برش سے ایک نقشہ سا بنایا جیسے کچھ اعداد و شمار نقش کر رہی ہو۔

نرس کو "ربع مربع والی اسکیم" بتانے کے بعد اس نے اسے بتایا کہ ہر ربع مربع پر ٹیوب سے کس طرح شعاع زنی کرنی ہے۔ اس کے بعد اس نے مریض کو حکم دیا کہ وہ پیٹ کے بل لیٹ جائے اور برش سے اس کی پیٹھ پر بھی کچھ لکیریں کھینچیں۔ "نشست کے بعد آکر مجھ سے ملنا۔" اس نے کہا۔

جب وہ کمرے سے چلی گئی تو نرس نے کوسٹوگلوٹوو سے کہا کہ وہ پھر پیٹھ کے بل لیٹ جائے اور پہلے ربع مربع کے گرد چادریں ڈال دیں۔ پھر وہ سیسہ ملائی ہوئی ربڑ کی بھاری چٹائیاں لائی اور ان سے آس پاس کے ان تمام حصوں کو ڈھانپ دیا جن پر فی الوقت ایکس رے کے ذریعے براہ راست شعاع زنی نہیں کی جانی تھی۔ اس کے گرد لپٹی ہوئی ان لچکدار چٹائیوں کا بوجھ کوسٹوگلوٹوو کو خوشگوار لگ رہا تھا۔

اس کے بعد نرس بھی باہر چلی گئی اور دروازہ بند کردیا۔ اب وہ موٹی دیوار میں سے چھوٹی سی کھڑکی ہی سے اسے دیکھ سکتی تھی۔ پرسکون سی بھنبھناہٹ شروع ہوئی۔ ذیلی لیمپ روشن ہوگئے اور خود ٹیوب بھی چمکنے لگی۔

ایکس رے کی تیز شعاعیں یا بجلی اور مقناطیسی حلقے سے نکلنے والی کانپتی ہوئی لکیریں پیٹ کی جلد کے اس مربع سے جسے ننگا چھوڑ دیا گیا تھا گوشت کی تہوں میں سے گزر رہی تھیں اور جسم کے ان اعضاء میں سے جن کا نام تک کوسٹوگلوٹوو کو معلوم نہیں تھا۔ یہ شعاعیں بینڈرک نما رسولی میں سے ہوتی ہوئی اس کے معدے، اس کی انتڑیوں اور اس کی شریانوں اور نسوں

میں بہتے ہوئے خون میں سے گزر رہی تھیں۔ یہ اس کے خلیوں، اس کی ریڑھ کی ہڈی اور دوسری ہڈیوں میں سے ہوتی ہوئی گوشت کی مزید تہوں سے گزر کر اس کی پشت کے خلیوں اور جلد میں سے گزر گئیں۔ وہاں سے وہ کوچ کی سخت لکڑی میں سے گزریں، اس کے پایوں میں سے گزریں اور فرش کے تختوں میں سے ہوتی ہوئی عمارت کی پتھر کی بنیاد کو پار کرتی ہوئی زمین میں جذب ہوگئیں۔ یہ شعاعیں توپوں میں سے نکلنے والے گولوں کی طرح ہر اس چیز کو توڑتی پھوڑتی چلی گئیں جو ان کی راہ میں حائل ہوئی۔

اور اس بیمانہ بے آواز گولہ باری نے جس کا ان خلیوں نے جن پر اس کی زد پڑتی تھی، نوٹس تک نہیں لیا تھا، ۱۲ نشستوں کے بعد کوسٹوگلوتود کو پھر سے زندگی کی خواہش اور اس کی لذت سے آشنا کر دیا۔ اس کی بھوک بھی لوٹ آئی تھی اور ہمت اور حوصلہ بھی۔ دوسری اور تیسری گولہ باری کے بعد اسے اس تکلیف سے نجات مل گئی جس نے اس کے وجود کو ناقابل برداشت بنا رکھا تھا اب وہ یہ جاننے کے لیے بیتاب تھا کہ یہ تداخل پذیر گولے جسم کے باقی حصوں کو چھوئے بغیر ایک رسولی کو اپنا ہدف کس طرح بنا سکتے ہیں؟ کوسٹوگلوتود اپنے آپ کو اس علاج کے لیے اس وقت تک غیر مشروط طور پر حوالے کرنے کے لیے تیار نہ تھا جب تک وہ نظریہ اس کی سمجھ میں نہ آجائے اور اسے اس پر یقین نہ آجائے جو اس کے پیچھے کام کر رہا تھا۔ اس نے ایکس رے سے علاج کے نظریے کی معلومات کے لیے ویرا کورنیلیونا کی طرف رجوع کیا تھا جو ایک نفیس عورت تھی اور پہلے ہی دن جب وہ سیڑھیوں کے نیچے اس عزم سے لیٹا ہوا تھا کہ چاہے فائر بریگیڈ آجائے چاہے فوج وہ اپنی مرضی سے اس جگہ سے ہلے گا نہیں وہ اسے راہ راست پر لے آئی تھی۔ "فکر نہیں صرف بتا دو۔" وہ اُسے اطمینان دلانے کے لیے کہتا۔ "میں ایک ذہین سپاہی ہوں جو جنگ میں

کود پڑنے سے پہلے اپنے مشن کو سمجھنا چاہتا ہے۔ یہ کیسے ہے کہ ایکس رے کی شعاعیں جسم کے دوسرے خلیوں کو گزند پہنچائے بغیر رسولی کو تباہ کر دیتی ہیں؟"

ڈیراکو رنیلیو نا کے جذبات آنکھوں کی بجائے پہلے اس کے ہونٹوں سے ظاہر ہوتے تھے۔ اس کے ہونٹ کتنے لطیف تھے، چھوٹے چھوٹے پروں کی طرح۔ اس کا تذبذب بھی پہلے ہونٹوں پر ہی ظاہر ہوا جو تذبذب میں پھڑ پھڑا رہے تھے۔ (وہ اسے اس اندھی گولہ باری کے بارے میں کیسے بتا سکتی تھی جو اپنے اور دشمن کے سپاہیوں کو ایک جیسی مسرت ہی سے روند ڈالتی ہے)

"دراصل میں تمھیں بتانے کی مجاز نہیں...... خیر اچھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایکسرے کی شعاعیں ہر اس چیز کو جو ان کی راہ میں آئے توڑ پھوڑ دیتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں نارمل خلیے فوراً ہی بحال ہو جاتے ہیں، وہاں رسولی کے خلیے بحال نہیں ہوتے۔"

بہت ممکن ہے کہ اس نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غلط ہو۔ لیکن کوسٹوگلوٹوو کو اس کی بات سن کر خوشی ہوئی تھی یہ بہت خوب — اس صورت میں میں کھیل میں شریک ہو جاؤں گا۔ شکریہ — اب مجھے یقین ہے کہ میں اچھا ہو جاؤں گا۔"

یہ واقعہ ہے کہ وہ اچھا ہو رہا تھا۔ وہ بڑے ولولے سے ایکس رے کی مشین کے نیچے لیٹتا اور نشست میں رسولی کے خلیوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ وہ ٹوٹ رہے ہیں۔ باقی اوقات میں وہ ایکس رے کی ٹیوب کے نیچے لیٹتا۔ ہر وہ بات سوچتا رہتا جو اس کے ذہن میں آتی اور کبھی کبھی اونگھ بھی جاتا۔

اس وقت اس کی آنکھیں لٹکتے ہوئے پائپوں اور تاروں پر مرکوز تھیں اور وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ ان کی تعداد اتنی زیادہ کیوں ہے۔ اور اگر سرد کرنے والا کوئی سسٹم ہے تو وہ پانی سے چلتا ہے یا تیل سے؟ لیکن

اس کے خیالات اس نکتے پر زیادہ دیر مرکوز نہ رہ سکے۔ کوئی بھی توضیح اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

یکایک اس نے ویرا گنگارٹ کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اشترک میں ایسی نفیس عورت کبھی نظر نہیں آئی۔ ایسی عورتیں ہمیشہ شادی شدہ ہوتی ہیں۔ بہرحال اس نے خاوند کو جملۂ معترضہ کے طور پر نظر انداز کر دیا، اور گنگارٹ کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کتنا اچھا ہو کہ وہ ایک لمحے کے لیے اس سے بات چیت کرے اور وہ لمحہ بہت طویل ہو یا ہسپتال کے احاطے میں اس کے ساتھ چہل قدمی کرے۔ کبھی کبھی وہ اپنی تلخ قسم کی باتوں سے اسے برہم بھی کر دیتا تھا۔ پریشانی کے عالم میں وہ کتنی دلچسپ اور عجیب لگتی تھی۔ وہ جب بھی مسکراتی اس کی نیکی سورج کی طرح چمکنے لگتی۔ خواہ تم اسے اتفاقیہ طور پر غلام گردش میں مل جاتے یا وہ وارڈ میں آتی۔ اس کی شفقت کا باعث اس کا پیشہ نہیں تھا۔ یہ اس کی فطرت کا تقاضہ تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں بڑی شفقت تھی بلکہ شفیق اس کی مسکراہٹ نہیں اس کے ہونٹ تھے۔ اس کے ہونٹوں میں زندگی تھی اور وہ ایک دوسرے سے اس طرح جدا تھے جیسے وہ اس کے چہرے سے الگ ہو کر چکاوک کی طرح آسمان میں پرواز کرنا چاہتے ہوں۔ تمام ہونٹوں کی طرح وہ بنے اسی لیے تھے کہ ان کا بوسہ لیا جائے لیکن ان کے ذمے کچھ اہم تر فرائض بھی تھے، تابانی اور حسن کے گیت گانا۔

ٹیوب مدھم طور پر بھنبھنا رہی تھی اور اس بھنبھناہٹ میں کچھ موسیقی بھی تھی۔

وہ ویرا گنگارٹ کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن ساتھ ہی وہ زویا کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ جو چیز گزشتہ رات سے بار بار اس کے ذہن میں آ رہی تھی وہ اس کے خوبصورت پستان تھے۔ جو متوازی چھجوں کی طرح

سمے ہوئے تھے کل جب وہ گپ شپ میں مصروف تھے تو رجسٹروں پر لکیریں کھینچنے والا ایک
بھاری رولر رجسٹروں کے پاس میز پر رکھا تھا۔ یہ رولر پلائی وڈ کا نہیں بلکہ چنار کی
لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ ساری شام اس کے دل میں یہ لالچ سر اٹھاتا رہا کہ وہ یہ
رولر اٹھا کر اس کے پستانوں کے بیچ پر رکھ دے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ
لڑھکتا ہے یا نہیں۔ اس کا اپنا خیال یہ تھا کہ وہ لڑھکے گا نہیں۔

اس کے پیٹ کے نیچے اس کے جسم پر جو سیسہ پلائی ہوئی بھاری چادر
پڑی ہوئی تھی وہ بھی اس کے ذہن میں آرہی تھی اور شکرگزاری کا جذبہ پیدا کر رہی
تھی۔ یہ چادر اسے مسرور کن یقین دلا رہی تھی "میں تمہاری حفاظت کروں
گی، ڈرو نہیں۔"

لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ چادر حفاظت نہ کر سکے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ
کافی موٹی نہ ہو یا یہ کہ اسے صحیح طور پر صحیح جگہ نہ رکھا گیا ہو۔

گزشتہ بارہ دن کے دوران صرف یہی نہیں کہ کوسٹوگلوٹوو زندگی
کی طرف لوٹ آیا، اس کے دل میں کھانے کی خواہش پیدا ہوئی، نقل و
حرکت کو جی چاہنے لگا اور اس کی خوش طبعی بھی لوٹ آئی بلکہ اس کے دل میں
زندگی کا وہ حسین ترین جذبہ بھی لوٹ آیا جو گزشتہ چند ماہ کے عذاب میں
وہ بالکل فراموش کر چکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیسہ پلائی ہوئی چادر
واقعی اس کا تحفظ کر رہی ہے۔

بہرحال اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کلینک سے چلا جائے، اس
حالت میں جبکہ اس کی صحت بحال ہو۔

محبوب کی بھنبھناہٹ ختم ہو گئی اور سرخ تاریں ٹھنڈی ہونے لگیں
لیکن اس نے اس کا کبھی نوٹس نہیں لیا۔ نرس آئی اور حفاظتی پلیٹیں اور
چادریں اٹھانے لگی۔۔۔ وہ کوچ سے اٹھ کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور اس
کے پیٹ پر جو بنفشئی مربعے اور اعداد و شمار بنے ہوئے تھے انھیں بغور

دیکھا:

"اس سب کچھ کے ساتھ میں نبا کیسے سکتا ہوں؟" اس نے نرس سے دریافت کیا۔

"صرف ڈاکٹر کی اجازت سے۔"

"کیا ہی عمدہ صورت حال ہے۔ مقصد کیا ہے؟ کیا یہ ایک مہینے تک اسی طرح رہے گا۔"

وہ ڈونٹسووا سے ملنے گیا۔ وہ قریب کے فوکس سے ایکس رے لینے والی مشینوں کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور اپنی عینک کے چوکور شیشوں سے جن کے کونے گولائے ہوئے تھے۔ روشنی میں کچھ بڑی بڑی ایکس رے فلموں کا معائنہ کر رہی تھی۔ دونوں مشینوں کے سوئچ بند تھے اور دونوں کھڑکیاں کھلی تھیں۔ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" ڈونٹسووا نے خشک لہجے میں کہا۔

وہ بیٹھ گیا اور وہ ایکس رے کی فلموں کا معائنہ کرتی رہی۔

کوسٹوگلوٹوو اس سے دلیل بازی ضرور کرتا تھا۔ لیکن اس کا مقصد صرف دواؤں کی زیادتی سے بچنا تھا۔ جو ہدایات کے انبار میں درج تھیں جہاں تک خود لدمیلا افانسیوانا کا تعلق ہے وہ تو صرف اعتماد بخشتی تھی۔ اس اعتماد بخشی میں اس کے مردانہ فیصلہ کن لہجے ہی کو نہیں بلکہ ان واضح احکامات کو بھی دخل تھا جو وہ تاریکی میں ایکس رے کے پردے کو دیکھتے وقت صادر کیا کرتی تھی۔ اس اعتماد بخشی میں اس کی عمر اور اپنے کام کے تئیں فنکارانہ لگن ہی کو دخل نہیں تھا بلکہ اس کے پر اعتماد طرز عمل کو بھی جس کا اندازہ کوسٹوگلوٹوو کو پہلے ہی دن ہو گیا تھا، جب اس نے اس کی رسولی کے کناروں کو چھوا اور رسولی کے حجم کا بالکل ٹھیک اندازہ لگا لیا۔ رسولی خود بتا رہی تھی کہ اس پر بالکل ٹھیک ٹھیک ہاتھ رکھا گیا ہے۔ کچھ نہ کچھ اس نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ یہ بات ایک مریض ہی بتا سکتا ہے کہ ڈاکٹر رسولی کو اپنی انگلیوں سے ٹھیک ٹھیک بھانپ رہا ہے

یا نہیں ڈونٹسووا نے اس کی رسولی کو اتنے صحیح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ ایکس رے فوٹو کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔

اس نے ایکس رے کے فوٹوگرافوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ اپنی عینک اتار دی اور کہا۔ "کوستوگلوتوو! تمھارے مرض کی تاریخ میں ایک بہت بڑا جھول ہے۔ تمھاری اولین رسولی کی نوعیت یقینی طور پر معلوم کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔"

جب ڈونٹسووا ڈاکٹر کی طرح بات کرتی تھی تو وہ زیادہ جلدی جلدی بولتی تھی۔ ایک ہی سانس میں وہ بڑے بڑے فقرے اور مشکل اصطلاحات بول جاتی "یہ اپنے گزشتہ برس کے آپریشن اور موجودہ ثانوی رسولیوں کے متعلق جو کچھ تم نے بتایا ہے، وہ ہماری اپنی تشخیص کے مطابق ہے لیکن کچھ اور امکانات بھی ہو سکتے ہیں جنھیں خارج نہیں کیا جا سکتا اور یہ بات ہمارے لیے تمھارے علاج کو پیچیدہ بنا رہی ہے۔ یہ بات تو تم سمجھتے ہی ہو کہ تمھاری ثانوی رسولیوں کا نمونہ لینا اب ہمارے لیے ممکن نہیں۔"

"خدا کا بھلا کرے میں تمھیں لینے بھی نہ دیتا۔"

"میں اب بھی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ وہ سلائڈیں تم کیوں حاصل نہیں کر سکتے جن پر تمھاری پہلی رسولی کے فوٹو ہیں۔ کیا تمھیں اس بات کا مکمل یقین ہے کہ نسیجاتی تجزیہ ہوا تھا؟"

"ہاں مجھے یقین ہے۔"

"اس صورت میں کیا تمھیں نتیجے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا؟"

وہ ایک مصروف شخص کے لہجے میں جلدی جلدی ہی بولی، کچھ لفظ وہ چھوڑ گئی جنھیں قیاس ہی کیا جا سکتا تھا۔

لیکن کوستوگلوتوو جلد بازی کی عادت چھوڑ چکا تھا۔ "نتیجہ — ؟ لڈمیلا افانسیونا جہاں ہم تھے وہاں ایسے طوفانی واقعات ہو رہے تھے

صورت حال اتنی غیر معمولی تھی کہ میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی تشخیص جیسی معمولی چیز کے متعلق دریافت کرنا میرے لیے شرمناک ہوتا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ تم خود نہیں سمجھے لیکن ڈاکٹر تو سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ باتیں ایسی نہیں جنھیں معمولی سمجھا جائے اور غفلت برتی جائے۔"

"ڈاکٹر؟" اس نے اس کی طرف دیکھا اس کے سفید ہوتے ہوئے بالوں کی طرف دیکھا جنھیں نہ وہ چھپاتی تھی اور نہ رنگتی تھی، اور اس کے چہرے کے، جس کی گال کی ہڈیاں کافی نمایاں تھیں کاروباری اور سنجیدہ تاثر پر غور کیا۔

کیا یہ زندگی کا عجیب پہلو نہیں؟ اس کی ہم وطن، اس کی ہم عصر اور اس کی بہی خواہ بیٹھی ہے۔ وہ دونوں اپنی زبان بول رہے ہیں جو ان دونوں کی مشترکہ زبان ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اُسے ایک سادہ سی بات سمجھانے میں ناکام ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات بہت پیچھے سے شروع کرنا ہوگی۔ نہیں تو توضیح کا سلسلہ فوراً ہی بند کرنا پڑے گا۔

"لڈمیلا افانسیونا! ڈاکٹر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پہلا سرجن یوکرینی تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ میرا آپریشن ہونا چاہیئے اور اس کے لیے مجھے تیار کیا لیکن آپریشن سے صرف ایک رات پہلے اسے قیدیوں کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔"

"پھر؟"

"پھر کچھ بھی نہیں وہ اسے لے گئے۔"

"مجھے افسوس ہے ... لیکن اسے متنبہ تو کیا گیا ہوگا۔ وہ یہ کر سکتا تھا ..."

کوستوگلوتوو کی ہنسی پھوٹ پڑی۔ وہ لطف لے رہا تھا۔ "لڈمیلا افانسیونا! گاڑی کے متعلق کوئی تمھیں خبردار نہیں کرتا۔ اہم ترین بات یہی ہے۔ وہ تمھیں اچانک ہی

جھٹ لے جانا چاہتے ہیں:

ڈونشووا کی چوڑی پیشانی پر شکن پڑ گئی۔ کوسٹوگلوٹوو یقیناً احمقانہ باتیں کر رہا تھا۔

"لیکن اس صورت میں جب اس کے مریض کا آپریشن ہونے والا تھا۔۔۔۔"

"ٹھہرو میری بات سنو۔ وہ ایک بیتھوین کو لائے جو مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر تھا۔

اس نے ایک چمچہ نگل لیا تھا۔ میز پر استعمال کرنے کا چمچہ۔"

"یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے یہ کر لیا ہو؟"

"اس نے یہ عمداً کیا تھا۔ وہ تنہائی سے نکلنا چاہتا تھا۔ یہ بات اس غریب کو کیسے معلوم ہو سکتی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو دور لے جا رہے ہیں۔"

"تو آگے کیا ہوا؟ کیا تمھاری رسولی تیزی سے بڑھ رہی تھی؟"

"یہ ٹھیک ہے۔ صبح سے شام تک بالکل یہی ہو رہا تھا۔ پھر پانچ دن بعد وہ ایک کمپاؤنڈر سے نیا سرجن لے آئے۔ وہ جرمن تھا۔ اس کا نام کارل فیوڈوروورچ تھا۔ وہ اپنے نئے کام میں لگ گیا اور ایک یا دو دن کے بعد اس نے میرا آپریشن کر دیا۔ لیکن مہلک رسولی اور ثانوی رسولیوں کے متعلق کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے تو ان کا نام تک نہیں سنا تھا۔"

"لیکن اس نے جراثیمی مواد معائنے کے لیے تو بھیجا ہوگا۔"

"اس وقت مجھے کچھ پتہ نہیں تھا۔ مجھے جراثیمی مواد جیسی کسی چیز کی کوئی خبر نہیں تھی میں آپریشن کے بعد صرف وہاں لیٹا رہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مجھ پر ریت کے وزنی تھیلے رکھے ہوں۔ ہفتے کے آخر تک میں اس قابل ہو گیا کہ اپنے پانوؤں کو حرکت دے سکوں اور بستر سے اٹھ کر فرش پر کھڑا ہو سکوں۔ یکایک وہ قیدیوں کی ایک اور گاڑی بھرنے کے لیے کیمپ کا چکر لگانے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ انھیں سات سو کے قریب فسادیوں کی تلاش ہے اور کارل فیوڈوروورچ جو ایک نفیس ترین شخص تھا ان میں شامل تھا۔ وہ اسے اس کی قیام گاہ سے سیدھا ہی لے گئے۔ اُسے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے مریضوں کو آخری بار دیکھ سکے۔"

"حماقت!"

"خالص احمقانہ بات سننے کے لیے ابھی کچھ اور انتظار کرو؟" کوسٹوگلوٹوو جوش میں آتا جا رہا تھا۔ "ایک دوست بھاگا بھاگا آیا اور سرگوشی میں مجھ سے بولا کہ میرا نام بھی ان لوگوں کی فہرست میں ہے جنھیں گاڑی میں بھرنا ہے۔ اس عورت نے جو ہسپتال کی انچارج تھی اور جس کا نام میڈم ڈوبنسکایا تھا، اپنی رضامندی دے دی تھی حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں چل بھی نہیں سکتا تھا اور ابھی میرے ٹانکے بھی نہیں کھولے گئے تھے۔ کیا ہی خبیثہ تھی۔ معاف کرنا...... خیر میں نے پختہ ارادہ کر لیا مویشیوں کے ٹرک میں سفر کرنا جبکہ میرے ٹانکے بھی نہیں کھلے تھے چھوت اور موت کو دعوت دینا تھا۔ جب وہ مجھے لینے آئیں گے تو میں انھیں کہہ دوں گا کہ مجھے یہاں بستر پر گولی مار دو میں کہیں جاؤں گا نہیں۔ میں انھیں بالکل یہی کہتا لیکن وہ مجھے لینے آئے نہیں۔ اس میں میڈم ڈوبنسکایا کی رحمدلی کو کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ تو یہ سن کر حیران ہوئی تھی کہ مجھے بلایا نہیں گیا۔ بات یہ تھی کہ انھوں نے رجسٹریشن کے شعبے میں چھان بین کر لی تھی اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ میرا ایک سال سے بھی کم باقی ہے۔ لیکن میں اصل نکتے سے ہٹ گیا ہوں...... میں کھڑکی کے پاس گیا اور باہر جھانکا۔ ہسپتال کی عمارت کے پیچھے ایک پریڈ گراؤنڈ تھی تقریباً بیس میٹر کے فاصلے پر جہاں سب لوگوں کو ان کی چھوٹی موٹی چیزوں کے ساتھ گاڑی میں بھرنے کے لیے وہ جمع کر رہے تھے۔ کارل فیوڈورووچ نے مجھے کھڑکی میں دیکھ لیا اور چیخا، کوسٹوگلوٹوو کھڑکی کھولو گارڈ اسے گالی دینے لگا 'خاموش غنڈے'، لیکن اس نے زور سے کہا 'کوسٹوگلوٹوو اسے یاد رکھنا۔ یہ بہت اہم ہے۔ میں نے تمھاری رسولی کا کچھ حصہ نسیجاتی تجزیے کے لیے امسس بھیجا ہے۔ تشخیص امراض کے شعبے میں۔ یاد رکھنا، خیر وہ ان سب کو گاڑی میں بھر کر لے گئے۔ یہ تھے میرے ڈاکٹر تم سے پہلے۔ کیا تم انھیں الزام دے سکتی ہو؟"

کوسٹوگلوٹوو اپنی کرسی میں پیچھے کی طرف گر پڑا۔ اپنے پہلے ہسپتال کے

ماحول میں الجھ کر وہ تھک گیا۔
اہم اور غیر اہم میں امتیاز کرتے ہوئے (اندرونی مریضوں کی کہانیوں میں ہمیشہ کافی حصہ غیر اہم ہوتا ہے) ڈونٹسووا اس نکتے پر پہنچی جو اس کی دلچسپی کا مرکز تھا۔
"اس سے کیا جواب ملا؟ کیا وہاں کچھ تھا؟ کیا انھوں نے تمھیں کچھ بتایا؟"
کوسٹوگلوتوو نے اپنے کندھے سکیڑے۔ "کسی نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اور میں سمجھ نہیں سکتا تھا کہ کارل فیوڈوروچ نے چلا کر مجھے وہ بات کیوں بتائی لیکن جلاوطنی میں گزشتہ موسم خزاں میں جب میری بیماری نے مجھ پر واقعی قابو پالیا تھا تو نسوانی امراض کے ایک پرانے ماہر نے جو میرا دوست تھا اصرار شروع کیا کہ میں پوچھ تاچھ کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے کیمپ کو لکھا کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے کیمپ کے انتظامیہ کو شکایت لکھی۔ دو مہینے بعد جواب آگیا جو یہ تھا: تمھاری ذاتی فائل کی پوری چھان بین کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری بیماری کی تفتیش کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں لگ سکتا۔ اس وقت تک یہ رسولی اتنی خراب ہو چکی تھی اور میں اتنا بیمار تھا کہ ہر قسم کی خط و کتابت سے دستکش ہونے کو تیار تھا۔ لیکن جلاوطنوں کی نگرانی کرنے والا افسر چونکہ مجھے علاج کے لیے بھیجنے کو تیار ہی نہیں تھا، اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کو لکھ دیا جائے۔ میں نے نسیجاتی تجزیے کے شعبے کو لکھا اور چند دن میں مجھے جواب مل گیا یہ جنوری کی بات ہے، اس سے پہلے کی جب انھوں نے مجھے یہاں آنے کی اجازت دی۔"
"اچھا تو دکھاؤ وہ کہاں ہے۔ کہاں ہے وہ جواب؟"
"لڈمیلا افناسیونا! جب میں یہاں آیا تھا تو مجھے کسی چیز کی کیا پروا ہو سکتی تھی؟ یہ ایک کاغذ کی سلپ تھی۔ نہ اس کے اوپر کسی ہسپتال کا پتہ درج تھا نہ کوئی مہر تھی۔ یہ صرف شعبے کی لیبارٹری میں کام کرنے والی ایک کارکن کا خط تھا۔ اس نے ازراہ نوازش یہ لکھ دیا تھا کہ ٹھیک اس تاریخ پر جو میں نے لکھی تھی اور ٹھیک

اس مقام سے جہاں میں تھا ایک نمونہ معائنے کے لیے آیا تھا اور تشخیص کے بعد اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ جس قسم کی رسولی کا مجھے ہمیشہ شک رہا تھا وہ وہی تھی اور یہ کہ جس ہسپتال سے تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا تھا اسے جواب دے دیا گیا تھا یعنی ہمارے کیمپ کے ہسپتال کو۔ اس کے بعد وہی ہوا جو اس قسم کے معاملوں میں بالعموم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جواب ضرور آیا ہو گا لیکن کسی کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کیا ہے اور میڈم ڈونسکایا......"

نہیں، ڈونتسووا کے لیے اس قسم کی منطق کو سمجھنا ممکن نہیں تھا اس نے اپنے بازو ایک دوسرے پر رکھے ہوئے تھے اور کہنیوں کے اوپر کے حصے کو انگلیوں سے تھپتھپا رہی تھی۔

"لیکن اس خط کا مطلب یہ ہونا چاہیئے تھا کہ تمھیں فوراً ہی ایکس رے کے علاج کی ضرورت ہے۔"

"کیا؟" کوستوگلوتوو نے اپنی آنکھیں مضحک انداز میں سکیڑیں اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔" ایکس رے کا علاج؟"

تو یہ رہی۔ وہ ایک چوتھائی گھنٹے سے اس سے بات کر رہا تھا اور نتیجہ یہ نکلا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھ رہی تھی۔

لڈمیلا افانسیونا!" اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔" وہاں جو صورتِ حال ہے اسے سمجھنے کے لیے .... سچ یہ ہے کہ اس کا تصور بہت ہی کم لوگ کر سکتے ہیں۔ تم ایکس رے کے علاج کی بات کرتی ہو۔ جہاں انھوں نے آپریشن کیا تھا میں وہاں ابھی تک تکلیف محسوس کر رہا تھا جیسی کہ اب خیال کے طور پر محسوس کر رہا ہے لیکن میں اپنے معمول کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ کنکریٹ پھینکنا۔ اور مجھے یہ تک نہیں سوجھا کہ مجھے بے اطمینانی کا حق ہے۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ تپلے کنکریٹ کا پیپا جسے دو آدمیوں کو اٹھانا پڑتا ہے کتنا گہرا ہوتا ہے؟"

ڈونتسووا نے اپنا سر جھکا لیا جیسے اسے کنکریٹ ڈھونے اسی نے بھیجا ہو۔

ہاں اس کے مرض کی تاریخ کی تفصیلات تک رسائی واقعی مشکل تھی۔" بہت اچھا لیکن نسیجاتی تشخیص کے شعبے کے جواب کا کیا رہا؟ اس پر کوئی مہر کیوں نہیں تھی اور وہ نجی خط کیوں تھا؟"

" میں اس کیلئے بھی مشکور تھا کہ مجھے نجی خط بھیج دیا گیا۔" کوسٹوگلوٹوو اب بھی اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" اتفاق سے لیبارٹری کی کارکن ایک مہربان اور نیک طینت عورت تھی۔ یہ تو ہے ہی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ مہربان ہیں۔ کم سے کم میرا تجربہ تو یہی ہے ..... خط نجی کیوں تھا؟ اس لیے کہ ہمیں رازداری کا جنون ہے۔ بعد میں اس نے لکھا تھا ' رسولی کا نمونہ ہمیں گمنام بھیجا گیا تھا۔ اس پر کسی مریض کا خاندانی نام درج نہیں تھا۔ اس صورت میں ہم تمھیں سرکاری سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتے اور نہ ہم تمھیں نمونے کے سلائڈ دے سکتے ہیں۔'" کوسٹوگلوٹوو دُبر ہم ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر باقی جذبوں کے مقابلے میں برہمی کہیں زیادہ جلدی ظاہر ہو جاتی تھی۔" کیسے ریاستی راز ہیں۔ احمق۔ انھیں ڈر ہے کہ کسی شعبے میں وہ معلوم کر لیں گے کہ کسی کیمپ میں کوسٹوگلوٹوو نامی ایک قیدی سڑ رہا ہے۔ بادشاہ فرانس کا جڑواں بھائی۔ چنانچہ گمنام خط وہاں چلا رہے گا اور تم یہاں اپنا سر کھپاتی رہو گی۔ کہ میرا علاج کیسے کیا جائے؟ بہرحال انھوں نے اپنا راز محفوظ رکھا ہے۔"

ڈونتسووا کی نظر سے اب بھی ثابت قدمی ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے نکتے پر بضد رہی۔" لیکن پھر بھی وہ خط مجھے تمھاری بیماری کے کیفیت نامے میں شامل کرنا چاہئیے۔"

" بہت اچھا۔ جب میں اپنے گاؤں میں واپس جاؤں گا تو تمھیں بھیج دونگا۔"

" نہیں۔ مجھے اس کی جلدی ضرورت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نسوانی امراض کا ماہر تمھارا دوست ڈھونڈ کر اسے بھیج دے۔"

" ہاں میرا خیال ہے وہ ایسا کر سکتا ہے ..... لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ خود وہاں کب واپس جا سکوں گا؟" کوسٹوگلوٹوو نے گھورتا سے اس کی طرف

دیکھا۔

"تم گھر جاؤ گے۔" ڈونٹسووا نے اپنے ایک ایک لفظ کو تولتے ہوئے زور دے کر کہا۔ "تب جب میں یہ سمجھوں گی کہ علاج میں وقفہ ڈالا جا سکتا ہے۔ تب بھی تم صرف عارضی طور پر ہی جا سکو گے۔"

کوستوگلوتوو بات چیت میں اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اسے لڑے بغیر جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"لڈمیلا افانسیونا! کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اپنے اس لہجے کو خیرباد کہہ دو؟ یہ ایسا ہے جیسے کوئی بزرگ کسی بچے سے بات کر رہا ہو۔ اس طرح بات کیوں نہ کی جائے جس طرح ایک بالغ ایک بالغ سے کرتا ہے۔ یہ بات میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ آج صبح جب تم راؤنڈ پر تھیں تو میں......"

"ہاں آج صبح جب میں راؤنڈ پر تھی۔" ڈونٹسووا نے تہدید آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تو تم نے ایک شرمناک حرکت کی تھی۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ مریضوں کو گھبرا دینا؟ تم ان کے دل میں کیا باتیں ڈال رہے ہو؟"

"میں کیا کر رہا تھا؟" اس نے گرم ہوئے بغیر لیکن ثابت قدمی سے کہا۔ وہ تن کر بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ مضبوطی سے کرسی سے لگی تھی۔ "میں تمھیں صرف یہ یاد دلا رہا تھا کہ مجھے یہ حق ہے کہ اپنی زندگی کے ساتھ جو چاہوں کروں۔ ایک آدمی اپنی زندگی کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کیا نہیں؟ تم اتفاق کرو گی کہ یہ حق تو مجھے ہے ہی۔"

ڈونٹسووا نے اس کے زخم کے بے رنگ، پرپیچ نشان کی طرف دیکھا اور خاموش رہی۔ کوستوگلوتوو نے اپنی دلیل کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"دیکھو تم ابتدا ایک بالکل غلط نقطے سے کرتی ہو۔ جیسے ہی کوئی مریض تمھارے پاس آتا ہے تم اس کی طرف سے سب کچھ خود ہی سوچنا شروع کر دیتی ہو۔ اس کے بعد ہر بات کا فیصلہ تمھارے مستقل احکام، تمھاری پانچ منٹ کی کانفرنسوں، تمھارے پروگرام، تمھارے منصوبوں اور تمھارے میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے وقار پر منحصر ہوتا

ہے۔اس طرح ایک بار پھر میں ریت کا ذرّہ بن جاتا ہوں؛ جیسا کیمپ میں تھا۔ کسی بھی بات کا انحصار مجھ پر نہیں رہتا۔"

"کلینک ہر آپریشن سے پہلے ہر مریض سے تحریری رضامندی حاصل کرتا ہے۔" ڈونٹسووا نے اسے یاد دلایا۔

(اس نے آپریشن کا ذکر کیوں کیا ہے؟ وہ اپنا آپریشن کبھی نہیں ہونے دے گا خواہ کچھ ہو جائے۔)

"شکریہ۔ تمہارا بہرحال شکریہ۔ خواہ اپنے ہی تحفظ کے لیے سہی لیکن کلینک یہ کرتا ضرور ہے۔ اگر آپریشن مدنظر نہ ہو تو مریض سے کچھ نہیں پوچھا جاتا اور تم لوگ کسی چیز کی وضاحت نہیں کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایکس رے کا بھی کچھ اثر تو ہوتا ہی ہوگا۔"

"ایکس رے کے متعلق یہ سب افواہیں تمہیں کہاں سے ملیں؟" ڈونٹسووا نے قیاس سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "کیا رابنووچ سے؟"

"میں کسی رابنووچ کو نہیں جانتا۔" کوستوگلوتوو نے قطعیت سے اپنا سر ہلایا۔ "میں تو اصول کی بات کر رہا ہوں۔"

(واقعہ یہ ہے کہ ایکس رے کے اثرات مابعد کے متعلق یہ یاس انگیز باتیں اس نے رابنووچ ہی سے سنی تھیں لیکن اس نے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی کو بتائے گا نہیں۔ رابنووچ ایک بیرونی مریض تھا جو اس وقت تک دو سو مرتبہ سے زیادہ ایکس رے کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ اس سے اسے کافی نقصان پہنچا تھا۔ اور ہر ایک درجن بیٹھکوں کے بعد اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ صحت یابی سے کہیں زیادہ موت کے قریب ہے۔ جہاں وہ رہتا تھا کوئی بھی اسے جانتا نہیں تھا۔ نہ اس کے فلیٹ میں، نہ اس کے بلاک میں اور نہ اس کے کوچے میں۔ وہ سب صحت مند لوگ تھے جو صبح سے شام تک بھاگ دوڑ کرتے اور کامیابیوں اور ناکامیوں کے بارے میں سوچتے رہتے۔ ان کے نزدیک اہمیت انہی چیزوں کی تھی۔ اس کے گھر والے بھی

اس سے عاجز آچکے تھے۔ کینسر کلینک کی سیڑھیاں واحد جگہ تھیں جہاں مریض اس کی طرف دھیان دیتے۔ گھنٹوں اس کی باتیں سنتے اور اس سے ہمدردی ظاہر کرتے۔ انہی کو یہ معلوم تھا کہ جب کسی آدمی کے جسم پر ایک چھوٹا سا کوئی حصہ ہڈی کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور جلد کے ان حصوں پر جہاں ایکس رے کی شعاعیں نفوذ کرتی ہیں موٹے موٹے داغ پڑجاتے ہیں تو آدمی کیا محسوس کرتا ہے)

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اصول ہی کی بات کر رہا تھا۔ ڈونٹسووا اور اس کی ماتحتوں کو بھی تو چاہیئے تھا کہ وہ کئی کئی دن تک مریضوں کے ساتھ ان اصولوں پر بات چیت کرتی رہتیں جن کے مطابق ان کا علاج کیا جا رہا تھا لیکن اس صورت میں علاج کے لیے وقت کہاں بچتا؟

کبھی کبھی کوئی ضدی، علم کا خصوصی شائق، جیسا کہ رانو وچ یا خود کوسٹوگلوٹوو، پچاس مریضوں کی ٹولی میں سے نکل کھڑا ہوتا، اسے آ پکڑتا اور اپنی بیماری کے سلسلے میں اس سے توضیحات کی بھیک مانگنے لگتا۔ جب کبھی ایسا ہوتا تو تشریحات ناگزیر ہو جاتیں۔ کام کٹھن سہی لیکن اس سے پہلو تہی بھی تو ممکن نہیں تھی اور کوسٹوگلوٹوو کا معاملہ تو طبی نقطۂ نگاہ سے بھی خصوصی نوعیت رکھتا تھا کیونکہ اس وقت تک اس سے غیر معمولی بے توجہی برتی گئی تھی۔ اس وقت تک جب اسے علاج کرانے کی اجازت ملی اور اس کا معاملہ ڈونٹسووا کے ہاتھ میں آیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے خلاف کوئی معاندانہ سازش ہوتی رہی ہے جس کا مقصد اسے موت کی سرحد کے قریب دھکیلنا تھا۔ اس کا معاملہ اس اعتبار سے بھی خصوصی نوعیت رکھتا تھا کہ ایکس رے کا علاج شروع ہوتے ہی اس کی صحت بے مثل سرعت کے ساتھ بحال ہونے لگی تھی۔

"کوسٹوگلوٹووا ایکس رے کی بارہ نشستوں نے تمھیں ایک لاش سے زندہ آدمی میں بدل دیا ہے۔ تم اس طریق علاج کی مذمت کیسے کر سکتے ہو؟ تمھیں شکایت ہے کہ کیمپ میں یا جلا وطنی میں تمھارا کوئی علاج نہیں کیا گیا، تم سے بے توجہی برتی گئی اور ایک ہی سانس میں تم اس کی بھی شکایت کرتے ہو کہ اب لوگ تمھارا علاج کر رہے

ہیں، تم پر توجہ دے رہے ہیں۔ یہ کہاں کی منطق ہے؟"

"واقعی کوئی منطق نہیں" کوستوگلوٹوو نے اپنے موٹے موٹے بالوں والا سر ہلایا۔ "لیکن لڈمیلا افانسیونا منطق غالباً ضروری بھی نہیں۔ آخر آدمی ایک پُر پیچ ہستی ہی تو ہے کیا ضروری ہے کہ ہر بار منطق سے اس کی توضیح کی جا سکے یا اقتصادیات یا ـــ علم الافعال الاعضا سے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جب میں یہاں آیا تھا تو ایک لاش تھا۔ میں نے بھیک مانگی تھی کہ مجھے داخل کر لیا جائے اور میں سیڑھیوں کے نیچے فرش پر لیٹا ہوا تھا اور اس سے تم نے یہ منطقی نتیجہ نکال لیا کہ میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ مجھے ہر قیمت پر بچا لیا جائے۔ لیکن میں ہر قیمت پر بچنا نہیں چاہتا۔ دنیا میں ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے لیے میں ہر قیمت دینے کو تیار ہو جاؤں" وہ زیادہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ جلدی جلدی بولنا اسے پسند کبھی نہیں تھا۔ لیکن ڈونٹسووا مداخلت کی کوشش کر رہی تھی اور ابھی اسے اس موضوع پر بہت کچھ کہنا تھا۔ "میں تمھارے پاس اس لیے آیا تھا کہ مجھے تکلیف سے نجات دلائی جائے۔ میں نے کہا تھا کہ میں سخت تکلیف میں ہوں، میری مدد کرو اور تم نے واقعی مدد کی۔ اب میں تکلیف میں نہیں ہوں، تمھارا شکریہ۔ میں تمھارا شکر گزار ہوں اور مقروض ہوں لیکن اب براہ کرم مجھے جانے دو۔ مجھے اجازت دو کہ میں کتے کی طرح رینگتا ہوا اپنی موری میں لیٹ جاؤں۔ اور جب تک ٹھیک نہ ہو جاؤں آرام سے اپنے زخم چاٹتا رہوں۔"

"اور جب بیماری پھر تمھیں پکڑ لے تو تم رینگتے ہوئے پھر ہمارے پاس لوٹ آؤ۔"

"ہاں ـــ میں شاید رینگتا ہوا پھر تمھارے پاس آجاؤں۔"

"اور ہمیں تمھیں لینا پڑے گا۔"

"ہاں! تمھاری رحمدلی کا ثبوت یہی تو ہے۔ آخر تمھیں فکر کاہے کی ہے؟ صحتیابی کی شرح کی؟ اپنے ریکارڈوں کی؟ اس بات کی کہ تم اس بات کی کیا وضاحت پیش کرو گی کہ مجھے پندرہ نشستوں کے بعد جانے کی اجازت دے دی گئی جبکہ

میڈیکل سائنس کی اکاڈمی کی تجویز یہ ہے کہ کم سے کم ساٹھ نشستیں ضروری ہیں۔"

اس نے اپنی زندگی میں اتنی بے تکی بکواس پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک ریکارڈوں کا سوال تھا اس مقصد کے لیے یہ بات کہیں مفید تھی کہ کوسٹو گلوٹوو کو اب ڈسچارج کر دیا جائے اور ریکارڈوں میں نمایاں اصلاح لکھ دیا جائے۔ پچاس نشستوں کے بعد تو شاید یہ لکھنا مشکل ہو جائے۔

لیکن کوسٹوگلوٹوو اپنی بات پر زور دیتا رہا۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے، یہ کافی ہے کہ تم نے رسولی کو لپسا کر دیا۔ اسے روک دیا۔ اب اس کا رویہ مدافعانہ ہے۔ میرا رویہ بھی مدافعانہ ہے۔ خوب۔ ایک سپاہی کے لیے مدافعت کی زندگی خوب ہوتی ہے اور پھر چاہے کچھ ہی ہو جائے تم مجھے مکمل طور پر صحت یاب تو کر ہی نہیں سکو گی۔ کینسر کے معاملے میں مکمل صحت یابی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ فطرت کے تمام عوامل میں کچھ دیر کے بعد دھیما پن آجاتا ہے اور بار آوری میں کمی آنے لگتی ہے۔ ایک ایسی منزل آجاتی ہے کہ جتنی کوشش کی جائے اتنا ہی کم نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ شروع شروع میں میری رسولی بڑی تیزی سے ٹوٹ رہی تھی۔ اب اس کی مزید شکست آہستہ آہستہ ہو گی۔ تو خون کے جو قطرے مجھ میں رہ گئے ہیں۔ ان کا کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔؟"

"یہ سب معلومات تم نے کہاں سے حاصل کیں؟ میں جاننا چاہوں گی۔" ڈونٹسووا کی تیوری چڑھ گئی۔

"مجھے بچپن ہی سے طبی کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔"

"لیکن ہم جو تمھارا علاج کر رہے ہیں۔ اس میں تمھیں ٹھیک کس بات سے ڈر ہے۔"

"لڈمیلا افانسیونا مجھے کس بات سے ڈرنا چاہیے، میں یہ نہیں جانتا۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ شاید تم جانتی ہو لیکن تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔ مثال کے طور پر ویرا کورنیلیونا چاہتی ہے کہ مجھے گلوکوز کے انجکشن لگائے جائیں۔"

"بالکل ضروری ہیں۔"

" لیکن میں نہیں چاہتا۔"

" لیکن آخر کیوں؟"

" پہلی بات یہ کہ یہ غیر قدرتی ہے۔ اگر مجھے گلوکوز کی شکر کی ضرورت ہے تو کیوں نہ منہ کے راستے سے کھلائی جائے؟ یہ بیسویں صدی کا مضحک تصنع کیوں؟ یہ کیوں ضروری ہے کہ ہر دوا انجکشن ہی سے دی جائے؟ کیا فطرت میں یا جانوروں میں ایسا کبھی ہوتا ہے؟ سو سال کے بعد لوگ ہم پر ہنسیں گے اور ہمیں وحشی قرار دیں گے اور پھر انجکشن دینے کا طریقہ بھی عجیب ہے۔ ایک نرس انجکشن تیار کرتی ہے اور دوسری تمھیں نس میں سے چھید دیتی ہے۔ نہیں یہ مجھے نہیں چاہیے اور اب مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میرے اندر خون داخل کرنے کی تیاری کر رہی ہو...."

" تمھیں خوش ہونا چاہیے۔ کچھ لوگ تمھیں اپنا خون دینے کے لیے تیار ہیں اس کا مطلب ہے صحت، زندگی۔"

" لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔ انھوں نے چیچن کے خون داخل کیا تھا، میرے سامنے۔ اس کے بعد وہ تین گھنٹے تک اپنے بستر پر تڑپتا رہا۔ ان کا کہنا تھا خون کا میل صحیح نہیں ہوا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے کسی اور کا خون دیا لیکن اس رتبہ نس قابو میں نہیں آئی۔ اس کے بازو پر ایک بڑا سا لوندا نمودار ہوگیا۔ اب ایک مہینے کے لیے پٹیاں بندھیں گی اور بھاپ سے غسل دیئے جائیں گے۔ میں یہ نہیں چاہتا۔"

" لیکن خون داخل کیے بغیر ایکس رے سے مؤثر علاج ناممکن ہے۔"

" تو نہ کرو۔ تم یہ کیوں فرض کر لیتی ہو کہ تمھیں دوسروں کے لیے فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ یہ حق بڑا ہی خطرناک ہے جس کا اچھا نتیجہ شاذونادر ہی ہوتا ہے تمھیں محتاط رہنا چاہیے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں۔ ڈاکٹروں کو بھی نہیں۔"

" لیکن ڈاکٹروں کو یہ حق حاصل ہے ۔باقی لوگوں کو نہ ہو لیکن ڈاکٹر کو تو ہے ہی۔"
ڈونتسووا نے مکمل یقین سے کہا۔ اس وقت تک وہ واقعی ناراض ہو گئی تھی۔"اس حق کے بغیر علاج نام کی کوئی چیز ممکن ہی نہیں۔"

" اور یہ دیکھو کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ بہت جلد تم ریڈیائی لہروں کے اثرات سے پیدا ہونے والی بیماری پر لیکچر دوگی۔ کیا نہیں؟"

" تمہیں یہ کیسے معلوم ہے؟" لڈمیلا افانسیونا واقعی حیرت میں تھی۔

" بات یہ ہے کہ یہ اتنا مشکل ہرگز نہیں ۔میں نے قیاس کرلیا...."

(دراصل بات بالکل ہی سادہ تھی۔ اس نے میز پر ٹائپ شدہ کاغذوں کا ایک پلندہ دیکھ لیا تھا۔ اگرچہ عنوان الٹا تھا۔ لیکن اپنی بات چیت کے دوران وہ اسے پڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس کا مطلب اس نے سمجھ لیا تھا۔)

"..... یا یہ کہئے کہ فرض کرلیا۔ ایک نیا نام نظر آیا۔ ریڈیائی لہروں سے پیدا ہونے والی بیماری، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے متعلق لیکچر ہوں گے۔ لیکن ذرا دیکھو تو سہی بیس سال پہلے تم نے کسی بوڑھے کوسٹوگلوٹوو کو ریڈیائی لہروں کا شکار بنا دیا۔ اس کے اس احتجاج کے باوجود کہ وہ اس علاج سے ڈرتا ہے۔ اس وقت تم نے اسے یقین دلایا تھا کہ سب ٹھیک ہے کیونکہ اس وقت تمھیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ریڈیائی لہروں سے پیدا ہونے والی کوئی بیماری بھی موجود ہے۔ آج مجھے بھی یہی درپیش ہے۔ مجھے کس چیز سے خوفزدہ سمجھا جا رہا ہے، یہ میں ابھی نہیں جانتا، میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مجھے جانے دیا جائے۔ میں اپنے ہی طور پر صحت یاب ہونا چاہتا ہوں۔ تب ممکن ہے کہ میں بہتر ہو جاؤں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟"

ڈاکٹروں کے لیے صرف ایک اصول مقدس ہوتا ہے۔ مریضوں کو خوفزدہ نہ کیا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، لیکن جب کوسٹوگلوٹوو جیسے ضدی مریض سے واسطہ پڑ جائے تو بالکل برعکس طریق کار کی ضرورت ہوتی ہے صدمہ پہنچانا۔

" بہتر نہیں ۔ تم کبھی بہتر نہیں ہو سکو گے ۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں ۔" اس نے
نے اپنی چاروں انگلیاں میز پر ماریں جیسے مورچھل سے مکھی کو اڑایا جاتا ہے ۔" میں
تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ تم اچھے نہیں ہو گے ۔ تم " اس نے کچھ رک کر چوٹ کو تولتے
ہوئے کہا ۔" مر جاؤ گے ۔"

اس نے اس کی طرف دیکھا ۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کوئی اضطراب ظاہر
کرتا ہے یا نہیں ؟ لیکن وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا ۔

" تمھارا حال وہی ہو گا جو ازودکن کا ہے ۔ تم نے اس کی حالت کو دیکھ لیا ہے ۔
بات یہ ہے کہ تمھیں بالکل وہی بیماری ہے جو ازودکن کو ہے اور تم دونوں ہی یکساں
طور پر عدم توجہی کا شکار رہے ہو ۔ ہم احمد جان کو اس لیے بچا پائے ہیں کہ آپریشن
کے فوراً بعد ریڈیائی لہروں سے اس کا علاج شروع کر دیا تھا ۔ لیکن جہاں تک
تمھارا معاملہ ہے دو سال ضائع ہو چکے ہیں ۔ کیا تمھیں اس کا خیال ہے ؟ جہاں
تمھارا آپریشن ہوا تھا اس کے قریب ہی فوراً ہی نس کا ایک اور آپریشن ہونا
چاہیئے تھا ۔ لیکن انھوں نے تمھیں تمھارے حال پر چھوڑ دیا اور فوراً ہی ثانویات
پیدا ہونے لگیں ۔ تمھاری رسولی کینسر کی بدترین قسم ہے ۔ یہ رسولی بڑی تیزی سے
ترقی کرتی ہے ، بڑی مہلک ہے اور اس کی ثانویات بھی بڑی تیزی سے نمودار
ہوتی ہیں ۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے اندازہ لگایا گیا تھا کہ اس مرض میں اموات کا تناسب
بچانوے فیصدی ہے ۔ کیا اس سے تمھارا اطمینان ہوتا ہے ؟ دیکھو میں تمھیں
دکھاتی ہوں ۔"

اس نے انبار میں سے ایک فولڈر نکالا اور اس کے اوراق الٹنے لگی ۔
کوسٹوگلوتوو خاموش تھا ۔ تب اس نے بولنا شروع کیا لیکن سکون
کے ساتھ ۔ اس کے لہجے میں وہ خود اعتمادی نہیں تھی جو چند منٹ پہلے موجود تھی ۔
" سچ پوچھو تو میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جو زندگی سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں ۔
صرف یہی نہیں کہ میرے آگے کوئی نہیں بلکہ میرے پیچھے بھی کوئی نہیں ہے ۔ اگر چھ ماہ

کی زندگی کا امکان بھی ہو تو میں اسے پوری طرح جینا چاہتا ہوں لیکن دس یا بیس سال تک کا منصوبہ بنانا میرے لیے ممکن نہیں۔ مزید علاج کا مطلب ہے مزید عذاب ریڈیائی لہروں سے پیدا ہونے والی بیماری استفراغ۔ اس کا فائدہ کیا ؟"

"تو اچھا۔ مجھے پتہ چل گیا۔ یہ رہے ہمارے اعداد و شمار" اور اس نے ایک کتاب سے نکال کر دُہرا صفحہ اس کے آگے بڑھا دیا۔ ورق کے بالکل اوپر اس کی رسولی کا نام لکھا تھا۔ تب بائیں طرف ایک عنوان تھا "جو اس وقت تک مر چکے ہیں۔" اور دائیں طرف عنوان تھا۔ "ابھی زندہ ہیں۔" ناموں کی تین قطاریں تھیں۔ یہ نام مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے؛ کچھ پنسل سے اور کچھ سیاہی سے۔ بائیں طرف کوئی اصلاح نہیں کی گئی تھی، لیکن دائیں طرف جگہ جگہ قلم کھینچا گیا تھا اور جگہ جگہ چوپارے بنے ہوئے تھے۔ "ہم یہ کرتے ہیں۔ جب کسی مریض کو ڈسچارج کیا جاتا ہے تو اس کا نام ہم دائیں طرف کی فہرست میں لکھ لیتے ہیں لیکن بعد میں اس کا نام بائیں طرف والی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ پھر بھی کچھ ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کا نام دائیں طرف کی فہرست ہی میں رہتا ہے۔ کیا تم دیکھ رہے ہو۔"

اس نے اسے ایک منٹ کا وقفہ دیا تاکہ وہ لسٹ پر نظر ڈال سکے اور غور کر سکے۔

"تم سمجھتے ہو کہ تم صحت یاب ہو گئے ہو۔" اس نے اور زور سے ضرب لگاتے ہوئے کہا۔ "تم اتنے ہی بیمار ہو جتنے پہلے کبھی تھے۔ اب تک صرف اتنی بات ثابت ہوئی ہے کہ تمھاری رسولی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور ابھی کھیل ختم نہیں ہوا اور عین اس وقت تم یہ اعلان کرتے ہو کہ تم جا رہے ہو۔ بہت اچھا، چلے جاؤ۔ آج ہی ڈسچارج ہو جاؤ۔ میں تمھارے لیے انتظام کیے دیتی ہوں اور تب میں تمھارا نام اس فہرست میں شامل کر دوں گی جس کا عنوان ہے "ابھی زندہ ہیں۔""

وہ خاموش رہا۔

"آؤ فیصلہ کر لو۔"

"لڈمیلا افانسیونا" کوستوگلوٹو د سمجھوتے کے لیے تیار تھا۔ "دیکھو اگر نشستیں مناسب حد تک ہوں مثلاً پانچ یا دس ......"

"پانچ یا دس نہیں۔ یا تو نشستیں ہوں گی ہی نہیں یا اتنی ہوں گی جتنی ضروری ہوں۔ اس کا مطلب ہوا آج سے روزانہ ایک نشست نہیں بلکہ دو۔ اور ہر وہ علاج جو ضروری ہے اور سگریٹ نوشی مطلق نہیں۔ اور ایک ضروری شرط۔ تمھیں ہمارے علاج پر صرف یقین نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اسے خوشی سے قبول کرنا چاہیے۔ تمھارے صحت یاب ہونے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔"

کوستوگلوٹونے اپنا سر جھکا لیا۔ آج ڈاکٹروں سے جو سودے بازی ہوئی تھی وہ متوقع ہی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ وہ ایک اور آپریشن تجویز کریں گے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ ایکس رے کا علاج قابل برداشت تھا۔ یہ کچھ اتنا برا نہیں تھا۔

کوستوگلوٹو کے پاس ایک ایسی چیز تھی جسے وہ اپنا سرمایہ محفوظ سمجھتا تھا۔ ایک پُراسرار دوائی۔ استیک کل کی زہریلی جڑ۔ جب اس نے اپنے جنگلی علاقے میں واپس جانے کا فیصلہ کیا تو اس کے پیچھے ایک مقصد تھا۔ وہ اس جڑ سے اپنا علاج کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جڑ اس کے پاس تھی اس لیے کینسر کلینک میں وہ صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ یہ ہوتا کیا ہے؟

ڈاکٹر ڈونتسووا نے محسوس کیا کہ اس نے لڑائی جیت لی ہے۔ اب وہ فراخدلی دکھا سکتی تھی۔

"تو اچھا۔ میں تمھیں گلوکوز کے انجکشن نہیں دوں گی اس کی بجائے ایک اور انجکشن دیا جائے گا جو پٹھوں کے درمیان لگتا ہے۔"

کوستوگلوٹو مسکرا دیا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ہتھیار ڈالنے ہی والا ہوں۔"

"اور دیکھو اگر تم اُمسک سے جلدی جواب منگوا سکتے ہو تو ضرور کوشش کرنا۔"

جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دو ابدیتوں کے درمیان چل رہا ہے۔ ایک طرف زندوں کی فہرست جس پر چپ پارے لگنا ناگزیر تھا اور دوسری طرف دوامی جلاوطنی۔ اتنی دوامی جتنے ستارے اور ان کے حجر مٹ ہیں۔

۷۔ معالجے کا استحقاق

عجیب و غریب بات یہ تھی کہ اگر کوستوگلوتوو بضد رہتا اور اپنے استفساروں کا سلسلہ جاری رکھتا، مثلاً یہ کہ یہ انجکشن کس قسم کا تھا، اس کا مقصد کیا تھا اور کیا یہ واقعی ضروری اور اخلاقی طور پر قابل جواز تھا۔ اگر وہ لڈمیلا افانسیونا کو اس پر مجبور کر سکتا کہ وہ نئے طریق علاج اور اس کے ممکنہ نتائج کی تشریح اور وضاحت کرے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بغاوت کر جاتا۔

لیکن عین اس وقت جب انجکشن کا سوال اٹھا، اس کے استدلال کے ترکش کے تمام تیر صرف ہو چکے تھے اور اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

لڈمیلا افانسیونا نے عمداً چالاکی سے کام لیا تھا۔ وہ سب باتوں کی وضاحت کرتے کرتے تھک چکی تھی۔ اس نے انجکشن کا ذکر ایسے کیا جیسے بہت ہی غیر اہم چیز کا ذکر کر رہی ہو، اس کے علاوہ اسے اس کا بھی یقین تھا کہ جب ایکسرے کی خالص شعاعوں کے عمل کو مریض پر آزمایا جا چکا ہے تو اب وہ وقت آ چکا ہے کہ رسولی پر ایک اور فیصلہ کن حملہ کیا جائے۔ مجوزہ علاج ایسا تھا جس کی جدید ترین ماہرین نے اس قسم کے کینسر کے لیے بڑے زور سے سفارش کی تھی۔ اب جبکہ اسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ کوستوگلوتوو کے علاج میں حیرت انگیز کامیابی کی توقع ہے تو یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کی ضد کے سامنے کمزوری دکھائے اور تمام ممکنہ ہتھیاروں سے اس کی بیماری پر حملہ آور ہونے سے پہلو تہی کرے۔ یہ سچ ہے کہ وہ سلائیڈیں مل نہیں رہی تھیں جن سے اس کی پہلی رسولی کی تفصیلات معلوم ہو سکتیں لیکن اس کا سارا دھیان،

اس کی ساری قوت مشاہدہ اور اس کی پوری یادداشت اسے یقین دلا رہی تھی کہ کوسٹو گلوٹوو کی رسولی بالکل اسی قسم کی ہے جیسی کہ اس نے سمجھی ہے۔ یہ نہ ورم تھی ہے اور نہ کوئی فارق۔

یہ بالکل اسی قسم کی رسولی تھی اور اس کی ثانویات بھی اسی رسولی کی تھیں جس کے بارے میں ڈونٹسووا اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہی تھی۔ مقالہ لکھنے کا کام وہ ہمہ وقت نہیں کرتی تھی۔ اس نے کافی دن پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ پھر لکھنا بند کر دیا تھا۔ اور صرف کبھی کبھی اس میں کچھ اضافے کر دیتی تھی۔ اس کی استاد ڈاکٹر اور شن چینکووا اور اس کی سہیلیوں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ مقالہ بہت شاندار ہوگا لیکن حالات ہمیشہ اس پر دباؤ ڈالتے رہے اور اسے بے بس کرتے رہے اور اب وہ کسی ایسے وقت کا قیاس بھی نہیں کر سکتی تھی جب وہ اپنا مقالہ پیش کرنے کی اہل ہو سکے گی۔ اس میں تجربے اور مواد کی کسی کمی کو دخل نہیں تھا۔ ان دونوں ہی کی فراوانی تھی۔ ہر روز یا تو اسے ایکس رے کے سکرین پر طلب کیا جاتا یا لیبارٹری میں اور یا نگہداری کے لیے کسی مریض کے بستر کے پاس اس کو کیا تھا ہی گھنٹوں تک ایکس رے کے فوٹوگرافوں کا انتخاب کرنا، ان کی وضاحت کرنا اور ان کی ترتیب و تنظیم کرنا۔ ابتدائی امتحانات پاس کرنا اس کے علاوہ تھا۔ یہ سب کام مل کر اتنے ہو جاتے تھے کہ انسانی طاقت سے باہر تھے۔

وہ ریسرچ کے لیے بیتی سال میں چھ ماہ کی چھٹی لے سکتی تھی۔ لیکن ایسا کوئی دن آیا ہی نہیں کہ اس کے مریض بالکل ٹھیک چل رہے ہوں اور نہ تین نوجوان ماتحتوں کے تربیتی سیشن ہی کو مختصر کیا جا سکتا تھا۔ لہذا نصف سال کی چھٹی لینا اس کے لیے ممکن نہ ہو سکا۔

لڈمیلا افانسیونا کو یقین تھا کہ یہ بات ٹالسٹائی نے اپنے بھائی کے متعلق کہی تھی: اس میں ایک حقیقی مصنف کی تمام صلاحتیں تھیں لیکن مصنفوں والا کوئی عیب نہیں تھا۔ غالباً اس میں بھی ایک پی۔ ایچ۔ ڈی والا کوئی عیب نہیں تھا۔ اُسے

اس کی کوئی خاص خواہش نہیں تھی کہ جب وہ گزرے تو لوگ سرگوشیوں میں کہیں "یہ کوئی معمولی ڈاکٹر نہیں۔ یہ فلسفے کی ڈاکٹر ہے۔ یہ ڈونٹسووا ہے" اور نہ اسے اس کی کوئی خواہش تھی کہ اپنے مضامین پر اپنے نام کے آگے وہ یہ چھوٹے چھوٹے لیکن اتنے وزنی لقب دیکھے۔ اس کے لکھے ہوئے ایک درجن سے زیادہ مضامین پہلے بھی شائع ہو چکے تھے۔ سب مجمل اور جامع۔ اگر تھوڑا بہت زائد پیسہ مل جاتا تو اچھی بات تھی لیکن اگر پیسہ نہ بھی آتا تو کوئی خاص بات نہیں تھی۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جسے روزمرہ کا سائنسی کام کہا جاتا ہے، اس کی اس کے پاس پہلے ہی بہتات تھی اور وہ تھیسس کے بغیر بھی کافی مصروف رہتی تھی۔ ان کے ہسپتال میں کلینکی تشخیص کے سلسلے میں کانفرنسیں ہوتی تھیں جن میں تشخیص اور علاج کی غلطیوں کا تجزیہ کیا جاتا تھا اور علاج کے نئے طریقوں کے متعلق رپورٹیں تیار کی جاتی تھیں۔ ان میٹنگوں میں حاضری اور سرگرم شرکت ضروری تھی (ریڈیائی لہروں سے علاج کرنے والے اور سرجن غلطیوں کی نشاندہی کرنے اور علاج کے نئے طریقوں کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں آپس میں ہر روز مشورہ تو کرتے ہی تھے لیکن یہ کانفرنسیں ان مشوروں کے علاوہ ہوتی تھیں۔) شہر میں ایکس رے کے ماہرین کی ایک سائنٹیفک سوسائٹی بھی تھی جو لیکچروں کا اہتمام بھی کرتی تھی اور تعلیم بذریعہ مثال و تجربہ کا اہتمام بھی۔ ان سب باتوں کے علاوہ حال ہی میں رسولیوں کے معالجین کی ایک سوسائٹی بھی شروع ہوئی تھی اور ڈونٹسووا صرف اس کی رکن ہی نہیں بلکہ سکریٹری بھی تھی جیسا کہ تمام نئے کاموں میں ہوتا ہے، اس سوسائٹی میں کام خاص جوش و خروش سے ہو رہا تھا۔ پھر اعلیٰ میڈیکل ٹریننگ کی انسٹی ٹیوٹ تھی اور ریڈیالوجسٹ جرنل، رسولیوں کے علم کے جرنل اور میڈیکل سائنس کی اکاڈمی اور مرکزِ اطلاعات کے لیے مراسلات بھی لکھنے ہوتے تھے۔ اس طرح بظاہر اگرچہ ایسا نظر آتا تھا کہ اعلیٰ سائنس صرف ماسکو اور لینن گراڈ تک محدود ہے اور یہاں انہیں صرف لوگوں کا علاج ہی کرنا ہے لیکن اس کے باوجود ایسا دن شاذونادر ہی گزرتا تھا جو

کلیتہ علاج کے لیے وقف ہو اور سائنس اور سائنسی مسائل پر غور نہ ہوتا ہو۔

آج کا دن خصوصیت سے مصروفیت کا دن تھا۔ اسے اپنے آئندہ لیکچر کے سلسلے میں ریڈیالوجیکل سوسائٹی کے صدر کو فون کرنا تھا، پھر اسے دو مختصر مضامین پر جو ایک رسالے کے لیے لکھے گئے تھے، نظر ڈالنا تھی۔ ماسکو سے آئے ہوئے ایک خط کا جواب دینا تھا اور اس خط کا جواب دینا تھا جو ایک دور دراز علاقے کے کینسر کلینک سے آیا تھا اور جس میں کچھ تشریحات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ چند ہی منٹ میں سینئر سرجن آنے والی تھی جو آپریشن تھیئٹر میں دن بھر کا کام ختم کرنے کے بعد ایک عورت کو جسے زنانہ مرض تھا مشورہ کے لیے ڈونتسووا کے پاس لا رہی تھی۔ اس کے بعد بیرونی مریضوں کی سرجری سے فارغ ہو کر اسے اپنی ایک ماتحت کو ساتھ لے جا کر تشاوذ کے ایک مریض کو دیکھنے جانا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کی انتڑی میں رسولی ہے۔ بعد میں اسے ایکسرے کی لیبارٹری کے کارکنوں کے جلسے میں جانا تھا جس کا انتظام خود اسی نے کیا تھا۔ اس جلسے میں اس بات پر غور کیا جانا تھا کہ آلات کا مؤثر تر استعمال کیا جائے تاکہ زیادہ مریضوں کو نپٹایا جا سکے۔ پھر روسانوو کا انجکشن بھی بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اسے اوپر جا کر اسے دیکھنا تھا۔ اس قسم کے مریضوں کا علاج انھوں نے حال ہی میں شروع کیا تھا۔ اس کے پہلے انھیں ایسے مریضوں کو ماسکو بھیجنا پڑتا تھا۔

اس نے اپنا بہت سا قیمتی وقت کوڑھ مغز کوسٹوگلوٹوو کے ساتھ احمقانہ بحث میں ضائع کر دیا تھا۔ اگر اصولی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو اسے اس کی طرف سے غیر معمولی مروت کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔ ٹیکنیکل ماہرین جنھوں نے ایکسرے کی چھوٹی مشین کو از سر نو فٹ کیا تھا، ان کی بات چیت کے دوران دروازے میں سے دو مرتبہ جھانک چکے تھے۔ وہ ڈونتسووا کو دکھانا چاہتے تھے کہ تخمینہ تیار کرتے وقت کچھ چیزیں ایسی تھیں جو شامل ہونے سے رہ گئی تھیں اور اب ان کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ایک چٹ پر دستخط کرانا چاہتے تھے تاکہ سینئر ڈاکٹر کو رضامند

کرنے کی کوشش کی جا سکے۔ اب آخر انھوں نے اسے پکڑ لیا تھا اور اسے مشین دکھانے لے جا رہے تھے۔ وہ ابھی غلام گردش ہی میں تھے کہ ایک نرس نے ڈونشووا کو ایک تار دیا۔ یہ تار نووچرکاسک سے آنا زتسرکو کا تھا۔ گزشتہ پندرہ برس سے نہ وہ ایک دوسرے سے ملی تھیں اور نہ ان کے درمیان مراسلت ہی ہوئی تھی لیکن وہ دونوں پرانی سہیلیاں تھیں۔ ان کی ملاقات ۱۹۲۴ء میں ہوئی تھی جب میڈیکل کالج میں جانے سے پہلے وہ دونوں سارا ٹوو میں دایہ گیری کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ آنا کے تار میں لکھا تھا کہ اس کا سب سے بڑا بیٹا واڈم اس روز یا اس سے اگلے روز کلینک میں آئے گا۔ وہ ایک ارضیاتی مہم کے دوران بیمار پڑ گیا تھا۔ تار میں پوچھا گیا تھا کہ کیا لڈمیلا افانسیونا اس پر خصوصی توجہ دے گی اور آنا کو صاف صاف لکھ دے گی کہ اسے کیا ہوا ہے؟

ڈونشووا تار کو پڑھ کر مضطرب ہو گئی اور ٹکنیکل ماہرین کو وہیں چھوڑ کر ہسپتال کی منتظمہ کے پاس گئی۔ یہ کہنے کے لیے کہ ازدوکن کا پلنگ اس دن کے لیے واڈم زتسرکو کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ ہسپتال کی منتظمہ میٹا کلینک میں ہمہ وقت بھاگ دوڑ میں مصروف رہتی تھی۔ اسے ڈھونڈنا آسان نہیں تھا۔ آخر کار جب اسے ڈھونڈ لیا گیا اور اس نے واڈم کے لیے پلنگ کا وعدہ کر لیا تو اس نے لڈمیلا افانسیونا کے سامنے ایک اور مسئلہ پیش کیا۔ ریڈیائی معالجے کے شعبے کی بہترین نرس اولمپیاڈا ولاڈسلاوونا سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ شہر میں ٹریڈ یونینوں کے خازنوں کے دس روزہ سیمنار میں شرکت کرے لہذا ان دس دنوں کے لیے اس کی بجائے کسی اور نرس کو ڈھونڈنا پڑے گا۔ یہ اتنا ناممکن تھا اور اتنا ناقابل جواز کہ میٹا اور ڈونشووا اسی وقت ایک سے دوسرے کمرے کو عبور کرتی ہوئی رجسٹرار کے دفتر میں گئیں۔ تاکہ پارٹی ڈسٹرکٹ کمیٹی کے دفتر کو فون کر کے اولمپیاڈا کی مانگ کو منسوخ کرایا جائے۔ لیکن پہلے ٹیلیفون ان کی طرف مصروف تھا اور پھر دوسری طرف۔ اور کافی تگ و دو کے بعد جب ٹیلیفون ملا تو انھیں بتایا گیا کہ وہ یونین کی علاقائی کمیٹی کو ٹیلیفون کریں۔ علاقائی کمیٹی کے عہدے داروں نے ڈاکٹروں کی سیاسی غیر ذمہ داری پر انتہائی

حیرت کا اظہار کیا۔ کیا ان ڈاکٹروں کے نزدیک ٹریڈ یونین کے مالی معاملات کو بالکل ہی نظرانداز کیا جا سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ پارٹی کمیٹی کے ممبروں، یونین کمیٹی کے ممبروں یا ان کے رشتہ داروں کو نہ تو اب تک کینسر لاحق ہوا تھا اور نہ انھیں اس کی کوئی امید ہی تھی۔ لڈمیلا افانسیونا نے ریڈیائی معالجے کی سوسائٹی کو ٹیلیفون کیا اور پھر بھاگ کر سینئر ڈاکٹر کے پاس گئی کہ وہ مداخلت کرے لیکن اس کے پاس کچھ باہر کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ عمارت کے ایک بازو کی مرمت انتہائی کفایت شعاری کے ساتھ کس طرح ہو سکتی تھی اس طرح ہر بات ہوا میں معلق رہ گئی اور وہ اپنے کمرے کی طرف جاتی ریڈیائی تشخیص کے شعبے سے گزری جہاں اس دن اسے کوئی کام نہیں تھا۔ شعبے کے کارکن اس وقت تشخیص کا کام نہیں کر رہے تھے اور سرخ رنگ کی روشنی میں تشخیص کے نتائج لکھنے میں مصروف تھے۔ انھوں نے فوراً ہی لڈمیلا افانسیونا کو بتایا کہ انھوں نے بچی ہوئی فلموں کو گن لیا ہے اور جس رفتار سے فلمیں استعمال ہو رہی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تین ہفتوں کیلئے کافی ہوں گی۔ اس کا مطلب تھا ایمرجنسی۔ کیونکہ فلم کے لیے جو آرڈر دیئے جاتے تھے ان کی تعمیل ایک مہینے سے کم میں نہیں ہوتی تھی۔ ڈونتسووا نے محسوس کیا کہ اس دن یا اس سے اگلے دن اسے فارمیسی کے انچارج اور سینئر ڈاکٹر کے درمیان میٹنگ کا انتظام کرنا ہوگا (جو آسان کام ہرگز نہیں تھا) تاکہ ان سے آرڈر بھجوایا جا سکے۔

اس کے بعد ایکسرے کی چھوٹی مشین کے ٹیکنیکل ماہروں نے غلام گردش میں پھر اس کا راستہ روک لیا اور اس نے ان کی چٹ پر دستخط کر دیے۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اسے ایکسرے کی لیبارٹری میں کام کرنے والے ماتحتوں سے ملاقات کرنی چاہیے۔ وہ بیٹھ گئی اور کچھ تخمینے لگانے لگی۔ ٹیکنکل ماہروں کے لیے جو بنیادی ہدائتیں تھیں ان میں درج تھا کہ ایک مشین کو ایک گھنٹہ کام کرنے کے بعد تیس منٹ تک آرام ملنا چاہیئے۔ لیکن اس اصول کو مدت ہوئی ترک کیا جا چکا تھا اور تقریباً تمام مشینیں لگاتار نو گھنٹے کام کرتی تھیں جس کا مطلب تھا کہ تمام مشینیں ایکسرے کے ڈیڑھ شفٹ تک کام

کرتی تھیں۔ لیکن مشینوں پر اتنا بوجھ لادنے کے باوجود اور اس کے باوجود کہ پوری طرح تربیت یافتہ کارکن مریضوں کو پوری مستعدی سے مشین کے نیچے لے جاتے رہتے تھے، وہ کوئی ایسا طریقہ ڈھونڈنے میں ناکام تھے کہ جتنی نشستوں کا انتظام وہ کرنا چاہتے تھے وہ واقعی کر سکیں۔ انھیں بیرونی مریضوں کے لیے دن میں ایک بار گنجائش نکالنی پڑتی تھی اور بعض مریضوں کے لیے جیسا کہ اب کوسٹوگلوٹوو کے سلسلے میں ہوتا تھا دن میں دو بار تاکہ ان کی رسولیوں پر بھرپور حملہ کیا جا سکے اور ہسپتال کے بستروں پر مریض بڑھتے رہیں۔ آج سے وہ دس ملی ایمپیئر کی بجائے بیس ملی ایمپیئر کرنٹ استعمال کرنے لگے تھے۔ اور یہ بات انھوں نے ٹیکنیکل سپروائزر سے چھپا رکھی تھی۔ اس سے کام دگنا ہونے لگا تھا اگرچہ ظاہر ہے کہ ایکسرے کی ٹیوبوں کو بھی تیزی ہی سے کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی ہر مریض کے لیے گنجائش نکالنا مشکل تھی لہٰذا آج لڈمیلا افاناسیونا فہرستوں پر نشان لگانے بیٹھی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کون کون سے مریضوں کے لیے کتنی نشستوں میں چمڑی کی حفاظت کرنے والے تانبے کے ملی میٹر فلٹر کو بالکل ہی تلانجلی دی جا سکتی ہے (جس سے کہ نشست کی مدت نصف رہ جاتی ہے) اور کتنے مریض ایسے ہیں جن کے لیے ایک ملی میٹر فلٹر کی بجائے نصف ملی میٹر فلٹر سے کام لیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد وہ اوپر پہلی منزل میں گئی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ انجکشن کے بعد سابلوو کا کیا حال ہے۔ پھر وہ چھوٹے فوکس کی مشینوں کے کمرے میں گئی جہاں مریضوں پر پھر شعاع زنی کی جا رہی تھی۔ اس سے فارغ ہو کر وہ اپنے خطوں اور مضامین کی طرف دھیان دینے ہی لگی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ الیزاویٹا اناتولیونا اس سے بات چیت کرنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔

الیزاویٹا اناتولیونا ریڈیائی معالجے کے شعبے میں صرف ایک اردلی تھی لیکن ایسا ایک بھی شخص نہیں تھا جو اسے بے تکلفی سے لیزا یا آنٹی لیزا کہہ کر خطاب کر سکتا۔ حالانکہ نوجوان ڈاکٹر بھی بالعموم کافی معمر اردلیوں سے اسی طرح خطاب کرتے ہیں

وہ ایک تعلیم یافتہ عورت تھی جو اپنی رات کی ڈیوٹی کے اوقات میں فرانسیسی کتابیں پڑھا کرتی تھی۔ معلوم نہیں کیا سبب تھا کہ وہ کینسر کے کلینک میں ایک اردلی کی حیثیت سے کام کر رہی تھی اور اپنے فرائض بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتی تھی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ کام کا معاوضہ اوقات کار کے مقابلے میں دُہرا ملتا تھا اور کچھ دن تک کلینک ریڈیائی خطرے کی تلافی کے طور پر پچاس فیصدی تنخواہ بہ طور الاؤنس بھی دیتا رہا۔ اب یہ الاؤنس گھٹا کر پندرہ فیصدی کر دیا گیا تھا۔ لیکن الیزاویٹا اناتولیونا اپنے کام سے بدستور چمٹی رہی۔

"لڈمیلا افانسیونا!" اس نے اپنی گردن کو معذرت کے طور پر کسی قدر جھکا کر کہا، جیسا کہ انتہائی مؤدّب لوگ کبھی کبھی کرتے ہیں: "مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بہت معمولی بات کہنے کے لیے تمھیں تکلیف دے رہی ہوں۔ لیکن یہ ایسی بات ہے جس نے مجھے بالکل عاجز کر دیا ہے۔ جھاڑن بالکل نہیں ہیں۔ ایک بھی نہیں۔ میں صفائی کس چیز سے کروں؟"

تو تشویش کا باعث ایک اور بات بھی تھی۔ منسٹری نے کینسر کلینک کو ریڈیم کی سوئیاں فراہم کی تھیں۔ ایکس رے کی مشینیں فراہم کی تھیں۔ نفوذ خون کے تازہ ترین آلات فراہم کیے تھے اور تازہ ترین دوائیں فراہم کی تھیں لیکن اس پرشکوہ فہرست میں معمولی جھاڑنوں اور برشوں کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ نظامتدین بہرا مودیچ کہا کرتا تھا "اگر منسٹری نے اس کے لیے گنجائش نہیں رکھی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ انھیں میری جیب سے خرید لو۔" کسی وقت وہ پرانی چادروں کو پھاڑ کر جھاڑن بنا لیتے تھے۔ لیکن بعد میں عام استعمال کے سامان کے شعبے نے اس کی ممانعت کر دی۔ اُسے اندیشہ تھا کہ نئی چادروں کو برباد کیا جا رہا ہے۔ اب ان کے لیے ضروری تھا کہ تمام پرانی چادروں کو اکٹھا کر کے ایک دفتر میں لے جائیں، جہاں ایک با اختیار کمیشن انھیں پھاڑنے کی اجازت دینے سے پہلے ان کی چھان بین کرتا تھا۔

"میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔" الیزاویٹا اناتولیونا نے کہا: "ہم سب

لوگوں کو جو ریڈیائی معالجے کے شعبے میں کام کرتے ہیں اپنے گھر سے ایک ایک جھاڑن لانا چاہیے۔ اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کیا نہیں؟"

"خیر میں کہہ نہیں سکتی۔" ڈونٹسووا نے آہ بھر کر کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے اور کوئی راستہ بھی نہیں۔"

"بہت اچھا۔ میں متفق ہوں۔ مہربانی سے یہ تجویز اولمپیاڈا ولاڈسلاوونا تک پہنچا دو۔"

ڈونٹسووا نے کہہ تو دیا لیکن سوال یہ تھا کہ اولمپیاڈا ولاڈسلاوونا تک رسائی کس طرح حاصل کی جائے۔ وہ اسے سیمینار سے باہر کس طرح بلا سکتی تھی؟ کیا یہ بالکل پاگل پن نہیں تھا کہ انھوں نے ان کی بہترین اور سب سے زیادہ تجربہ کار نرس کو دس دن کے لیے کام سے ہٹا لیا تھا۔

وہ اسے ٹیلیفون کرنے گئی لیکن ایک بار پھر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ تب وہ سیدھی ٹشاؤز کے مریض کو دیکھنے چلی گئی۔ پہلے وہ کچھ دیر تاریکی میں بیٹھی تاکہ اس کی آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو جائیں۔ تب اس نے اس کی انتڑیوں میں تعلیلی عنصر کو دیکھا۔ پہلے اس نے مریض کو کھڑا کر کے دیکھا پھر حفاظتی سکرین کو میز کی طرح نیچا کیا اور مریض کو پہلے ایک پہلو سے لٹا کر اور پھر دوسرے پہلو سے لٹا کر اس کے فوٹوگراف لیے۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں کو جن پر اس نے ربڑ کے دستانے پہنے ہوئے تھے اس کے پیٹ پر پھیرا اور اس کی "تکلیف ہوتی ہے" کی چیخوں اور فلم کے مدھم داغوں اور سایوں میں ربط باہم پیدا کر کے مرض کی جانچ کرنے لگی۔ اس کے بعد اس نے اپنے نتائج تشخیص کو مربوط کر کے مرقوم کر دیا۔

ان تمام مصروفیتوں کے دوران لنچ کا وقفہ وہ بھول گئی تھی۔ لنچ کے وقفے کا اسے کبھی دھیان رہتا ہی نہیں تھا۔ موسم گرما میں بھی یہ اس کا معمول نہیں تھا کہ وہ سینڈوچ لے کر باغ میں چلی جائے۔

اس نے اپنے نتائج تشخیص مرتب کیے ہی تھے کہ ڈریسنگ روم سے اسے شورے

کے لیے بلاوا آگیا۔ پہلے سینیئر سرجن نے اسے مریضہ کی بیماری کی تفصیلات سے آگاہ کیا پھر مریضہ کو معائنے کے لیے اندر بلایا گیا۔ ڈونٹسووا معائنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ مریضہ کی زندگی بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کی بچہ دانی نکال دی جائے۔ مریضہ جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ نہیں تھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ انھوں نے چند منٹ اسے رونے چلّانے دیا۔ آخر مریضہ نے کہا "لیکن یہ تو میرا انت ہوگا۔ میرا خاوند لازمی طور پر مجھے چھوڑ دے گا۔"

"تو اپنے خاوند کو بتانا ہی نہیں کہ آپریشن کس قسم کا ہوا ہے" ڈونٹسووا نے اسے مشورہ دیا۔ "اسے کیسے پتہ چلے گا۔ اسے کبھی کچھ معلوم نہیں ہوگا۔ تم ساری بات کو پوری طرح چھپا سکتی ہو۔"

اس کا فرض زندگی بچانا تھا۔ ادھر ادھر کی کوئی بھی بات اہم نہیں تھی۔ ان کے کلینک میں داؤ پر ہمیشہ زندگی ہی ہوتی تھی۔ لڈمیلا افانسیونا کو اس پر غیر متزلزل یقین تھا کہ زندگی بچانے کے لیے جسم کو اگر کوئی گزند پہنچ جائے تو وہ قابلِ جواز ہے لیکن آج کلینک میں تمام بھاگ دوڑ کے باوجود اور ذمہ داری اور اقتدار کے ہر احساس کے باوصف کوئی چیز ایسی تھی جو اس کی خود اعتمادی کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھی۔ کیا یہ درد تھا جو اسے اپنے پیٹ میں نمایاں طور پر محسوس ہو رہا تھا؟ کچھ دن اسے اس درد کا مطلق احساس نہ ہوتا اور کچھ دن یہ ہلکا ہلکا ہوتا۔ لیکن آج درد زور سے ہو رہا تھا۔ اگر وہ رسولیوں کے مرض کی ماہر نہ ہوتی تو یا تو اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیتی اور یا بلا خطر اس کی تشخیص کرا لیتی۔ لیکن وہ اس راہ کے پورے آداب سے واقف تھی اور اس راہ پر پہلا قدم اٹھانا یعنی اپنے رشتہ داروں یا اپنے ساتھیوں کو اس سے آگاہ کرنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ اپنے معاملے میں اس کی روش خالصتہً روسی تھی یعنی ٹالتے رہنا۔ وہ اپنے آپ کو کچھ اس طرح سمجھاتی رہتی۔ ممکن ہے یہ درد چلا جائے۔ ممکن ہے یہ صرف اعصابی بے چینی کا نتیجہ ہو۔

لیکن بات صرف اتنی نہیں تھی۔ یہ درد کچھ مختلف قسم کا تھا۔ جو سارے دن اس کے اندر چبھن سی پیدا کرتا رہا۔ ہاتھ میں لگے کانٹے کی طرح مدھم مدھم لیکن مبہم طور پر۔ اب جب اسے خلوت میسر تھی اور وہ اپنے میز پر بیٹھی شعاع زنی سے پیدا ہونے والی بیماری سے متعلق ایک پمفلٹ کی طرف ہاتھ بڑھانے والی تھی جسے کوستوگلوتوو کی تیز نگاہیں دیکھ چکی تھیں، اسے محسوس ہوا کہ اس تمام دن وہ کچھ زیادہ ہی بے چین رہی تھی۔ سچ یہ تھا کہ علاج کرنے کے حق کے بارے میں کوستوگلوتوو کے ساتھ اس کی جو بحث ہوئی تھی اس سے اسے واقعی ٹھیس لگی تھی۔

اس کے الفاظ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ "بیس برس پہلے تم نے کسی بڑھے کوستوگلوتوو کا شعاع زنی سے علاج کیا تھا۔ اس کی التجاؤں کے باوجود کہ ایسا نہ کیا جائے۔ اس وقت تمھیں شعاع زنی سے پیدا ہونے والی بیماری کا کوئی علم نہیں تھا۔"

اور سچ یہ تھا کہ وہ جلدی ہی ایکسرے کے ماہرین کی سوسائٹی میں "شعاع زنی کے علاج کے اثرات مابعد" پر ایک لیکچر دینے والی تھی۔ یہ بالکل وہی مسئلہ تو تھا جس پر کوستوگلوتوو نے اسے سرزنش کی تھی۔

یہ حال ہی کی بات تھی۔ ایک یا دو برس کی جب اس کے اور یہاں کے اور ماسکو اور باکو کے ایکسرے ماہرین کے مشاہدے میں کچھ ایسی بیماریاں آنے لگیں جنھیں وہ فوراً ہی سمجھ نہیں سکتے تھے۔

ایک شبہ نے سر اٹھایا۔ پھر قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ وہ ایک دوسرے کو خط لکھنے لگے اور آپس میں اس پر گفتگو بھی کرتے لگے۔ اس کا ذکر ابھی لیکچروں میں نہیں آتا تھا، صرف لیکچروں کے درمیانی وقفوں ہی میں اس پر بات چیت ہوتی تھی۔ پھر کسی نے ایک امریکی جریدے میں اس موضوع پر ایک مضمون پڑھا اور کسی دوسرے نے ایک اور مضمون پڑھ لیا۔ امریکہ میں بھی اسی قسم کی کھچڑی پک رہی تھی۔ امراض میں اضافہ ہونے لگا۔ آنے والے مریضوں کو تقریباً ایک ہی قسم

کی شکایت تھی۔ تب یکایک اس بیماری کا نام تجویز ہوا، "شعاع زنی کے علاج کے اثرات مابعد"۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس پر منبر پر سے گفتگو کی جائے اور کسی فیصلے پر پہنچا جائے۔

ماحصل یہ تھا کہ ایکسرے سے علاج جو محفوظ اور کامیاب سمجھا جاتا تھا اور جسے گزشتہ دس پندرہ برسوں میں شعاع زنی کی بڑی تعداد کیساتھ انتہائی شاندار طریقے پر کیا جاتا رہا، اب اپنے نتیجے میں غیر متوقع بیماریاں پیدا کر رہا تھا۔ جسم کے جو حصے شعاع زنی کا ہدف تھے انھیں گزند پہنچ جاتا اور وہ مسخ ہو کر رہ جاتے۔

جن مریضوں کی رسولیاں مہلک قسم کی تھیں، ان کے معاملے میں یہ اتنا بُرا نہیں تھا اور کم از کم قابل جواز تو تھا ہی۔ آج بھی کوئی متداول علاج موجود نہیں تھا۔ انھوں نے جو واحد طریق علاج موجود تھا اس سے کام لے کر مریض کو یقینی موت سے بچا لیا تھا۔ بڑی مقدار میں شعاع زنی اس لئے کی گئی تھی کہ کم مقدار سے کام نہیں چلتا تھا۔ آج اگر وہی مریض واپس آتا ہے اور یہ شکایت کرتا ہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ مسخ ہو گیا ہے تو اتنی سی بات تو اس کی سمجھ میں آنی ہی چاہیئے تھی کہ علاج سے اب تک اسے جو زندگی ملی ہے اور جتنے برس وہ ابھی اور زندہ رہے گا موجودہ بیماری اس کی لازمی قیمت ہے۔

لیکن یہ بھی تو تھا کہ دس پندرہ یا اٹھارہ برس پہلے جب شعاع زنی سے پیدا ہونے والی بیماری جیسی کوئی اصطلاح موجود نہیں تھی اور شعاع زنی کو ایک سیدھا سادہ قابل اعتماد اور ایک تیر بہدف قسم کا علاج سمجھا جاتا تھا، جب اسے جدید طبی سائنس کا ایک اتنا شاندار کارنامہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے استعمال کرنے سے گریز اور کسی دوسرے متداول اور پیچ دار قسم کے طریق علاج کی طرف رجوع کرنے کو رجعت پسندانہ ہی نہیں بلکہ قریب قریب صحت عامہ کی تخریب سمجھا جاتا تھا، انھیں صرف ایک ہی ڈر ہوتا کہ نسوں یا ہڈی کو کوئی شدید قسم کا اور فوری گزند نہ پہنچے لیکن یہ ایک ایسی بات تھی جس سے بچاؤ کا ڈھنگ انھوں نے ان دنوں بھی بڑی آسانی

سے سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ شعاع زنی کرنے لگے، ایک قسم کے مجنونانہ جوش کے ساتھ۔ انھوں نے صرف مہلک قسم کی رسولیوں پر ہی شعاع زنی نہیں کی بلکہ معمولی رسولیوں پر بھی، چھوٹے چھوٹے بچوں پر بھی۔

اب یہ بچے بالغ ہو گئے تھے۔ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں آرہے تھے۔ ان کے جسم کے جن حصوں پر شعاع زنی کی گئی تھی وہ لاعلاج طور پر مسخ ہو گئے تھے

گزشتہ موسم خزاں میں ایک پندرہ سالہ لڑکا آیا تھا۔ وہ کینسر وارڈ کی بجائے جراحی کے وارڈ میں آیا تھا۔ لیکن لڈمیلا افانسیونا کو اس کے بارے میں پتہ چل گیا تھا اور اس نے اسے دیکھا تھا اس کے ایک بازو اور ایک ٹانگ کی نشوونما باقی جسم کے ساتھ ساتھ نہیں ہو رہی تھی اور یہی حال اس کی کھوپڑی کی ہڈیوں کا تھا وہ لڑکا سر سے پاؤں تک کمان کی طرح نظر آتا تھا اور اس کا مسخ شدہ جسم ایک کارٹون جیسا تھا۔

لڈمیلا افانسیونا نے اس کے سابقہ ریکارڈ کی چھان بین کرائی تو اُسے پتہ چلا کہ جب وہ ابھی ڈھائی برس کا تھا تو اپنی ماں کے ساتھ کلینک میں آیا تھا۔ اس کے اعضا کی ساخت میں خلل تھا اور غذا جزو بدن نہیں بن رہی تھی۔ کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اعضا کی ساخت میں خلل کا باعث کیا تھا لیکن اتنا یقین تھا کہ اسے رسولی نہیں تھی۔

اس خیال سے کہ شاید ایکس رے سے کچھ مدد مل سکے سرجنوں نے اُسے ڈونٹسووا کے پاس بھیج دیا تھا۔ ڈونٹسووا نے مریض کو اپنی تحویل میں لے لیا اور ایکسرے سے واقعی فائدہ پہنچا۔ اتنا کہ اس کی ماں کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے۔ وہ کہتی تھی کہ وہ اس عورت کو جس نے اس کے بچے کی جان بچائی ہے کبھی نہیں بھولے گی۔ اب ماں مر چکی تھی اور لڑکا ہسپتال میں تنہا آیا تھا اور کوئی اس کا اہل نہیں تھا کہ اس کے لیے کچھ کر سکے اس کی ہڈیوں میں جو شعاعیں داخل کی جا چکی تھیں انھیں واپس نکالنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

حال ہی میں جنوری کے اواخر سے زیادہ دور کی بات ہرگز نہیں ، ایک نوجوان ماں کلینک میں آئی تھی۔ اسے شکایت تھی کہ اس کی چھاتیوں میں دودھ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سیدھی ڈونٹسووا کے پاس نہیں آئی تھی۔ اسے ایک شعبے سے دوسرے شعبے میں بھیجا گیا اور بالآخر وہ کینسر وارڈ میں پہنچ گئی۔ ڈونٹسووا کو اس کے بارے میں کچھ یاد نہیں تھا لیکن کلینک میں مریضوں کے بارے میں انڈکس باقاعدہ رکھا جاتا تھا چنانچہ کسی کو زویکا، ڈووں کے کمرے میں بھیجا گیا اور اس نے چھان بین کے بعد اس کا کارڈ ڈھونڈھ نکالا جو ۱۹۴۷ء کا تھا۔ پتہ چلا کہ وہ اپنے بچپن میں وہاں آئی تھی اور بڑے اعتماد کے ساتھ ایکس رے ٹیوب کے نیچے لیٹی رہی تھی۔ اس کی جس رسولی کا شعاع زنی کے ذریعے علاج کیا گیا تھا وہ اتنی معمولی تھی کہ آج اس پر شعاع زنی کی بات کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ڈونٹسووا صرف اتنا کر سکی کہ اس کے کارڈ پر کچھ مزید اندراج کر دے۔ اس نے لکھا کہ اس کے جسم کے نازک خلیے سوکھنا شروع ہو گئے ہیں اور جہاں تک اس کا خیال ہے یہ ریڈیائی علاج کے اثرات مابعد کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی نے مسخ شدہ جسم والی نوجوان یا دھوکے کی شکار ماں کو یہ نہیں بتایا کہ بچپن میں وہ غلط علاج کا شکار ہو گئے تھے۔ اس قسم کی توضیح شخصی طور پر جہاں بیکار ہوتی وہاں عمومی نقطۂ نگاہ سے یہ ضرر رساں تھی اور محکمۂ صحت کے پروپیگنڈے کو اس سے نقصان پہنچ سکتا تھا۔

لیکن ان واقعات سے لڈمیلا افانسیونا کو زبردست صدمہ پہنچا تھا۔ ان سے اس کے اندر ناقابل تلافی جرم کا ایک گہرا احساس پیدا ہو گیا تھا جو اندر ہی اندر اسے چاٹ رہا تھا اور کوستوگلوٹوو نے آج بالکل اسی دکھتی رگ پر چوٹ لگائی تھی۔

اس نے بازو موڑ کر اپنے دونوں کندھے پکڑ لیے۔ کمرے میں دو مشینوں کے درمیان جن کے سوئچ آف کر دیئے گئے تھے ، فرش پر جو جگہ خالی تھی وہ اس پر

ٹہلنے لگی۔ پہلے دروازے سے کھڑکی تک گئی اور پھر وہاں سے واپس ہوئی۔

کیا یہ ممکن تھا؟ کیا ڈاکٹر کے علاج کرنے کے حق کو واقعی معرض بحث میں لایا جاسکتا تھا؟ ایک بار تم اس طرح سوچنا شروع کردو اور آج کے مسلمہ سائنسی طریق کار پر صرف اس بنا پر شک کرنا شروع کردو کہ آئندہ اسے مسترد کیا یا خیرباد کہا جا سکتا ہے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کہاں جاکر رکو گے۔ ریکارڈ میں ایسی شہادتیں بھی تو تھیں کہ اسپرین سے موت واقع ہوگئی۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی اپنی زندگی میں پہلی بار اسپرین کھائے اور مرجائے۔ اس طرز استدلال سے تو طب سے آج جتنے بھی فائدے پہنچ رہے ہیں انھیں خیرباد کہنا پڑے گا۔

یہ ایک عالمگیر قانون ہے۔ جب کوئی عمل کرے گا تو اس سے اچھے نتیجے بھی برآمد ہوں گے اور برے بھی۔ بعض صورتوں میں اچھے نتیجے زیادہ ہوں گے اور بعض میں برے۔

وہ جانتی تھی کہ اس قسم کے حادثات اگر ان میں غلط تشخیص اور غلط علاج یا بعداز وقت علاج کے واقعات کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ اس کی معالجانہ سرگرمیوں کا دو فیصدی سے زیادہ حصہ نہیں جبکہ ان لوگوں کی تعداد جنھیں اس نے موت سے ہمکنار کیا ہے، ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں نوجوان بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان میں سے کوئی کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا، کوئی سڑکوں پر مرمت کررہا تھا کوئی مصروف پرواز تھا، کوئی تار کے کھمبوں پر چڑھ رہا تھا، کوئی کپاس تیار کررہا تھا، کوئی سڑکیں صاف کررہا تھا، کوئی دکان کے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا تھا، کوئی دفتر میں بیٹھا تھا اور کوئی بری یا بحری فوج میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ یہ سب نہ تو اسے بھولے تھے اور نہ بھول سکتے تھے لیکن اپنے آپ کو اس طرح تسلی دینے کی ہزار کوشش کے باوجود وہ یہ جانتی تھی کہ وہ ان سب کو بھول جائے گی۔ وہ اپنی تمام کڑوی لمبی فتوحات کو بھول جائے گی، ان سب کو بھول جائے گی جن کا اس نے بڑی ہی کامیابی سے علاج کیا تھا۔ لیکن جب تک زندہ رہے گی وہ ان معدودے چند بیچاروں کو کبھی نہیں بھول سکے گی جو پہیئے کے نیچے آکر کچلے گئے۔

یہ اس کے ذہن کا مخصوص پہلو تھا۔
نہیں۔ وہ اپنے لیکچر کے لیے آج کوئی مزید تیاری نہیں کر سکے گی۔ دن قریب ختم ہو چکا تھا۔ بہتر ہے کہ وہ اس پمفلٹ کو گھر لے جائے لیکن نہیں وہ اسے سیکڑوں بار گھر لے گئی ہے اور واپس لے آئی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس سے کچھ نہیں ہوگا۔
لیکن اس کے لیے وقت تو نکالنا ہی پڑے گا۔ اسے ریڈیائی معالجے پر کتاب پڑھ کر لائبریری کو لوٹانی تھی۔ کچھ چھوٹے چھوٹے مضمون پڑھنے تھے پھر کچھ لکھنا تھا۔ اور ہٹا ٹاکو پیر سے جو انکوائری آئی تھی اس کا جواب دینا تھا۔
کھڑکیوں میں سے جو روشنی آرہی تھی وہ مدھم ہو چلی تھی لہٰذا اس نے ٹیبل لیمپ جلا لیا اور بیٹھ گئی۔ اس کی ایک ماتحت نے جس نے اب تک اپنا سفید کوٹ تبدیل کر لیا تھا اندر جھانکا۔ "لڈمیلا افانسیونا کیا تم ابھی نہیں رہیں؟" پھر ویرا گنگارٹ بھی اندر آگئی: "کیا تم ابھی نہیں رہیں؟"
"رو سانوو کیسا ہے؟"
"وہ سو رہا ہے۔ اس نے قے نہیں کی لیکن اسے بخار ہے" ویرا کورنیلیونا نے اپنا سفید کوٹ اتار دیا۔ اب اس کے جسم پر بھورے اور سفید رنگ کا ریشمی لباس رہ گیا تھا۔ یہ لباس کام کے دوران پہننے کے لباس کے اعتبار سے کچھ زیادہ ہی اچھا تھا۔
"تمھارے خیال میں کیا یہ عجیب نہیں کہ اسے ہر روز پہنا جائے؟" ڈونتسووا نے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"میں اسے کیوں بچاؤں؟ کس مقصد کے لیے بچا کر رکھوں؟" گنگارٹ نے مسکرانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں وہ اور بھی قابل رحم نظر آنے لگی۔
"بہت اچھا۔ ویروچکا! اس صورت میں اگلی بار ہم اسے پوری مقدار دے دیں گے، دس ملی گرام" لڈمیلا افانسیونا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی فوراً ہی کہہ دیتی تھی۔ زیادہ لفظ استعمال کرنے سے اس کے نزدیک وقت ہی ضائع ہوتا۔ وہ بولتی بھی جاتی تھی اور ہٹا ٹاکو پیر سے آئے استفسار کا جواب بھی لکھ رہی تھی۔

"کوسٹوگلوٹوو کا کیا بنا؟" گنگارٹ نے بڑے سکون سے پوچھا۔ وہ دروازے تک جا چکی تھی۔

"معرکہ ہوا لیکن اسے شکست ہو گئی اور اس نے ہتھیار ڈال دیے" لڈمیلا افانسیونانے فاتحانہ ہنسی ہنس کر کہا لیکن ہنسی کے دوران جب اس نے پہلا سانس لیا تو ایک بار پھر اس نے اپنے معدے کے نزدیک کٹیلا درد محسوس کیا۔ اس کے دل میں یہاں تک آئی کہ وہ فوراً ہی اسی وقت ویرا کو اپنے اعتماد میں لے لے اور اسے اپنی تکلیف کے متعلق بتا دے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو سکیڑ کر ویرا کی طرف اٹھایا لیکن تب کرے کے دھندلکے میں اس نے دیکھا کہ اس نے باہر جانے کا لباس اور اونچی ایڑی کے جوتے پہن رکھے ہیں جیسے وہ تھیٹر جا رہی ہو۔

اور اس نے فیصلہ کیا، نہیں کسی اور وقت۔

ہر کوئی جا چکا تھا۔ لیکن وہ رکی رہی۔ یہ اس کے لیے اچھا ہرگز نہیں تھا کہ وہ ان کمروں میں جو ہر روز شعاع تابی سے معمور رہتے تھے نصف گھنٹہ بھی زیادہ رکے لیکن ہمیشہ یونہی ہوتا تھا۔ جب اس کی سالانہ چھٹی کا زمانہ قریب ہوتا تھا تو اس کا رنگ پیلا پڑ چکا ہوتا تھا۔ اس کے خون میں سفید ذرات کی مقدار سال بھر گھٹتی رہتی تھی اور کئی بار تو گھٹ کر صرف دو ہزار رہ جاتی تھی۔ کسی مریض کو خون کی کم مقداری کی اس سطح تک پہنچا دینا بھرمانہ ہوتا۔ ایکس رے کے کسی ماہر کے لیے معمول کا کوٹا یہ تھا کہ وہ پیٹ کے تین مریضوں کا معائنہ کرے۔ لیکن وہ یومیہ دس مریضوں کا معائنہ کرتی تھی اور جنگ کے زمانے میں تو یہ تعداد پچیس تک پہنچ جاتی تھی۔ چھٹیوں سے پہلے اس کے لئے ہمیشہ نفوذ خون ضروری ہو جاتا تھا۔ اور چھٹیوں کے بعد جب وہ واپس آتی تھی تو گزشتہ برس کی کمزوری کی تلافی مشکل ہی سے ہو پاتی تھی۔

اس کے لیے تیزی سے کام کرنا ناگزیر تھا اور اس سے مفر مشکل تھا۔ ہر روز جب دن خاتمے کے قریب ہوتا تو یہ دیکھ کر اسے بڑی الجھن ہوتی کہ ایک بار اور وہ ہر کام کے لیے وقت نکالنے میں ناکام رہی ہے آج دن بھر کے کام کے دوران اسے سبگا لودہ

کی المناک حالت یاد آتی رہی۔ اس نے اپنی یادداشت میں لکھ لیا کہ اس کے بارے میں وہ ڈاکٹر اورس چینکو کا مشورہ طلب کرے گی۔ جب سوسائٹی میں ان سے اس کی ملاقات ہوگی۔ جس طرح آج وہ اپنے ماتحتوں کی کام میں راہ نمائی کر رہی تھی اسی طرح ڈاکٹر اورس چینکو نے جنگ سے پہلے اس کی راہ نمائی کی تھی۔ انھوں نے بہت ہی توجہ سے اسے ہدایت دی تھی اور ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی انہی کی طرح اپنے پیشے میں ہمہ جہت مہارت حاصل کرے۔ انھوں نے اسے متنبہ کیا تھا: "لوڈوچکا! ضرورت سے زیادہ ماہر خصوصی بننے کی کوشش نہ کرنا۔ باقی چاہے ہر کوئی ماہر خصوصی بن جائے لیکن تم اپنی روش پر برقرار رہنا۔ ایک طرف ایکس رے سے تشخیص کی طرف دھیان دینا اور دوسری طرف ایکسرے سے معالجے کی طرف۔ تم اسی قسم کی ڈاکٹر بننا خواہ تم دنیا میں اس قسم کی آخری ڈاکٹر ہو۔" ڈاکٹر اورس چینکو ابھی زندہ تھے اور اسی شہر میں رہتے تھے۔

اس نے لیمپ بجھا دیا لیکن دروازے سے واپس آ کر اس نے کچھ باتیں اپنی یادداشت میں لکھیں جو اگلے دن کرنا ضروری تھیں۔ اس نے اپنا اوورکوٹ پہن لیا جو اب نیا نہیں رہا تھا۔ واپس جاتے ہوئے وہ مڑ کر سینئر ڈاکٹر کے کمرے کی طرف گئی لیکن وہاں تالا لگا ہوا تھا۔

آخر وہ سیڑھیاں اتر گئی اور دو رویہ درختوں کے درمیان طبی مرکز کی پگڈنڈی پر چلنے لگی۔ اس کے خیالات اب بھی اس کے کام پر مرکوز تھے لیکن نہ تو اس نے ان خیالات سے نجات حاصل کرنے کی کوئی کوشش کی اور نہ اس قسم کی کوئی خواہش ہی اس کے اندر پیدا ہوئی۔ موسم کچھ مجہول قسم کا تھا۔ اس نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا کہ وہ کیسا تھا۔ جھٹپٹے کا وقت تھا۔ پگڈنڈی پر اسے ایسے کئی لوگ ملے جنھیں وہ جانتی نہیں تھی۔ لیکن۔ اس کے دل میں عورتوں والی ایسی کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ یہ دیکھے کہ انھوں نے کس قسم کا لباس پہن رکھا ہے ان کے سروں پر کیا ہے اور انھوں نے کیسے جوتے پہن رکھے ہیں۔ وہ چلتی گئی۔ اس کی بھنویں

تنی ہوئی تھیں اور وہ سب لوگوں کو تیز تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے یہ اندازہ لگا رہی ہو کہ ان کے رسولیاں کہاں کہاں ہیں جو آج اگرچہ نمایاں نہیں لیکن کل نمایاں ہو سکتی ہیں۔

وہ طبی مرکز کے نیچ ہاؤس کو پار کر گئی۔ راستے میں اسے ایک چھوٹا سا ازبک لڑکا ملا جو اخباری کاغذ کی پڑیوں میں بادام بیچ رہا تھا۔ آخر وہ صدر دروازے تک پہنچ گئی۔

بد مزاج موٹی دربان جسے نیند مطلق نہیں آتی تھی، صرف صحت مندوں اور اپنے کام سے فارغ ہو کر جانے والوں ہی کو دروازے میں سے گزرنے دیتی تھی اور مریضوں کو چیخ چلا کر لوٹا دیتی تھی۔ ایک بار جب لڈمیلا افانسیونا دروازے میں سے گزر گئی تو یہ ضروری تھا کہ وہ روزمرہ کی کام کی زندگی سے نکل کر گھریلو زندگی میں لوٹ آئے۔ لیکن نہیں۔ اس کا وقت اور اس کی قوتِ کار کام اور گھر میں مساوی طور پر تقسیم نہیں تھی۔ اپنی جاگتی زندگی کے بہتر اور تازہ دم لمحات وہ طبی مرکز میں گزارتی تھی۔ اپنے کام کے متعلق خیالات دروازے سے نکل کر بھی مکھیوں کی طرح اس کے سر کے گرد بھنبھناتے رہے اور صبح دروازے تک جانے سے کہیں پہلے یہ خیالات اسی طرح منڈلانا شروع کر دیتے تھے۔

اس نے ٹہاتا کو پیر کو خط پوسٹ کیا اور سڑک پار کر کے ٹراموے کے اڈے پر گئی۔ مطلوبہ نمبر کی ٹراموے کسی قدر کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ رکی۔ آگے کے اور پیچھے کے دونوں دروازوں پر ہجوم ہو گیا۔ لڈمیلا افانسیونا نے جلدی سے سیٹ جھپٹنے کی کوشش کی۔ اپنے ہسپتال کے کام کے علاوہ یہ پہلی بات تھی جو اس کے ذہن میں آئی اور اس نے اسے انسانی تقدیروں کے ہاتف کی بجائے ایک عام مسافر میں تبدیل کر دیا جو باقی ہر کسی کی طرحِ ٹرام میں دھکے کھا رہا تھا۔

پھر بھی جب ٹرام کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ چلتی رہی اور درمیان میں مختلف اسٹاپوں پر ٹھہرتی بھی رہی، لڈمیلا افانسیونا کھڑکی کے باہر ہی جھانکتی رہی اور سالیوو کی ثانوی رسولیوں اور رسانوو پر انجکشن کے ممکنہ اثرات کے بارے میں سوچتی رہی۔

اس کا قابل اعتراض تحکمانہ رویہ اور صبح کی گشت کے دوران اس کی دھمکیاں دن بھر دوسرے تصورات کے نیچے دبی رہیں لیکن اب جبکہ دن خاتمے کے قریب تھا تو کمروہ تلچھٹ اوپر آگئی تھی جو اب اسے ساری شام پریشان کرے گی۔

لڈمیلا افانسیونا کی طرح ٹرام کی دوسری بہت سی عورتوں کے پاس بھی ہینڈ بیگ نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے کیسوں جتنے بڑے بڑے تھیلے تھے جن میں سؤر کا زندہ بچہ یا چار بڑی بڑی ڈبل روٹیاں سما سکتی تھیں۔ ٹراموے کے ہر اسٹاپ پر اور کھڑکی سے نظر آنے والی ہر دکان کو دیکھ کر لڈمیلا افانسیونا کے خیالات زیادہ سے زیادہ اپنے گھر اور گھر کے کام کاج کی طرف منتقل ہونے لگے۔ اس کا گھر اس کی اصل ذمہ داری تھا آخر آدمیوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ جب بھی وہ کبھی کسی کانفرنس کے سلسلے میں ماسکو جاتی تو اس کا خاوند اور اس کا بیٹا ہفتہ ہفتہ بھر پلیٹیں صاف کرتے۔ ان کے نزدیک بار بار اس قسم کے کام کو کرتے رہنا مہمل سی بات تھی۔

آج جمعہ تھا۔ دھونے والے کپڑوں کا ایک انبار تھا جنھیں اتوار کے دن دھونا بہت ضروری تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ نصف ہفتے کا کھانا سنیچر کی شام کو ہر حالت میں پک جانا چاہیئے (وہ کھانا ہفتے میں دو بار پکاتی تھی) جہاں تک دھونے والے کپڑوں کو پانی میں ڈالنے کا تعلق ہے یہ کام آج ہی ہونا چاہیئے۔ اگرچہ دیر ہو رہی تھی لیکن بازار میں آج ہی جایا جا سکتا تھا۔ اسٹال عام طور پر کافی شام گئے ہی بھرتے تھے۔

وہ ٹرام تبدیل کرنے اتری لیکن نزدیک ہی کریانہ کی ایک دکان تھی اس نے شیشے کی کھڑکی میں سے اندر جھانکا تو فیصلہ کیا کہ اندر جائے۔ گوشت کا شعبہ خالی تھا اور ماتحت جا چکا تھا۔ مچھلی کے شعبے میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جسے خریدا جا سکے۔ وہ شراب کی بوتلوں کے قریب سے گزری جنھیں اہرام کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس کی نظر پنیر کی بڑی بڑی سلاخوں پر بھی گئی۔ وہ سورج مکھی کے بیجوں کے تیل کی دو بوتلیں خریدنا چاہتی تھی اور کچھ آٹش جو بھی۔ انھیں خرید کر وہ کیش کاؤنٹر پر گئی اور پھر اپنی چیزیں لینے واپس گئی۔

وہ کیو میں دو مردوں کے پیچھے کھڑی تھی کہ یکایک دکان میں غل غپاڑہ شروع ہوگیا۔ لوگ سڑک پر سے اندر آ گئے تھے اور نفیس کھانوں کے کاؤنٹر اور کیش کاؤنٹر کے آگے قطار باندھ رہے تھے۔ لڈمیلا افانسیونا اپنی چیزیں سنبھالے بغیر جلدی جلدی چل دی اور نفیس اشیاء کے کاؤنٹر اور کیش کاؤنٹر کے آگے قطار میں کھڑی ہوگئی۔ اس وقت تک شیشوں کے پیچھے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا لیکن شور مچانے والی عورتوں کو کامل یقین تھا کہ آج مسالے دار قیمہ ملے گا اور ہر کوئی ایک کلو خرید سکتا ہے۔

کتنی خوش وقتی کی بات تھی۔ اگر ایک اور کلو قیمہ لینے کے لیے قطار میں دوسری بار بھی کھڑا ہونا پڑے تو کیا ہرج ہے!

۸۔ آدمی کس چیز کے سہارے جیتے ہیں!

اگر اس کی گردن کو کینسر نہ دبوچ لیا ہوتا تو فریم پوڈ وایو پر شباب کا عالم ہوتا۔ وہ پچاس برس کے کچھ ہی اوپر تھا۔ چوڑے چکلے شانوں والا صحیح الدماغ اور توانا آدمی۔ وہ جفاکش تھا، اتنا بھٹیلے کے گھوڑے جیسا نہیں جتنا دہری کوہان والے اونٹ جیسا۔ آٹھ گھنٹے ایک شفٹ میں کام کرنے کے بعد وہ اتنے ہی گھنٹے ایک اور شفٹ میں کام کر سکتا تھا۔ اپنی جوانی میں جب وہ کاما میں تھا، وہ دو سو چالیس پونڈ کی بوری گھسیٹ کر لے جا سکتا تھا اور اس وقت سے اس کی طاقت میں کوئی کمی مشکل ہی سے ہوئی تھی۔ اب بھی اگر اسے پلیٹ فارم پر کنکریٹ جمانے والی مشین کو چڑھانے کے لیے مزدوروں کا ہاتھ بٹانا پڑتا تو وہ اس سے پہلو تہی کرنے والا نہیں تھا۔ وہ ہر جگہ رہا تھا اور اس نے ڈھیر سارے کام کیے تھے۔ بوسیدہ مکانوں کو گرایا تھا، کھدائی کی تھی، حمالی کی تھی اور مکان تعمیر کیے تھے۔ دس روبل کا نوٹ دے کر ریزگاری واپس لینا اس کے نزدیک کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ ووڈکا کی پوری بوتل پی کر لڑکھڑاتے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا لیکن تیسری بوتل کی طرف ہاتھ بڑھانے کو وہ تیار نہیں ہوتا تھا۔ یفریم پوڈوایو کسی ضبط واحتیاط کا قائل نہیں تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ کسرتی اور مضبوط ہونے کے باوجود وہ محاذ جنگ پر کبھی نہیں گیا تھا۔ زمانہ جنگ میں تعمیراتی کاموں ہی نے اسے مصروف رکھا لہذا زخموں اور فوجی ہسپتالوں کا اسے کوئی تجربہ نہ ہو سکا۔ اپنی زندگی میں وہ کبھی ایک دن بھی بیمار نہیں ہوا۔ نہ اسے کبھی فلو ہوا نہ کسی وبائی مرض کا حملہ۔ اس کے تو کبھی دانت تک میں درد نہیں ہوا تھا۔

گزشتہ برس سے پیوستہ برس وہ پہلی بار بیمار ہوا اور بیماری دھماکے کی طرح آئی۔

بیماری تھی کینسر۔

"کینسر" اب وہ اپنی بیماری کو اس نام سے پکار سکتا تھا۔ لیکن ایک مدت تک وہ اپنے آپ کو یہی یقین دلاتا رہا کہ یہ کچھ بھی نہیں۔ جب تک اس کی برداشت میں تھا وہ ڈاکٹر کے پاس جانا ملتوی کرتا رہا لیکن ایک بار وہ وہاں چلا گیا تو ڈاکٹر اسے ایک کونے سے دوسرے کونے تک گھماتے رہے اور آخر اسے کینسر کلینک بھیج دیا گیا۔ وہاں کے مریضوں کو البتہ یہی بتایا جاتا تھا کہ انھیں کینسر نہیں۔ یفریم کو کیسے پتہ چلتا کہ اسے کیا بیماری ہے؟ وہ اپنی فطری فراست پر اعتماد نہ کر سکا اور وہی باور کرتا رہا جو باور کرنا چاہتا تھا۔ یہی کہ بالآخر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔

حملہ اس کی زبان پر ہوا تھا جو ہمیشہ تیز طرار رہی اور ہمیشہ اس کے کام آئی پورے پچاس برس تک اس نے اس سے خوب خوب کام لیا تھا۔ زبان کے زور سے اس نے وہ اجرتیں وصول کر لی تھیں جو اس کی محنت کا صلہ ہرگز نہیں تھیں۔ ایسے کاموں کا قسمیں کھا کھا کر دعویٰ کیا تھا جو اس نے کبھی نہیں کیے تھے۔ ایسی ایسی باتوں کی قسمیں کھائی تھیں جن پر اس کا کبھی ایمان نہیں تھا۔ اس زبان سے اس نے اپنے افسروں پر آوازے کسے تھے اور مزدوروں کو گالیاں دی تھیں اس نے ہر مقدس چیز پر گندگی اچھالی تھی۔ وہ زندگی بھر بلبل کی طرح چہکتا رہا تھا۔ اس نے ضلع جگت کے کمال تو خوب دکھائے لیکن سیاست کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ یہاں وہاں اس نے سیکڑوں عورتوں سے جھوٹ بولا تھا کہ نہ اس کے بچے ہیں اور نہ اس کی شادی ہوئی ہے اور یہ کہ وہ ایک ہی ہفتے کے بعد آئے گا اور اپنی متاہل زندگی شروع کر دے گا۔ "تمھاری زبان میں کیڑے پڑیں۔" ایک عارضی ساس نے اسے گالی دی تھی لیکن یفریم کی زبان نے ان لمحوں کے ماسوا جب وہ شراب میں دُھت ہوتا تھا، اسے کبھی دھوکا نہ دیا۔

لیکن یکایک یہ متورم ہونے لگی۔ برش کی طرح اس کے دانتوں سے ٹکرانے لگی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس کا حلق اس کے لیے تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

لیکن یفریم نے تشویش کو گرد کی طرح جھاڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے

دانت نکالتا اور کہتا "پوڈوالیو کب ڈرنے والا ہے!"

اور وہ کہتے "ہاں یہ سچ ہے۔ پوڈوالیو کی قوتِ ارادی واقعی زبردست ہے۔"

لیکن یہ قوتِ ارادی نہیں تھی۔ یہ تو بے حس کر دینے والی دہشت تھی۔ اس کا باعث قوتِ ارادی نہیں بلکہ خوف تھا کہ جتنی دیر تک ممکن ہو سکا وہ اپنے کام سے چمٹا رہا اور آپریشن کو ملتوی کرتا رہا۔ وہ عمر بھر زندہ رہنے کی تیاری کرتا رہا تھا مرنے کی نہیں۔ اس روّیے میں تبدیلی اس کی سکت سے باہر تھی۔ یہ بات اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی کہ وہ اپنے روّیے میں تبدیلی کس طرح لائے؟ دہشت کو بھگانے کا یہی طریقہ تھا کہ وہ ثابت قدم رہے۔ وہ ہر روز کام پر جاتا رہا جیسے کچھ بھی نہیں ہوا اور لوگوں سے اپنی قوتِ ارادی کی تعریف سنتا رہا۔

اس نے آپریشن کرانے سے انکار کر دیا لہٰذا اس کا علاج سوئیوں سے کیا جانے لگا۔ وہ اس کی زبان میں سوئیاں گھونپ دیتے جیسے وہ کوئی جہنمی ہو اور کئی کئی دن تک ان سوئیوں کو وہیں رکھتے۔ یفریم کا دل کتنا چاہتا تھا کہ بات یہیں رک جائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی زبان کا ورم بڑھتا رہا۔ آخر اس کے لیے اپنی قوتِ ارادی کو مجتمع کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس نے اپنا بھیجے جیسا سر کلینک کی سفید میز پر رکھ دیا اور ہتھیار ڈال دیے۔

آپریشن لیو لیو نیڈووچ نے کیا۔ آپریشن اس نے حیرت انگیز مہارت سے کیا۔ جیسا وعدہ کیا تھا، ویسا ہی۔ زبان پتلی اور چھوٹی کر دی گئی۔ فوراً ہی زبان پھر چلنے لگی۔ یفریم وہ سب باتیں پھر کہنے لگا جو پہلے کہتا رہا تھا۔ اگرچہ اب اس کی آواز پہلے کی طرح واضح نہیں تھی۔ انھوں نے اس کی زبان میں سوئیوں سے پھر چھید کیے، اسے واپس بھیج دیا، پھر طلب کیا اور لیو لیو نیڈووچ نے اس سے کہا۔ "اب تین مہینے کے بعد واپس آنا۔ ہم ایک اور آپریشن کریں گے، تمھاری گردن پر۔ یہ آپریشن بالکل معمولی ہوگا۔"

لیکن یفریم گردن کے معمولی آپریشن پہلے ہی کافی دیکھ چکا تھا۔ وہ وقتِ مقررہ پر

واپس نہیں آیا۔ انھوں نے ڈاک سے اسے سمن بھیجے۔ اس نے انھیں نظرانداز کر دیا۔ اس کا تو وہ عادی ہی تھا کہ ایک جگہ زیادہ نہ ٹھہرے۔ وہ ایک دن کے نوٹس پر لوبیا یا خاکا یا تک اُڑ سکتا تھا۔ جائداد، گھر یا خاندان کوئی چیز بھی اسے کسی ایک جگہ کا پابند نہیں بنا سکتی تھی۔ اسے صرف دو چیزیں پسند تھیں، آزاد زندگی اور جیب میں پیسہ۔ کلینک سے وہ اسے لکھتے رہے۔ "اگر تم خود نہیں آئے تو تمھیں پولیس لے آئے گی۔" کلینک کے اقتدار کا یہ عالم تھا اور یہ اقتدار اُسے ان لوگوں پر بھی حاصل تھا جنھیں کوئی کینسر نہیں تھا۔

وہ کلینک گیا۔ آپریشن پر رضامند ہونے سے وہ اب بھی انکار کر سکتا تھا۔ لیکن لیو لیونیڈووچ نے اس کی گردن ٹٹول کر اسے صاف صاف بتا دیا کہ اتنی دیر تاخیر کرنے سے کیا نقصان ہوا ہے۔ انھوں نے یفریم کی گردن دائیں اور بائیں دونوں طرف سے کاٹ دی جیسے غنڈے چاقوؤں سے زخم لگاتے ہیں۔ وہ پٹیوں میں کسا کافی طویل عرصے تک لیٹا رہا اور جب اسے ڈسچارج کیا گیا تو ٹنا کٹ اپنا سر ہلا رہے تھے۔

اب اسے آزاد زندگی کا چسکا نہیں رہا تھا۔ اس نے کام سے بھی ہاتھ اٹھا لیا تھا اور خوش وقتی سے بھی۔ نہ سگریٹ پیتا تھا نہ شراب۔ اس کی گردن نرم نہیں پڑ رہی تھی بلکہ پھول رہی تھی۔ یہ دُکھتی بھی تھی اور درد کی ٹیسیں اس کے سر تک جاتی تھیں۔ بیماری گردن سے اوپر کی طرف جا رہی تھی اور قریب قریب کانوں تک پہنچ چکی تھی۔

تب تقریباً ایک ہی مہینہ پہلے وہ لمبے لمبے درختوں کے درمیان چلتا ہوا، ہزاروں قدموں تلے روندی پیش دہلیز کو پار کر کے، بھوری اینٹوں کی اسی پرانی عمارت میں لوٹ آیا۔ سرجنوں نے فوراً ہی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جیسے وہ کوئی پرانا دوست ہو اور اسے ہسپتال کا دہی دھاری دار پاجامہ پہنا کر اسے آپریشن تھیئٹر کے قریب کے اسی وارڈ میں رکھا گیا جس کی کھڑکیاں پیچھے کی طرف کھلتی تھیں اور وہاں وہ

اپنی غریب گردن پر دوسرے آپریشن کا انتظار کرنے لگا جو ایک لحاظ سے تیسرا آپریشن بھی تھا۔ اب یفریم پوڈوانیو کے لیے اپنے آپ کو دھوکا دینا ممکن نہیں تھا اور اس نے دھوکا دیا بھی نہیں۔ وہ جان گیا تھا کہ اسے کینسر ہے۔

اور اب وہ کسی اینچ پینچ کے بغیر اپنے پڑوسیوں کے بھی یہ بات ذہن نشین کرانے لگا کہ انھیں کینسر ہے، ان میں سے کسی کے لیے بھی راہِ مفر نہیں لہٰذا وہ سب لوٹ پھر کر دہیں آجائیں گے۔ ایسا نہیں کہ اسے لوگوں کو روندنے میں مزہ ملتا تھا وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔ آخر وہ صداقت کا سامنا کیوں نہ کریں؟

انھوں نے اس کا تیسرا آپریشن کیا جو زیادہ گہرا اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ لیکن آپریشن کے بعد جب وہ اس کے پٹیاں باندھ رہے تھے تو ڈاکٹروں کے چہرے پر کچھ زیادہ مسرت نہیں تھی۔ وہ ایک دوسرے سے کچھ کہتے رہے جو روسی زبان میں نہیں تھا۔ پٹیاں زیادہ موٹی اور زیادہ اونچی ہوتی گئیں اور انھوں نے اس کے سر کو اس کے دھڑ سے باندھے رکھا۔ درد کی چبھن شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور وہ بار بار اٹھنے لگا بلکہ قریب قریب مسلسل ہی اٹھتا تھا۔

تو پھر دھوکے سے کیا فائدہ؟ کینسر کے بعد جو کچھ ہوگا اسے بھی برداشت کرنا چاہیے۔ دو برس تک اس نے اپنی آنکھیں بند رکھیں اور اس طرف سے منہ موڑے رہا۔ اب وقت آگیا تھا کہ زندگی کا کھیل ختم ہو جائے۔ وہ یہ بات معاندانہ طور پر کہتا تھا پھر بھی یہ اتنی بری معلوم نہیں ہوتی تھی۔ یہ مرنا نہیں تھا۔ زندگی کا کھیل ختم ہو رہا تھا۔

بہرحال یہ کہنا آسان تھا لیکن اس کا دل اور دماغ اسے اتنی آسانی سے قبول نہیں کر رہا تھا۔ یفریم کے ساتھ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ہوگا اور کیا کیا جانا چاہیے؟

اب تک وہ کام اور دوسرے لوگوں کے پیچھے پناہ لیتا رہا۔ لیکن اب

تو تنہا اسے اس کا سامنا کرنا تھا۔ اس کی گردن کی پٹیاں اس کا دم گھونٹ رہی تھیں۔
وارڈوں میں، غلام گردش میں، اوپری منزل میں، نچلی منزل میں، اس کے پڑوسی تھے، تو بہت لیکن وہ نہ تو اسے کچھ بتا سکتے تھے اور نہ اس کی مدد کر سکتے تھے۔
بار بار اسے جو کہا جاتا رہا وہ غلط تھا۔

تب وہ دروازے اور کھڑکی کے درمیان بار بار چکر لگانے لگا۔ مسلسل چکر لگانے کا یہ عمل تھوڑے وقفے سے دن میں پانچ مرتبہ وہ ضرور دہراتا کبھی کبھی چھ مرتبہ بھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوڑ دھوپ وہ کسی سہارے کی تلاش میں کر رہا ہے۔

یفریم کی ساری زندگی میں خواہ وہ کہیں بھی رہا ہو (وہ بڑے شہروں کے سوا ہر جگہ رہا تھا۔ تمام صوبوں کو چھان مارا تھا) اسے اور باقی ہر کسی کو بھی یہ ہمیشہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی سے کیا توقع کی جاتی ہے۔ اس کا کام اچھا ہونا چاہیئے اور معاملاتِ زندگی پر اسے عبور حاصل ہونا چاہیئے۔ ان دونوں کا مطلب تھا پیسہ۔ جب لوگ ملتے تو اس سوال کے فوراً بعد کہ 'تمھارا کیا نام ہے'، یہ پوچھا جاتا تھا کہ آمدنی کیا ہے؟ اگر آمدنی معیار کے مطابق نہ ہوتی تو یا تو وہ شخص احمق تھا یا بدقسمت، اور آدمی کہلانے کا وہ بمشکل ہی حقدار تھا۔ پوڈوایو نے دور کوتا میں، ینی سی میں اور دور مشرق اور دور وسطی ایشیا میں اسی قسم کی زندگی دیکھی تھی اور اسے وہ پوری طرح سمجھتا بھی تھا۔ لوگ خوب روپیہ کماتے اور پھر سنیچر کے دن خرچ کر ڈالتے یا چھٹیوں کے دوران لٹا دیتے۔

یہ سب ٹھیک تھا اور جب تک انھیں کینسر یا اس قسم کی کوئی اور مہلک بیماری نہ ہو جاتی ان کے لیے اطمینان بخش بھی تھا اور جب اس قسم کی بیماری انھیں واقعی دبوچ لیتی تو ان کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں تھی۔ ان کا پیشہ، معاملاتِ زندگی پر عبور، ملازمت اور تنخواہ سب بے معنی تھے۔ ان سب کی بے بسی سامنے آجاتی۔ بے چارے آخری وقت تک خود کو دھوکا دیتے رہے کہ انھیں کینسر نہیں ہے۔

وہ سب ان مریل لوگوں کی طرح تھے جو زندگی میں محروم رہے تھے۔

لیکن یہ محرومی کس چیز سے تھی؟

جب یفریم نوجوان تھا تو اس نے سنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ سچ ہے کہ بوڑھے لوگوں کے مقابلے میں نوجوان زیادہ چست و چالاک بنتے جارہے ہیں۔ بوڑھے لوگ اتنے ڈرپوک تھے کہ کبھی قصبے تک نہیں گئے تھے لیکن یفریم جب ابھی وہ تیرہ برس ہی کا تھا گھوڑے کی سواری کرتا تھا اور پستول سے نشانہ لگاتا تھا اور جب وہ پچاس برس کا ہوا تو سارے ملک میں گھوم چکا تھا۔ لیکن اب جب وہ وارڈ میں اوپر تلے چل رہا تھا تو اس کو یاد آنے لگا کہ بوڑھے لوگ، وہ روسی ہوں یا تاتاری، کاما میں رہتے ہوں یا وویتاک میں یا کسی اور جگہ، جان کس طرح دیتے تھے۔ وہ نہ غل مچاتے، نہ موت کے خلاف لڑتے اور نہ اس قسم کی شیخی بگھارتے کہ وہ ہرگز نہیں مریں گے۔ بس سکون سے چپ چاپ جان دے دیتے۔ وہ معاملات نبٹانے میں پہلوتہی نہ کرتے اور موزوں وقت پر بڑے سکون سے تیاری کر لیتے۔ وہ بڑے سکون سے یہ فیصلہ کر دیتے تھے کہ گھوڑی کسے ملے گی، بچھیرا کسے، کوٹ کسے اور جوتا کسے۔ اور وہ دنیا سے اتنی آسانی سے روانہ ہو جاتے جیسے کوئی نئے مکان میں جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی کینسر کا ڈر نہیں تھا اور یہ بھی ہے کہ ان میں سے کسی کو کینسر ہوا بھی نہیں۔

لیکن وہ یہاں کلینک میں لیٹا آکسیجن کا غبارہ چوس رہا ہے، آنکھوں تک میں جنبش نہیں لیکن زبان بدستور کہے جا رہی تھی۔ "میں مروں گا نہیں۔ مجھے کینسر نہیں ہے" بالکل مرغیوں کی طرح۔ چھری تیار تھی اور ان سب کی منتظر تھی لیکن وہ کڑکڑا رہی تھیں اور دانے دنکے کے لیے زمین کرید رہی تھیں۔ ایک کو ذبح کرنے کے لیے جایا گیا تو بھی باقی اسی طرح زمین کریدتی رہیں۔

اس طرح ایک کے بعد دوسرے دن پوڈوایو پرانے فرش پر اوپر تلے چلتا رہا اور فرش کے تختوں پر کھڑکھڑ کرتا رہا۔ لیکن اس کا ذہن اس معاملے میں ذرا بھی

صاف نہیں ہوا کہ اسے موت کا مقابلہ کس طرح کرنا چاہیے۔ نہ تو اس کا اپنا ذہن اس معاملے میں رسائی کر رہا تھا اور نہ کوئی ایسا تھا جو اس معاملے میں اسے کچھ بتا سکے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس سوال کا جواب کسی کتاب میں نہیں ملے گا۔

مدت ہوئی اس نے سکول میں چوتھے درجے تک پڑھا تھا اور اس نے فنِ تعمیر کا امتحان بھی پاس کیا تھا لیکن اس کے دل میں پڑھنے کی امنگ کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ اخبار نہیں پڑھتا تھا ریڈیو سنتا تھا۔ روزمرہ کی زندگی میں کتابوں کا مصرف اس کی سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا۔ بہرحال ملک کے دور دراز کے اُجڈ علاقوں میں جہاں وہ زندگی بھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا تھا، کیونکہ اجرت اچھی ملتی تھی، کتابی کیڑے خال خال ہی تھے۔ پڑھا یو تبھی پڑھتا تھا جب پڑھنا ضروری ہوتا تھا۔ مثلاً پیداواری تجربوں کے متعلق کتابچے، بار بردار مشینوں کے متعلق کتابچے، انتظامی احکامات اور چوتھے باب تک مختصر تاریخ[1]۔ اس کا خیال تھا کہ کتابوں پر روپیہ صرف کرنا یا ان کے لیے کسی لائبریری میں جانا خالصتہً مضحکہ خیز ہے۔ اگر وہ کسی لمبے سفر پر جاتا یا کسی جگہ اسے انتظار کرنا پڑ جاتا اور کوئی کتاب اس کے ہاتھ آجاتی تو ممکن تھا کہ وہ بیس تیس صفحے پڑھ لیتا لیکن پھر ہمیشہ ہی اسے پھینک دیتا۔ اسے کسی کتاب میں ایسی کوئی چیز ملی ہی نہیں جو کسی ذہین آدمی کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکے۔

ہسپتال میں پلنگوں کے قریب رکھے میزوں پر اور کھڑکیوں میں کتابیں دھری رہتی تھیں لیکن اس نے انھیں کبھی ہاتھ نہیں لگایا اور اس نیلی جلد کی کتاب کو پڑھنا وہ کبھی شروع نہ کرتا اگر ایک بے کیف اور ویران شام کو کوسٹوگلوٹو نے اس کے ہاتھوں میں اسے کھونس نہ دیا ہوتا۔ یفریم نے اپنی پشت کے پیچھے دو تکیے رکھ

---

[1] اسٹالن کی کیمونسٹ پارٹی کی مختصر تاریخ جسے چوتھے باب تک پڑھنا ہر سوویٹ شہری کے لیے ضروری تھا۔ یہ ابواب مارکسی فلسفے سے متعلق ہیں۔ آگے کے ابواب ترقی یافتہ طالب علموں کے لیے تھے۔

لیے اور ورق گردانی کرنے لگا۔ اگر یہ ناول ہوتا تو وہ اسے پڑھنا شروع نہ کرتا لیکن یہ بہت چھوٹی چھوٹی کہانیوں کا مجموعہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی کہانی پانچ چھ صفحے سے زیادہ کی نہیں اور کوئی کوئی کہانی تو صرف ایک صفحے کی تھی۔ فہرست میں کہانیوں کے عنوانات اس طرح درج تھے جیسے پتھریاں ایک دوسرے کے اوپر چنی ہوں۔ لیفریم عنوانات پڑھنے لگا۔ فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ کتاب مفید ہو گی۔ عنوانات تھے: کام بیماری اور موت، بنیادی قانون، منبع، آگ کو نظرانداز کر دو اور یہ تمھیں دبوچ لے گی، تین بوڑھے آدمی، روشنی میں جاؤ جبکہ روشنی موجود ہو۔

لیفریم نے کتاب کو وہاں سے کھولا جہاں ایک مختصر ترین کہانی تھی۔ اس نے اسے پڑھا اور ایسا محسوس کیا کہ اسے سوچنا چاہیئے اور وہ سوچنے لگا، اس نے محسوس کیا کہ اس مختصر کہانی کو ایک بار اور پڑھنا چاہیئے۔ اس نے پڑھا، ایک بار پھر محسوس کیا کہ اسے سوچنا چاہیئے اور سوچنے لگا۔

یہی دوسری کہانی پڑھتے وقت بھی ہوا۔

عین اس وقت انھوں نے بتیاں بجھا دیں۔ لیفریم نے کتاب کو اپنے گدّے کے نیچے رکھ دیا تاکہ کوئی اسے اٹھا نہ لے جائے ورنہ صبح اسے پھر تلاش کرنا پڑے گا۔ رات کی تاریکی میں اس نے احمد جان کو پرانی دیومالائی کہانی سنائی کہ خدا نے عمر کس طرح تقسیم کی تھی اور آدمی کو کس طرح ضرورت سے زیادہ برس مل گئے۔ (یہ یقینی تھا کہ وہ خود اس کہانی کے ایک لفظ کو بھی باور نہیں کرتا تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھی کہ عمر کے کچھ برس غیر ضروری بھی ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی صحت اچھی رہے)، سونے سے پہلے جو کچھ اس نے پڑھا تھا اس پر ایک بار پھر غور کیا۔

اس کے سر میں درد کی جو ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں وہ البتہ اس کے خیالات میں مزاحم ہوتی رہیں۔

جمعہ کی صبح بے کیف تھی اور ہسپتال کی ہر صبح کی طرح ناخوشگوار۔ وارڈ میں ہر صبح کا آغاز یفریم کی یاس آفریں تقریروں سے ہوتا تھا۔ اگر کوئی امید یا آس کی بات کرتا تو یفریم اس پر اوس ڈال دیتا اور اس کے حوصلوں کو پست کر کے چھوڑتا۔ لیکن اس صبح اس نے اپنی زبان نہیں کھولی بلکہ چپ چاپ کتاب پڑھنے لگا۔ ہاتھ منہ دھونا بیکار تھا کیونکہ اس کے تو جبڑوں تک پر پٹیاں بندھی تھیں۔ وہ ناشتہ اپنے پلنگ پر کر سکتا تھا اور سرجیکل وارڈ کے مریضوں کا معائنہ آج نہیں ہوتا تھا۔ یفریم کتاب کے کھردرے اور موٹے موٹے صفحوں کو دھیرے دھیرے الٹتا رہا، خاموش رہا اور پڑھتا اور سوچتا رہا۔

ریڈیائی شعبے کے مریضوں کا معائنہ ختم ہو چکا تھا۔ سنہری فریم کی عینک والا ڈاکٹر پر کچھ چیخا چلایا لیکن پھر اس نے ہمت ہار دی اور انجکشن لے لیا۔ کوسٹو گلوٹوو اپنے حقوق کے لیے جھگڑتا رہا اور کمرے سے آتا جاتا رہا۔ ازووکن کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس نے الوداع کہی اور رخصت ہو گیا۔ وہ اب بھی درد سے دہرا ہو رہا تھا، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑ رکھا تھا۔ دوسرے مریضوں کو ایکسرے اور نفوذ خون کے لیے بلایا گیا لیکن پوڈدایو اب بھی پلنگوں کے درمیان اوپر تلے گشت کے لیے نہیں اٹھا اور چپ چاپ پڑھتا رہا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کتاب اس سے باتیں کر رہی ہے۔ پڑھتے وقت اس نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کتاب نے اس پر قابو پا لیا تھا۔

اس نے اپنی زندگی کے اتنے برس گزار دیئے تھے اور اتنی اہم کتاب اس کے ہاتھ میں اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی!

اور یہ بڑا ہی غیر اغلب تھا کہ وہ اسے پڑھنا شروع کرتا اگر وہ یہاں ہسپتال میں پلنگ پر نہ لیٹا ہوتا اور اس کے سر میں درد کی ٹیسیں نہ اٹھ رہی ہوتیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ایک صحت مند آدمی تک بمشکل ہی پہنچ سکتی تھیں۔

یفریم عنوان کل ہی دیکھ چکا تھا: آدمی کس چیز کے سہارے جیتے ہیں، عنوان کا انداز ایسا تھا کہ یفریم نے محسوس کیا یہ خود اسی نے مقرر کیا ہے۔ ہسپتال کے فرش

پر چکر کاٹتے ہوئے ایسی باتوں کے بارے میں سوچتے ہوئے جن کا کوئی نام نہیں، وہ گزشتہ چند ہفتوں سے اسی سوال پر غور کر رہا تھا کہ آدمی جیتے کس چیز کے سہارے ہیں۔

کہانی بہت زیادہ مختصر نہیں تھی لیکن یہ شروع ہی سے سہل تھی نرم اور سادہ لہجے میں دل سے براہِ راست خطاب کرتی تھی :

"کسی زمانے میں ایک موچی اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے ساتھ ایک کسان کے گھر رہتا تھا۔ اس کے پاس نہ گھر تھا نہ زمین اور وہ اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ جوتے گانٹھ کر بھرتا تھا۔ روٹی مہنگی تھی اور کام کی اجرت کم۔ اپنی محنت سے وہ جو کچھ کماتا خوراک ہی پر خرچ ہو جاتا۔ موچی اور اس کی بیوی کے پاس فر کا صرف ایک ہی کوٹ تھا اور وہ چیتھڑا بنتا جا رہا تھا۔"

یہاں تک بات بالکل صاف تھی لیکن اس کے بعد جو تھا وہ بھی بالکل صاف تھا: سیمیون دبلا پتلا تھا، نوسکھیا ماٹیمیلو اور بھی دبلا پتلا اور پریشان حال تھا لیکن جاگیردار ——

"ایسا لگتا تھا جیسے کسی دوسری دنیا کا باسی ہو۔ اس کی تھوتھنی خوب لال تھی اور گردن بھینسے جیسی۔ اس کا سارا جسم اس طرح کسا ہوا تھا جیسے وہ کوئی فولاد کا مجسمہ ہو۔ جیسی اس کی زندگی تھی اس کی رو سے یہ بالکل قدرتی تھا کہ وہ سرد و گرم چشیدہ ہو۔ ایسے سخت جان کا موت بھی کیا بگاڑ سکتی تھی۔"

یفریم نے ایسے کئی آدمی دیکھے تھے۔ کوئلے کی کانوں کا افسر اعلیٰ کراشیک اسی قسم کا آدمی تھا۔ انٹونو بھی اسی قسم کا آدمی تھا اور چیچیو اور گکھ ٹیگو بھی۔ خود یفریم نے انھیں ٹوکنا اور جھاڑنا شروع کر دیا تھا۔

رفتہ رفتہ یفریم نے تقریباً نقطہ بہ نقطہ ساری کہانی آخر تک پڑھ ڈالی۔

اس وقت تک تقریباً پانچ کا وقت ہو چکا تھا۔

یفریم کے دل میں اب نہ تو چلنے کی خواہش تھی اور نہ بولنے کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز پھانس کی طرح اس کے اندر چبھ گئی ہے اور اندر سے کچوکے لگا رہی

ہے۔ جہاں کبھی اس کے آنکھیں ہوتی تھیں وہاں اب آنکھیں نہیں تھیں اور جہاں کہیں اُسکے منہ ہوتا تھا اب منہ نہیں تھا۔

ہسپتال نے یفریم کو اس وقت تک ایک معین راہ پر ڈال دیا تھا اور اب اُسے ہموار کرنا چنداں دشوار نہیں تھا۔

وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا تکیوں کا سہارا لیے اور اپنے گھٹنوں کو سکیڑے۔ بند کتاب اس کے گھٹنوں پر رکھی تھی۔ وہ خالی سفید دیوار کی طرف دیکھتا رہا۔ باہر دن بے کیف تھا۔

سامنے پلنگ پر زرد چہرے والا مریض لیٹا تھا جو بزعم خولیش ہسپتال میں چھٹی منانے ہی چلا آیا تھا، شیخی بگھارتے بگھارتے، وہ اب سو گیا تھا ہسپتال والوں نے اس پر کمبلوں کی تہہ جما دی تھی کیونکہ اسے بخار تھا۔

اگلے پلنگ پر احمد جان سبگاٹود کے ساتھ ڈرافٹ[1] کھیل رہا تھا۔ ان کی بولیاں مختلف تھیں اور وہ ایک دوسرے سے روسی زبان میں بات کر رہے تھے۔ سبگاٹود بڑی احتیاط سے بیٹھا تھا تاکہ نہ اسے جھکنا پڑے اور نہ اپنی پیٹھ کو جنبش دینا پڑے۔ وہ ابھی نوجوان تھا لیکن اس کے سر پر بال صرف خال خال تھے۔

جہاں تک یفریم کا تعلق ہے اس کا ایک بال بھی نہیں اُڑا تھا۔ اس کے سر پر بھورے رنگ کا بہت بڑا چھتہ تھا، جنگل نما۔ اتنا گھنا کہ اس میں سے کنگھا گزارنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس کی قوتِ مردمی اب بھی جوں کی توں تھی۔ اگرچہ اب اسے اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یفریم کتنی عورتوں کو بھگتا چکا ہے۔ شروع شروع میں وہ ان کی فہرست رکھا کرتا تھا۔ اگرچہ اپنی بیویوں کو دکھانے کے لیے اس نے ایک الگ فہرست تیار کر رکھی تھی۔ لیکن بعد میں اس نے اس معاملے میں سر کھپانا

---

[1] ایک کھیل کا نام ہے۔

چھوڑ دیا۔ اس کی پہلی بیوی کا نام امینہ تھا۔ وہ یلابوگا کی تاتاری لڑکی تھی جس کا چہرہ صاف و شفاف تھا۔ وہ بہت ہی حساس تھی۔ اس کے چہرے کی جلد اتنی نرم و نازک تھی کہ اگر اسے انگلیوں کے جوڑوں سے چھو دیا جاتا تو خون ٹپکنے لگتا۔ وہ سرکش بھی تھی۔ اسے چھوڑ کر چلی گئی اور چھوٹی بچی کو بھی اپنے ساتھ لے گئی۔ اس کے بعد یفریم نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس قسم کی بے عزتی کو دوبارہ برداشت نہیں کرے گا۔ اب ہمیشہ عورت کو پہلے وہی چھوڑتا۔ اس کی زندگی آزاد تھی اور کہیں رکنا اس کی فطرت نہیں تھی۔ وہ آج ایک جگہ ملازمت کرتا اور کل کسی اور جگہ معاہدے پر دستخط کر دیتا۔ اگر اپنے خاندان کو بھی اسے ساتھ گھسیٹنا پڑتا تو کافی خلل پیدا ہوتا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا گھر چلانے کے لیے کوئی عورت مل ہی جاتی۔ باقی عورتوں سے وہ یوں ہی سا رابطہ قائم رکھتا کبھی بادل خواستہ کبھی بادل ناخواستہ۔ وہ ان کا نام تک نہ پوچھتا۔ صرف مقررہ معاوضہ ادا کر دیتا۔ ان عورتوں کے چہرے، ان کی عادات اور یہ کہ ان سے ملاقات کس طرح ہوئی تھی، یہ سب باتیں اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو گئی تھیں۔ اسے صرف غیر معمولی باتیں ہی یاد تھیں۔ مثلاً انجینئر کی بیوی یوڈوشکا کے بارے میں اسے یاد تھا۔ وہ المامانا کے پلیٹ فارم پر اس کی گاڑی کی کھڑکی کے نیچے کھڑی تھی اور اپنے کولہوں کو اس طرح ہلا رہی تھی جیسے دعوت دے رہی ہو۔ یہ جنگ کے زمانے کی بات ہے۔ اس کی پوری گینگ الی جا رہی تھی جہاں تعمیرات کا نیا کام شروع ہونے والا تھا اور ان کے پرانے ساتھیوں کا اچھا خاصہ ہجوم انھیں الوداع کہنے آیا تھا۔ یوڈوشکا کا خاوند جو ایک پست قامت فرومایہ شخص تھا پاس ہی کھڑا تھا اور کسی شخص سے کسی بہت ہی معمولی بات پر جھگڑا کر رہا تھا۔ انجن نے روانگی کی سیٹی بجائی تو یفریم اپنے بازو پھیلا کر پکارا۔ "دیکھو اگر تمھیں مجھ سے محبت ہے تو گاڑی کے اندر کود پڑو اور میرے ساتھ چلی چلو۔" اس نے اس کے بازوؤں کو پکڑ لیا اور اپنے خاوند اور سارے ہجوم کے دیکھتے دیکھتے کھڑکی میں سے اندر آگئی اور دو ہفتے اس کے ساتھ رہی۔ اس نے یوڈوشکا کو گاڑی کے اندر کس طرح کھینچا تھا، یہ بات یفریم کے ذہن میں کھب کر

رہ گئی تھی۔

اپنی زندگی میں عورتوں کے متعلق ایک بات یفریم نے یہ معلوم کی تھی کہ وہ چمٹی رہتی ہیں۔ عورت کو حاصل کرنا مشکل نہیں تھا لیکن اس سے چھٹکارا پانا کافی مشکل تھا۔

ان دنوں لفظ مساوات کو بہت اچھالا جاتا تھا اور یفریم نے اس کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا تھا، لیکن اپنے دل کی گہرائیوں میں اس نے عورتوں کو پورا انسان اب تک کبھی نہیں سمجھا تھا، ماسوا اپنی پہلی بیوی امینہ کے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص سنجیدگی سے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا کہ وہ عورتوں سے برا سلوک کرتا ہے تو اسے اس پر ایک طرح کی حیرت ہوتی۔

لیکن اس عجیب وغریب کتاب سے تو یہ پتہ چلتا تھا کہ ہر چیز کے لیے یفریم ہی قصوروار ہے۔

آج انھوں نے بتیاں معمول سے کچھ پہلے ہی بجھا دیں۔

پپے مُتّے سخنی شخص نے جس کے جبڑے کے نیچے لوندا تھا کمبلوں کے نیچے سے اپنے چھوٹے گنجے سر کو نکالا اور اپنی عینک درست کی جس سے وہ اچھا خاصا پروفیسر نظر آنے لگا۔ اس نے فوراً ہی ہر کسی کو خوش خبری سنا دی۔ انجکشن اتنا برا نہیں تھا حالانکہ اس کا خیال تھا کہ اس سے بہت زیادہ تکلیف ہوگی۔ تب اس نے پلنگ کے قریب کے میز کی طرف غوطہ کے سے انداز میں اپنا ہاتھ بڑھایا اور مرغی کے گوشت کی بوٹیاں اٹھانے لگا۔

یفریم کو خیال آیا کہ اس جیسے بودے آدمی ہمیشہ مرغی کا گوشت ہی طلب کیا کرتے ہیں۔ بکری کے گوشت کو بھی یہ لوگ ثقیل بتاتے ہیں۔

یفریم کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی نظریں کسی اور چہرے پر ڈالتا لیکن ایسا کرنے کے لیے اسے اپنے پورے جسم کو گھمانا پڑتا۔ سیدھا دیکھتے ہوئے تو وہ صرف یہی دیکھ سکتا تھا کہ یہ گوبر گنیش مرغی کی ہڈی پر بھیڑیے کی طرح منہ مار رہا ہے۔ پوڈوایو کچھ بڑبڑایا اور تیزی کے ساتھ دائیں طرف کو مڑا۔ "سنو ایک کہانی ہے" اس نے

بلند آواز میں اعلان کیا۔" اس کا نام ہے: لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں۔" اس نے دانت نکالے: "بھلا یہ کوئی کیسے جان سکتا ہے کہ لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں؟"

سبگاٹوو اور احمد جان نے کھیل چھوڑ کر سر اوپر اٹھائے۔ احمد جان کچھ جیت رہا تھا۔ اس نے بڑے اعتماد سے اور مزے لے لے کر کہا۔" اپنے راشن، اپنی وردی اور رسد کے سہارے۔"

فوج میں شامل ہونے سے پہلے وہ گاؤں میں رہتا تھا اور صرف ازبک بولتا تھا۔ اس کے روسی زبان کے الفاظ، خیالات، ڈسپلن اور دوستوں سے شناسائی سب فوج کے دنوں کا حاصل تھا۔

"کوئی اور؟" یفریم گڑایا۔ کتاب کے متن نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا اور اب دوسرے بھی اسی مشکل میں گرفتار تھے۔" کوئی اور؟ بتاؤ کہ لوگ کس چیز کے سہارے زندہ ہیں؟"

بوڑھا مرسالیموو روسی زبان نہیں سمجھتا تھا۔ ورنہ ممکن ہے کہ وہ ان سب کے مقابلے میں بہتر جواب دیتا۔ عین اس وقت میڈیکل اسسٹنٹ ٹرژون جو ابھی طالب علم ہی تھا اسے انجکشن دینے آگیا۔" اپنی تنخواہ کے سہارے۔ بس اتنی بات ہے" اس نے جواب دیا۔

کونے سے سیاہ فام پروشکا نے اس طرح دیکھا جیسے وہ کسی دکان کی کھڑکی میں سے اندر جھانک رہا ہو۔ اس کا منہ بھی کھلا لیکن اس نے کہا کچھ نہیں۔

"اچھا تو ہمت سے کام لو، بتاؤ؟" یفریم نے مطالبہ کیا۔

ڈیوما نے اپنی کتاب رکھ دی اور سوال پر تیوری چڑھائی۔ سچ یہ ہے کہ وارڈ میں کتاب وہی لایا تھا لیکن وہ اسے کچھ زیادہ پڑھ نہیں سکا تھا۔ اس میں جو باتیں تھیں وہ سچ بھی نہیں لگتی تھیں۔ اس کتاب کو پڑھنا بہرے آدمی سے باتیں کرنا تھا جو تمہارے سوالوں کے غلط جواب دیتا ہے۔ یہ کتاب کمزور کرتی تھی اور ذہن کو پراگندہ کرتی تھی حالانکہ اسے ضرورت اس مشورے کی تھی کہ کیا کرنا چاہیے۔ اُس

نے "لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں؟" پڑھی نہیں تھی اور یفریم جس جواب کا منتظر تھا وہ اسے نہیں آتا تھا، وہ اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔

"چھوٹے میاں تم؟" یفریم نے اسے اکسایا۔

"ہاں... میرے خیال میں،" ڈیوما نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا جیسے بلیک بورڈ کے قریب کھڑے کسی استاد کے سوال کا جواب دے رہا ہو اور لفظوں کو ناپ تول رہا ہو کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ "..... اوّل ہوا، پھر پانی پھر کھانا۔"

اگر کسی نے پہلے پوچھا ہوتا تو یفریم بھی یہی جواب دیتا۔ اس میں اگر وہ اضافہ کرتا تو بس شراب کا۔ لیکن کتاب کا منشا یہ نہیں تھا۔

اس نے اپنے ہونٹ چاٹ کر کہا "کوئی اور؟"

پرودشکا نے فیصلہ کیا کہ اسے بھی بولنا چاہیے "پیشہ ورانہ مہارت"! اس نے کہا یہ پھر وہی بات تھی جو زندگی بھر یفریم خود بھی سوچتا رہا تھا۔

سبگاتوُو نے آہ بھری اور جھینپتے جھینپتے کہا "وطن کی محبت۔"

"کیا مطلب؟" یفریم نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب ہے وہ جگہ جہاں تم پیدا ہوئے.... اپنے جنم استھان پر رہنا۔"

"ارے نہیں ۔۔ اس کی تمھیں زیادہ ضرورت نہیں۔ میں نے کاما اس وقت چھوڑا جب میں ابھی جوان تھا اور مجھے رتی بھر پروا نہیں کہ وہ اب ہے بھی یا نہیں؟ نہ ایک دریا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے نہ ایک جگہ دوسری جگہ سے۔"

"جس جگہ تم پیدا ہوئے۔" سبگاتوُو نے پرسکون طور پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"وہاں تمھیں بیماری نہیں آتی۔ جہاں تم پیدا ہوئے وہاں ہر بات آسان ہوتی ہے۔"

"بہت اچھا، کوئی اور؟"

"یہ سب کیا ہے؟" روسانوو نے پوچھا۔ وہ اب پھر خوش تھا "کیا مسئلہ درپیش ہے؟"

یفریم غرّایا اور بائیں طرف کو مڑا۔ زرد رو شخص کے سوا کھڑکیوں کے پاس

کے پلنگ خالی تھے۔ وہ مرغی کی ٹانگ کھا رہا تھا اور ہڈی کے سرے اس نے دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔ جیسے شیطان نے خبیثانہ مسرت کے لیے انھیں وہاں رکھ دیا ہو۔ یفریم نے اپنی آنکھیں سکوڑیں۔

"مسئلہ یہ ہے پروفیسر کہ لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں؟"

پیول نکولائے وچ ذرا بھی اوپر نہیں اٹھا، اس نے مرغی کھاتے کھاتے صرف ذرا سی نظریں اٹھائیں "یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔" اس نے کہا۔ "یاد رکھو! لوگ اپنے نظریاتی اصولوں کے سہارے اور سماج کے مفادات کے لیے جیتے ہیں" اور وہ سب سے نرم ہڈی کو چوسنے لگا۔ اب صرف پانو کی موٹی کھال اور چیمٹوں کی نسیں باقی رہ گئی تھیں۔ انھیں اس نے میز کے اوپر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر رکھ دیا۔

یفریم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے جھنجلاہٹ سی محسوس کی کہ یہ بودا آدمی کتنی چالاکی سے پہلو بچانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ نظریاتی اصولوں کی بات چل نکلی ہے تو بہتر یہی ہے کہ آدمی اپنی زبان بند رکھے۔

اس نے کتاب کھول لی اور ایک بار پھر اس پر نظریں گاڑ دیں وہ صحیح جواب خود ہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔

"یہ کتاب کا ہے کے بارے میں ہے؟ کیا کہتی ہے؟" سیگا لوڈونے ڈرافٹ کے کھیل پر سے نظریں اٹھا کر پوچھا۔

"تو سنو...." پوڈوایو نے پہلی چند سطریں پڑھیں "کسی زمانے میں ایک موچی اپنی بیوی اور اپنے بچوں کے ساتھ ایک کسان کے گھر رہتا تھا۔ اس کے پاس نہ گھر تھا نہ زمین ...."

لیکن پر زور آواز میں پڑھنا بہت مشکل کام تھا اور اس میں وقت بھی بہت لگتا چنانچہ اس نے تکیوں کا سہارا لیا اور کہانی اپنے ہی لفظوں میں بیان کرنے

لگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس کا مفہوم سمجھنے کی ایک اور کوشش بھی کر رہا تھا۔

" بہر حال موچی نے پینی شروع کر دی۔ ایک رات وہ نشے میں دھت گھر جا رہا تھا تو راستے میں اسے ایک لڑکا مائیکھیلو ملا۔ یہ لڑکا ٹھٹھرن سے مرا جا رہا تھا۔ موچی اسے گھر لے آیا۔ اس کی بیوی نے اسے سرزنش کی " یہ کیا ایک اور پیٹ بھرنا پڑھے پڑے گا ! " اس نے کہا لیکن مائیکھیلو اپنی استطاعت کے مطابق کام کرنے لگا اور موچی سے بھی بہتر جوتے سینے لگا۔ موسم سرما کے ایک دن جاگیردار ان کے پاس آیا۔ اس کے پاس ایک قیمتی چمڑا تھا۔ یہ چمڑا دیتے ہوئے اس نے انھیں حکم دیا 'چمڑے کا ایک جوتا بنا دو جو نہ اینٹھے اور نہ پھٹے ' اور اگر موچی نے چمڑا خراب کر دیا تو اس کے عوض اسے اپنی کھال دینی پڑے گی۔ مائیکھیلو نے ایک عجیب سی ہنسی ہنسی کیونکہ جاگیردار کی پشت کے پیچھے اس نے کونے میں کوئی چیز دیکھ لی تھی ـــ جاگیردار دروازے کے باہر نکلا ہی تھا کہ مائیکھیلو نے چمڑا کاٹ ڈالا۔ اس طرح برباد ہونے کے بعد چمڑے سے اب بوٹوں کی جوڑی نہیں بن سکتی تھی۔ اب تو اس سے سلیپروں کی جوڑی ہی بن سکتی تھی۔ موچی نے اپنا سر پیٹ لیا۔ ' تم نے مجھے تباہ کر دیا ' اس نے کہا۔ ' تم نے میری گردن کاٹ دی ہے۔ یہ تم نے کیا کیا ؟ ' مائیکھیلو نے کہا : ' آدمی سال بھر کا سامان کرتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شام تک زندہ رہے گا یا نہیں '

بالکل یہی ہوا ـــ جاگیردار راستے ہی میں مر گیا اور اس کی بیوی نے ایک لڑکا موچی کے پاس یہ کہنے بھیجا : ' اب بوٹ بنانے کی ضرورت نہیں۔ جتنی جلدی ہو سکے لاش کے لیے ایک جوڑی سلیپر بنا دو۔ "

" خدا معاف کرے کیا بکواس ہے " روسانوو نے غصّے سے دانت پیستے ہوئے کہا " اب گراموفون کا ریکارڈ بدلنا چاہیے۔ کیا خوب درس ہے۔ یہ تعلق ہمارے ہاں کا نہیں۔ ہمارے انداز فکر سے کوسوں دور ہے۔ اس سے کیا پتہ چلتا ہے کہ لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں ؟ "

یفریم نے کہانی سنانا بند کر دیا اور اپنی سوجی ہوئی آنکھیں سامنے کی گنجی کھوپڑی پر ڈالیں۔ اسے غصہ آرہا تھا کہ اس گنجے آدمی نے تقریباً تقریباً بھانپ لیا ہے۔ کتاب میں بتایا گیا تھا کہ زندہ رہنے کا طریقہ یہ نہیں کہ آدمی اپنے بارے میں تشویش کرتا رہے بلکہ یہ ہے کہ دوسروں سے محبت کی جائے۔ اور اس بودے آدمی نے کہا تھا " سماج کے فائدے کے لیے۔" ان باتوں میں کوئی نہ کوئی مشابہت ضرور تھی۔

" لوگ کس چیز کے سہارے جیتے ہیں ؟" بات ایسی تھی کہ وہ اسے زور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ قریب قریب گندی تھی : " یہاں لکھا ہے محبت کے سہارے ۔"

" محبت ؟ نہیں ۔ ہمارے اخلاقیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں :" سنہری عینک والے نے اس کا مذاق اڑایا " سنو ! یہ سب آخر لکھا کس نے ہے ؟"

" کیا ؟" پوڈوایو منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ وہ اسے ٹھبکار رہے تھے اور اصل نکتے سے دور نے جا رہے تھے ۔

" یہ کس نے لکھا ہے ؟ مصنف کون ہے ؟ یہ سب کتاب کے پہلے صفحے پر لکھا ہے ۔ دیکھ لو۔"

نام کا اس سے کیا تعلق ہے ؟ نام کا اصل نکتے سے کیا تعلق ہے ؟ ان کی بیماریوں ان کی زندگی اور موت سے کیا تعلق ہے ؟ یفریم کتاب پڑھتا تھا تو اس کی جلد پر نام پڑھنے کا عادی نہیں تھا اور اگر کبھی پڑھ بھی لیتا تو فوراً ہی بھول جاتا۔ اب اس نے پہلے صفحے پر پھر نظر ڈالی اور زور سے پڑھا — " طال۔۔۔ سطائی۔ —"

" ناممکن ہے ۔" روسانوو نے احتجاج کیا — " طالسطائی ؟ یاد رکھو کہ طالسطائی صرف امید پرستانہ اور وطن دوست تحریریں ہی لکھتا تھا۔ ورنہ وہ چھپ نہ سکتا — ' روٹی ' اور ' پیٹر اوّل '۔ اور میں تمھیں یہ بھی بتا دوں کہ اسے تین بار اسٹالن انعام ملا۔"

لہ روسانوو سمجھتا ہے کہ پوڈوایو کی مراد الیکسی نکولائی وچ طالسطائی سے ہے جو ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۴۵ء میں وفات پائی۔

" یہ وہ طالسطائی نہیں ۔" ڈیوما نے کونے سے ترکی بہ ترکی جواب دیا :" ہماری کتاب لیو طالسطائی نے لکھی ہے ۔"

" اچھا تو وہ طالسطائی نہیں !" روساتوو نے چباچبا کر کہا ۔ وہ کچھ نرم پڑ گیا لیکن کچھ کچھ اینٹھ اب بھی رہا تھا ۔" تو یہ دوسرا طالسطائی ہے ۔ ہے نا ؟ روسی انقلاب کا آئینہ ، چاول کے کوفتے[1] ۔ پُرتکلف اور بے مزہ گفتگو کرنے والا طالسطائی ۔ ایسی بے شمار باتیں تھیں جنھیں وہ نہیں سمجھتا تھا ۔ نوجوان ! تمھیں بدی کا مقابلہ کرنا چاہیئے ۔ تمھیں اس کے خلاف لڑنا چاہیے ۔"

" میں اس سے بالکل متفق ہوں ۔" ڈیوما نے کھوکھلی آواز میں جواب دیا ۔

---

[1] طالسطائی اور اس کی سبزی خوری کے بارے میں لینن نے جو کہا تھا اس کی طرف اشارہ ہے ۔

۹۔ دل کا کینسر

سینئر سرجن یوجینیا استی نوونا میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں تھی جو اس کے پیشے کے ممبروں سے بالعموم منسوب کی جاتی ہے۔ نہ تو اس کی نظروں سے تیقّن ظاہر ہوتا تھا نہ اس کی پیشانی پر ایسی لکیریں تھیں جو عزم کا مظہر ہوتی ہیں۔ اور نہ اس کا جبڑا ہی غیر معمولی طور پر مضبوط تھا۔ مجموعی طور پر اس کی شباہت سے یہ بھی نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں کوئی معتبر قسم کی ذہانت ہے۔ اگرچہ اس کی عمر پچاس سے اوپر ہی تھی لیکن اگر وہ اپنے بالوں کو سر کے اوپر ڈاکٹر کی ٹوپی کے نیچے باندھ لیتی تو یہ غیر اغلب نہیں تھا کہ پیچھے سے دیکھنے والے مرد اسے کچھ اس طرح خطاب کرتے: "معاف کرنا مس..." یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر پیچھے سے دیکھا جائے تو وہ ایک نوجوان گرل گائیڈ لگتی تھی، اور اگر سامنے سے دیکھا جائے تو پنشن یافتہ معمر عورت۔ تھکی تھکی پژمردہ پلکیں، بجھی بجھی آنکھیں، اور مستقل اضمحلال زدہ چہرہ۔ اس کی تلافی کی کوشش وہ شوخ قسم کی لپ اسٹکوں کے وافر استعمال سے کیا کرتی تھی لیکن لپ اسٹک اسے دن میں ایک بار سے زیادہ لگانا پڑتی تھی کیونکہ سگریٹوں کی رگڑ سے جو وہ اکثر پیتی رہتی تھی، یہ مٹتی رہتی تھی۔

ہر لمحہ جب وہ آپریشن تھیٹر، سرجری کے مرہم پٹی کے کمرے، یا وارڈ میں نہ ہوتی اپنے منہ میں سگریٹ لگائے رہتی۔ جونہی اسے موقع ملتا وہ باہر دوڑ جاتی اور سگریٹ پر اس طرح جھپٹتی جیسے اسے کھا جانا چاہتی ہو۔ وہ مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے گشت کر رہی ہوتی تو کئی بار اپنی پہلی دو انگلیاں اٹھا کر منہ تک لے جاتی۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ گشت کے دوران بھی وہ سگریٹ پیتی ہی رہتی تھی۔

چیف سرجن لیو لیونیڈووچ کے علاوہ جو لمبے لمبے بازوؤں والا بہت طویل القامت شخص تھا، کلینک میں سارے آپریشن یہ تیلی دبلی عورت ہی کرتی تھی وہ انسانی اعضاء

کو چیرتی، گلے کے آپریشن کے لیے ہوا کی نالیاں لگاتی، معدوں کو باہر نکالتی، انتڑیوں کے ہر حصے تک پہنچتی اور پیڑو کے اندر کا کونہ کونہ چھان مارتی اور جب دن کے آخری آپریشن ہو رہے ہوتے تو اس کے فرائض میں یہ بھی تھا کہ وہ دو ایک کینسر زدہ چھاتیاں کاٹ دے۔ یہ کام اس کے لیے بڑا ہی آسان تھا اور اس پر اسے ایک ماہرِ فن کی طرح عبور حاصل تھا۔ منگل یا جمعہ کا ایسا کوئی دن شاذ و نادر ہی ہوتا تھا جب یوجینیا عورتوں کی چھاتیاں نہ کاٹتی۔ اپنے جھکے ہونٹوں میں سگریٹ دبائے کبھی کبھی وہ آپریشن تھیٹر کو صاف کرنے والے اردلی سے کہا کرتی تھی کہ جتنی چھاتیاں اس نے کاٹی ہیں اگر ان سب کو جمع کر کے انبار لگا دیا جائے تو ایک چھوٹا سا پہاڑ بن جائے۔

یوجینیا اسٹی نونا نے زندگی بھر سرجری ہی کی تھی۔ سرجری کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھی۔ پھر بھی طالسطائی کے کوسک پروشکا کے الفاظ اسے یاد بھی تھے اور اس کے لیے قابلِ ہضم بھی جو اس نے مغربی یورپ کے ڈاکٹروں کے متعلق کہے تھے۔ "وہ صرف چیر پھاڑ ہی کر سکتے ہیں۔ خیر وہ احمق ہیں لیکن پہاڑوں میں تمھیں حقیقی ڈاکٹر مل سکتے ہیں۔ انھیں جڑی بوٹیوں کا علم ہے۔"

اور کل اگر کوئی دوسری قسم کا طریقِ علاج دریافت ہو جائے، شعاع زنی کا، کیمیائی، جڑی بوٹیوں کا یا کوئی ایسا طریقہ جس میں روشنی، رنگ یا ٹیلی پیتھی سے علاج ہو سکتا ہو، کوئی ایسا طریقہ جس سے اس کے مریض ڈاکٹر کی چھری سے بچ جاتے، اور سرجری کو انسانی اطوار کی فہرست سے بالکل ہی خارج کر دیا جاتا تو یوجینیا اسٹی نونا اپنے پیشے کا ایک بھی لمحے کے لیے دفاع نہ کرتی۔ اپنے کسی عقیدے کے سبب نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ اپنی ساری زندگی وہ چیر پھاڑ ہی کرتی رہی تھی۔ اپنی ساری زندگی میں اسے گوشت اور خون ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ انسانوں کے متعلق سب سے زیادہ تھکا دینے والی حقیقت یہ ہے جو ناگزیر بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے وسط میں فوری اور اچانک طور پر اپنا پیشہ بدل کر تازہ دم نہیں ہو سکتے۔

عام طور پر وہ گشت تین یا چار کی ٹولی بنا کر کرتے تھے۔ لیولیو نیڈ ووچ، وہ خود اور وارڈ میں کام کرنے والا ماتحت۔ لیکن کچھ دن پہلے لیولیو نیڈ ووچ سینے کے آپریشن کے سیمینار میں شرکت کے لیے ماسکو چلا گیا تھا اور اس سنیچر کسی وجہ سے وہ اوپری منزل کے مردانہ وارڈ میں ، بالکل تنہا چلی گئی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی ماتحت فزیشین نہیں تھا، حتیٰ کہ کوئی نرس تک نہیں تھی۔

وہ سیدھی اندر نہیں گئی۔ لڑکی کی طرح دروازے کے بازو کا سہارا لیے چپ چاپ دہیں کھڑی رہی۔ ایک نوجوان لڑکی دروازے کا سہارا لے سکتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے کہ کمر کو تان کر، سر کو سیدھا رکھ کر کھڑے ہونے کی بجائے یہ اچھا لگتا ہے۔

وہ وہاں کھڑی مغموم طور پر ڈیوما کو کھیل میں مصروف دیکھتی رہی۔ ڈیوما نے اپنی دکھتی ہوئی ٹانگ کو بستر پر پھیلا رکھا تھا اور اپنی درست ٹانگ کے پاؤں کو اس کے نیچے رکھ کر میز سا بنا لیا تھا۔ اس پر اس نے کتاب رکھی ہوئی تھی اور کتاب پر چار لمبی پنسلوں کی مدد سے جو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں وہ کچھ بنا رہا تھا۔ وہ اپنی بنائی ہوئی شکل کے تصور میں مگن تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ صدیوں تک اسی طرح مگن رہے گا۔ لیکن عین اسی وقت کسی نے اس کا نام پکارا اور اس نے اپنی ترشی ہوئی پنسلوں کو سمیٹ لیا۔

"تم کیا بنا رہے تھے ڈیوما؟" یوجینیا اسٹی نووتا نے محزون لہجے میں پوچھا۔

"شکلِ ہندسی۔" ڈیوما نے خوشی خوشی جواب دیا۔ اس کی آواز ضرورت سے کچھ زیادہ بلند تھی۔

ان کے درمیان اتنے ہی لفظوں کا تبادلہ ہوا لیکن ایک دوسرے کو انھوں نے جن نظروں سے دیکھا وہ کافی معنی خیز تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کی حقیقی دلچسپی کسی اور ہی چیز سے ہے۔

"وقت گزر رہا ہے۔" ڈیوما نے وضاحتی انداز میں اضافہ کیا لیکن اب کے

اسکے لہجے میں نہ مسرت تھی نہ اس کی آواز بلند تھی۔
یوجینیا اسٹی نوونا نے سر کو جنبش دی۔ ایک لمحہ تک وہ خاموش رہی، وہ اب بھی دروازے کے بازو کا سہارا لیے ہوئے تھی۔ ننھیں لڑکی کی طرح ٹھٹکے ہالے ہوئے انداز میں۔
"آؤ تمھیں ذرا دیکھوں۔"
ڈیوما ہمیشہ خاموش اور اطاعت شعار ہوتا تھا لیکن اس مرتبہ اس نے معمول سے کچھ زیادہ ہی احتجاج کیا۔" لڈمیلا افانسیونا نے کل میرا معائنہ کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ شعاع زنی کا سلسلہ جاری رہے گا۔"
یوجینیا اسٹی نوونا نے پھر سر کو جنبش دی۔ وہ ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جن میں محزوں سی شکستگی تھی۔
"خیر یہ تو اچھی بات ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمھیں دیکھوں گی۔"
ڈیوما کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے اپنی حجم پیمائی کی کتاب ایک طرف رکھ دی، جگہ بنانے کے لیے پلنگ پر سمٹ گیا اور اپنی ٹانگ کو گھٹنے تک ننگا کر دیا۔
یوجینیا اسٹی نوونا اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ کسی خاص کوشش کے بغیر اس نے جھٹکے سے اپنی اوپری پوشاک اور کوٹ کی آستینوں کو کہنی تک چڑھا لیا اور اس کے نازک اور سدھے ہوئے ہاتھ ڈیوما کی ٹانگ کے اوپر نیچے حرکت کرنے لگے۔ جیسے یہ ہاتھ کوئی زندہ مخلوق ہوں۔
"کیا تکلیف ہوتی ہے، کیا تکلیف ہوتی ہے؟" وہ بار بار پوچھتی رہی۔
"ہاں ہاں۔ تکلیف ہوتی ہے۔" ڈیوما نے تصدیق کی اور اس کی پیشانی کے بل اور گہرے ہو گئے۔
"کیا رات کے دوران تم اپنی ٹانگ کو محسوس کر سکتے ہو؟"
"ہاں.... لیکن لڈمیلا افانسیونا...."

یوجینیا اسٹی نوونا نے معاملہ فہمی کے انداز میں پھر اپنے سر کو جنبش دی اور اس کے کندھوں کو تھپتھپایا۔

"بہت اچھا دوست! شعاع زنی جاری رہے۔"

اور ایک بار اور انھوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا۔

وارڈ پر بالکل خاموشی طاری تھی اور ان کا ہر لفظ سنا جا سکتا تھا۔

یوجینیا اسٹی نوونا اٹھ کھڑی ہوئی اور دوسرے مریضوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ سیروشکا کو وہاں سٹوو کے قریب پلنگ پر ہونا چاہیئے تھا لیکن کل شام وہ اس پلنگ پر چلا گیا تھا جو کھڑکی کے پاس تھا۔ (اگرچہ کسی ایسے شخص کے پلنگ پر جانا جو باہر مرنے کے لیے وارڈ سے نکلا ہو وہم کی بات سمجھی جاتی تھی) سٹوو کے پاس کے پلنگ پر اب سفید بالوں والا ایک پست قامت اور خاموش شخص فریڈرچ فیڈیرا تھا۔ ایسا نہیں کہ وارڈ میں اس کے چہرے کو کوئی پہچانتا ہی نہ ہو کیونکہ اس سے پہلے تین دن تک وہ باہر سیڑھیوں پر لیٹا رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے انگوٹھے، اپنے پاجامے کی سیونوں پر رکھ لیے اور ایک ایسی نظر سے جس سے احترام ظاہر ہوتا تھا یوجینیا اسٹی نوونا کا خیر مقدم کیا۔ وہ اتنا لمبا نہیں تھا جتنی وہ خود تھی۔

اس کی صحت بہت اچھی تھی۔ کہیں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ پہلے آپریشن نے اسے مکمل صحت دے دی تھی۔ کینسر کلینک میں اب جو وہ واپس آیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اسے کوئی تکلیف تھی بلکہ یہ کہ باقی ہر کام کی طرح وہ ضابطے کی پابندی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سرٹیفکیٹ پر لکھا تھا: "یکم فروری ۱۹۵۵ء کو معائنہ۔" لہٰذا اب وہ مشکل سڑکیں عبور کرتا ہوا سیکڑوں میل کا فاصلہ طے کر کے یہاں چلا آیا تھا۔ سفر کے ذرائع بھی کافی تکلیف دہ تھے۔ پہلے اس نے لاری کے پیچھے بھیڑ کی کھال کے کوٹ اور نرم جوتوں کے ساتھ سفر کیا اور سٹیشن سے یہاں وہ عام جوتے اور ہلکا اوور کوٹ پہن کر آیا۔ پھر نہ تو وہ ۳۱ جنوری

کو پہنچا نہ ۲۶ فروری کو بلکہ اسی باقاعدگی سے بروقت پہنچا جس طرح چاند کو گہن لگتا ہے۔

یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انھوں نے اسے پھر سے ہسپتال میں کیوں داخل کر لیا۔ اسے تو غالب امید تھی کہ آج ہی ڈسچارج کر دیا جائے گا۔

فوراً ہی میریا پہنچ گئی، لمبی، مرجھائی ہوئی اور بجھی بجھی آنکھوں والی۔ اس نے تولیہ اٹھا رکھا تھا، یوجینیا اسٹی نودنا نے اپنے ہاتھ اور بازو پونچھے جو کہنیوں تک اب بھی ننگے تھے، انھیں اوپر اٹھایا اور مکمل خاموشی سے فیڈیرا کی گردن پر پھیرنے لگی۔ وہ کافی دیر تک ایسا کرتی رہی۔ اس کی انگلیاں دائرے کی شکل میں ایسا کر رہی تھیں۔ تب اس نے اسے جیکٹ اتارنے کے لیے کہا اور اس کی ہنسلی کی ہڈی کے آس پاس اور اس کے بازوؤں کے نیچے ہاتھ پھیرتی رہی۔ بالآخر اس نے کہا "یہ بہت خوب فیڈیرا! جہاں تک تمھارا تعلق ہے، ہر بات بہت ہی عمدہ ہے۔"

اس کا چہرہ چمک اٹھا جیسے اسے کوئی انعام مل گیا ہو۔

"ہر بات بہت ہی عمدہ ہے۔" یوجینیا اسٹی نودنا نے اپنے الفاظ بڑی شفقت سے کہے اور اس کے نچلے جبڑے کے نیچے پھر اپنی انگلیاں پھیرنے لگی "ایک چھوٹا سا آپریشن اور، اور پھر سب ٹھیک ٹھاک۔"

"کیا؟" فیڈیرا کا چہرہ مرجھا گیا۔ "لیکن یوجینیا اسٹی نودنا اگر ہر چیز بہت عمدہ ہے تو پھر کیوں؟"

"اس سے تم اور بھی اچھے ہو جاؤ گے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"یہاں!" اس نے اپنی ہتھیلی کو گردن پر رکھ کر ادھر سے ادھر پھیرا جیسے کاٹ رہا ہو۔ اس کے نرم چہرے کا انداز ملتجیانہ تھا۔ اس کی بھنویں قریب قریب سفید تھیں۔

"ہاں یہاں۔ لیکن فکر نہ کرنا۔ تمھاری بیماری ان لوگوں جیسی نہیں جن سے بے توجہی برتی گئی ہے۔ ہم تمھیں آئندہ منگلوار کے لیے تیار رکھیں گے۔" میریا نے

یہ بات نوٹ کر لی ہے" اور فروری کے اواخر تک تم اطمینان سے اپنے گھر چلے جاؤ گے اور پھر تمھیں کبھی یہاں نہیں آنا پڑے گا۔"

"کیا ایک اور معائنہ بھی ہوگا؟" فیڈیرا نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

"ہاں۔ شاید معائنہ ہوگا۔" وہ معذرت طلبی کے انداز میں مسکرائی۔ اپنی خفگی اور مضمحل مسکراہٹ کے سوا وہ اس کی تسلی کے لیے اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ وہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ کمرے کو پار کرتی ہوئی وہ آگے بڑھی، احمد جان کے قریب سے گزری تو اس پر ایک اور ہلکی سی مسکراہٹ بکھیری۔ تین ہفتے پہلے اس نے اس کی مقعد کا آپریشن کیا تھا۔ یفریم کے پاس پہنچ کر وہ رک گئی۔

جو نئی کتاب وہ پڑھ رہا تھا اسے وہ اب تک پھینک چکا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا سر چوڑا اور کشادہ تھا، اس کی گردن پر پٹیاں بندھی تھیں اور اس وجہ سے وہ غیر معمولی طور پر موٹی نظر آ رہی تھی۔ اس کے شانے کشادہ تھے اور وہ اپنی ٹانگیں نیچے سمیٹے پلنگ پر بیٹھا تھا۔ اس طرح وہ ایک عجیب و غریب قسم کا بونا نظر آ رہا تھا۔ اس نے بیزاری سے اس کی طرف دیکھا اور چوٹ کا انتظار کرنے لگا۔

وہ اپنی کہنیوں کے بل اس کے پلنگ کے کٹہرے پر جھک گئی، اپنی دو انگلیوں کو ہونٹوں تک لے گئی جیسے سگریٹ پی رہی ہو۔

"تو پھر آج ہمارا موڈ کیسا ہے پوڈوایو؟"

کیا یہاں کھڑی ہو کر موڈ کے متعلق باتیں بنانے کے سوا اسے اور کوئی کام نہیں؟ جو کچھ اسے کہنا ہے، کہے اور چلی جائے، اسے صرف اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔

"میں اس چیر پھاڑ سے تنگ آ گیا ہوں۔" یفریم پھوٹ پڑا۔

یوجینیا استی تودونا نے اپنی بھنویں اوپر اٹھا لیں، جیسے اس بات پر حیران

ہو رہی ہو کہ کوئی چیر پھاڑ سے بھی تنگ آسکتا ہے۔
اس نے کچھ کہا نہیں اور جہاں تک یفریم کا تعلق ہے، وہ پہلے ہی کافی کہہ چکا تھا۔
وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ جیسے دو عاشق خفگی کے بعد یا قطع تعلق سے پہلے ہوتے ہیں۔
"پھر اسی جگہ؟" یہ سوال نہیں تھا صرف بیان تھا۔
(وہ چاہتا تھا کہ چیخ چیخ کر کہے۔ "تم نے پہلے کیا کیا تھا؟ تمھارے دماغ میں ہمکیانہ افسوں کے ساتھ برتاؤ کے معاملے میں وہ کسی احتیاط کا کبھی قائل نہیں تھا۔ ہمیشہ ان کی گردن جاد بوچتا لیکن یوجینیا اسٹی نو ونا کو اس نے بخش ہی دیا۔ اس کے احساسات کا وہ خود ہی اندازہ لگا لے گی۔)
"بالکل قریب ہی۔" اس نے کسی قدر فرق بتاتے ہوئے کہا۔
(بیچارہ غریب ــ وہ اسے کیسے بتائے کہ زبان کا کینسر نچلے ہونٹ کا کینسر نہیں ہوتا۔ جیسے ہی تم جبڑے کے نیچے کی گانٹھیں نکالتے ہو فوراً ہی پتہ چلتا ہے کہ نیچے کی شریانیں بھی متأثر ہیں۔ وہ پہلے وہاں آپریشن کر ہی نہیں سکتی تھی)
یفریم غرّایا۔ ایک ایسے آدمی کی طرح جو اتنا بوجھ کھینچ رہا ہو جو اس کی بساط سے باہر ہو۔
"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں۔"
یوجینیا اسٹی نو ونا نے اسے باتوں سے بہلانے کی کوشش نہیں کی۔
"میں اور چیر پھاڑ نہیں چاہتا۔ میں اور کچھ بھی نہیں چاہتا۔"
وہ اس کی طرف خاموشی سے دیکھتی رہی۔
"مجھے ڈسچارج کر دو۔"
یوجینیا اسٹی نو ونا نے اس کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اتنا خوف برداشت کر چکی تھی کہ اب بالکل بے خوف تھی۔ اس نے خود بھی سوچا ہوگا آخر اسے عذاب میں کیوں ڈالا جائے جب ثانوی رسولیاں سرجری کے چاقو سے بھی زیادہ تیز رفتار ہیں۔

"ہم سوموار کو تمھاری پٹیاں کھولیں گے پوڈوایو! دیکھیں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

(اس نے مطالبہ یہ کیا تھا کہ اسے ڈسچارج کر دیا جائے پھر بھی اسے ایک ناامیدانہ سی امید تھی کہ وہ اس سے کہے گی "تم پاگل ہو گئے ہو پوڈوایو؟ تمھارا مطلب کیا ہے؟ ڈسچارج کر دیں؟ ہم تمھارا علاج کریں گے، تمھیں صحت یاب کریں گے۔"

لیکن وہ مان گئی تھی۔

جس کا مطلب تھا وہ گیا گزرا آدمی ہے)

اس نے سر کی جنبش ظاہر کرنے کے لیے اپنے پورے جسم کو حرکت دی۔

صرف اپنے سر کو جنبش دینا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

وہ پروشکا کی طرف گئی۔ وہ اس کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور مسکرایا

اس نے اس کا معائنہ نہیں کیا۔ صرف اتنا پوچھا "تو تم کیا محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت عمدہ۔" پروشکا کی مسکراہٹ پھیل گئی "ان گولیوں نے بڑا کام کیا ہے۔"

اس نے ملٹی وٹامن کی شیشی کی طرف اشارہ کیا۔ کاش اسے اس کو موم کرنا آجائے، کاش وہ اسے قائل کر سکے تو وہ آپریشن کی بات سوچے تک نہیں۔

یوجینیا اسٹی نونا نے گولیوں کی طرف دیکھ کر سر کو جنبش دی پھر اس نے اس کے سینے کی بائیں جانب اپنا ہاتھ پھیلایا۔

"کیا یہاں کبھی کبھی تکلیف ہوتی ہے؟"

"ہاں تھوڑی سی۔"

اس نے پھر سر کو جنبش دی "ہم آج تمھیں ڈسچارج کرنے جا رہے ہیں۔"

پروشکا کا ہر عضو ناچ اٹھا۔ اس کی سیاہ بھنویں اوپر کو اٹھ گئیں جیسے چھت و چھونا چاہتی ہوں۔

"کیا؟ تمھارا مطلب ہے کہ آپریشن نہیں ہوگا؟"

اس نے اپنے سر کو نفی میں ہلایا اور اس کی طرف دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی۔

انھوں نے اس کے مرض کی جانچ پر ایک ہفتہ صرف کیا تھا۔ چار مرتبہ وہ اسے ایکس رے کے کمرے میں لے گئے تھے۔ انھوں نے اسے بٹھایا تھا، لٹایا تھا، کھڑا کیا تھا۔ وہ اسے سفید کوٹوں میں ملبوس معمر آدمیوں کے پاس لے گئے تھے اور آخر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب ہوگی لیکن اب یکایک وہ اسے کھلا چھوڑ رہے ہیں اور آپریشن کے بغیر ہی۔

"تو میں صحت یاب ہوں۔ کیوں نا؟"

"مکمل طور پر نہیں۔"

"یہ گولیاں اچھی ہیں۔ کیوں نا؟" اس کی سیاہ آنکھیں تشکّر اور تعجب سے چمک رہی تھیں۔ اسے یہ محسوس کر کے خوشی ہو رہی تھی کہ یہ دیکھ کر کہ اس کی بیماری اتنی جلدی ختم ہو گئی ہے، یوجینیا استی نودونا بھی خوش تھی۔

"تم یہ گولیاں کیمسٹ کی دکان سے خرید سکتے ہو لیکن میں تمھارے لیے ایک اور چیز بھی تجویز کروں گی جو تم لے سکتے ہو......" پھر نرس کی طرف مڑ کر اس نے کہا "اسکرو بک ایلمڑ۔"

میریا نے کسی قدر تمکنت سے اپنے سر کو جنبش دی اور اپنی کتاب میں اندراج کر لیا۔

"تمھیں صرف احتیاط برتنی پڑے گی" یوجینیا استی نودونا نے پروشکا کے ذہن نشیں کراتے ہوئے کہا "تمھیں جلدی جلدی نہیں چلنا چاہیئے، بھاری وزن نہیں اٹھانا چاہیئے اور جب جھکو تو احتیاط کے ساتھ۔"

پروشکا نے قہقہہ لگایا۔ اسے خوشی تھی کہ دنیا میں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جنھیں وہ بھی نہیں سمجھتی۔

"میں بوجھ اٹھانے سے کیسے بچ سکتا ہوں؟ میں ٹریکٹر ڈرائیور ہوں۔"

"فی الحال تم کام نہیں کر سکو گے۔"

"کیوں؟ کیا مجھے بیماری کی چھٹی مل جائے گی؟"

"نہیں، ہم تمھیں سرٹیفکیٹ دے دیں گے کہ تم کام کرنے کے قابل نہیں ہو۔"

"کام کے ناقابل؟" پروشکا کی نظروں سے قریب قریب وحشت برسنے لگی

"کام کے ناقابل ہونے کا سرٹیفکیٹ جائے جہنم میں۔ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ کیا میں اس کے سہارے جی سکتا ہوں؟ میں نوجوان ہوں، کام کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے اپنا صحت مند اور کھردری انگلیوں والا ہاتھ آگے پھیلا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کام کی بھیک مانگ رہا ہے۔

لیکن یوجینیا اسٹی نووناقائل نہیں ہوئی۔

"نصف گھنٹے کے اندر اندر نیچے سرجری کے مرہم پٹی کے کمرے میں چلے جاؤ۔ وہ تمھارا سرٹیفکیٹ تیار کر دیں گے اور میں تمھیں سب سمجھا دوں گی۔"

وہ کمرے سے چلی گئی اور دبلی پتلی لیکن راست قامت میریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔

فوراً ہی متعدد مریضوں نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا۔ پروشکا نے اپنے کام کے ناقابل ہونے کے سرٹیفکیٹ کے بارے میں پوچھا۔ یہ کس مقصد کے لیے تھا؟ پروشکا چاہتا تھا کہ اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں بات چیت کرے لیکن وہ فیڈیرا کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر بجلی گر پڑی ہو۔ ایک ایسی گردن تھی جو نرم تھی، سفید تھی، اس پر کوئی نشان نہیں تھا اور تکلیف بھی نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی اس پر آپریشن!

پوڈوایو نے پلنگ پر پہلو بدلا۔ اس نے اپنی ٹانگوں کو سمیٹے رکھا اور اپنے بازوؤں اور جسم کو جنبش دی۔ اس طرح مڑتے وقت وہ ایسا لگا جیسے اس کے ٹانگیں ہوں ہی نہیں۔ وہ غصے سے چلایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "ملوکانہ کھانا فریڈریچ، احمق نہ بننا، ایک بار انھوں نے چیر پھاڑ شروع کر دی تو مرتے دم تک

یہی کریں گے۔ میرے ساتھ بھی انھوں نے یہی کیا ہے۔"

لیکن احمد جان کی رائے مختلف تھی "آپریشن ضروری ہی ہوگا فیڈیرا۔ اگر کوئی سبب نہ ہوتا تو وہ یہ کیوں کہتے؟"

"جب تکلیف ہوتی ہی نہیں تو آپریشن کیوں ضروری ہے؟" ڈیوما نے حقارت سے کہا۔

"تمھیں کیا ہوا ہے بھائی۔" کوسٹوگلوٹوو گرجا "ایک تندرست گردن پر آپریشن! کیا یہ پاگل پن نہیں؟"

وارڈ میں شور وغل اور چیخ پکار پھیلتی گئی تو روسانوو نے اپنا چہرہ سکیڑ لیا بہر حال اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کوئی سرزنش نہیں کرے گا۔ کل جو اسے انجکشن لگا تھا اس کے بعد اس کی طبیعت کا اضحلال کافی دور ہو گیا تھا کیونکہ اس انجکشن کو اس نے کسی خاص مشکل کے بغیر برداشت کر لیا تھا۔ لیکن ساری گزشتہ رات اور آج صبح بھی اپنی گردن کی رسولی کے باعث اسے اپنے سر کو حرکت دینا پہلے ہی کی طرح مشکل رہا اور آج تو وہ اور بھی زار و نزار تھا کیونکہ سر نیچے جاتا ہی نہیں تھا۔

بہر حال ڈاکٹر گنگارٹ اسے دیکھنے آئی تھی۔ اس نے اس سے تفصیلاً پوچھا تھا کہ کل، رات کے دوران اور آج اس کی کیا حالت رہی؟ اس نے اس کی بیماری کے ہر پہلو پر بات کی تھی۔ اس نے پوچھا تھا کہ وہ کتنی کمزوری محسوس کرتا ہے اور بتایا تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ رسولی پہلے ہی انجکشن کے بعد گھٹنی شروع ہو جائے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بالکل نارمل تھا کہ رسولی میں کوئی فرق نہ پڑے۔ اس طرح کسی نہ کسی حد تک روسانوو کی تسلی ہو گئی تھی۔ اس نے گنگارٹ کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ بے وقوف ہے (صرف اس کا خاندانی نام کچھ شکوک پیدا کرتا تھا) آخر اس کلینک کے ڈاکٹر بالکل ہی تو بے وقوف نہیں۔ انھیں کچھ تجربہ تو ہوگا ہی۔ آدمی کو صرف یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ان سے کام کس طرح لیا جائے۔

لیکن اس کا ذہن زیادہ دیر تک آسودہ نہ رہا۔ ڈاکٹر چلی گئی لیکن رسولی اس کے جبڑے کے نیچے پہلے ہی کی طرح ابھری رہی اور جبڑے پر بوجھ سا ڈالتی رہی۔ مریض بے تکا فخر کرتے رہے اور پھر یہ بات بھی تھی کہ ایک آدمی کی ایسی گردن پر آپریشن کیا جا رہا تھا جو بالکل تندرست تھی۔ روسانووو کی لوندا نما رسولی اتنی بڑی تھی پھر بھی وہ اس کا آپریشن نہیں کر رہے تھے اور نہ ایسا کرنے کا ان کا کوئی ارادہ ہی تھا معاملہ اتنا خراب تو نہیں ہو سکتا۔

پرسوں جب وہ وارڈ میں داخل ہوا تھا تو پول نکولائیے وچ کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی ان لوگوں کے ساتھ یک جہتی محسوس کرنے لگے گا لیکن ان سب کی گردنیں ہی تو تھیں جو داؤ پر لگی ہوئی تھیں۔ ان تینوں کی گردنیں داؤ پر تھیں۔

فریڈریچ نیڈیرا بہت مضطرب تھا۔ وہ ان کے مشورے سنتا رہا اور مضطربانہ طور پر مسکراتا رہا۔ وہ سب کے سب جو اسے بتا رہے تھے کہ کیا کرنا چاہئیے پورے طور پر پر اعتماد تھے۔ صرف وہی تھا جسے اپنے بارے میں کچھ شبہ تھا (بالکل اسی طرح جس طرح وہ خود شبہوں میں مبتلا ہو جاتے تھے، جب ان کا مسئلہ زیرِ غور آتا تھا)۔ آپریشن خطرناک تھا لیکن آپریشن نہ کرانا بھی خطرناک ہو سکتا تھا۔ گزشتہ بار جب وہ یہاں تھا تو وہ کافی کچھ دیکھ چکا تھا اور اس نے کچھ تحقیقات بھی کی تھی۔ اس وقت انھوں نے اس کے نچلے ہونٹ کا ریڈیائی لہروں کے ذریعے علاج کیا تھا، بالکل اسی طرح جیسا اب وہ اگن بر ڈیو کے سلسلے میں کر رہے تھے۔ اس کے بعد اس کے ہونٹ کا کھرنڈ سوج کر خشک ہو گیا تھا اور گر پڑا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی گردن کے غدود کا آپریشن کیوں کر رہے ہیں۔ وہ کینسر کے مزید پھیلاؤ کو روکنا چاہتے تھے۔

لیکن معاملہ اتنا صاف نہیں تھا۔ انھوں نے بڈھے والیہ کا دوبار آپریشن کیا، اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کینسر کا پھیلنے کا ارادہ ہی نہ

۸۔ اگر وہ ختم ہی ہو چکی ہو تو؟

چاہے کچھ بھی ہو وہ اپنی بیوی سے مشورہ ضرور کرے گا اور پھر خاص طور پر اپنی بیٹی ہنریٹا سے جو گھر میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھی اور جس کی بات فیصلہ کن ہوتی تھی۔ لیکن وہ تو یہاں پلنگ پر لیٹا ہوا ہے اور کلینک سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ خطوں کے جواب کا انتظار کرے۔ دنبجر زمین کے جس کنارے پر وہ رہتا تھا وہاں کے قریب ترین سٹیشن پر ڈاک اب بھی ہفتے میں صرف دو بار پہنچتی تھی اور وہ بھی اس صورت میں اگر سڑک ٹھیک ہو) ہسپتال سے چھٹی لے کر گھر جانا بہت مشکل کام تھا۔ اتنا مشکل کہ نہ تو ڈاکٹروں کو اسکا احساس تھا اور نہ مریضوں کو جو اسے مشورے دے رہے تھے۔ ایسا کرنے کیلئے اسے قصبے کے کمانڈار سے اپنے سفر کے پاسپورٹ پر آخری مہر لگوانا پڑے گی۔ اس پاسپورٹ کو حاصل کرنے میں اسے کافی مشکل پیش آئی تھی۔ اب اگر وہ جانا چاہے تو اسے عارضی رجسٹر پر سے اپنا نام کٹوانا پڑے گا۔ پہلے اسے چھوٹے ریلوے سٹیشن تک سفر کرنا پڑے گا اور وہاں جا کر اپنا فر کوٹ اور نمدے چڑھے جوتے پہننے پڑیں گے جو کچھ مہربان اجنبیوں نے جو اسے مل گئے تھے، اس کے لیے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ وہاں کا موسم یہاں جیسا نہیں تھا یہاں اب بھی بلا کی سردی ہے اور یخ کر دینے والی ہوائیں چلتی ہیں۔ اس کے بعد اسے اپنے مشترکہ فارم کے ٹرک پر سٹیشن تک، ہچکولے کھاتے ہوئے جانا پڑے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے لاری کے اندر جگہ ملنے کی بجائے اس کے پیچھے بیٹھنا پڑے اور گھر پہنچنے کے بعد اسے پھر ضلع کے کمانڈار کو لکھنا پڑے گا اور علاقے کو چھوڑنے کی اجازت لینے کے لیے دو تین یا چار ہفتے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ اجازت ملنے کے بعد اسے ملازمت سے چھٹی لینا پڑے گی اور یہ وہ وقت ہوگا جب برف پگھلنا شروع ہو چکی ہوگی۔ سڑکوں پر دلدل ہو گی اور آمدورفت بہت ہی دشوار ہو جائے گی۔ پھر چھوٹے سٹیشن پر ہر ۲۴ گھنٹے کے بعد دو گاڑیاں صرف ایک ایک منٹ کے لیے رکتی تھیں۔ اسے ٹرین پر جگہ حاصل کرنے کے لیے ایک کارانمنڈنٹ

سے دوسرے کار اٹینڈنٹ تک دیوانہ وار بھاگنا پڑے گا اور پھر یہاں آکر اسے مقامی کمانڈار کے پاس جاکر عارضی رجسٹر میں پھر اپنا نام درج کرانا پڑے گا اور کلینک میں جگہ کے لیے اپنی باری کا کئی دن تک انتظار کرنا پڑے گا۔

اس اثنا میں وہ پروشنکا کے بارے میں بات چیت کرتے رہے۔ جو کچھ ابھی ابھی ہوا تھا اس کے بعد تو ہمارت میں کون یقین کر سکتا تھا؟ اس کا پلنگ تو منحوس کہلاتا تھا۔ انھوں نے اسے مبارکباد دی اور مشورہ دیا کہ کام کے ناقابل ہونے کا جو سرٹیفکیٹ اسے دیا جا رہا ہے، وہ اسے لے لے۔

"وہ یہ دے رہے ہیں تو لے لو۔ وہ دے رہے ہیں تو ضروری ہی ہوگا۔ اب وہ دے رہے ہیں پھر شاید واپس لے لیں۔" لیکن پروشنکا احتجاج کرتا رہا کہ وہ کام کرنا چاہتا ہے۔ "اچھا احمق! تمھارے لیے کام کی کمی نہیں ہوگی۔ زندگی بہت طویل ہے۔"

پروشنکا اپنے سرٹیفکیٹ لینے چلا گیا۔ وارڈ میں سکون چھانے لگا۔ یفریم نے پھر اپنی کتاب کھول لی لیکن وہ سطریں پڑھ ضرور رہا تھا، ان کا مطلب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اسے جلد ہی اس کا احساس ہوگیا۔

جو کچھ وہ پڑھ رہا تھا وہ اسے سمجھ میں اس لیے نہیں آرہا تھا کہ وارڈ میں اور باہر عالم گردش میں جو کچھ ہو رہا تھا اس نے اسے مضطرب اور پریشان کر دیا تھا۔ کچھ سمجھنے کے لیے اسے یہ بات ذہن نشیں کرنا ضروری تھی کہ اب کچھ کرنا اس کے لیے ممکن نہیں رہا۔ وہ نہ صورتِ حال کو بدل سکتا ہے اور نہ کسی شخص کو قائل کر سکتا ہے۔ اس کے صرف چند دن ہی باقی رہ گئے ہیں جن میں وہ اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سوچ سکتا ہے۔

جب یہ بات اس کے ذہن نشیں ہو جائے گی، کتاب اپنا مفہوم اس پر اسی وقت منکشف کرے گی۔ کتاب کے حروف معمول کے مطابق سفید کاغذ پر سیاہ روشنائی ہی میں چھپے تھے لیکن پڑھنے کے لیے صرف خواندہ ہونا کافی نہیں تھا۔

پروشکا سیڑھیوں پر چلا آرہا تھا اور اس نے خوشی خوشی اپنا سرٹیفکیٹ تھام رکھا تھا۔ اوپر کی سیڑھی پر وہ کوسٹوگلوٹوو سے ملا اور اسے سرٹیفکیٹ دکھایا۔ "دیکھو! کتنی ساری مہریں لگی ہیں۔" اس نے کہا۔

ایک سرٹیفکیٹ ریلوے سٹیشن کے لیے تھا جس میں لکھا تھا کہ فلاں شخص کو ٹکٹ دے دیا جائے کیونکہ اس کا آپریشن ہوا ہے (اگر آپریشن کا ذکر نہ ہوتا تو مریضوں کو اسٹیشن پر عام کیو میں کھڑا ہونا پڑتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دو یا تین دن تک جا نہ پاتے) دوسرا سرٹیفکیٹ اس کے مقام رہائش کے محکمۂ صحت کی اطلاع کے لیے تھا جس پر لاطینی زبان میں لکھا تھا۔

TUMOR CORDIS - CASUS INOPERABILIS

"میں سمجھ نہیں پا رہا۔" پروشکا نے اس پر اپنی انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ کیا کہتا ہے؟"

"ذرا سوچنے دو۔" کوسٹوگلوٹوو نے اپنی آنکھیں بھینچ لیں۔ "اسے ہٹالو۔ اس کے بغیر میں بہتر سوچ سکتا ہوں۔"

پروشکا نے اپنے قیمتی سرٹیفکیٹ سمیٹ لیے اور اپنا سامان باندھنے لگا۔

کوسٹوگلوٹوو سیڑھیوں کے کٹہرے پر جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر سے بالوں کا ایک گچھا لٹک کر جھولنے لگا۔

اس نے لاطینی زبان باقاعدہ نہیں پڑھی تھی۔ کوئی اور غیر ملکی زبان بھی باقاعدہ نہیں پڑھی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ جغرافیہ کے ماسوا اس نے کوئی بھی مضمون باقاعدہ نہیں پڑھا تھا اور جغرافیہ بھی اسی حد تک جس حد تک سارجنٹوں کو فوجی نقشہ سازی کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اگرچہ عام تعلیم پر حقارت کا اظہار کرنے کا کوئی موقع اس نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا، اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں کو اس نے ہمیشہ کھلا رکھا تھا اور معمولی سے معمولی چیز بھی جو اس کے ذہن میں وسعت پیدا کر سکے اس نے اپنی گرفت میں لے لی تھی۔ ۱۹۳۸ء میں اس نے ایک برس طبعی جغرافیہ پڑھا تھا اور ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان کچھ مدت

تک علم پیمائشِ ارض کا درس لیا تھا۔ درس کی ان دونوں مدتوں کے درمیان جنگ آئی اور وہ فوج میں بھرتی ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے حالات سائنسی علوم کے درس کے لیے کچھ زیادہ سازگار نہیں ہوتے۔ لیکن کوسٹوگلوٹوو نے اپنے دادا کے اس قول کو ہمیشہ یاد رکھا؛ احمق کو درس دینے سے اور ایک عقلمند کو درس لینے سے محبت ہوتی ہے؛ جو برس اس نے فوج میں گزارے ان میں بھی اس نے مفید معلومات حاصل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اور اپنے کانوں کو ہر عاقلانہ بات چیت کے لیے کھلا رکھا۔ خواہ کوئی دوسری رجمنٹ کا افسر بول رہا ہو اور خواہ کوئی اس کی اپنی پلاٹن کا سپاہی۔ وہ ہر بات پر دھیان ضرور دیتا۔ لیکن بات چیت وہ سنتا اس طرح کہ اس کے وقار کو کوئی دھکا نہ لگے۔ وہ ہر بات سنتا پوری مستعدی کے ساتھ لیکن ظاہر ہمیشہ یہی کرتا کہ وہ یونہی سن رہا ہے اور اس کا کوئی خاص مقصد نہیں۔ جب وہ کسی کو پہلی بار ملتا تو آگے بڑھنے کی مطلق کوشش نہ کرتا اور نہ کوئی پوز ہی بناتا۔ پہلے وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ اس کا نیا دوست کون ہے، کس پس منظر سے آیا ہے، دنیا کے کس گوشے کا رہنے والا ہے اور کس قسم کا آدمی ہے؟ اس طرح وہ بہت کچھ سنتا اور بہت کچھ معلوم کرلیتا۔ لیکن جس جگہ اسے جی بھر کر معلومات ملیں وہ بیوٹرکی جیل تھی جس کی کوٹھڑیاں جنگ کے بعد اتنی بھر گئیں تھیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ہر شام چند قیدی لیکچر دیتے جن میں کچھ فلسفے کے ڈاکٹر تھے اور کچھ اور موضوعات کے ماہر مثلاً ایٹمی طبعیات، مغربی فنِ تعمیر، علمِ توالد و تناسل، شاعری یا شہد کی مکھیاں پالنا۔ اور یہ تمام لیکچر کوسٹوگلوٹوو پوری مستعدی سے سنتا۔ کراسنیا پریسنیا جیل کی کوٹھریوں میں سونے کے تختوں پر، جیل کی گاڑیوں کے کھردرے تختوں پر اور جہاں جہاں یہ گاڑیاں رکتیں وہاں فرش پر چوتڑوں کے بل بیٹھ کر یا کیمپ میں مارچ کرتے وقت، جہاں کہیں بھی وہ ہوتا، اپنے دادا کے مقولے پر ضرور عمل کرتا اور وہ تمام معلومات حاصل کرنے میں مصروف رہتا جو درس گاہوں میں حاصل کرنے کا اسے موقع نہیں ملا تھا۔

کیمپ میں بھی وہ اس آدمی سے مسلسل جرح کرتا رہا جو ریکارڈ رکھنے پر مامور تھا۔ یہ ایک ڈھلتی عمر کا شرمیلا سا پست قامت شخص تھا۔ کیمپ کے ہسپتال کے شعبے میں وہ محرر کا کام کرتا تھا لیکن اس سے اور کام بھی لے لیے جاتے تھے، جیسے گرم پانی لانا۔ پتہ چلا کہ وہ لینن گراڈ یونیورسٹی میں کلاسیکی لسانیات اور قدیم ادب کا پروفیسر تھا۔ کوسٹوگلوٹوو کو سوجھا کہ اس سے لاطینی زبان سیکھی جائے۔ اس کے لیے انھیں باہر جا کر یخ کر دینے والے موسم میں کیمپ میں اوپر تلے چلنا پڑتا تھا، کسی پنسل یا کاغذ کے بغیر۔ ریکارڈ کیپر کبھی کبھی اپنا دستانہ اتار کر اپنی انگلی سے برف پر کچھ لکھ دیتا۔ درس دینے میں اس کا کوئی ذاتی مفاد نہیں تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ کچھ دیر کے لیے اسے محسوس ہونے لگتا کہ وہ بھی ایک انسان ہے۔ کوسٹوگلوٹوو کے پاس اسے دینے کے لیے تھا بھی کیا؟ لیکن اس شغل کی قیمت دونوں ہی کو ادا کرنی پڑی۔ کیمپ کے چیف سیکورٹی افسر نے انھیں الگ الگ بلا کر باقاعدہ جرح کی۔ اسے شبہ تھا کہ یا تو وہ بھاگ نکلنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں یا برف پر اس علاقے کا نقشہ بنا رہے ہیں۔ لاطینی زبان کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی اور درس کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا۔)

لاطینی کے ان اسباق سے اُسے جو کچھ یاد تھا اور اس کتاب سے حاصل کردہ معلومات کی بنا پر جو زویا نے اسے دی تھی، کوسٹوگلوٹوو نے بہ آسانی اندازہ لگا لیا کہ پرودشکا کے سرٹیفکیٹ پر لاطینی میں جو حروف تحریر ہیں ان کا مطلب ہے "دل کا کینسر، ناقابل آپریشن۔"

نسخے میں اسکوربک ایسڈ تجویز کرنے کا مطلب یہ تھا کہ بیماری صرف ناقابل آپریشن ہی نہیں بلکہ لاعلاج بھی ہے۔

کوسٹوگلوٹوو اب بھی سیڑھیوں کے کٹہرے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ لاطینی کے ترجمے کے بارے میں نہیں بلکہ اپنے اصول کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس نے گزشتہ دن لڈمیلا افانسیونا کے سامنے پیش کیا تھا یعنی یہ کہ مریض کو اپنی بیماری کے بارے میں ہر چیز جاننے کا حق ہے۔

لیکن یہ ایک ایسا اصول تھا جو اس جیسے لوگوں کے لیے تھا جنھوں نے دنیا تھوڑی بہت دیکھی ہو۔

اور پروشکا ؟

پروشکا کے پاس لٹھانے کے لیے بمشکل ہی کچھ تھا۔ اس کا کچھ بھی تو نہیں تھا۔ سبگاتوو، ڈیوما اور احمد جان اسے چھوڑنے گئے۔ یہ کام ان تینوں نے بڑی احتیاط سے کیا۔ ایک نے اس کی پیٹھ کو سہارا دیا اور ایک نے اس کی ایک ٹانگ کو اور تیسرا اس چھوٹی سی بیساکھی کو سنبھالے رہا جس کا وہ سہارا لے رہا تھا۔ لیکن پروشکا خوشی خوشی چل رہا تھا اور اس کے سفید دانت چمک رہے تھے۔

کوسٹوگلوٹوو کو کیمپ کی بات یاد آگئی، جب کبھی کبھار وہ کسی ایسے قیدی کو الوداع کہتے تھے جسے رہائی مل گئی ہو۔

وہ اسے کس منہ سے بتاتا کہ جیسے ہی وہ کیمپ کے دروازے کے باہر قدم رکھے گا، اسے پھر گرفتار کر لیا جائے گا۔

"تو پھر سرٹیفکیٹ کیا کہتا ہے؟" پروشکا نے اس کے قریب سے گزرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں کوئی تشویش نہیں تھی۔

"خدا جانے۔" یہ کہتے ہوئے کوسٹوگلوٹوو کے چہرے پر بل پڑ گئے اور اس کے ساتھ ہی اس کے زخم کے نشان پر بھی۔ "ڈاکٹر ان دنوں بہت چالاک ہو گئے ہیں۔ اس طرح لکھتے ہیں کہ کوئی ایک لفظ بھی نہ پڑھ سکے۔"

"خدا تم سب کو صحت دے۔ دوستو! تم سب صحت یاب ہو جاؤ اور اپنے گھر بیویوں کے پاس جاؤ۔" پروشکا نے ان سب سے ہاتھ ملایا۔ سیڑھیاں اتر کر درمیان میں وہ ایک بار اور مڑا اور ان سب کی طرف خوش خوش ہاتھ ہلایا۔

وہ سیڑھیاں بڑے ہی اعتماد سے اتر رہا تھا۔

موت کی طرف۔

۱۰۔ نچّے

اس نے صرف اتنا کیا تھا کہ ڈیوما کی رسولی کے گرد اپنی انگلیاں پھیری تھیں اور اپنے کاندھوں کو ذرا سی جنبش دی تھی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئی تھی لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھی ایک بدشگونی کی بات ہو گئی تھی۔ ڈیوما نے اسے محسوس کر لیا اور اس کی امید کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

اس نے یہ فوراً ہی محسوس نہیں کیا۔ پہلے وارڈ میں کافی باتیں ہوتی رہیں۔ ہر شخص پروشکا کو الوداع کہہ رہا تھا، پھر وہ یہ منصوبہ بنانے لگا کہ کھڑکی کے قریب پروشکا والے پلنگ پر جو اب خوش قسمتی کی علامت بن گیا تھا، کیسے پہنچے۔ وہاں پڑھنے کے لیے روشنی بہتر تھی اور یہ پلنگ کوسٹوگلوٹوو کے پلنگ کے بھی نزدیک تھا اور اس کے ساتھ باتیں کرنے میں آسانی تھی۔ لیکن یکایک ایک نیا شخص اندر آیا۔

وہ ایک نوجوان شخص تھا، کسا ہوا، صاف ستھرے پُرخم بالوں والا۔ غالباً بیس سال سے کچھ اوپر۔ چھ کتابیں اس نے اپنے بائیں بازو کے نیچے دبا رکھی تھیں اور تین دائیں بازو کے نیچے۔

دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے ہر شخص کو ہیلو کہا۔ ڈیوما کو وہ پسند آیا۔ وہ بڑا ہی مخلص نظر آتا تھا، تصنع اس میں نام کو نہیں تھا۔

"میں کہاں جاؤں؟" ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے کہا لیکن پتہ نہیں کیوں پلنگوں کی بجائے وہ دیواروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم پڑھا کرو گے؟" ڈیوما نے پوچھا۔

"ہمہ وقت۔"

ڈیوما نے ایک منٹ کے لیے سوچا۔

"پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت یا صرف تفریح کے لیے؟"

"پیشہ ورانہ ضرورت کے تحت"

"تو وہاں کھڑکی کے قریب والا پلنگ سنبھال لو۔ ٹھیک ہے نا! وہ ایک منٹ میں بستر لگا دے گا۔ تمھاری کتابیں کس موضوع پر ہیں؟"

"جیالوجی پر دوست!"

ڈیوما نے ایک کتاب کا عنوان پڑھا — معدنیات کی ارضیاتی کھوج۔

"تو پھر کھڑکی کے پاس والا پلنگ سنبھال لو۔ تمھیں کیا ہوا ہے؟"

"میری ٹانگ خراب ہے۔"

"میری بھی ٹانگ ہی خراب ہے۔"

نو وارد اپنی ایک ٹانگ کو حرکت دیتے وقت کافی احتیاط برت رہا تھا۔ لیکن اس کا پورا جسم اتنا تن درست اور توانا تھا جیسے وہ برف پر سکیٹنگ کا ماہر ہو۔

اس کے لیے بستر لگا دیا گیا اور جیسے وہ صرف اسی مقصد کے لیے ہسپتال میں آیا ہو، فوراً ہی اس نے اپنی پانچ کتابیں کھڑکی میں رکھ دیں اور چھٹی کے مطالعے میں ڈوب گیا۔ وہ کوئی ایک گھنٹے تک پڑھتا رہا۔ نہ کسی سے کوئی سوال پوچھا نہ کسی کو کچھ بتایا۔ اس کے بعد اسے ڈاکٹری معائنے کے لیے بلا لیا گیا۔

ڈیوما نے بھی کچھ پڑھنے کی کوشش کی۔ پہلے اس نے فن حجم پیمائی کی کتاب اٹھائی۔ اس نے پنسلوں سے کچھ ماڈل بنانے کی کوشش کی لیکن ہندسی شکلیں اس کے دماغ میں نہ سما سکیں۔ مڑتی ہوئی سیدھی لکیریں اور کھردرے کناروں والے نقشے اسے بار بار ایک ہی بات یاد دلاتے رہے۔

اس نے ایک اور کتاب اٹھائی جو نسبتہً آسان تھی۔ کسی شخص مسمی کوزھینکو کی تصنیف "آب حیات" جسے اسٹالن پرائز مل چکا تھا۔ مصنف کا پورا نام

اے۔ کوزمیو نکو وتھا۔ لیکن ایس۔ کوزمیونکو وادروی۔ کوزمیونکو و نام کے مصنف بھی تھے۔ ڈیوما اس تصور سے کچھ ڈر سا گیا کہ لکھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے۔ گزشتہ صدی میں کوئی دس کے قریب مصنف تھے۔ سب کے سب عظیم لیکن اس صدی میں ہزاروں مصنف تھے۔ انکے نام کا ایک حرف بدل دیجیئے، نئے مصنف کا پتہ چل جاتا تھا۔ کوئی سافرونوو تھا، اور کوئی سافونوو سافونوو بظاہر ایک سے زیادہ تھے لیکن سافرونوو ایک ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ان سب کی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تھا، لیکن اگر کوئی ایک کتاب پڑھی جائے تو بعد میں محسوس ہوتا تھا کہ اگر نہ بھی پڑھا جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ بالکل گمنام مصنف سامنے آتے، اسٹالن پرائز حاصل کرتے اور پھر قعر گمنامی میں جا پڑتے۔ تقریباً ہر کتاب خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اپنی اشاعت کے ایک سال بعد انعام حاصل کر لیتی تھی۔ ہر برس چالیس یا پچاس مصنف انعام مار لیتے تھے۔

کتابوں کے نام ڈیوما کے ذہن میں گڈمڈ ہوتے رہے۔ دو فلموں کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا تھا "عظیم زندگی" اور "عظیم خاندان" ایک بہت ہی صحت مند قرار دی گئی تھی اور دوسری بہت ہی خطرناک۔ لیکن ڈیوما کو یہ یاد نہیں رہا تھا کہ کونسی فلم کیا تھی؟ بالخصوص اس لیے کہ اس نے کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہی تصورات کے بارے میں تھا۔ ان کے بارے میں جتنا پڑھا جاتا وہ اتنے ہی زیادہ پراگندہ نظر آتے۔ یہ بات ابھی ابھی اس کے ذہن میں آئی تھی کہ معروضی تجزیہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز زندگی میں جیسی ہے اسے ویسا ہی دیکھا جائے لیکن پھر اس نے پڑھا کہ ایک خاتون ناول نگار پانووا کو اس لیے سرزنش کی جا رہی ہے کہ "وہ معروضیت کی دلدل میں پھنس رہی ہے۔"

بہرحال اسے ان سب باتوں سے گزرنا تھا، انھیں سمجھنا تھا، یاد رکھنا تھا؛

ڈیوما "آب حیات" پڑھ رہا تھا تو یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ کتاب ہی بکواس ہے یا اسے اپنی ذہنی کیفیت کے باعث ایسا لگتا ہے۔

تھکن اور یاس اس پر زیادہ سے زیادہ غلبہ پاتی گئی۔ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ کسی سے بات کرکے دل کا بوجھ ہلکا کرے، کسی سے شکایت ہی کرے یا کسی سے دل کھول کر

باتیں کرے جو اُس کے ساتھ تھوڑی بہت ہمدردی ہی ظاہر کرے۔

اس نے کہیں پڑھا بھی تھا اور سنا بھی تھا کہ ہمدردی یا ترس ایک ایسا جذبہ ہے جس سے وقار کو ٹھیس لگتی ہے، خواہ تم کسی پر ترس کھاؤ خواہ تم پر کوئی ترس کھائے۔ لیکن پھر بھی وہ چاہتا تھا کہ کوئی اس سے ہمدردی کرے، اس پر ترس کھائے کیونکہ زندگی بھر نہ تو کسی نے اس سے ہمدردی کی تھی اور نہ اس پر ترس ہی کھایا تھا۔

یہاں وارڈ میں لوگوں سے باتیں کرنا اور ان کی باتیں سننا کافی دلچسپ مشغلہ تھا لیکن جنسی باتیں وہ اب کرنا چاہتا تھا ان سے کر نہیں سکتا تھا۔ مردوں میں مردوں ہی کی طرح بات کرنی پڑتی ہے۔

کلینک میں عورتیں بھی کافی تعداد میں تھیں لیکن ڈیوما یہ ہمت نہ کر سکا کہ ان کے بڑے اور پر شور وارڈ کی دہلیز پار کر جائے۔ اگر وہ سب صحت مند عورتیں ہوتیں تو یہ بات کچھ تفریح کا باعث ہو سکتی تھی کہ پاس سے گزرتے وقت اندر جھانک لیا جائے، اس امید میں کہ شاید کوئی دلچسپ چیز نظر آ جائے۔ لیکن بیمار عورتوں کے اتنے بڑے جھتے کو دیکھ کر ڈیوما نے بہتر یہی سمجھا کہ جو کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہے، اس سے دور ہی رہے۔ ان کی بیماری ایک امتناعی پردہ تھا اور یہ پردہ لاج سے کہیں زیادہ دبیز تھا۔ چند عورتیں جو اسے سیڑھیوں پر یا ہال کے راستوں میں نظر آئیں وہ اتنی افسردہ اور مضمحل تھیں کہ انھوں نے اپنی ڈریسنگ گون کو اپنے گرد سمیٹنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ ان کی چھاتیوں کے گرد اور ان کے کولھوں کے نیچے، ان کا شباط طباس بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ جب کبھی ایسا ہوتا تو اسے کوئی خوشی نہیں بلکہ تکلیف ہی محسوس ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ جب کبھی انھیں دیکھتا اپنی نظریں جھکا لیتا۔ یہاں دوستی پیدا کرنا آسان نہیں تھا۔

چچی سٹیوفا نے اس پر کچھ التفات ظاہر کیا۔ اس سے سوال پوچھنے لگی، کچھ مروت برتنے لگی۔ وہ ماں ہی نہیں، دادی بن چکی تھی۔ تمام دادیوں کی طرح اس

چھریاں تھیں اور انسانی کمزوریوں پر وہ ہمدردی سے مسکرا سکتی تھی۔ ڈیوما اور چپی سٹیوفا زینے کی بالائی سیڑھی کے قریب گھنٹوں کھڑے رہتے اور بات چیت کرتے رہتے۔ آج تک کسی نے ڈیوما کی بات اتنی توجہ اور اتنی ہمدردی سے نہیں سنی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا جتنا قرب ڈیوما کو حاصل ہے اتنا اور کسی کو کبھی نہیں رہا۔ اور جہاں تک ڈیوما کا تعلق ہے، وہ اسے اپنے بارے میں اور اپنی ماں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں بآسانی بتا دیتا تھا جو اس نے آج تک کسی کو بھی نہیں بتائی تھیں۔

ڈیوما دو برس کا تھا جب اس کا باپ لڑائی میں مارا گیا۔ اس کے بعد اسے اپنے سوتیلے باپ سے سابقہ پڑا۔ وہ شفیق نہ سہی لیکن منصف مزاج ضرور تھا اور اس کے ساتھ گزر ممکن تھی۔ اس کی ماں فاحشہ بن گئی۔ فاحشہ کا لفظ اس نے سٹیوفا کے سامنے کبھی استعمال نہیں کیا تھا لیکن خود اسے اس کا بہت پہلے سے یقین تھا۔ ڈیوما کے سوتیلے باپ نے اس کی ماں کو چھوڑ دیا اور اس معاملے میں وہ حق بجانب بھی تھا۔ اس کے بعد اس کی ماں مردوں کو گھر لاتی رہی جو ایک ہی کمرے پر مشتمل تھا۔ وہ ہمیشہ شراب پیتے۔ ڈیوما کو بھی شراب پلانے کی کوشش کرتے لیکن اس نے کبھی پی نہیں۔ مرد اس کی ماں کے ساتھ رہتے۔ کوئی آدھی رات تک کوئی صبح تک۔ کمرے میں کوئی اوٹ کھڑی نہیں کی گئی تھی اور روشنی چونکہ گلی کے لیمپ سے آتی تھی اس لیئے وہاں اندھیرا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ جو کچھ وہ دیکھتا تھا اس سے ڈیوما کے دل میں اتنی نفرت پیدا ہوئی کہ اس چیز کے تصور سے بھی جو اس کے دوستوں کے لیے ہیجان خیز تھی، اسے کراہت ہوتی تھی۔

جب تک ڈیوما پانچویں اور چھٹے درجے میں رہا، یہی ہوتا رہا لیکن جب وہ ساتویں درجے میں پہنچا تو ڈیوما سکول کے بوڑھے دربان کے پاس رہنے لگا۔ دو وقت کا کھانا اسے سکول سے مل جاتا تھا۔ اس کی ماں نے اسے واپس لینے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ وہ خوش ہی تھی کہ اس سے نجات مل گئی۔

ڈیوما جب بھی اپنی ماں کا ذکر کرتا اسے غصہ آجاتا۔ وہ اس کے بارے میں سکون سے بات کر ہی نہیں سکتا تھا۔ چپی سٹیوفا اس کی بات سنتی، اپنے سر کو جنبش دیتی اور جب

وہ اپنی بات سنا چکتا تو عجیب ڈھنگ سے کہتی "دنیا ہر قسم کے لوگوں سے مل کر بنتی ہے ہم سب اسی دنیا میں آئے ہیں۔"

گزشتہ برس ڈیوما مکانات تعمیر کرنے والی ایک فیکٹری میں چلا گیا۔ وہاں ایک شبانہ سکول تھا اور انھوں نے اسے ہوسٹل میں جگہ دے دی۔ وہ ایک خراد آپریٹر کے ساتھ نوسکھیے کے طور پر کام کرنے لگا۔ بعد میں انھوں نے اسے دوم درجے کا آپریٹر بنا دیا۔ یہ کام اسے کچھ زیادہ پسند نہیں تھا لیکن وہ چونکہ اپنی بدکیش ماں سے کچھ مختلف بننا چاہتا تھا اس لیے نہ تو اس نے شراب پی اور نہ کبھی غل غپاڑے ہی سے اسے رغبت ہوئی۔ اس کی بجائے وہ مطالعے میں مصروف رہا۔ آٹھویں درجے میں وہ اچھا رہا اور نواں درجہ بھی اس نے نصف پورا کر لیا۔

اس کے علاوہ صرف فٹ بال تھی۔ کبھی کبھی وہ لڑکوں کے ساتھ فٹ بال کھیل لیا کرتا لیکن اس چھوٹی سی مسرت کی بھی قسمت نے اسے کڑی سزا دی۔ فٹ بال کے لیے چھینا جھپٹی کے دوران کسی نے اتفاقیہ طور پر اس کی پنڈلی پر بوٹ سے ٹھوکر مار دی اس وقت ڈیوما نے اس کا کوئی خاص خیال نہیں کیا، وہ تھوڑا سا لنگڑایا اور تکلیف دور ہو گئی۔ لیکن موسم خزاں آیا تو اس کی ٹانگ زیادہ سے زیادہ دُکھنے لگی۔ ڈاکٹر کے پاس وہ کئی دن بعد گیا۔ پٹی باندھی گئی لیکن ٹانگ اور خراب ہو گئی۔ اس کے بعد عام طور پر جیسا کہ ہوتا ہے، کئی مرحلے آئے اور کئی رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ پہلے اسے صوبائی ہسپتال میں بھیجا گیا اور پھر یہاں۔

"ایسا کیوں ہے؟" ڈیوما چچی ستیوفا سے پوچھتا۔ "خود قسمت اتنی بڑی بے انصافی کیوں کرتی ہے؟ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے لیے زندگی شروع سے آخر تک پھولوں کی سیج بنی رہتی ہے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی میں بھٹکنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کی زندگی کیسی ہے؟ اس کا انحصار خود اسی پر ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ اس پر کچھ بھی تو منحصر نہیں۔"

"اس کا انحصار خدا پر ہے۔" چچی ستیوفا نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "خدا

سب کچھ دیکھتا ہے۔ ڈیوموشا ہمیں صرف اتنا چاہیئے کہ خدا کے سامنے سر جھکا دیں۔"

"خیر! اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو اور بھی بُرا ہے۔ اگر خدا سب کچھ دیکھتا ہے تو ساری مصیبتیں ایک ہی پر کیوں لاد دیتا ہے؟۔ میرے خیال میں اسے چاہیئے یہ کہ انھیں تھوڑا بہت تقسیم کردے۔۔۔"

لیکن اس بارے میں دو رائیں نہیں تھیں، اسے سر جھکا دینا چاہیئے۔ اس کے سوا وہ اب اور کر بھی کیا سکتا تھا؟

چچی ستیوفا اسی نواح کی رہنے والی تھی۔ اس کی بیٹیاں، بیٹے اور بہوئیں اکثر اُسے ملنے آتیں اور اس کے لیے کھانے کی چیزیں لاتیں۔ ان چیزوں میں وہ اپنے پڑوسیوں اور وارڈ والوں کو شریک کرلیتی۔ وہ ڈیوما کو اس کے وارڈ کے باہر بلاتی اور ایک انڈا یا پیسٹی اس کے ہاتھ میں رکھ دیتی۔

ڈیوما کی بھوک کبھی نہیں مٹتی تھی اسے زندگی میں پیٹ بھر کھانے کو کبھی نہیں ملا تھا۔ کھانے کے بارے میں مسلسل سوچتے رہنے کے باعث اسے بھوک اتنی محسوس ہوتی تھی جتنی درحقیقت ہوتی نہیں تھی۔ پھر بھی چچی ستیوفا سے اتنی چیزیں لیتے وقت اسے گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اگر وہ انڈا لے لیتا تو پیسٹی لینے سے انکار کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔

"لے لو، لے لو۔" وہ اسے اس کی طرف بڑھا بڑھا کر کہتی "اس میں گوشت ہے۔ ابھی یہ ہفتہ جس میں گوشت ملتا ہے، ختم نہیں ہوا۔ تم کھا سکتے ہو۔"

"کیوں؟ کیا اس کے بعد میں نہیں کھا سکتا؟"

"بالکل نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے؟"

"ہفتۂ گوشت کے بعد کیا آتا ہے؟"

"ایامِ استغفار۔ اور کیا؟"

"یہ اور بھی اچھا ہے۔ چچی ستیوفا! ایامِ استغفار تو اور بھی بہتر ہیں۔"

"کئی اعتبار سے بہتر ہیں، اور کئی اعتبار سے بُرے۔ لیکن گوشت نہیں ملتا۔"

"پھر تو ایام استغفار کبھی ختم نہیں ہوتے ہوں گے۔ کیوں نا؟"

"تمہارا کیا مطلب ہے، کبھی ختم نہیں ہوتے ہوں گے؟! وہ تو ایک ہفتے میں چلے جاتے ہیں۔"

"تو اس کے بعد ہم کیا کرتے ہیں؟" ڈیوما نے گھر کی بنی ہوئی لذیذ پیسٹی نگلتے ہوئے خوشی خوشی کہا۔ ایسی لذیذ پیسٹی اس کے گھر میں کبھی نہیں بنی تھی۔

"خدا بچائے۔ کیا ان دنوں عیسائیت کو سبھی بھول گئے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں؟ ارے اس کے بعد عظیم روزہ آتا ہے"

"لیکن کیوں؟ عظیم روزہ کس لیے؟ روزہ کیوں اور عظیم روزہ کیوں؟"

"اس لیے ڈیوموشا! کہ اگر تم پیٹ کو خوب بھر لو تو یہ تمہیں نیچے زمین کی طرف کھینچے گا۔ یہ ٹھیک نہیں کہ تم اس طرح ہمہ وقت پیٹ کو بھرتے رہو۔ کبھی کبھی ناغہ بھی ہونا چاہیئے۔"

"ناغہ کیا ہوتا ہے؟" ڈیوما سمجھنے سے قاصر تھا۔ اسے تو ناغہ ہوتے رہنے ہی سے سابقہ رہا تھا۔

"ناغوں سے ذہن صاف ہوتا ہے۔ معدہ خالی ہو تو تازگی محسوس ہوتی ہے۔ کیا تم نے کبھی محسوس نہیں کیا؟"

"نہیں چچی ستیوفا! ایسا کبھی محسوس نہیں ہوا۔"

جب سے ڈیوما پہلے درجے میں گیا تھا، اس سے کہیں پہلے جب اسے لکھنا اور پڑھنا آیا، ڈیوما کو یہ سکھایا گیا تھا، اور یہ اچھی طرح اسے ذہن نشین بھی تھا کہ مذہب ایک افیون ہے۔ یہ ایک انتہائی رجعت پسندانہ عقیدہ ہے جس سے صرف عیاروں اور دھوکا بازوں ہی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ اسی عقیدے کے باعث تھا کہ کچھ جگہوں کے محنت کش عوام ناجائز استحصال سے نجات حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ جیسے ہی وہ مذہب سے نجات حاصل کریں گے، ہتھیار سنبھال لیں گے اور آزادی حاصل کرلیں گے۔ ظاہر ہے کہ چچی ستیوفا جس کے ہونٹوں پہ ہمیشہ خدا کا نام رہتا تھا اور

جس کے ہونٹوں پر اس بھیانک کلینک میں بھی مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی اور جو اسے پیٹی بھی دیتی رہتی تھی، بالکل ہی رجعت پسند تھی۔

اس کے باوجود سنیچر کے دن لنچ کے بعد جب ڈاکٹر جا چکے تھے اور ہر مریض اپنے خیال میں مگن تھا، مطلع ابر آلود ہونے کے باعث سیڑھیوں اور غلام گردش میں بتیاں روشن کر دی گئی تھیں، جس کی وجہ سے وارڈوں میں بھی کچھ روشنی تھی، ڈیوما لنگڑاتا ہوا ہر جگہ کسی اور شخص کو نہیں بلکہ رجعت پسند چچی سٹیوفا کو تلاش کر رہا تھا جسکے پاس اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں تھا کہ سر جھکا دیا جائے۔

اسے ڈر تھا کہ وہ اسے الگ کر دیں گے، کاٹ دیں گے، اسے ان کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑے گا۔

وہ سر جھکا دے یا نہ جھکائے؟ سر جھکا دے یا نہ جھکائے۔۔۔؟

اسے جو اذیت ناک وہ محسوس ہو رہا تھا اس کے پیش نظر تو سر جھکانا نسبتہً کہیں آسان تھا۔

چچی سٹیوفا جہاں جہاں بالعموم ہوتی تھی وہاں نہیں تھی۔ لہٰذا وہ نیچے کی غلام گردش میں چلا گیا جو چھوٹے سے ہال میں جسے کلینک کا "سرخ گوشہ"[1] کہا جاتا تھا، جا نکلتی تھی۔ (نچلی منزل میں ڈیوٹی دینے والی نرس کا میز اور دوائیوں کی الماری بھی یہیں تھی) یکایک اسے ایک لڑکی نظر آئی جو قریب قریب بچی ہی تھی۔ اس نے وہی بھورے رنگ کی بوسیدہ ڈریس گون پہن رکھی تھی لیکن وہ ایک فلم اسٹار لگتی تھی۔ اس کے بال اتنے سنہری تھے کہ کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں، نرم، نازک اور سرسراتے ہوئے۔

ڈیوما نے پہلی بار اسے گزشتہ روز دیکھا تھا اور اس کے بالوں کو دیکھ کر جو کچھ لوں

---

[1] بیشتر سوویٹ اداروں میں سرخ گوشہ ضرور ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے کمرے کو کہتے ہیں جہاں کمیونسٹ لٹریچر اور میگزین رکھے ہوتے ہیں۔

کی طرح زردی مائل سنہری تھے۔ وہ اپنی آنکھیں جھپکنے لگا تھا۔ وہ اتنی حسین نظر آتی تھی کہ اسے پوری طرح دیکھنے کی اُسے ہمت نہ تھی ۔ اس نے اپنی آنکھیں پھیر لی تھیں۔ اور آگے نکل گیا تھا۔ اگرچہ سارے کلینک میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو عمر میں اس کی طرح جوان ہو (اس لڑکے سرہان کے سوا جس کی ٹانگ کاٹی گئی تھی) لیکن وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی لڑکیاں اس کی پہنچ سے باہر ہیں۔

آج صبح اس نے ایک بار اسے پھر دیکھا، پیچھے سے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے مخاطب ہونے کا حوصلہ کبھی نہیں کر سکے گا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی زبان منجمد ہو جائے گی اور کوئی بڑی ہی احمقانہ اور ناقابل فہم بات۔ اس کی زبان سے نکل جائے گی۔ یہ کوشش کرتے ہوئے کہ وہ لنگڑائے نہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے اس کے قدم ہموار ہی اٹھیں۔ وہ سرخ گوشے کی طرف بڑھ گیا اور مقامی پراودا کے انبار کی ورق گردانی کرنے لگا۔ چیزیں باندھنے اور اپنی دوسری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے مریض اس کے صفحے لے جاتے رہے تھے، اس لیے اخبار کی ضخامت کافی کم ہو گئی تھی۔

نصف میز جس پر سرخ کپڑا بچھا ہوا تھا، اسٹالن کے دھڑ کے تانبے کے مجسمے نے گھیر رکھا تھا۔ اس کا سر اور اس کے شانے اسٹالن کے اصلی سر اور شانوں کے مقابلے میں کافی بڑے تھے۔ مقابل میں میز کے کنارے پر ایک اردلی کھڑی تھی۔ وہ بھی مضبوط تن و توش کی تھی اور اس کا منہ کافی بڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسٹالن کا جوڑ ہے۔ یہ سنیچر کا دن تھا اور اسے یہ امید نہیں تھی کہ بھیڑ ہو گی۔ لہذا اس نے میز پر اپنے آگے ایک اخبار پھیلا رکھا تھا اور اس پر سورج مکھی کے بیج پھیلا رکھے تھے۔ وہ بیجوں کو چھیلنے میں مگن تھی اور ان کے چھلکے بے تکلفی سے اخبار پر پھینکتی جا رہی تھی۔ وہ غالباً تھوڑی ہی دیر کے لیے وہاں آئی تھی، لیکن اس تھوڑے سے وقت میں بھی سورج مکھی کے بیجوں کو بھول جانا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔

دیوار پر لگے لاؤڈ اسپیکر سے نغمات رقص کی پر شور آواز آ رہی تھی۔ ایک چھوٹے سے میز پر دو مریض بیٹھے ڈرانٹ کھیل رہے تھے۔

وہ لڑکی جسے ڈیوما کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا، دیوار کے پاس کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ کچھ ہنس کر رہی تھی۔ اپنے ڈریسنگ گاؤن کے گلے کو پکڑے، سیدھی بیٹھ کیے صرف بیٹھی تھی ــــ عورتیں خود سی لیں تو اور بات ہے۔ ورنہ ان گاؤنوں کے بٹن نہیں ہوتے۔

لڑکی وہاں بیٹھی تھی۔ نازک، سنہری بالوں والی پری جسے چھوا نہیں جا سکتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ ابھی ابھی وہ پگھل کر تحلیل ہو جائے گی۔ اگر کسی چیز کے سلسلے میں خواہ اس کی بیمار ٹانگ کے بارے ہی میں سہی، اس سے بات کی جا سکے تو کتنا اچھا ہو۔

ڈیوما کو اپنے پر غصّہ آ رہا تھا۔ وہ اخبار کے صفحے الٹتا رہا۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ جب اس نے اپنے بال ترشوائے تھے تو حجّام سے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کی پیشانی پر بالوں کا ایک گچھا رہنے دے۔ وہ چونکہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے اسے اپنا سارا سر مونڈنے دیا اور اب اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بالکل ہی گاؤدی نظر آتا ہے۔

تب یکایک پری بولی: "تم اتنے شرمیلے کیوں ہو؟ تم ادھر دن میں دو بار آئے ہو لیکن مجھ سے مخاطب نہیں ہوئے۔"

ڈیوما اچھل پڑا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اور کس سے ہم کلام ہو سکتی تھی۔ ہاں یہ وہی تھا جس سے وہ ہمکلام تھی۔ اس کے سر پہ بالوں کا گچھا کھِلونوں کے گچھے کی طرح لرز رہا تھا۔

"معاملہ کیا ہے؟ کیا تم ان لوگوں میں ہو جو سہمے سہمے رہتے ہیں۔ جاؤ کرسی لے آؤ اور ہم ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کریں۔"

"میں سہما ہوا نہیں ہوں۔" ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز اس کی آواز میں رکاوٹ پیدا کر رہی ہے۔ اس کی آواز میں معمول کی طرح گونج نہیں تھی۔

"تو جاؤ کرسی لے آؤ اور میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ۔"

ڈیوما نے کرسی اٹھالی اور خصوصی احتیاط برتتے ہوئے کہ وہ لنگڑائے نہیں، اسے ایک ہاتھ میں پکڑ کر لے آیا اور دیوار کے قریب اس کے ساتھ رکھ دی۔

اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "ڈیوما۔"

"آسیہ!" اس نے اپنا نرم ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور پھر کھینچ لیا۔
وہ بیٹھ گیا۔ اسے بڑا ہی عجیب لگ رہا تھا۔ ایک دوسرے کے پاس وہ اس طرح بیٹھے تھے، جیسے دولہا دلہن۔ وہ اسے صحیح طور پر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور اپنی کرسی کو اٹھا کر نسبتہً بہتر زاویے سے رکھ لیا۔

"کیا وجہ ہے کہ تم یہاں اس طرح بیٹھی ہو، اور کچھ بھی نہیں کر رہیں؟" ڈیوما نے دریافت کیا۔

"میں کچھ کروں کیوں؟ اور پھر کچھ تو میں کر ہی رہی ہوں۔"

"تم کیا کر رہی ہو؟"

"میں نغمہ سن رہی ہوں اور دل ہی دل میں ناچ رہی ہوں۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے؟"

"دل ہی دل میں؟"

"تو پھر یا نو سے سہی۔"

ڈیوما نے دانت کھینچ لیے جس کا مطلب تھا، نہیں۔

"میں نے بھانپ لیا تھا کہ تم ناتجربہ کار ہو اور ہم رقص کی کچھ مشق کر سکتے ہیں" آسیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر کہا۔ "لیکن یہاں جگہ ہی کہاں ہے جہاں رقص کیا جائے۔ پھر یہ رقص ہے بھی کیا؟ لہٰذا میں صرف سنتی رہتی ہوں۔ خاموشی سب مجھے کھلتی ہے۔"

"اچھا رقص کون سا ہوتا ہے؟" ڈیوما گفتگو کا لطف لے رہا تھا "ٹانگو؟"

آسیہ نے آہ بھری "ٹانگو! یہ رقص تو ہماری دادی مائیں کرتی تھیں۔ آج کی چیز راک این رول ہے۔ یہ رقص ابھی یہاں نہیں ہوتا لیکن ماسکو میں ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہاں بھی یہ رقص ابھی پیشہ ور ہی کرتے ہیں۔"

سچ یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی، وہ سب ڈیوما کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

یہ کیا کم تھا کہ وہ اس سے بات کر رہا تھا اور اس نے اسے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ سیدھے اس کی طرف دیکھ سکے، اس کی آنکھیں عجیب تھیں، کچھ سبزی مائل پھر بھی بلا کی خوبصورت!

"یہ رقص ایک حقیقی رقص ہے۔" آسیہ نے اپنی انگلیاں بجائیں۔ "میں تمہارے سامنے اس کا مظاہرہ البتہ نہیں کر سکتی۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ تو پھر تم اپنا وقت کس طرح گزارتے ہو؟ کیا گیت گا کر؟"

"نہیں میں گا نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں؟ خاموشی کھلنے لگتی ہے تو ہمیشہ ہم گاتے ہی ہیں۔ تو تم کرتے کیا ہو؟ کیا ارگن بجاتے ہو؟"

"نہیں" ڈیوما نے کہا۔ وہ شرم میں ڈوب رہا تھا۔ وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی تو نہیں تھا وہ یہ کیسے کہہ دے کہ اسے تو سماجی مسائل کی لگن ہے۔

آسیہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کیا عجیب قسم کا شخص ہے۔ اس نے خیال کیا۔

"تو کیا تمہیں کسرت اور ورزش سے دلچسپی ہے؟ ویسے پانچ قسم کی عام ورزشوں میں تو میں بھی کچھ بری نہیں ہوں۔ میں ایک سو چالیس سنٹی میٹر دوڑ سکتی ہوں، پستول چلا سکتی ہوں، تیر سکتی ہوں۔"

"نہیں ورزش اور کسرت میں بھی مجھے کوئی خاص دخل نہیں" ڈیوما کو یہ تلخ احساس ہوا کہ وہ اسے بالکل ہی بے مقصد سمجھ رہی ہو گی۔ بعض لوگ زندگی کو کتنی آسانی سے باسلیقہ بنا لیتے ہیں۔ وہ یہ کبھی نہیں کر سکے گا۔ اس نے کچھ دن فٹ بال کھیلا تھا....!

اور وہ اسے کہاں گھسیٹ لے گئی!

"تم کم سے کم سگریٹ تو پیتے ہی ہو گے اور شراب؟" آسیہ نے پوچھا۔ اس کی آس ابھی پوری طرح ٹوٹی نہیں تھی۔ "یا صرف بیئر؟"

"بیر...!" ڈیومانے آہ بھری۔ (اس نے بیر زندگی میں کبھی چکھی بھی نہیں تھی لیکن مکمل بے عزتی وہ کس طرح برداشت کرتا۔)

"اوہ!" آسیہ کراہی جیسے کسی نے اسے گھونسا مار دیا ہو۔ "تم بھی اپنی ممی کے خوب ہی دلارے ہو۔ کھیل کا شوق ہی نہیں۔ سکول میں بھی تم ہی جیسے ہیں۔ گزشتہ ستمبر میں انھوں نے ہمیں لڑکوں کے سکول میں بھیج دیا[1] لیکن ہیڈ ماسٹر نے صرف چند کتابی کیڑوں اور اساتذہ کے پالتوؤں اور مظلوم قسم کے لڑکوں ہی کو وہاں رکھا۔ جتنے بھی عمدہ لڑکے تھے وہ لڑکیوں کے سکول میں بھیج دیئے گئے۔"

وہ اسے ذلیل کرنا نہیں چاہتی تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسے اس سے ہمدردی تھی۔ اس کے باوجود اسے اس بات سے تکلیف ضرور پہنچ رہی تھی کہ وہ اسے از قسم مظلومین سمجھتی ہے۔

"تم کس درجے میں ہو؟" ڈیومانے پوچھا۔

"دسویں میں!"

"تمھیں اس طرح بال بنانے کی اجازت کون دیتا ہے؟"

"اجازت کون دیتا ہے؟ ارے کبھی وہ ہم سے جھگڑا کرتے ہیں، ہم ان سے۔"

وہ بڑی صاف گوئی سے کام لے رہی تھی، لیکن وہ اسے کتنا ہی پریشان کرے کتنا ہی زچ کرے، اہم بات تو یہ تھی کہ وہ اس سے ہمکلام تھی۔

نغمۂ رقص ختم ہوگیا اور اناؤنسر نے شرمناک معاہدات پیرس کے خلاف عوام کی جنگ کا ذکر چھیڑ دیا۔ یہ معاہدات فرانس کے لیے خطرناک تھے کیونکہ ان کے باعث وہ جرمنی کے رحم وکرم پر تھا اور جرمنی کے لیے ناقابل برداشت تھے کیونکہ ان کے باعث وہ فرانس کے رحم وکرم پر تھا۔

"تو تم کرتے کیا ہو؟" آسیہ کا تجسس جاری تھا۔

---

[1] ستمبر ۱۹۵۴ء میں روس میں مخلوط تعلیم پھر سے رائج کی گئی۔

"میں خرادیہ ہوں۔" ڈیوما نے سرسری طور پر لیکن وقار سے کہا۔

لیکن آسیہ اس سے بھی متاثر نہیں ہوئی۔ "تم کماتے کیا ہو؟"

ڈیوما کو اپنی تنخواہ پر بڑا ناز تھا۔ یہ اس کی اپنی آمدنی تھی اور اس نے پہلی بار کمایا تھا، پھر بھی وہ یہ بتانے سے ہچکچا رہا تھا کہ اس کی تنخواہ کتنی ہے۔

"ارے کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے مجبور ہو کر کہا۔

"یہ بالکل وقت ضائع کرنا ہے۔" آسیہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اگر تم کھلاڑی بن جاؤ تو اس کے مقابلے میں بہت اچھے رہو۔ کھیلوں کے لیے جو کچھ چاہیے وہ تم میں ہے۔"

"لیکن انہیں سیکھنا بھی تو ضروری ہوتا ہے۔"

"کیا سیکھنا ضروری ہوتا ہے؟ کوئی بھی کھلاڑی بن سکتا ہے۔ صرف مشق کرنا پڑتی ہے اور اس کے فائدے بہت ہیں۔ مفت میں سفر ہوتا ہے، کھانے کے تیس روبل یومیہ ملتے ہیں اور ہوٹل مفت۔ پھر اس پر بونس۔ ان جگہوں کا تصور تو کرو جو کھلاڑی بن کر دیکھی جا سکتی ہیں۔"

"تم کہاں کہاں گئی ہو؟"

"میں لینن گراڈ گئی ہوں اور وورونیز ......"

"کیا لینن گراڈ تمھیں پسند آیا؟"

"یقین جانو وہاں ہر طرف دکانیں ہی دکانیں ہیں۔ ہر چیز کے لیے الگ دکان ہے۔ موزوں کے لیے الگ اور دستی بیگوں کے لیے الگ ...."

ڈیوما ان چیزوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور اس پر رشک کر رہا تھا شاید یہ سچ تھا۔ جن چیزوں کے بارے میں یہ چھوٹی سی لڑکی اتنی آزادی سے باتیں کر رہی تھی وہ شاید زندگی میں اچھی ہی تھیں اور وہ سب باتیں جن پر وہ بھروسہ کیے ہوئے تھا، دقیانوسی اور تنگ نظرانہ تھیں۔

اردلی اب بھی میز کے پاس بت کی طرح کھڑی تھی۔ وہ سورج مکھی کے بیجوں

کو جھیل رہی تھی، لیکن کچھ اس طرح کہ سر کو جھکاتی تک نہیں تھی۔

" تم ایک کھلاڑی ہو، پھر یہاں کیسے ؟"

وہ براہ راست یہ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا کہ اس کے جسم کے کس حصے میں تکلیف ہے؟ اس قسم کا سوال پریشانی کا موجب ہوتا۔

" میں یہاں تین دن کے لیے آئی ہوں معائنے کے لیے۔" آسیہ نے اپنا ہاتھ ہلا کر کہا۔ اس کے ڈریسنگ گون کا کالر رہ رہ کر کھل جاتا تھا۔ اُسے اسے پکڑ کر رکھنا پڑتا تھا یا ایک ہاتھ سے سنبھال کر رکھنا پڑتا تھا۔ " یہاں اس قسم کی احمقانہ گون پہنا دی جاتی ہے، اسے پہن کر مجھے شرم آتی ہے۔ یہاں ایک ہفتہ رہے تو آدمی پاگل ہو جائے اور تمھیں انھوں نے یہاں کیوں پکڑ رکھا ہے ؟"

" مجھے ؟" ڈیوما نے اپنے دانت بھینچ لیے۔ وہ اسے اپنی ٹانگ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ بات وہ مناسب ڈھنگ سے کہنا چاہتا تھا۔ آسیہ کے فوری حملے کے باعث وہ اپنا توازن کھو بیٹھا اور اس کے منہ سے نکل گیا ——

" میری ٹانگ۔"

اس وقت تک " میری ٹانگ " کے الفاظ اس کے لیے ایک گمبھیر اور تلخ مفہوم کے حامل رہے تھے۔ آسیہ کے لاابالی پن کے باعث اب وہ یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ الفاظ اتنے گمبھیر اور تلخ مفہوم کے حامل غالباً نہیں تھے۔ اپنی ٹانگ کا ذکر اس نے اسی طرح کیا جس طرح اپنی تنخواہ کا کیا تھا، قدرے گھبراہٹ کے ساتھ۔

" وہ اس کے بارے میں کہتے کیا ہیں ؟"

" بات دراصل یہ ہے کہ وہ بتاتے کچھ نہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ... اُسے کاٹ دیا جائے۔"

یہ الفاظ کہتے وقت اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس نے آسیہ کے روشن چہرے کی طرف دیکھا۔

"حماقت!" آسیہ نے اس کی پیٹھ کو تھپکایا، جیسے وہ اس کی کوئی پرانی دوست ہو "تمھاری ٹانگ کاٹنا چاہتے ہیں؟ وہ ضرور پاگل ہوں گے۔ بات صرف اتنی ہے کہ وہ علاج کرنا نہیں چاہتے۔ انھیں اپنی ٹانگ نہ کاٹنے دینا۔ ٹانگ کے بغیر جینے سے بہتر ہے کہ آدمی مر جائے۔ اپاہج کی بھی کیا زندگی ہوتی ہے، سوچو تو سہی۔ زندگی تو مسرت کے لیے ہوتی ہے۔"

ہاں۔ بلاشبہ۔ اس مرتبہ بھی وہ سچ ہی کہہ رہی تھی۔ بھلا وہ زندگی بھی کیا جو بیساکھیوں پر بسر ہو۔ یہاں وہ اب اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ بیساکھیاں ہوتیں تو انھیں کہاں رکھتا۔ اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کا ٹھنٹھ کہاں رکھتا۔ وہ تو اپنے لیے کرسی بھی خود نہ لا سکتا، اسی کو لانی پڑتی۔ نہیں ٹانگوں کے بغیر زندگی کسی بھی کام کی نہیں۔

زندگی مسرت کے لیے ہے

"تم یہاں کب سے ہو؟"

"کب سے؟" ڈیوما نے دل ہی دل میں سوچا۔ "تین ہفتے سے۔"

"کتنا بھیانک ہے۔" آسیہ نے اپنے کندھوں کو جھٹکا دیا۔ "یہ تو وبالِ جان ہے نہ ریڈیو نہ ارگن، اور پھر اس وارڈ میں بات چیت کیسی ہوتی ہوگی اس کا تصور بھی میں کر سکتی ہوں۔"

ایک بار پھر ڈیوما اپنے آپ کو یہ اعتراف کرنے پر آمادہ نہ کر سکا کہ یہ سارے دن اس نے کتب بینی اور مطالعے میں صرف کیے ہیں۔ اس کی ساری اقدار آسیہ کے نقطوں کی یورش کے سامنے لرز رہی تھیں جیسے ان کی بنیادیں کمزور ہوں، جیسے اس نے انھیں یونہی اہمیت دے رکھی ہو۔

وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسا، حالانکہ سچ یہ ہے کہ اس کا دل نہیں ہنس رہا تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "مثال کے طور پر ہم اس مسئلے پر بات چیت کر رہے تھے کہ آدمی جیتا کس چیز کے سہارے ہے؟"

"کیا مطلب ہے؟"

" یہی کہ وہ کیوں جیتے ہیں۔ کچھ اس قسم کی بات۔"

" ارے۔" آسیہ کے پاس ہر سوال کا جواب تھا "دو سکول میں ہمیں اس پر مضمون لکھنا تھا: 'آدمی جیتا کس چیز کے سہارے ہے' انھوں نے ہمیں کپاس اگانے والوں گوالنوں اور خانہ جنگی کے سورماؤں کے بارے میں بہت سا مواد دیا۔ 'پول کورچاگن کی بہادری کے بارے میں تمھارا کیا رویہ ہے؟ ماٹو سوو کی جرأت مندی کے بارے میں تمھارا کیا رویہ ہے؟"

" تمھارا رویہ کیا ہے؟"

" ہمارا رویہ؟ کیا ہمیں وہی کرنا چاہیے جو ان سورماؤں نے کیا۔ استادوں کا خیال یہی تھا کہ ہمیں ایسا ہی کرنا چاہیے لہٰذا ہم سب نے لکھ دیا کہ ہم بھی ایسا ہی کریں گے۔ امتحانات سے پہلے مصیبت کیوں مول لی جائے؛ لیکن ساشکا گردمود نے کہا: 'کیا یہ سب کچھ مجھے لکھنا پڑے گا؟ کیا میں وہ نہیں لکھ سکتا جو واقعی سوچتا ہوں؟' ہماری استاد نے کہا 'میں بتاتی ہوں کہ تم واقعی کیا سوچتے ہو؟ تمھیں اتنے خراب نمبر ملیں گے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کاش تم وہاں ہوتے۔ ایک لڑکی نے لکھا تھا 'ابھی مجھے معلوم نہیں کہ میں اپنے ملک سے محبت بھی کرتی ہوں یا نہیں؟' ہماری استاد بطخ کی طرح آنکھیں جھپکنے لگی 'کتنی خوفناک بات ہے؟ تم اتنی ہمت کیسے کر سکتی ہو کہ اپنے ملک سے محبت نہ کرو؟' غالباً محبت مجھے ہے لیکن میں جانتی نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے اپنے طور پر معلوم کروں۔' 'معلوم کیا کرنا ہے؟ اپنے ملک کی محبت میں تو تمھیں اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ ہی سرشار ہو جانا چاہیے دوسرا سبق شروع ہونے تک اسے پھر سے لکھو، ہم اسے مینڈک کہا کرتے تھے۔ وہ

لہ کورچاگن' نکولائی اوستروسکی کے ناول " فولاد کیسے نرم ہوا" کا ایک کردار ہے۔ ماٹو سوو دوسری عالمی جنگ کا ایک ہیرو تھا جس نے اپنے آپ کو ایک جاپانی مشین گن پر پھینک دیا تھا۔

جماعت میں آتی تو کبھی نہیں مسکراتی تھی۔ وہ ایک بوڑھی کنواری تھی۔ اپنی نجی زندگی میں وہ کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی تھی اور اس کا بدلہ وہ ہم سے لے رہی تھی۔ سب سے زیادہ نفرت اسے خوبصورت لڑکیوں سے تھی۔"

آسیہ اپنے نقطۂ نظر سرسری انداز میں اچھال رہی تھی۔ اپنے خیال میں وہ خوب جانتی تھی کہ خوبصورت چہرے کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بیماری کے مراحل سے گزری ہی نہیں۔ نہ اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ درد کیا ہوتا ہے، تکلیف کیا ہوتی ہے اور بھوک اور نیند کیسے غائب ہو جاتی ہے۔ ابھی تو اس کے رخساروں کی تازگی اور ان کا رنگ بھی زائل نہیں ہوا تھا۔ صرف اتنا تھا کہ وہ کسی ورزش گاہ یا رقص گاہ سے نکل کر تین دن کے معائنے کے لیے ادھر آ نکلی تھی۔

"لیکن کچھ استاد اچھے بھی تو ہوتے ہیں۔ کیا نہیں؟" ڈیوما نے پوچھا۔ یہ سوال اس نے صرف اس لیے کیا تھا کہ کہیں وہ خاموش نہ ہو جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ بولتی ہی رہے، اور وہ وہاں بیٹھا اسے دیکھتا رہے۔

"نہیں۔ ایک بھی نہیں۔ وہ سب پھولے ہوئے مرغ ہوتے ہیں۔ بہر حال سکول .... سکول کی بات کرنا ہی کون چاہتا ہے۔"

اس کی پُرمسرت صحت مندی ڈیوما پر بھی طاری ہو گئی۔ وہ اس کی چہچہاہٹ کا شکر گزار تھا۔ اب وہ کھنچا کھنچا نہیں تھا اور آسودہ خاطری محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس سے بحث کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی ہر بات سے اتفاق کرے خواہ اس کے اپنے عقائد کچھ ہی ہوں۔ اپنی ٹانگ کے بارے میں بھی اب وہ کچھ سکون اور آسودہ خاطری محسوس کر رہا تھا، اگرچہ وہ اسے کچوکے لگا رہی تھی اور یاد دلا رہی تھی کہ اس نے اسے تکلیف پہنچائی ہے اور وہ اس کا بدلہ لے گی۔ وہ کاٹیں گے کہاں سے؟ پنڈلی کے بیچ میں سے؟ گھٹنے تک؟ یا نصف ران تک؟ اپنی ٹانگ کی بات سوچتے ہوئے یہ سوال اس کے لیے اہم ترین بنا رہا کہ آدمی جیتے کس چیز کے سہارے ہیں؟ چنانچہ اس نے پوچھا: "اب سنجیدگی سے بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے؟ لوگ جیتے کس چیز کے سہارے ہیں؟"

"ارے ہاں۔" اس چھوٹی سی لڑکی کو دو ایک باتیں معلوم تھیں۔ اس نے اپنی نسری مائل آنکھوں کو ڈیوما کی طرف گھمایا۔ اسے پورا یقین نہیں تھا کہ وہ سنجیدہ ہے یا اس سے مذاق کر رہا ہے۔

"کس چیز کے سہارے؟ تمھارا مطلب کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ محبت کے سہارے"

محبت کے سہارے؟ طالسطائی نے بھی یہی کہا تھا کہ محبت کے سہارے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا تھا؟ اب لڑکیوں کی استانی نے بھی ان سے یہی کہلوایا تھا کہ محبت کے سہارے۔ لیکن کس مفہوم میں؟ ڈیوما کی عادت تھی کہ وہ اپنے ذہن میں چیزوں کا صحیح صحیح مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ اپنے طور پر ان کے صحیح مفہوم تک رسائی کی کوشش کرتا تھا۔

"لیکن....." اس نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا (بات کافی سادہ تھی، لیکن اسے کہنے میں کچھ گھبراہٹ سی محسوس ہو رہی تھی) "بہرحال محبت ہی تو پوری زندگی نہیں۔ یہ تو صرف ہوجاتی ہے..... کبھی کبھی ایک خاص عمر سے اور ایک خاص عمر تک۔"

"کیسی عمر؟ کس عمر سے؟" آسیہ نے خفگی سے اس پر جرح شروع کی۔ جیسے اس نے اسے ناراض کر دیا ہو "ہماری عمر اس کے لیے بہترین ہے۔ اور کون سی عمر ہے؟ زندگی میں محبت کے سوا اور ہے ہی کیا؟"

اپنی چھوٹی چھوٹی بھنویں اوپر اٹھائے وہاں بیٹھی وہ بالکل مطمئن نظر آتی تھی، جیسے اسے مکمل یقین ہو۔ اعتراض کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ ڈیوما نے اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو صرف اس کی باتیں سننا چاہتا تھا، بحث کرنا نہیں۔

وہ اس کی طرف مڑی، آگے کو جھکی لیکن اس نے اپنا کوئی بازو آگے کو نہیں بڑھایا لیکن پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے بازو پھیلا رہی ہے، بہت آگے تک، دنیا کی تمام تباہ شدہ دیواروں سے بھی پرے۔

"یہ ہمیشہ کے لیے ہمارا ہے، یہ آج ہے۔ وہ اپنی زبان کتنی ہی چلاتے رہیں کہ یہ ہوگا یا وہ ہوگا۔ ان کی کوئی نہ سنو۔ یہ محبت ہے اور فقط محبت۔"

وہ اس کے ساتھ اتنی صاف گوئی برت رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے
باتوں ہی باتوں میں سیکڑوں راتیں گزار دی ہیں۔ اور اگر وہ اردلی سورج مکھی کے پھول
وہاں نہ چھیل رہی ہوتی، وہ نرس وہاں نہ ہوتی، وہ دوڈ رافٹ کھیلنے والے وہاں نہ
ہوتے، غلام گردشوں میں مریض چل پھر رہے نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ وہ اس کے
لیے تیار ہو جاتی کہ وہیں اسی وقت اس مختصر سے گوشے میں یہ بات اسے سمجھا دے کہ
آدمی کس چیز کے سہارے جیتے ہیں۔ ان کی عمریں بھی تو اس کے لیے انتہائی منزلیں تھیں۔

اس کی ٹانگ اسے مسلسل کچوکے لگاتی رہتی تھی، خواب میں بھی۔ ایک
سیکنڈ پہلے بھی اسے کچوکا لگا تھا لیکن اب وہ اسے بھول چکا تھا جیسے ٹانگ کا وجود
ہی نہ ہو۔ اس نے آسیہ کے ڈریسنگ گون کے کھلے کالر کی طرف دیکھا اور اس کے
ہونٹ ذرا سے کھل گئے۔ جو چیز اسے اتنی قابل نفرت نظر آتی تھی، جب اسے اس کی
ماں کیا کرتی تھی، وہ اب پہلی مرتبہ اسے بالکل ہی معصومانہ نظر آنے لگی، بالکل بے عیب
اور منزہ جس کا پلڑا دنیا کی ساری بدی کے مقابلے میں بھاری رہے اور جس پر ساری دنیا
کے سامنے کبھی کوئی ندامت نہ ہو۔

"تمھارا کیا معاملہ ہے؟" آسیہ نے ہمدردانہ طور پر نیم سرگوشی میں کہا لیکن اس
کی ہنسی پھوٹ پڑنا چاہتی تھی۔ "کیا کبھی تم نے....؟ ارے احمق کیا کبھی تم نے....؟"

ڈیوما کو اپنے کانوں میں، اپنے چہرے پر اور اپنی پیشانی پر گرم گرم چنگاریاں محسوس
ہونے لگیں جیسے اسے کسی نے چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔ بیس منٹ میں اس چھوٹی سی لڑکی
نے اسے پچھاڑ دیا تھا۔ اور ان سب باتوں سے جن سے وہ اتنے برس تک چمٹا رہا تھا،
اس کا ذہن صاف ہو گیا تھا۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا، جب اس نے اس سے پوچھا،
ایک ایسے بھکاری کی طرح جو رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔ "اور تمھارا کیا معاملہ ہے؟"

جس طرح اس کی ڈریسنگ گون کے نیچے اس کے شبانہ لباس، اس کی چھاتیوں
اور اس کی روح کے سوا اور کچھ نہیں تھا، اسی طرح اس کے لفظوں کے پیچھے بھی ایسی کوئی
بات نہیں تھی جسے وہ اس سے چھپانا چاہتی ہو۔ اسے کوئی وجہ نظر ہی نہیں آتی تھی کہ

کچھ چھپایا جائے۔

"ارے میں.... نویں درجے سے.... ہمارے آٹھویں درجے میں ایک لڑکی تھی جو حاملہ ہو گئی تھی۔ ایک لڑکی فلیٹ میں پکڑی گئی۔ وہ یہ پیسے کے لیے کرتی تھی کیا تم تصور کر سکتے ہو؟ اس کے پاس اپنی سیونگ بک تھی۔ اسے اس نے اپنی درسی کتاب میں چھوڑ دیا اور وہ استانی کے ہاتھ لگ گئی ___ جتنی جلدی شروع کرو اتنا ہی مزہ آتا ہے.... انتظار کیوں کیا جائے؟ یہ ابھی دور ہے۔"

۱۱۔ برچ کے درخت کا کینسر

ہر بات کے باوجود سنیچر کی شام کینسر وارڈ میں ہر شخص کے لیے ایک قسم کی غیر مرئی تسکین کا باعث بن کر آتی تھی، اگرچہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ مریضوں کو ہفتے کے آخری دن اپنی بیماری سے نجات نہیں مل جاتی تھی اور اپنی بیماری کے متعلق سوچنے سے تو ہرگز نہیں۔ لیکن انھیں ڈاکٹروں کے ساتھ گفتگو کرنے سے ضرور نجات مل جاتی تھی۔ بہت بڑی حد تک معالجے سے بھی اور غالباً یہی چیز تھی جو انسانی سرشت کے اس پہلو کی تسکین کرتی تھی جسے مستقل اور لازوال بچپنا کہا جاتا ہے۔

آسیہ سے گفتگو کے بعد ڈیوما کسی نہ کسی طرح سیڑھیاں چڑھ گیا، اگرچہ اس کی ٹانگ کی تکلیف اسے کچوکے لگا رہی تھی، شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی اور اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ بڑی ہی احتیاط سے قدم اٹھائے۔ وہ وارڈ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہاں معمول سے کچھ زیادہ چہل پہل تھی۔ وارڈ کے سبھی باسی وہاں تھے بیگا تو بھی اور نچلی منزل کے کچھ مہمان بھی تھے، نو وارد اور کئی ایسے جنھیں وہ پہلے سے جانتا تھا۔ مثلاً بوڑھا کوریائی نی جسے ابھی وارڈ سے باہر جانے کی اجازت ملی تھی (جب تک اس کی زبان میں ریڈیم کی سوئیاں رہیں انھوں نے اسے بڑی ہی احتیاط سے کمرے میں بند رکھا، جیسے قیمتی چیزوں کو بینک کے لاکر میں رکھا جاتا ہے) نئے لوگوں میں ایک روسی تھا، کافی شائستہ اور خوش وضع۔ وہ اپنے بالوں میں آگے سے کنگھی کرتا تھا، اور اس کے گلے میں کچھ خرابی تھی۔ وہ سرگوشی ہی میں بات کر سکتا تھا۔ اس وقت وہ ڈیوما کے پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا اور تقریباً نصف پلنگ اس نے گھیر رکھا تھا۔ ہر شخص اس کی باتیں سن رہا تھا۔ مرسالیموو اور اگن بردیو بھی جو روسی زبان مطلق

نہیں سمجھتے تھے۔

کوسٹوگلوٹوو تقریر کر رہا تھا۔ وہ اپنے بستر پر نہیں بلکہ کھڑکی میں بیٹھا تھا اور اس طرح اس لمحے کی اہمیت کو نمایاں کر رہا تھا (اگر کوئی ضابطہ پرست نرس ڈیوٹی پر ہوتی تو اسے وہاں بیٹھنے کی اجازت ہرگز نہ دیتی لیکن آج مرد نرس تُرگون انچارج تھا جسے مریض اپنے ہی میں سے ایک سمجھتے تھے۔ اس کا خیال تھا اور ٹھیک ہی تھا کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے میڈیکل سائنس کا تختہ ہی الٹ جائے۔) کوسٹوگلوٹوو نے اپنا ایک پانو جس پر موزہ چڑھا ہوا تھا، پلنگ پر رکھا ہوا تھا اور اپنی ایک ٹانگ کو گھٹنے کے قریب موڑ کر اس نے گٹار کی طرح اپنی پہلی ٹانگ کے گھٹنے پر رکھا ہوا تھا، وہ آہستہ آہستہ ہل رہا تھا اور اتنے زور اور جوش سے بول رہا تھا کہ سارا وارڈ اسے سن رہا تھا:

"ایک فلسفی تھا، ڈیکارٹس۔ اس کا کہنا تھا ہر بات پر شک کرو۔"

"لیکن اس قول کا ہمارے طرز زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔" روسانوو نے سرزنش کے انداز میں انگلی اٹھا کر اسے یاد دلایا۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔" کوسٹوگلوٹوو نے کہا۔ وہ روسانوو کے اعتراض پر بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ "میرا مطلب تو یہ ہے کہ ہمیں بالکل ہی خرگوش بن کے نہیں رہنا چاہیے۔ ہمیں ڈاکٹروں پر مکمل بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مثال کے طور پر میں یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔" اس نے کھڑکی میں سے ایک بڑی سی کتاب اٹھائی "ابریکوسوو اور سٹرُوکوو کی تشریح الامراض۔ یہ طب کی درسی کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رسولیوں کے پھیلنے اور انسان کے مرکزی اعصابی نظام کے درمیان جو تعلق ہے، اس کا اس وقت تک بہت ہی کم مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ تعلق بڑا ہی حیرت انگیز ہے۔ یہاں یہ صاف لفظوں میں لکھا ہے۔" اس نے صحیح جگہ ڈھونڈھ کر پڑھنا شروع کیا "ہم ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے لیکن کئی مریضوں کے معاملے میں ہوا ضرور ہے: خود ترغیبی سے صحت یابی۔ ذرا لفظوں پر دھیان دو، معالجے کے ذریعہ افاقہ نہیں بلکہ حقیقی صحت یابی۔ دیکھو تو سہی۔"

وارڈ میں ہر طرف جوش پھیل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صحت آفریں خود ترغیبی

کھلی کتاب سے اڑکر سنہری پروں والی تیتری کی طرح سب کی آنکھوں کے سامنے پھڑپھڑا رہی ہے۔ وہ سب اپنی پیشانیوں اور اپنے گالوں کو اس طرح اوپر کیے بیٹھے تھے جیسے اس اڑتی ہوئی تیتری کے صحت آفریں لمس کو محسوس ہی کرنے والے ہیں۔

کوسٹوگلوٹوو نے کتاب کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "خود ترغیبی" اپنی ٹانگ کو اسی گٹار کے سے پوز میں رکھے وہ اپنے ہاتھ ہوا میں لہرا رہا تھا اور انگلیوں سے دائرے بنا رہا تھا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ یکایک کسی ناقابل وضاحت سبب کے نتیجے میں رسولیاں اپنا سفر متضاد سمت میں شروع کر دیتی ہیں، وہ چھوٹی ہونے لگتی ہیں، تحلیل ہونے لگتی ہیں اور بالآخر معدوم ہو جاتی ہیں، دیکھو تو سہی۔"

وہ سب خاموش تھے۔ اس دیومالائی کہانی نے انھیں گم صم کر دیا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی کہ ایک رسولی جس نے ساری زندگی ، وہ تباہ کن رسولی جس نے ساری زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا یکایک تحلیل ہونے لگے، خشک ہونے لگے اور خود بخود معدوم ہو جائے۔

وہ سب خاموش تھے اور اپنے چہرے انھوں نے تیتری کے لمس کے لیے اوپر اٹھا رکھے تھے۔ صرف پاس زدہ پوڈوایو کا پلنگ کچھ چرمرایا۔ اپنے چہرے پر ایک ناامیدانہ اور ضدی تاثر لیے وہ بڑبڑایا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک پاک ضمیر ہے۔"

کسی پر بھی یہ واضح نہیں ہو رہا تھا کہ اس کے ان لفظوں کا ان کی گفتگو کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا یہ خیال از خود ہی اس کے ذہن میں پیدا ہو گیا ہے۔

لیکن پیول نکولائے وچ جو اس موقع پر اپنے پڑوسی ہڈی چوس کی بات توجہ بلکہ کسی قدر ہمدردی کے ساتھ بھی سن رہا تھا، مضطربانہ انداز میں پوڈوایو کی طرف مڑا اور اسے لیکچر دینا شروع کر دیا۔

"کیا آدرش وادانہ بکواس ہے۔ ضمیر کا اس سے کیا تعلق ہے؟ کامریڈ پوڈوایو! تمھیں اپنے آپ پر شرم آنی چاہیے۔"

"یفریم: تم بات کی تہہ تک پہنچ گئے ہو۔ بہت خوب۔ کچھ بھی ممکن ہے۔ آخر ہم جانتے ہی کیا ہیں؟ مثال کے طور پر جنگ کے بعد میں نے ایک جریدے میں، غالباً اس کا نام 'زویزدا'[1] تھا، ایک بہت ہی دلچسپ مضمون پڑھا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی کھوپڑی کے نیچے خون اور دماغ کا ایک حفاظتی پشتہ ہوتا ہے جب تک کوئی چیز یا جرثومہ جو آدمی کے لیے مہلک ہو، اس حفاظتی دیوار تک رسائی حاصل کر کے دماغ میں داخل نہ ہو، اس وقت تک وہ زندہ رہتا ہے۔ رسائی یا عدم رسائی کا انحصار کس چیز پر ہے؟"

نوجوان ماہر ارضیات جب سے وارڈ میں آیا تھا، اس نے کتاب ہاتھ سے نہیں رکھی تھی۔ وہ کوستوگلوتوف کے نزدیک دوسری کھڑکی کے پاس اپنی کتاب لیے پلنگ پر بیٹھا تھا۔ لیکن اب اس نے کتاب کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ وارڈ میں آنے والے مہمان اور وہ سب لوگ جو وارڈ ہی کے تھے، بڑی توجہ سے باتیں سن رہے تھے۔ ستوو کے قریب فیڈیراحب کی گردن پر ابھی تک کوئی نقصان نہیں تھا، لیکن جس کی بدانجامی مقدر ہو چکی تھی، اپنے پلنگ پر ایک پہلو کے بل خمیدہ ہوا لیٹا تھا اور تکیے پر سر رکھے سن رہا تھا۔

"... تو بظاہر اس کا انحصار اس پر ہے کہ حفاظتی پشتے میں پوٹاشیم اور سوڈیم کا تناسب کیا ہے؟ اگر ان میں سے ایک نمک کی مقدار زیادہ ہو، یاد نہیں کس کی! یہی کہہ دیجیے کہ سوڈیم کی تو کوئی ضرر رساں چیز حفاظتی پشتے کو پار نہیں کر سکے گی، اور آدمی زندہ رہے گا لیکن دوسری طرف اگر پوٹاشیم کی فراوانی ہوئی تو حفاظتی پشتہ کام نہیں کرے گا اور وہ مر جائے گا۔ پوٹاشیم اور سوڈیم کے تناسب کا انحصار کس چیز پر ہوتا ہے، سب سے زیادہ دلچسپ نکتہ یہی ہے۔ اس کا انحصار آدمی کے

---

[1] زویزدا کا مطلب ہے ستارہ۔ یہ روس کا ایک مشہور ادبی ماہنامہ ہے۔ جنگ کے بعد یہ سرکاری نکتہ چینی کا ہدف بن گیا تھا۔ اس پر لبرل ازم کا الزام تھا۔

ذہنی رویے پر ہے۔ کیا بات سمجھ میں آئی؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی مسرور ہے، اگر وہ راسخ ہے تو حفاظتی لِپتے میں سوڈیم کی فراوانی ہوگی اور کوئی بیماری خواہ وہ کیسی ہی ہو، اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر وہ دل ہار دے گا تو پوٹاشیم کی مقدار بڑھ جائے گی۔ ایسے آدمی کے لیے تابوت کا انتظام کر لینا چاہیے۔"

ماہر ارضیات اسے بڑے سکون سے سن رہا تھا اور اس کے لفظوں کو تول رہا تھا۔ اس کا رویّہ ایک ایسے ذہین اور تجربہ کار طالب علم کا تھا جو قریب قریب صحیح اندازہ لگا لیتا ہے کہ استاد تختۂ سیاہ پر اب کیا لکھے گا۔

"امید پرستی کا عضویاتی نظریہ" اس نے تائیدی انداز میں کہا۔ "ایک اچھا خیال ہے، بہت اچھا خیال۔"

پھر فوراً ہی، مبادا وقت ضائع ہو جائے، وہ از سرِ نو کتاب میں ڈوب گیا۔

پیول نکولائے وچ نے پھر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بڑی حد تک کافی سائنسی انداز میں استدلال کر رہا تھا۔

"اندریں حالات مجھے اس پر کوئی حیرانی نہیں ہوگی۔" کوسٹوگلوٹوو نے اپنا استدلال جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر سو برس کے بعد یہ انکشاف ہو جائے کہ ضمیر صاف ہونے کی صورت میں ہمارا جسم ایک قسم کی کیمیم پیدا کرتا ہے لیکن اگر ضمیر پر بوجھ ہو تو وہ ایسا نہیں کرتا۔ اس کا انحصار کیمیم پر ہے کہ آدمی کی نسیں رسولی میں منتقل ہوتی ہیں، یا رسولی تحلیل ہوتی ہے۔"

یفریم نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ آہ بھری۔ "میں نے بڑی عورتوں کو خراب کیا ہے۔ میں انھیں ان کے بچوں کے ساتھ چھوڑ آیا، وہ روتی رہیں.... میری رسولی کبھی تحلیل نہیں ہوگی۔"

"اس کا اس سے کیا تعلق ہے؟" یکایک پیول نکولائے وچ غصے سے بھڑک اٹھا۔ "سارا تصور خالصۃً مذہبی کوڑا کرکٹ ہے۔ کامریڈ پوڈوایو! تم کوڑا کباڑ بہت پڑھتے ہو۔ تمھارے نظریاتی ہتھیار کند ہو گئے ہیں۔ تم اس احمقانہ اخلاقی

تکمیل پر بار بار زور دیتے رہتے ہو۔"
"اخلاقی تکمیل اتنی خطرناک چیز کیوں ہے؟" کوسٹوگلوٹوو نے جارحانہ انداز میں کہا۔
"اخلاقی تکمیل کی بات سن کر تمھارے پیٹ میں درد کیوں ہوتا ہے؟ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا سوائے ان لوگوں کے جو اخلاقی طور پر انسانیت سوز ہوں۔"
"تم .... تمھیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟"
پول نکولائے وچ نے اپنے چمکیلے فریم والی عینک ہوا میں لہرائی۔ اس نے اپنے سر کو سختی سے سیدھا کر رکھا تھا۔ جیسے اس کی رسولی اس کے جبڑے کے دائیں طرف سے اب سر کو نیچے نہ کھینچ رہی ہو۔ "کچھ سوال ایسے ہیں جن پر قطعی رائے قائم کی جا چکی ہے۔ ان پر مزید بحث نہیں ہو سکتی۔"
"آخر میں بحث کیوں نہیں کر سکتا؟" کوسٹوگلوٹوو نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے خیرہ کن انداز میں روسانوو کی طرف دیکھا۔
"جانے بھی دو بہت ہو چکی۔" دوسرے مریض صلح کرانے کی کوشش میں پکارے۔
"تو اچھا کامریڈ!" ڈیوما کے بستر پر بیٹھے آدمی نے جس کی آواز بھر کی طرح بیٹھی ہوئی تھی، سرگوشی میں کہا۔ "تم ہمیں برچ کے کُمبل کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے...."
لیکن نہ تو روسانوو ہی آسانی سے ہار ماننے والا تھا اور نہ کوسٹوگلوٹوو۔ وہ ایک دوسرے کو بالکل نہیں جانتے تھے لیکن بڑی ہی کٹیلی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔
"اگر تم اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہو تو کم سے کم اتنا تو ہونا چاہیئے کہ تم تھوڑی بہت بنیادی معلومات سے کام لو۔" پول نکولائے وچ نے اپنے حریف کو سرزنش کی۔ وہ ہر لفظ کا ہر حرف خوب ناپ تول کر بول رہا تھا۔ "لیو طالسطائی اینڈ کو کے اخلاقی تکمیل کے نظریے کے بارے میں لینن، کامریڈ اسٹالن اور گورکی نے فیصلہ کن رائے ظاہر کر دی ہے، ہمیشہ کے لیے۔"
"معاف کرنا" کوسٹوگلوٹوو نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

اس نے اپنا ایک بازو ورد سانوو کی طرف پھیلا دیا تھا۔" اس دھرتی پر کوئی بھی شخص کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فیصلہ کن ہو۔ اگر ایسا ہو تو زندگی رک جائے اور آنے والی نسلوں کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہ جائے۔"

پیول نکولائے وچ بھونچکا سا رہ گیا۔

(یہ کیا؟ وہ اس آدمی کو دوستانہ طور پر سمجھا رہا ہے؟ سنیچر کی دوپہر کو اس کے ساتھ دلیل بازی میں مصروف ہے؟ اسے تو یہ تحقیقات کرنی چاہیئے کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اس کا پس منظر کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ جس عہدے پر ہے وہاں اس کے خطرناک حد تک غلط خیالات سے کوئی نقصان تو نہیں ہو رہا ہے؟)

"میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا" کوسٹوگلوٹوو نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جلدی جلدی کہا۔" میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا کہ میں سماجی سائنس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہوں۔ مجھے مطالعہ کے لیے زیادہ وقت نہیں مل سکا، لیکن اپنی محدود سمجھ کی بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ لینن نے طالسطائی کی اخلاقی تکمیل کی جستجو کی مذمت صرف اس لیے کی تھی کہ یہ سماج کو جابر حکومت کے خلاف جہاد اور آنے والے انقلاب سے دور لے جاتی ہے۔ یہ بجا تھا لیکن اس شخص کا منہ بند کرنے کی کوشش کیوں کی جائے" کوسٹوگلوٹوو نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پوڈوایو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "جس نے ابھی زندگی کے مفہوم پر غور کرنا شروع کیا ہی ہے، جب وہ زندگی اور موت کی درمیانی سرحد پر ہے۔ اگر طالسطائی کے مطالعے سے اسے کچھ مدد ملتی ہے تو تم اس پر جز بز کیوں ہوتے ہو؟ اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟ لیکن یہ تو نہیں کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ طالسطائی کو ٹلی سے باندھ کر زندہ جلا دینا چاہیئے تھا اور سرکاری مجلس کلیسا[1] نے اسے پوری سزا نہیں دی؟"

---

[1] زاروں کے تحت روسی آرتھوڈکس چرچ کا مقتدر ادارہ جس نے طالسطائی کو مرتد قرار دیا تھا۔

(کوسٹوگلوٹوو نے چونکہ سماجی سائنس کا مطالعہ نہیں کیا تھا اس لیے اس نے "مقدس" کی جگہ "سرکاری" کا لفظ استعمال کیا)

پیول نکولائے وچ کے دونوں کان انتہائی سرخ ہوگئے جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔ یہ ایک سرکاری ادارے پر براہ راست حملہ تھا۔ (یہ سچ ہی کہ وہ اس سرکاری ادارے کا نام نہیں سن سکا تھا) اس بات نے کہ یہ حملہ منتخب لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ اِدھر اُدھر کے لوگوں کے سامنے کیا گیا تھا، معاملے کو اور بھی گمبھیر بنا دیا۔ اب اس کے لیے مناسب یہی تھا کہ وہ خوش اسلوبی سے بحث کو ختم کر دے! اور پہلا موقع ملتے ہی کوسٹوگلوٹوو کے بارے میں تحقیقات کرے۔ چنانچہ اس نے کوسٹوگلوٹوو کی بات کو موضوع بحث نہیں بنایا اور اس کی بجائے پوڈدایو کی سمت اشارہ کر کے کہا۔ "اسے اوسٹروسکی[1] کا مطالعہ کرنا چاہیے، یہ اس کے لیے زیادہ سود مند ہوگا۔"

لیکن کوسٹوگلوٹوو نے پیول نکولائے وچ کی خوش اسلوبی کی کوئی داد نہیں دی۔ اس نے اس کی بات پر نہ تو کوئی دھیان دیا اور نہ اسے سننا ہی ضروری سمجھا اور غیر مستحق حاضرین کے سامنے اپنے خیالات کو بے محابا پیش کرتا چلا گیا۔

"آخر کسی کو سوچنے کی ممانعت کیوں کی جائے؟ ہمارے فلسفۂ حیات کا ماحصل آخر کیا ہے؟ یہی نا کہ 'اری زندگی تو کتنی اچھی ہے! اری زندگی میں تجھ سے پیار کرتا ہوں! زندگی مسرت کے لیے ہے'؟ کیا ہی عمیق اور گہرے جذبات ہیں؟ ایسی باتیں تو ہر جانور کہہ سکتا ہے۔ مرغی، بلی یا کتا۔ اور ہماری کسی مدد کے بغیر۔"

"خدا کے لیے میں درخواست کرتا ہوں۔" پیول نکولائے وچ تنبیہہ کر رہا تھا، کسی سرکاری فرض کی انجام دہی کے طور پر نہیں، تاریخ کی اسٹیج کے کسی اہم کردار کی حیثیت سے بھی نہیں بلکہ صرف ایک ذیلی اداکار کی حیثیت سے۔ "ہمیں موت کی بات نہیں کرنی

---

[1] نکولائی اوسٹروسکی ایک سوویٹ ادیب ہے۔ اس کا ایک اہم کردار بستر مرگ پر بھی پارٹی کی خدمت گزاری کی کوشش کرتا رہا۔

چاہیئے۔ ہمیں کسی کو موت کی یاد تک نہیں دلانی چاہیئے۔"

"درخواست کرنا بے سود ہے" کوسٹوگلوتوو نے کھرپے کی طرح ہاتھ ہلا کر اسے جھٹک دیا۔ "اگر ہم یہاں موت کی بات نہیں کر سکتے تو دنیا میں کہاں کر سکتے ہیں؟ ارے میں سمجھا ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

"تو ہوا کیا؟ اس کا مطلب کیا ہے؟" پیول نکولائیے وچ نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کیا یہ کہ ہم ہمہ وقت موت کی باتیں کرتے رہیں؟ موت کے بارے میں سوچتے رہیں تاکہ پوٹاشیم کو بالادستی حاصل ہو جائے۔"

"ہمہ وقت نہیں" کوسٹوگلوتوو نے نسبتہً سکون سے کہا۔ غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنی تردید کرنے لگا ہے۔ "ہمہ وقت ہرگز نہیں، صرف کبھی کبھی۔ یہ مفید ہے۔ کیونکہ زندگی بھر تو ہم آدمی کو یہی بتاتے رہتے ہیں "تم ایک مشترکہ کارخانہ کاشت کے رکن ہو" تم ایک مشترکہ کارخانہ کاشت کے رکن ہو"۔ یہ ٹھیک ہے لیکن تبھی تک جب وہ زندہ ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو ہم اسے مشترکہ کارخانہ کاشت سے رہا کر دیتے ہیں۔ اب تم ہاں تمھیں بتاؤ۔" اس نے بے ڈھنگے پن سے اپنی انگلی روساتوو کی طرف تانی۔ "آؤ ہمیں بتاؤ کہ اب تم دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتے ہو؟ موت سے؟ تم سب سے زیادہ کس چیز کی بات کرنے سے ڈرتے ہو؟ موت کی؟ اور ہم اسے کیا نام دیتے ہیں؟ ریاکاری؟"

"کسی حد تک یہ صحیح ہے" نفیس الطبع ماہر ارضیات نے دھیمی آواز میں کہا لیکن ہر شخص نے اس کی بات سن لی۔ "ہم موت سے اتنے ڈرتے ہیں کہ مرنے والوں کا تصور تک اپنے ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ ہم ان کی قبروں تک کی پروا نہیں کرتے۔"

"ہاں یہ سچ ہے۔" روساتوو نے اتفاق کیا۔ "سورماؤں کی یادگاروں کی مناسب طور پر دیکھ بھال ضرور ہونی چاہیئے۔ اخباروں میں بھی یہی کہا گیا ہے۔"

"صرف سورماؤں کی ہی نہیں، ہر کسی کی" ماہر ارضیات نے کہا، ایک ایسی نرم آواز میں جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اونچی ہو ہی نہیں سکتی۔ صرف اس کی آواز ہی پتلی نہیں

تھی، وہ خود بھی تپلا تھا۔ اس کے کاندھے بتاتے تھے کہ اس میں جسمانی طاقت ہے ہی نہیں۔" ہمارے بہت سے قبرستانوں سے شرمناک بے توجہی برتی جارہی ہے۔ التائی کی پہاڑیوں اور وہاں نووسی برسک کی طرف کچھ قبرستان میں نے دیکھے ہیں۔ وہاں کٹہرے تک نہیں۔ مویشی گھومتے رہتے ہیں اور سؤر قبریں کھود دیتے ہیں۔ کیا یہ ہمارے قومی کردار کا حصہ ہے؟ نہیں۔ ہم قبروں کا ہمیشہ احترام کرتے رہے ہیں۔۔۔۔"

"قبروں کی حرمت کرتے رہے ہیں۔" کوسٹوگلوٹوو نے اضافہ کیا۔

پیول نکولائے وچ اب سن نہیں رہا تھا۔ اسے دلیل میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی خود فراموشی کے عالم میں وہ اپنے سر کو جنبش دیتے وقت احتیاط کو بھول بیٹھا تھا۔ اور اس کی رسولی نے اس کی گردن اور اس کے سر میں درد کی اتنی شدید لہر دوڑا دی تھی کہ ان لوگوں کے ذہنوں کو روشنی بخشنے اور ان کے احمقانہ تصورات کا تار و پود بکھیرنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ یہ خالصتہً ایک اتفاق ہی تو تھا کہ وہ اس کلینک میں آپہنچا۔ یہ کچھ اچھی بات نہیں تھی کہ اپنی بیماری کے اس نازک دور میں اسے اس قسم کے لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے۔ لیکن اہم بات، انتہائی خوفناک بات یہ تھی کہ گزشتہ روز کے انجکشن کے بعد رسولی نہ تو کچھ کم ہی ہوئی تھی اور نہ نرم ہی پڑی تھی۔ ڈری چوس کے لیے موت کی باتیں کرنا آسان تھا کیونکہ وہ تو صحت یاب ہو رہا تھا۔

ڈیوما کا بھاری بھرکم اور بے آواز مہمان اپنے گلے کو پکڑے بیٹھا تھا تاکہ تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ اس نے کئی بار دراندازی کی کوشش کی، اپنی طرف سے کچھ کہنا چاہا اور جو ناخوشگوار بحث چل نکلی تھی اسے روکنا چاہا۔ لیکن اس کی سرگوشی کی سی آواز کوئی سن نہیں سکتا تھا اور اپنی آواز کو بلند کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ صرف یہی کر سکتا تھا کہ اپنی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اور تھوڑی بہت گویائی پیدا کرنے کے لیے اپنی دو انگلیاں حلق پر رکھ لے۔ زبان اور گلے کی بیماریاں جن سے گویائی سلب ہو جاتی ہے، خاص طور پر تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ یہ تکلیف آدمی کے چہرے پر اتنی نمایاں ہوتی ہے کہ اور کوئی تاثر نظر ہی نہیں آتا۔ ڈیوما کے مہمان نے اب بازوؤں کو لہرا لہرا کر بحث روکنے کی

کوشش کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کی بیٹھی ہوئی آواز کچھ کچھ سنائی دینے لگی ہے۔
پلنگوں کے درمیان چلنے کی جو جگہ تھی وہ اس کی طرف کچھ آگے بڑھا۔

"ساتھیو! ساتھیو!" اس نے خرخر کی سی آواز میں کہا۔ "تکلیف جس کے گلے میں ہو بھگتنی تو اسی کو پڑتی ہے لیکن اس کا کچھ احساس تو کیا ہی جا سکتا ہے۔" ہمیں اتنا یاس زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ بیماری کی وجہ سے ہم پہلے ہی کافی افسردہ ہیں۔" پلنگوں کے درمیان چلتے ہوئے اس نے اپنا ایک ہاتھ ملتجیانہ انداز میں اونچی جگہ پر بیٹھے ہوئے بدہئیت کوسٹوگلوٹوو کی طرف بڑھایا، جیسے وہ کوئی خدا ہو۔ (اپنے دوسرے ہاتھ سے اس نے بدستور اپنے گلے کو پکڑے رکھا) "کامریڈ! تم ہمیں برچ کے دمبل کے بارے میں بہت دلچسپ باتیں بتا رہے تھے وہ سلسلہ جاری رکھونا۔"

"تو آؤ، او لک ہمیں برچ کے دمبل کے بارے میں بتاؤ۔ کیا کہا تھا تم نے؟" سبگاٹوو کہہ رہا تھا۔

تانبے جیسی جلد والا اپنی زبان کو مشکل ہی سے ہلا سکتا تھا۔ اس کا کچھ حصہ گزشتہ معالجے کے دوران ضائع ہو گیا تھا اور جو باقی تھا وہ اب سوجا ہوا تھا لیکن مبہم طور پر وہ بھی کوسٹوگلوٹوو سے یہی کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھے۔ باقی سب بھی اس سے یہی مطالبہ کر رہے تھے۔

کوسٹوگلوٹوو کے جسم میں لاابالی پن کی ایک لہر سی دوڑی جس سے وہ کچھ گھبرا سا گیا۔ برسوں تک وہ اپنی زبان بند رکھنے کا عادی رہا تھا۔ ان لوگوں کے سامنے جو آزاد تھے، اس کا سر جھکا رہتا تھا اور اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف اس کی پشت پر۔ پیدائشی کبڑے کی طرح جھکے رہنا اس کی فطرت کا حصہ بن گیا تھا۔ ایک سال کی جلاوطنی کے بعد بھی وہ اس سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ اب بھی اسے یہ بالکل قدرتی لگتا تھا کہ ہسپتال کے میدان کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے اپنے ہاتھ پشت کی طرف کر کے باندھ لے۔ لیکن اب یہ آزاد لوگ جنھیں اس کے ساتھ مساویانہ سطح پر گفتگو کرنے کی ممانعت تھی، جنھیں اس کے ساتھ کسی بھی سنجیدہ مسئلے پر بات چیت کرنے کی ممانعت تھی اور اس سے بھی

بدتر یہ کہ نہ وہ اس کے ساتھ مصافحہ کر سکتے تھے اور نہ اس کے خط ہی وصول کر سکتے تھے، وہی آزاد انسان اب اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، اس پر کسی شبہ کا اظہار نہیں کر رہے تھے اور وہ کھڑکی میں بڑے آرام سے بیٹھا سکول ماسٹر کا کردار ادا کر رہا تھا۔ وہ اپنے گرتے ہوئے حوصلے کو سنبھالنے کے لیے اس کی بات کے منتظر تھے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اب وہ اپنے آپ کو آزاد انسانوں کی فہرست سے الگ نہیں کر رہا تھا، جیسی کہ اس کی عادت تھی بلکہ مشترکہ بدبختی میں ان کے ساتھ شریک ہو رہا تھا۔

زیادہ لوگوں کے سامنے بولنے، کسی کانفرنس، کسی اجلاس یا کسی میٹنگ کو خطاب کرنے کی عادت اس سے خاص طور پر چھوٹ چکی تھی لیکن اس کے باوجود اب یہاں وہ ایک مقرّر بنتا جا رہا تھا۔ یہ سب کچھ کوسٹو گلوٹوو کو ایسا غیر اغلب نظر آتا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ ایک ایسے آدمی کی طرح تھا جو برف پر زقند لگانے ہی والا تھا، خواہ اس کا انجام کچھ بھی ہو۔ لہٰذا اپنی بحالی کے اس لمحے سے سرشار ہو کر جو غیر متوقع ہونے کے باوجود حقیقی نظر آتا تھا، وہ بڑھتا ہی گیا۔

"دوستو!" اس نے ایک ایسی روانی سے جس کا وہ خوگر نہیں تھا، بولنا شروع کیا۔ "ایک بڑی ہی حیرت انگیز کہانی ہے۔ یہ میں نے ایک مریض سے سنی تھی جو معائنے کے لیے آیا تھا جبکہ میں داخلے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس میں میرا کوئی نقصان تو تھا ہی نہیں۔ میں نے فوراً ہی جواب کے لیے اس ہسپتال کا پتہ لکھ کر پوسٹ کارڈ ڈال دیا اور جواب آج آگیا ہے۔ صرف بارہ دن میں جواب آگیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ڈاکٹر مسلینی کوو نے جواب خط میں تاخیر کے لیے معذرت بھی چاہی ہے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوسطاً اسے دس خط یومیہ لکھنے پڑتے ہیں، ایک معقول قسم کا خط نصف گھنٹے سے کم میں کیسے لکھا جا سکتا ہے؟ اس طرح پانچ گھنٹے یومیہ وہ صرف خط لکھنے میں صرف کرتا ہے، اور اس کا اسے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔"

" نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ چار روبل یومیہ وہ ڈاک کے ٹکٹوں پر بھی صرف کرتا ہے۔"
ڈیمانے مداخلت کی۔

" ہاں یہ سچ ہے۔ چار روبل یومیہ، جس کا مطلب ہے ایک سو بیس روبل ماہوار۔
اور یہ سب کرنا اس کے لیے ضروری ہرگز نہیں۔ یہ اس کا پیشہ نہیں۔ اسے وہ صرف
ایک نیکی کا کام سمجھ کر کرتا ہے۔ تم اسے کیا نام دو گے؟" کوستوگلوتوف نے معاندانہ انداز
میں روسانوف کی طرف مڑ کر کہا۔ " خدا ترسی؟ ٹھیک ہے نا؟"

لیکن پیول نکولائے وچ اخبار میں بجٹ کی رپورٹ پڑھ رہا تھا اور اسے ختم
کرنے والا تھا۔ اس نے ظاہر کیا جیسے وہ سُن ہی نہ رہا ہو۔

" اور اس کے پاس کوئی اسٹاف نہیں۔ نہ کوئی اسسٹنٹ نہ کوئی سکریٹری۔ یہ
سب کام وہ اپنے ہی طور پر کرتا ہے۔ اور پھر نہ اسے کوئی عزت ملتی ہے نہ وقار۔ تم
جانتے ہی ہو جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر ایک طرح کا کھلونا ہوتا ہے۔ ایک
گھنٹے تک ہمیں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہم بھول جاتے ہیں کہ وہ ہے
بھی یا نہیں؟ جیسے ہی ہمیں صحت ہو جاتی ہے ہم اس کے خط پھینک دیتے ہیں۔
خط کے آخر میں اس نے شکایت کی ہے کہ اس کے مریض، خاص طور پر وہ مریض جن
کی اس نے واقعی مدد کی ہے، اسے خط لکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ تو یہ لکھتے ہیں کہ
انھوں نے دوائی کی کتنی مقدار لی اور نہ یہ کہ نتیجہ کیا نکلا؟ پھر اس نے مجھے لکھا ہے
کہ میں اسے باقاعدہ لکھتا رہوں۔ یہ اس کی طرف سے درخواست ہے، حالانکہ یہ
ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے آگے سر جھکائیں، اس کی خوشامد کریں۔"

کوستوگلوتوف دل ہی دل میں اپنے آپ کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ مسلینی کوو کی
بے غرضانہ مصروفیت سے بہت متاثر ہوا ہے، اس کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہے،
اس کی تعریف کرنا چاہتا ہے؛ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود بالکل ہی بھٹکا
ہوا آدمی نہیں ہے، لیکن اس حد تک تو وہ بھٹکا ہوا تھا ہی کہ مسلینی کوو کی طرح بلا معاوضہ
خدمت خلق کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہمیں سب کچھ بتاؤ اولک . پوری تفصیل اور باقاعدگی کے ساتھ ." سبگالوو نے کہا. اس کے ہونٹوں پر امید کی ہلکی سی مسکراہٹ تھی

اسے کتنی آرزو تھی کہ وہ صحت یاب ہو جائے. مہینوں اور برسوں کے بے حس کر دینے والے معالجے کے باوجود جو بظاہر بے کار اور غیر مؤثر نظر آتا تھا، اسے بڑی آرزو تھی کہ وہ یکایک ہی صحت یاب ہو جائے، اس کی پیٹھ ٹھیک ہو جائے، وہ سیدھا کھڑا ہو سکے، چل سکے، ثابت قدمی سے پاؤں اٹھا سکے، پھر سے ایک تندرست و توانا آدمی بن جائے اور لڈمیلا افانسیونا سے جا کر کہے "ہیلو لڈمیلا افانسیونا! اب میں بالکل ٹھیک ہوں."

ان سب کی زبردست خواہش تھی کہ انھیں کوئی معجزے کرنے والا ڈاکٹر مل جائے، کوئی ایسی دوائی مل جائے جس کا یہاں والے ڈاکٹروں کو علم نہیں. خواہ وہ اسے تسلیم کریں یا نہیں لیکن بلا استثنا ان سب کے دلوں کی گہرائیوں میں یہ یقین موجود تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی ڈاکٹر، جڑی بوٹیوں کا کوئی ماہر یا جادو ٹونے کرنے والی کوئی بڑھیا عورت موجود ہے. جیسے ہی اس کا پتہ لگا لیا جائے اور اس دوائی حاصل کر لی جائے. جان بچ جائے گی.

نہیں، یہ ممکن نہیں تھا. یہ بالکل ممکن نہیں تھا کہ ان کی ہلاکت یقینی ہو چکی ہے. جب ہم توانا، تندرست اور خوشحال ہوں تو معجزوں پر چاہے کتنا ہی ہنسیں لیکن جب ہم اتنے بے بس اور مجبور ہو جائیں کہ صرف کوئی معجزہ ہی ہمیں بچا سکتا ہو تو ہم ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مقولے کے مصداق فوق العادت معجزے کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں یقین کرنے لگتے ہیں. چنانچہ جس جوش اور انہماک کے ساتھ اس کے دوست اس کے ہونٹ ہلنے کے منتظر تھے، کوستوگلوتوو خود بھی اس میں شریک ہو گیا. اور کافی ولولے کے ساتھ بولنے لگا. اب اسے اپنی باتوں پر اس سے کہیں زیادہ بھروسہ تھا جتنا خط کو پہلی بار پڑھتے وقت ہوا تھا.

"تو ہم ابتداء سے شروع کریں گے. بات اس طرح ہے کہ ڈاکٹر مسلینی کو وہ کے بارے میں مجھے ہمارے کلینک کے ایک پرانے مریض نے بتایا تھا کہ وہ زمانۂ قبل از

انقلاب کا ایک دیہاتی ڈاکٹر ہے اور ماسکو کے قریب الیگزنڈرو ضلع میں رہتا ہے۔ وہ برسوں تک ایک ہی ہسپتال میں کام کرتا رہا، جیسا کہ ان دنوں اکثر ہوتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگرچہ طب کی کتابوں میں کینسر کا ذکر بڑھتا جا رہا ہے لیکن جو کسان اس کے پاس آتے تھے ان میں سے کسی کو بھی کینسر نہیں تھا۔ آخر ایسا کیوں تھا؟"

ہاں ایسا کیوں تھا؟ ہم میں سے ایسا کون ہے جو اپنے بچپن میں ایک پُراسرار وجود کے تصور سے لرز نہیں گیا؟ ایک ایسی ناقابل نفوذ لیکن انتہائی نازک دیوار کے قرب سے لرز نہیں گیا جس کے پار بظاہر کچھ نظر نہیں آتا؟ لیکن اس کے باوجود وقتاً فوقتاً ہمیں کسی ایسی چیز کا جلوہ نظر آجاتا ہے جو کسی کے کاندھے یا کوٹھے کے بالکل قریب ہو۔ ہماری روزمرہ کی مبنی بر استدلال زندگی میں جہاں اسرار کی کوئی گنجائش نہیں، یہ لیکایک ہماری نظروں کو چکا چوند کر دیتی ہے اور کہتی ہے "مجھے کھوجو نہیں میں یہاں ہوں۔"

"لہٰذا اس نے تحقیقات شروع کر دی۔ اس نے تحقیقات شروع کر دی۔" کوسٹوگلوٹوو نے تکرار کے ساتھ کہا، وہ کسی بات کو کبھی نہیں دہراتا تھا لیکن اس مرتبہ اپنی بات کو دہراتے ہوئے اسے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔" اور اس نے ایک عجیب چیز دریافت کی۔ اس کے ضلع کے کسان چائے پر پیسہ صرف نہیں کرتے تھے اور اس کی بجائے برچ کے درخت کی دمبل ابال کر پی لیتے تھے۔۔۔"

"تمھارا مطلب ہے کھمبیاں؟" پوڈوایو نے اس کی بات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اس نے اگرچہ اپنے آپ کو مایوسی کے حوالے کر دیا تھا اور اپنے آخری دن گن رہا تھا، لیکن اس تصور نے کہ ایک ایسی آسان اور سہولت سے دستیاب ہونے والی دوا موجود ہے، اس کے ذہن میں روشنی سی دوڑا دی۔

اس کے آس پاس والے سبھی دکنی روس کے تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی برچ کا درخت ہی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے نیچے اُگنے والی کھمبیاں تو کجا؟ لہٰذا وہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ کوسٹوگلوٹوو کی مراد کس چیز سے ہے؟

"نہیں یفریم! کھمبیاں نہیں۔ بہرحال۔ یہ دراصل برچ کی دمبل نہیں بلکہ اس

درخت کا کینسر ہوتا ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ برچ کے بوڑھے درختوں میں اس قسم کی مخصوص چیزیں پیدا ہوجاتی ہیں: ابھری ہوئی سی، اوپر سے کالی اور اندر سے گہری بھوری۔"

"تو تمھارا مطلب درختوں کی داڑھی سے ہے؟" لیفریم نے اصرار کیا۔ "اس سے آگ جلانے کا کام لیا جاتا ہے۔"

"خیر اصل بات یہ ہے کہ سرگئی نکیتچ مسلینی کوو کو ایک بات سوجھ گئی، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ چیز دمبل ہی ہے جو صدیوں سے روسی کسانوں کو کینسر سے بچاتی رہی ہے، اگرچہ انھیں اس کا علم نہیں۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ وہ اسے مرض روک دوا کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں؟" نوجوان ماہر ارضیات نے اپنا سر ہلایا۔ وہ ساری شام ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکا تھا لیکن گفتگو دلچسپ بھی تھی اور پرجوش بھی۔

"لیکن تم جانتے ہو کہ صرف قیاس کر لینا ہی کافی نہیں تھا۔ ہر پہلو کی چھان بین ضروری تھی۔ کئی برس تک وہ ان لوگوں کا مشاہدہ بھی کرتا رہا جو گھر کی بنی ہوئی یہ چائے پیتے ہیں اور ان کا بھی جو نہیں پیتے۔ پھر اس نے ان لوگوں کو یہ چائے دینی شروع کر دی جن کے رسولیاں پیدا ہوگئی تھیں اور ان کا کسی اور دوا سے علاج نہ کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ اسے یہ اندازہ بھی لگانا پڑا کہ چائے کا ٹمپریچر کیا ہونا چاہیے، مقدار کتنی ہونی چاہیے؟ اسے اُبالا جانا چاہیے یا نہیں؟ آدمی کو چائے کے کتنے گلاس پینے چاہئیں؟ اس کے کچھ مضر اثراتِ مابعد ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور کن رسولیوں پر اس کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے اور کس قسم کی رسولیوں پر سب سے کم؟ اور اس چھان بین میں اُسے ...."

"ہاں۔ لیکن اب صورتِ حال کیا ہے؟ اب نتیجہ کیا نکلتا ہے؟" بدگاٹوو نے جوش سے کہا۔

اور ڈیوما سوچنے لگا کیا اس سے اس کی ٹانگ واقعی ٹھیک ہو سکتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کی ٹانگ بچ جائے؟

"اب صورتِ حال کیا ہے؟ اس کا جواب یہاں اس خط میں ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اپنا علاج مجھے کس طرح کرنا چاہیئے۔"

"کیا تمھارے پاس اس کا ایڈریس ہے؟" بے آواز شخص نے اپنا ایک ہاتھ اپنے کھرکھرکرتے گلے پر رکھ کر مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے ایک نوٹ بک اور فونٹین پن نکالنا شروع کر دیا تھا "کیا اس نے لکھا ہے کہ یہ چائے کس طرح بنینی چاہیئے؟ کیا اس نے لکھا ہے کہ یہ گلے کی رسولیوں کے لیے مفید ہو سکتی ہے؟"

اگر ممکن ہوتا تو پول نکولائے وچ اپنی قوتِ ارادی کو برقرار رکھتا اور اپنے پڑوسی پر ایک حقارت کی نظر ڈال کر سمجھ لیتا کہ اسے یہ پاداش ہی کافی ہے لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک ایسی کہانی اور ایک ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ ۱۹۵۵ء کے ریاستی بجٹ کے اعداد و شمار میں جو سپریم سوویٹ کے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا خود کو مصروف رکھ سکے۔ اب اس نے اخبار کو واضح طور پر نیچے کر لیا تھا اور آہستہ آہستہ اپنا رخ ہڈی چوس کی طرف پھیر رہا تھا وہ اپنی اس خواہش کی پردہ پوشی کرنا چاہتا تھا کہ وہ خود بھی جو روسی قوم ہی کا ایک بیٹا ہے، شاید اس سادہ روسی گھریلو دوائی سے صحت یاب ہو جائے۔ وہ ہڈی چوس کو برہم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی آواز میں عناد یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں تھا، لیکن پھر بھی ایک قسم کا اشتباہ ضرور تھا: "لیکن کیا اس طریق علاج کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جاتا ہے؟" اس نے پوچھا "کیا سرکاری محکمے نے اس کی تصدیق کی ہے؟"

اوپر کھڑکی میں بیٹھے بیٹھے کوسٹو گلوٹوو دانت نکال کر ہنسا "میں سرکاری محکموں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ یہ خط۔" اس نے زرد سے کاغذ کا ایک ٹکڑا جس پر سبز سیاہی سے کچھ لکھا ہوا تھا، ہوا میں لہرا کر کہا۔ "یہ خط ایک کاروباری خط ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دنبل کا سفوف کس طرح بنانا چاہیئے اور اسے حل کس طرح کرنا

چاہیے۔ لیکن میرا یہ خیال ضرور ہے کہ اگر یہ سرکاری طور پر منظور شدہ ہوتا تو نرسیں اسے ہمارے پینے کے لیے لا رہی ہوتیں۔ سیڑھیوں کے قریب اُس سیّال کا ایک پیپہ رکھا ہوتا اور ہمیں ایگزنڈرود لکھنا نہ پڑتا۔"

"ایگزنڈرود۔" بے آواز آدمی اسے لکھ چکا تھا۔ "پوسٹل ڈسٹرکٹ کا نام کیا ہے اور گلی کا نام کیا؟" وہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔

احمد جان بھی بڑی توجّہ سے سن رہا تھا اور بڑے سکون کے ساتھ اہم اہم باتوں کا ترجمہ کر کے مرسا لیموو اور اگن برڈیو کو بتا رہا تھا۔ احمد جان کو برچ کی دمبل کی خود ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ ٹھیک ہو رہا تھا لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ "اگر یہ واقعی اتنی اچھی ہے تو ڈاکٹر اسے منگواتے کیوں نہیں؟ اس کی رسد کے مستقل آرڈر کیوں نہیں دیتے؟"

"یہ ایک بہت طویل کام ہے احمد جان! کچھ لوگ اسے باور نہیں کرتے، کچھ لوگ نئی باتیں سیکھنا ہی نہیں چاہتے، ضدّی ہوتے ہیں، کچھ لوگ اسے روکنا چاہتے ہیں تاکہ اپنی دوائیوں کی ترویج کر سکیں۔ لیکن ہمارے لیے تو پسند اور ناپسند کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

کوسٹوگلوٹوو نے روسانوو کا جواب بھی دے دیا اور احمد جان کا بھی، لیکن اس نے بے آواز آدمی کے سوال کا جواب نہیں دیا اور اسے پتہ نہیں بتایا۔ اس خیال سے کہ کوئی بھانپ نہ لے اس نے یہ ظاہر کیا کہ اس نے اس کی بات سنی ہی نہیں یا اس کے پاس جواب کا وقت نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اسے پتہ بتانا چاہتا ہی نہیں تھا۔ وہ جواب اس لیے نہیں دینا چاہتا تھا کہ بے آواز آدمی کے روّیے سے چالاکی ظاہر ہوتی تھی، اگرچہ بظاہر وہ باعزّت نظر آتا تھا۔ اپنے چہرے مہرے سے وہ ایک بینک کا منیجر لگتا تھا یا دکنی امریکہ کے کسی چھوٹے سے ملک کا وزیرِ اعظم۔ اولگ کو مخلص بوڑھے مسلیفی کو دیہ پر ترس آ رہا تھا جو ایسے لوگوں کے خطوں کے جواب دینے کے لیے جنھیں وہ جانتا تک نہیں تھا، اپنی نیند سے ہاتھ دھونے کو بھی تیار تھا۔ بے آواز آدمی

اس پر سوالات کی بارش کردے گا۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ اس کھر کھر کرتے گلے پر ترس نہ کھایا جائے جو اپنے انسانی لہجے سے محروم ہو چکا تھا جس کی قدر ہمیں اسی وقت معلوم ہوتی ہے جب ہم اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کوسٹو گلوٹو و بیماری کے معاملات میں ماہر تھا اور اپنی بیماری کے معاملے میں بہت مخلص بھی تھا۔ اس نے تشخیص مرضیات کا تھوڑا بہت مطالعہ کر لیا تھا۔ گنگارٹ اور ڈونٹسووا سے اس سلسلے میں کچھ تشریحات اور توضیحات حاصل کر لی تھیں اور اسے مسلینی کو دے اپنے خط کا جواب بھی مل گیا تھا۔ آخر وہ جسے برسوں تک تمام انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا، ان آزاد لوگوں کو یہ کیوں بتائے کہ اس بلیے سے جس میں وہ دبے ہوئے ہیں' کس طرح نکلنا چاہیئے؟ اس کا کردار تو ایک ایسی جگہ متشکل ہوا تھا، جہاں کا ضابطہ یہ تھا: "اگر کچھ ہاتھ میں آ گیا ہے تو مٹھی بند رکھو۔ کچھ مل گیا ہے تو چٹائی تلے چھپا دو۔" اگر ہر کوئی مسلینی کو وکو خط لکھنے لگا تو کوسٹو گلوٹو کو اپنے خطوں کا جواب مشکل ہی سے ملے گا۔

یہ کوئی سوچا سمجھا فیصلہ نہیں تھا۔ اپنی زخم کے نشان والی ٹھوڑی روسانوو سے احمد جان کی طرف گھماتے ہوئے جن کے درمیان بے آواز آدمی بھی تھا، وہ اپنے فیصلہ پر پہنچ گیا۔

"لیکن کیا اس نے لکھا ہے کہ اسے کیسے استعمال کرنا چاہیئے؟" ماہر ارضیات نے پوچھا۔ پنسل اور کاغذ اس کے سامنے دھرا تھا۔ وہ جب بھی کتاب پڑھتا یہ اس کے آگے رکھا ہوتا۔

"اسے کیسے استعمال کیا جائے؟ بہت اچھا۔ اپنی پنسل سنبھال لو میں لکھواتا ہوں" کوسٹو گلوٹو نے کہا۔

ہر شخص مصروف ہو گیا اور ایک دوسرے سے پنسل اور کاغذ مانگنے لگا۔ پودل نکولائیوچ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ (اپنا فونٹین پین گھر چھوڑ آیا تھا جو نئی قسم کا تھا اور جس کے نب پر ٹوپی چڑھی تھی) ڈیوما نے اسے پنسل دے دی۔ سبگاٹوو، فیڈیرا

یفریم اور نی سبھی لکھنا چاہتے تھے۔ جب وہ تیار ہو گئے تو کوسٹوگلوٹوو نے خط پڑھ کر انھیں آہستہ آہستہ لکھوانا شروع کیا۔ اس نے بتایا کہ دمبل کو کس طرح خشک کرنا چاہیے۔ اتنا خشک نہیں کہ اس میں کچھ بھی نہ رہ جائے۔ اسے کیسے پیسنا چاہیے، کس قسم کے پانی میں ابالنا چاہیے، کیسے بھگونا چاہیے، کیسے چھاننا چاہیے اور کس مقدار میں پینا چاہیے۔

بعض جلدی جلدی لکھ رہے تھے اور بعض بے ڈھنگے پن سے۔ وہ اسے اپنی بات دہرانے کو کہتے۔ وارڈ میں دوستداری اور جوش کا ماحول تھا۔ کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کے سوال کا جواب دیتے تو لہجے میں تلخی آجاتی، لیکن ان کے درمیان جھگڑنے کے لیے تھا ہی کیا؟ ان سب کا ایک ہی دشمن تھا: موت۔ ایک بار انھیں موت کا سامنا ہو جائے تو دھرتی کی کوئی چیز بھی انسانوں میں تفریق نہیں ڈال سکتی۔

ڈیوما لکھ چکا تو اپنی معمول کی کھردری اور مدھم آواز میں جو اس سے کہیں معمّر تر آدمی کی آواز لگتی تھی کہنے لگا۔ "ہاں ـــ لیکن سوال یہ ہے کہ برچ لایا کہاں سے جائے؟ یہاں تو ہے نہیں۔"

ان سب نے آہ بھری۔ وہ سب جن میں سے کچھ بہت مدت پہلے وسطی روس کو چھوڑ آئے تھے، اور بعض تو رضاکارانہ طور پر بھی۔ اور وہ بھی جو کبھی وہاں نہیں گئے تھے ملک کے اس حصے کا تصور کر رہے تھے جہاں کوئی نمود و نمائش نہیں، جہاں کا موسم معتدل ہے، جہاں ..... کی دھرتی کو سورج نے جھلسا نہیں، جہاں بارش ہوتی رہتی ہے، کھیتوں اور جنگل کے راستے پر دلدل ہوتی ہے، جہاں کی دھرتی پرسکون ہے، اور جہاں ایک ایسا معمولی سا جنگلی درخت ہے جو انسان کے لیے اتنا مفید اور اتنا ضروری ہے جو لوگ ان حصوں میں رہتے ہیں انھیں اپنے وطن کی قدر نہیں ہوتی اور روشن نیلے سمندروں اور کیلے کے جھنڈوں کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ لیکن نہیں۔ آدمی کو جس چیز کی واقعی ضرورت ہے وہ برچ کے درخت پر اگنے والا بھیانک سیاہ دمبل ہے، اس کی بیماری، اس کی رسولی۔

صرف مرسالیموف اور اگن بردیو اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ یہاں بھی، اپنی میڈانول

اپنی پہاڑیوں میں بھی وہ چیز ضرور ہوگی جس کی انھیں ضرورت ہے۔ کیونکہ آدمی کو جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ اس کے لیے دھرتی کے ہر کونے پر مہیا کردی گئی ہے۔ اسے صرف یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تلاش کہاں کی جائے۔

"ہمیں کسی سے کہنا پڑے گا کہ وہ اسے اکٹھا کر کے ہمیں بھیج دے" ماہرِ ضیات نے ڈیوما سے کہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دمبل کے تصور نے اس کے دل میں کافی کشش پیدا کردی ہے۔

خود کوسٹوگلوٹوو جو اس کا کھوجی اور شارح تھا، روس میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا تھا جسے وہ دمبل تلاش کرنے کے لیے کہہ سکے۔ جن لوگوں کو وہ جانتا تھا وہ یا تو مر چکے تھے اور یا ملک کے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ پھر ان سے مطالبہ کرنے میں بھی اسے ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ ایسے تھے جو بالکل شہری تھے۔ وہ دمبل تو کیا، شاید صحیح قسم کا برچ کا درخت بھی تلاش نہ کرسکیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی مسرت کی بات یہ تھی کہ جنگلوں میں چلا جائے، مہینوں وہیں رہے، دمبل توڑے، اسے پیسے، الاؤ کی آگ پر اسے ابالے، پیے اور جانور کی طرح تندرست ہو جائے۔ مہینوں جنگلوں میں گھومتا رہے اور اس کے سوا کوئی فکر نہ ہو کہ وہ اچھا ہو جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے کتا وہ پُراسرار گھاس ڈھونڈتا رہتا ہے جو اسے بچا سکے۔

لیکن روس کے راستے اس پر مسدود تھے۔

دہاں جو دوسرے تھے، جن پر راستے کھلے تھے: انھوں نے وہ عقل سیکھی ہی نہیں جو قربانیاں کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ لغویات سے نجات حاصل کرنے کا فن انھیں آتا ہی نہیں تھا۔ محض وہاں بھی رکاوٹیں نظر آتی تھیں جہاں نہیں تھیں۔ ان کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بیماری کی چھٹی لے کر یا تعطیل میں تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنی روزمرّہ کی زندگی کا شیرازہ منتشر کردیں اور اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیں۔ انھیں روپیہ کہاں سے ملے گا؟ پھر یہ بھی سوال تھا کہ وہ اس قسم کے سفر کے لیے کپڑے کیسے پہنیں اور اپنے ساتھ کیا کچھ لے جائیں؟ وہ

کس سٹیشن پر اتریں اور مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لیے کہاں جائیں ؟

کوسٹوگلوٹوو نے خط کو تھپتھپاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔" یہاں اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو سپلائر کہتے ہیں۔ وہ عام قسم کے مہم جو ہیں جو دمبل جمع کرتے ہیں، اسے خشک کرتے ہیں اور نقدی کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ لیکن وہ قیمت کافی لیتے ہیں۔ پندرہ روبل فی کیلوگرام اور مہینے میں چھ کیلوگرام کی ضرورت ہوتی ہے۔"

" انھیں ایسا کرنے کا کیا حق ہے ؟" پیول نکولائے وچ نے غصے سے کہا۔ اس کے چہرے پر حاکمانہ درشتی آ گئی تھی جسے کوئی سپلائر دیکھ لیتا تو لرز جاتا۔ بلکہ ممکن ہے اس کا پیشاب ہی خطا ہو جاتا۔" ان کے کوئی ضمیر ہے بھی یا نہیں ؟ لوگوں کی جیب پر ایک ایسی چیز کے لیے ڈاکہ ڈالتے ہیں جو فطرت نے مفت مہیا کی ہے۔"

" شیخو نہیں۔" یفریم نے سی سی کرتے ہوئے کہا۔ وہ لفظوں کو جس طرح بگاڑ رہا تھا وہ بڑا ہی ناخوشگوار تھا۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ عمداً ایسا کر رہا ہے یا اس کی زبان ان الفاظ کو ادا کرنے سے قاصر ہے۔" کیا تمھارا خیال ہے کہ تم جنگل میں قدم رکھتے ہی اسے حاصل کر سکتے ہو ؟ تمھیں تھیلا اور کلہاڑی اٹھا کر جنگل میں کافی دور تک چلنا پڑے گا۔ اور سردی کا موسم ہو تو اور بھی لیس ہو کر نکلنا پڑے گا۔"

" لیکن یہ بھی کیا کہ پندرہ روبل فی کیلوگرام ! چور بیوپاری !! لعنت ہو ان پر" یہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ روسانوو اس پر کسی بھی سمجھوتے کا روادار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر سرخی پھر دوڑنے لگی۔

یہ خالصتہً ایک اصول کا سوال تھا۔ گزشتہ برسوں سے روسانوو کو یہ مستحکم سے مستحکم تر یقین ہوتا جا رہا تھا کہ ہماری جتنی بھی غلطیاں ہیں، جتنی بھی کوتاہیاں ہیں، جتنی بھی خامیاں ہیں، وہ سب سٹے اور منافع خوری کا نتیجہ ہیں۔ مشکوک قسم کے لوگ گلیوں میں پیاز، مولیاں اور پھول بیچتے ہیں۔ کسان عورتیں بازار میں دودھ اور انڈے فروخت کرتی ہیں اور ریلوے سٹیشن پر اونی موزے اور تلی ہوئی مچھلیاں تک فروخت ہوتی

ہیں۔ سٹہ اور منافع خوری وسیع پیمانے پر ہوتی ہے۔ ریاستی گوداموں سے لاریاں ادھرادھر کے راستوں پر بھگا دی جاتی ہیں۔ اگر اس قسم کے سٹے اور منافع خوری کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے تو ہمارے ملک میں ہر چیز فوراً ہی ٹھیک ہو جائے گی اور ہماری کامیابیاں پہلے سے زیادہ نمایاں ہو جائیں گی۔ اس میں کوئی برائی نہیں تھی کہ آدمی ریاست سے ایک اچھی تنخواہ اور اچھی پنشن لے کر اپنی مادی حالت کو مستحکم تر بنا لے۔ (پیول نکولائے وچ کا خواب یہ تھا کہ اسے ایک مخصوص ذاتی پنشن ملے۔ اگر کوئی شخص اس طرح اپنے لیے کار حاصل کر لے، ایک دیہی کاٹیج بنا لے اور شہر میں بھی ایک چھوٹا سا مکان بنا لے تو وہ اس کا حقدار ہے لیکن ایک ہی فیکٹری کی بنی ہوئی دیہی کار، اسی قسم کا ایک دیہی کاٹیج اگر منافع خوری کا نتیجہ ہوں تو ان کی نوعیت بالکل مختلف ہوتی ہے بالکل مجرمانہ۔ پیول نکولائے وچ خواب دیکھا کرتا تھا، صحیح معنیٰ میں خواب دیکھا کرتا تھا کہ منافع خوروں کو پبلک طور پر پھانسی دینے کا رواج شروع ہو جائے۔ پبلک طور پر پھانسی دینے سے معاشرے کی حالت فوراً ہی بہتر ہو سکتی تھی۔)

"تو بہت اچھا!" لیفریم بھی غصے میں تھا۔ "چیخنا بند کرو۔ جاؤ اور جا کر فراہمی کی خود تنظیم کرو۔ اگر چاہو تو یہ تنظیم ریاستی سطح پر بھی کر سکتے ہو۔ ایک کوآپریٹیو قائم کر دو۔ اگر پندرہ روبل تمھارے لیے بہت زیادہ ہیں تو نہ خریدو۔"

روسانوو کو احساس ہو گیا کہ یہ اس کا کمزور پہلو ہے۔ اسے منافع خوری سے بڑی نفرت تھی لیکن اس کی رسولی اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی کہ طبی سائنس کی اکاڈمی نئی دوا کی تصدیق کرے یا کوآپریٹیو اداروں کی مرکزی روسی تنظیم اس کی باقاعدہ فراہمی کا انتظام کرے۔

بے آواز تو دار ہاتھ میں نوٹ بک لیے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی مؤقر اخبار کا نامہ نگار ہو۔ وہ قریب قریب کوسٹوگلوتوو کے پلنگ پر چڑھ گیا اور اپنی بیٹھی ہوئی آواز میں بڑے جوش سے کہنے لگا: "سپلائی کرنے والوں کا پتہ بتاؤ۔ کیا سپلائی کرنے والوں کا پتہ خط میں لکھا ہے؟"

پیول نکولائے وچ بھی پتہ لکھنے کے لیے تیار ہو گیا۔

لیکن کسی باعث سے کوسٹو گلوٹوو نے جواب نہیں دیا۔ خط میں ایڈریس تھا یا نہیں، وہ اس سوال پر خاموش ہی رہا۔ اس کی بجائے وہ کھڑکی میں سے اتر کر پلنگ کے نیچے اپنے بوٹ تلاش کرنے لگا۔ ہسپتال کے تمام عناطیوں کے برعکس سیر کرنے کے لیے وہ انھیں وہاں چھپائے رکھتا تھا۔

ڈیوما نے نسخہ اپنے پلنگ کے قریب والے میز میں چھپا دیا۔ کچھ زیادہ معلوم کرنے کی کوشش کے بغیر وہ اپنی ٹانگ احتیاط کے ساتھ پلنگ پر رکھنے لگا۔ اس کے پاس نہ تو اتنا روپیہ تھا اور نہ ہو ہی سکتا تھا۔

ہاں برچ کے درخت سے فائدہ ہوتا ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔

روسانوو کو واقعی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ ہڈی چوس سے اس کا ابھی ابھی جھگڑا ہوا تھا اور تین دن کے دوران یہ جھگڑا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب اسے اس کی کہانی میں واضح طور پر دلچسپی تھی اور ایڈریس کے لیے وہ اس کا دست نگر تھا۔ یہ سوچ کر کہ اسے ہڈی چوس کو کچھ مطمئن لگانا چاہیئے، اس نے قریب قریب غیر ارادی طور پر کوئی ایسی بات کہنی شروع کر دی جس نے ان دونوں کے درمیان رشتۂ اتحاد قائم کر رکھا تھا اور کافی خلوص کے ساتھ کہا۔ "ہاں دنیا میں ایسی کسی چیز کا قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا جو اس سے بری ہو۔" (کیا اس سے اس کی مراد کینسر سے تھی؟ لیکن اسے تو کینسر تھی ہی نہیں) "ہاں ..... دنیا میں ایسی کون چیز ہے جو اس رسولی .... بلکہ حقیقت میں کینسر سے بھی بری ہو۔"

لیکن کوسٹو گلوٹوو پر اس فقرے کا جس سے اس پر اعتماد ظاہر ہوتا تھا اور ایک ایسے شخص کی طرف سے جو عمر، عہدے اور تجربے میں اس سے کہیں بڑا تھا، مطلق اثر نہیں ہوا۔ اپنی ٹانگ پر بھورے رنگ کی پٹی لپیٹے ہوئے جسے اس نے ابھی ابھی خشک کیا تھا اور اس پر ربڑ کا مکروہ اور بوسیدہ ٹخنوں تک کا بوٹ چڑھائے ہوئے جس کی سلوٹوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ چلایا "کینسر سے بدتر کیا چیز ہے؟

کوڑھ — ؟"

ان کی پُر آہنگ، بھاری اور تہدید آمیز آواز کمرے میں اس طرح گونجی جیسے کسی نے توپ داغ دی ہو۔

پیول نکولائے وچ نے منہ بنا لیا۔ لیکن اس کا رویہ اب بھی مصالحانہ تھا "خیر یہ تو سوچنے کی بات ہے کہ حقیقت میں بدتر کیا ہے؟ کوڑھ کی بیماری کافی رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔"

کوستوگلوتوف نے پیول نکولائے وچ کی عینک کے روشن شیشوں اور ان کے پیچھے جو روشن آنکھیں تھیں ان کی طرف بھیانک اور معاندانہ انداز میں دیکھا۔

"کوڑھ بدتر اس لیے ہے کہ وہ تمھیں جیتے جاگتے اس دنیا سے نکال باہر کرتے ہیں۔ وہ تمھیں تمھارے خاندان سے الگ کر دیتے ہیں اور خاردار تاروں کے جنگلے کے پیچھے قید کر دیتے ہیں۔ کیا تمھارے خیال میں یہ رسولی کے مقابلے میں بہتر ہے؟"

پیول نکولائے وچ کو کافی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اس اجڈ اور اکھڑ شخص کی بھیانک اور جھلسا دینے والی نظر اس کے بالکل قریب تھی اور اسے اس کے دفاع کا کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام منحوس بیماریاں ۔ ۔ ۔ ۔"

کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اس مرحلے پر یہ محسوس کر لیتا کہ اب کوئی مصالحانہ بات کہنا ضروری ہے۔ لیکن ہڈی چوس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ پیول نکولائے وچ کے سلیقے کی داد دینا اس کے بس میں نہیں تھا۔ اس نے اپنے لاغر جسم کو پوری طرح اونچا کیا اور موٹے کپڑے کی ایک ڈھیلی ڈھالی اور خاکستری رنگ کی گندی زنانہ گون اوڑھ لی جو اس کے جوتوں تک جاتی تھی۔ وہ جب بھی سیر کو جاتا اُسے اوورکوٹ کے طور پر اوڑھ لیا کرتا تھا۔ تب اس نے بڑے ہی خود آسودگی کے لہجے میں، یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ واقعی کوئی عالمانہ بات کہہ رہا ہے، کہا "کسی فلسفی نے ایک بار کہا تھا کہ وہ شخص جو کبھی بیمار نہیں ہوتا اسے اپنی معذوریوں اور محدودیتوں

کا کبھی علم نہیں ہوگا۔"

اس نے زنانہ گرینگ گون کی جیب میں سے ایک چار انگل چوڑی مڑی تڑی فوجی پیٹی نکالی جس کے بکسوئے پر پانچ کناروں والا ستارہ تھا اور اسے اپنے گرد لپیٹ لیا۔ صرف اتنی احتیاط برتی کہ جہاں رسولی ہے وہاں گون کو بہت زیادہ نہ کسا جائے۔ اس کے بعد وہ ایک گھٹیا سا سگریٹ چوستا ہوا جو کچھ اس قسم کا تھا کہ پینے سے پہلے ہی جل بجھ کر راکھ ہو جاتا، کمرے کی طرف چل دیا۔

بیٹھے ہوئے گلے والا شخص جو کوسٹوگلوٹوو سے سوال جواب کر رہا تھا، پلنگوں کے درمیان کے راستے پر گلوٹوو کے آگے سے ہٹ گیا۔ اس کے بشرے سے اب بھی یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بینکر یا وزیر ہے لیکن اس کے باوجود وہ کوسٹوگلوٹوو سے ملتجیانہ التماس کر رہا تھا کہ وہ اسے اس کی بات کا جواب دے۔ وہ کوسٹوگلوٹوو کا اس طرح احترام کر رہا تھا جیسے وہ رسولیوں کی سائنس کے آسمان کا کوئی تابناک ستارہ ہو اور عنقریب ہی اس عمارت سے رخصت ہو رہا ہو: "بتاؤ تو سہی گلے کی رسولیوں میں ایسی رسولیوں کا تناسب کیا ہے جو کینسر کی علامت ہوتی ہیں؟"

کسی کی بیماری یا غم کا مذاق اڑانا شرمناک ہے۔ لیکن بیماری اور غم کو بھی تو اس طرح برداشت کرنا چاہیئے کہ آدمی مضحکہ خیز نہ بنے۔ کوسٹوگلوٹوو نے اس آدمی کے جو دار ڈمیں اس احمقانہ ڈھنگ سے اچھل کود کر رہا تھا، خوفزدہ اور یاس زدہ چہرے پر نظر ڈالی۔ رسولی ہونے سے پہلے وہ غالباً کافی تحکمانہ مزاج رکھتا تھا اس کی یہ عادت کہ بات چیت کرتے وقت وہ گلے پر انگلیاں رکھ لیتا تھا، اگرچہ قابل فہم تھی، لیکن اس کے باوجود جب وہ ایسا کرتا تو کچھ مضحکہ خیز سا لگتا۔

"سو میں چونتیس" کوسٹوگلوٹوو نے کہا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور الگ کھڑا ہو گیا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آج کچھ زیادہ ہی ٹائیں ٹائیں کرتا رہا ہو؟ اس نے کچھ زیادہ ہی باتیں کہی ہوں اور کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جو اسے نہیں کہنی

چاہئے تھی ؟

لیکن اس سے بات چیت کرنے والا شخص جو کافی مضطرب تھا ، اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا ، وہ جلدی جلدی اس کے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا۔ وہ اپنے بھاری بھرکم جسم کو آگے کی طرف بڑھائے ، کوستوگلوٹوف کے کاندھے پر سے اپنی میٹھی موٹی آواز میں کہہ رہا تھا: "کامریڈ تمھارا کیا خیال ہے ؟ اگر رسولی ڈکھے نہیں تو یہ اچھی علامت ہے یا بُری ؟ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے ؟"

بیچارے تھکے ہارے اور بے بس لوگ ۔

"تم کرتے کیا ہو ؟" کوستوگلوٹوف نے رک کر اس سے دریافت کیا۔

"میں لیکچرر ہوں ۔" اس کے کان بڑے بڑے تھے اور بال بھورے اور چمکدار تھے ۔ وہ کوستوگلوٹوف کی طرف اس امید پرستانہ انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی ڈاکٹر ہو۔

"کاہے کے لیکچرر ہو ؟ موضوع کیا ہے ؟"

"فلسفہ ۔" چینک پنچر نے جواب دیا۔ اسے اپنا اصلی وجود یاد آنے لگا تھا اور اس کا تحکمانہ انداز بھی کسی قدر واپس آرہا تھا ۔ اگرچہ سارا دن اس کے چہرے پر عیاری برستی رہی تھی لیکن اس نے کوستوگلوٹوف کو اس کے لیے معاف کردیا تھا کہ وہ ماضی کے فلسفیوں کے بے جوڑ اور بے ڈھنگے حوالے دیتا رہا تھا۔ وہ اس کی سرزنش کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے دنبل سپلائی کرنے والوں کے ایڈریس کی ضرورت تھی۔

"لیکچرر ، اور تمھارے گلے کا یہ حال ہے ۔" کوستوگلوٹوف نے اپنے سر کو ادھر اُدھر جنبش دی ۔ اسے اس کا کوئی افسوس نہیں تھا کہ اس نے دنبل مہیا کرنے والوں کے ایڈریس وارڈ میں بلند آواز سے نہیں سنائے ۔ اس برادری کے آداب کے مطابق جس نے سات برس تک اسے اس طرح کھینچا تھا جیسے وہ کوئی دھات کا ٹکڑا ہو جسے تارکش مشین میں کھینچا جارہا ہو کوئی احمق اور خام مکار ہی ایسا کرسکتا تھا۔ ہر شخص بھاگم بھاگ دنبل فراہم کرنے والوں کو خط لکھنے بیٹھ جاتا ، قیمتیں چڑھنی شروع ہوجاتیں اور

اسے اپنے لیے ڈمبل ملنا ناممکن ہو جاتا۔ اس کا اگر کوئی فرض تھا تو صرف اتنا کہ کچھ نفیس لوگوں کو ایک ایک کر کے پتہ بتا دے۔ وہ یہ ارادہ پہلے ہی کر چکا تھا کہ ماہر ارضیات کو پتہ بتا دے گا، اگرچہ ان کے درمیان صرف دس لفظوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسے پسند کرتا تھا اور اسے یہ بات بھی پسند تھی کہ اس نے قبرستانوں کی حمایت میں آواز اٹھائی تھی۔ وہ ڈیوما کو بھی ضرور بتا دے گا۔ یہ اور بات ہے کہ ڈیوما کے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اولگ کے پاس بھی کوئی پیسہ نہیں تھا۔ اور جب اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں تو وہ ڈمبل کہاں سے خریدے گا) اور فیڈیرا، نی اور سبگاٹو کو بھی وہ ضرور بتا دے گا کیونکہ یہ سب اس کے مصیبت کے ساتھی تھے۔

یہ سب ان قومیتوں کے افراد تھے جنھیں ان کے وطن سے بے دخل کر دیا گیا تھا اور وہ کوسٹوگلوٹوو ہی کی طرح جلاوطن تھے۔ لیکن انھیں باری باری ہی اس سے پتہ پوچھنا پڑے گا۔ جو نہیں پوچھے گا وہ رہ جائے گا۔ لیکن فلسفے کا یہ لیکچرر تو بالکل احمق لگتا تھا اور اس کے لیکچروں سے برآمد بھی کیا ہوتا ہو گا؟ شاید وہ صرف اتنا کرتا تھا کہ لوگوں کے دماغوں کو پراگندہ کر دیتا تھا اور پھر اس کے سارے فلسفے کا مطلب ہی کیا تھا جبکہ وہ بیماری کے سامنے اتنا بے بس تھا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کینسر اس کے جسم کے کسی اور حصے میں نہیں بلکہ گلے میں تھا۔

"ڈمبل فراہم کرنے والوں کا ایڈریس لکھ لو۔" کوسٹوگلوٹوو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ صرف تمھارے لیے ہے۔" فلسفی متشکرانہ انداز میں جھک کر جلدی جلدی لکھنے لگا۔

پتہ لکھوانے کے بعد اولگ اپنا پیچھا چھڑوانے میں کامیاب ہو گیا۔ پیشتر اس کے کہ بیرونی دروازہ بند کیا جائے وہ بہ عجلت سیر کو نکل جانا چاہتا تھا۔

باہر پورچ میں کوئی نہیں تھا۔

اولگ نے ٹھنڈی مرطوب اور ساکن ہوا میں سانس لیا، لیکن فوراً ہی اس سے پہلے کہ وہ اسے فرحت بخشتی اس نے سگریٹ جلا لیا۔ خواہ کچھ بھی ہوتا۔ اس کے

لئے ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ سگریٹ پئے ۔ بغیر اپنے آپ کو پوری طرح مسرور محسوس کرے ۔ (اگرچہ سگریٹ پینے کی ممانعت اسے صرف ڈونٹسوواہی نے نہیں کی تھی بلکہ ڈاکٹر مسلینی کووسنے بھی اپنے خط میں موقع نکال کر اس کا ذکر کر دیا تھا)

نہ تو ہوا ہی تیز تھی نہ برف پڑ رہی تھی ۔ اسے کھڑکی کے شیشے پر قریبی جوہڑ کا عکس دکھائی دے رہا تھا ۔ جوہڑ کے سیاہ پانی پر برف مطلق نہیں تھی ۔ ابھی پانچویں فروری ہی تھی ، لیکن موسم بہار آ گیا تھا ۔ وہ اس کا عادی نہیں تھا ۔ کہرا کہر انہیں تھا بلکہ ہلکی سی ایک دھند تھی جو ہوا میں تیر رہی تھی ، اتنی ہلکی کہ اس سے گلی کے لیمپوں اور کھڑکیوں کی روشنیاں دھندلاتی نہیں تھیں بلکہ صرف ذرا سی نرم اور ہلکی پڑ جاتی تھیں

وارڈ کی بائیں طرف چار اہرام نما بلند قامت درخت جو چار بھائیوں کی طرح چھت سے اوپر تک بلند تھے ۔ دوسری طرف صرف ایک درخت تن تنہا کھڑا تھا ، لیکن قد میں باقی چاروں کے برابر تھا ۔ پیچھے پارک کی باڑھ کے قریب چھوٹے چھوٹے درختوں کا ایک گھنا سا جھنڈ تھا ۔

ونگ ۱۳ کی بے جنگلہ پتھر کی پورچ سے چند قدم نیچے ڈامر کی پگڈنڈی تھی جس کے دونوں طرف گھنی باڑھ تھی ۔ باڑھ کے پودوں پر پتے نہیں تھے لیکن ان کا گھنا پن ظاہر کرتا تھا کہ پودوں میں جان ضرور ہے ۔

اولگ پارک کی پگڈنڈی پر چہل قدمی کے لیے نکلا تھا ۔ ہر قدم اور ٹانگ کی ہر جنبش پر وہ اس احساس سے مسرور ہو جاتا کہ وہ ثابت قدمی سے چل رہا ہے اور اس کی ٹانگ ایک ایسے آدمی کی زندہ ٹانگ ہے جو ابھی مرا نہیں ، لیکن پورچ کے نظارے نے اس کے قدم روک لیے اور اس نے اپنا سگریٹ وہیں ختم کیا ۔

سامنے کے وارڈوں کی کھڑکیوں اور اکا دکا لیمپوں سے نرم سی روشنی آ رہی تھی ۔ اس وقت تک مشکل ہی کوئی راستوں پر چلتا نظر آتا تھا ۔ پیچھے قریب ہی ریل کی پٹڑی تھی لیکن وہاں کوئی شور وغل نہیں تھا ۔ صرف دریا کی مدھم اور متوازن آواز سنائی دے رہی تھی ۔ یہ دریا ایک جھاگ والا پہاڑی دریا تھا جو قریبی وارڈوں

کے پیچھے پہاڑی کے قریب سے بہہ رہا تھا۔

پہاڑی کے آگے اور دریا کے پار ایک اور پارک تھا۔ یہ ایک میونسپل پارک تھا۔ اولک کو پینتل کے باجے پر بجایا جانے والا نغمہ رقص سنائی دے رہا تھا جو یا تو پارک سے آ رہا تھا یا کلب کی کھڑکیوں سے ہوتا ہوا۔ یہ سنیچر تھا۔ وہ ناچ رہے تھے۔ جوڑے ہم رقص تھے۔.....

اولک اپنی چہل قدمی کی وجہ سے اپنے دل میں ایک ولولہ محسوس کر رہا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ ان سب نے اس کی بات کو توجہ سے سنا تھا۔ اس پر اس احساس نے غلبہ پا لیا کہ یکایک زندگی لوٹ آئی ہے۔ وہ زندگی جس کے ساتھ دو ہی ہفتے پہلے اس نے اپنا حساب چکتا کر لیا تھا۔ اگرچہ اس زندگی میں اسے ایسی کسی چیز کی امید نہیں تھی جسے حاصل کرنے کے لیے اس بڑے شہر کے لوگ کوشاں رہتے ہیں اور اسے قابل قدر سمجھتے ہیں۔ نہ گھر نہ جائداد نہ سماجی عروج نہ روپیہ پیسہ لیکن کچھ اور مسرتیں بھی تھیں جو بجائے خود کافی اہم تھیں اور جن کی قدر کرنا وہ بھولا نہیں تھا، مثلاً حکم کا انتظار کیے بغیر چلنے پھرنے کا حق، تنہا رہنے کا حق، ستاروں کو دیکھنے کا حق جنھیں قیدیوں کے کیمپ کی سرچ لائٹ نے ماند نہ کیا ہو، رات کو بتی بجھانے کا حق، اتوار کو آرام کرنے کا حق، دریا میں غسل کرنے کا حق۔ ہاں ایسے اور اس قسم کے دوسرے بے شمار حق تھے جن میں عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنے کا حق بھی تھا۔

اس کی صحت کی بحالی اسے یہ تمام بے شمار اور حیرت انگیز حقوق لوٹا رہی تھی۔

پارک سے آنے والی موسیقی ابھی ابھی اس کے کانوں میں پہونچی تھی۔ اولک نے اسے سنا لیکن یہ پوری طرح نہیں سمجھا کہ وہ کیا بجا رہے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ چائیکووسکی کی چوتھی سمفنی ہے۔ یہ ایک بے مثل نغمہ تھا اور اس کی مضطربانہ ابتدائی دھن اس کے اندر گونج رہی تھی۔ یہ ایک سریلا نغمہ تھا۔ اولک نے یہ تاویل اپنے طور پر کی تھی، اگرچہ اس کی تاویل مختلف ڈھنگ پر بھی کی جا سکتی تھی) جس میں ہیرو زندگی میں واپس آ رہا ہے یا شاید اندھا ہونے کے بعد اس کی بینائی لوٹ رہی ہے۔ وہ اپنی انگلیوں کے

ساتھ چیزوں کو یا ایک چہرے کو جو اسے بہت پیارا ہے ٹٹولتا ہے، اس پر ہاتھ پھیرتا ہے، اسے چھوتا ہے اور اپنی خوش قسمتی پر یقین کرتے ہوئے ڈر محسوس کرتا ہے۔ اُسے یہ باور کرتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیزیں واقعی موجود ہیں اور اس کی آنکھوں کی روشنی اسے مل گئی ہے۔

۱۲- دل کی دھڑکن جاگ اٹھی

اتوار کی صبح کو جب وہ کام پر جانے کے لیے جلدی جلدی لباس پہن رہی تھی، زویا کو یاد آیا کہ کوسٹو گلوٹو نے اس سے بہ اصرار مطالبہ کیا تھا کہ اگلی بار جب اس کی ڈیوٹی ہو تو وہ اپنا بھورا اور سنہری لباس پہنے۔ اس نے اس شام اس کا کالر دیکھ لیا تھا جو سفید کوٹ کے نیچے سے ذرا باہر نکلا ہوا تھا اور اس لباس کو دن میں دیکھنے کا آرزومند تھا۔ ایسے مطالبوں کو پورا کرنا ہمیشہ خوشگوار ہوتا ہے جو بے غرضانہ ہوں۔ یہ لباس اسے بہت ہی موزوں لگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے پہن کر وہ کسی پارٹی میں جائے گی۔ اسے امید تھی کہ دوپہر میں اسے کچھ زیادہ کام نہیں ہوگا اور کوسٹو گلوٹو آ کر اس کا دل بہلائے گا۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور وہی لباس پہنا جس کا اس نے مطالبہ کیا تھا۔ اس نے کئی بار اس پر اپنی ہتھیلیاں ملیں اور کچھ عطر بھی لگایا اور کنگھی سے اس کی جھالروں کو بھی درست کیا۔ وقت بہت کم تھا۔ اپنا اوورکوٹ اس نے دروازے ہی میں پہنا اور اس کی دادی کو صرف اتنا ہی وقت ملا کہ اس کے جاتے جاتے اس کی جیب میں لنچ کے لیے کچھ ڈال دے۔

صبح کچھ نم آلود اور ٹھنڈی تھی، لیکن موسم سرما ابھی نہیں آیا تھا۔ وسطی روس میں ایسے دن لوگ برساتیاں پہنتے ہیں لیکن یہاں جنوبی روس میں گرمی اور سردی سے متعلق لوگوں کے خیالات کچھ مختلف تھے۔ یہاں لوگ گرمی کے موسم میں اونی سوٹ پہنتے ہیں اور جیسے ہی موقع ملتا ہے اوورکوٹ پہن لیتے ہیں اور آخیر میں جا کر کہیں اتارتے ہیں۔ جن کے پاس فرکوٹ ہوتے ہیں وہ سارے موسم سرما اس کے لیے

ترستے رہتے ہیں کہ چند دن برف پڑ جائے۔

جیسے ہی زویا دروازے میں سے نکلی اُسے ایک ٹرام نظر پڑی، وہ عمارتوں کے پورے سلسلے تک اس کے پیچھے بھاگی اور اچک کر سب سے آخر میں اس میں سوار ہوگئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ ہانپ رہی تھی۔ وہ ٹرام کے پیچھے کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی تاکہ کچھ زیادہ ہوا میں سانس لے سکے۔ میونسپلٹی کی ٹرامیں سست رفتار بھی تھیں، اور پرشور بھی۔ ہر موڑ پر یہ پٹڑی پر ہسٹریائی انداز میں جھنگھاڑنے کی سی آواز پیدا کرتی تھیں۔ ان میں سے کسی کے بھی خودکار دروازے نہیں تھے۔

اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور سینے میں کچھ گھٹن بھی محسوس ہو رہی تھی لیکن اس قسم کے احساسات ایک نوجوان جسم کے لیے کچھ ناخوشگوار نہیں تھے، کیونکہ وہ فوراً ہی زائل ہوگئے اور ان سے اس کے تفریحی موڈ اور احساسِ صحت مندی میں مزید اضافہ ہوگیا۔

اس کے میڈیکل سکول میں چونکہ چھٹیاں تھیں اس لیے کلینک میں کام کرنا بہت آسان تھا۔ اسے ہفتے میں تین دن پوری ڈیوٹی دینی پڑتی تھی اور ایک دن نصف۔ اور یہ ایسا ہی تھا جیسے وہ پورا آرام کر رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ بہتر یہی ہوتا کہ ڈیوٹی دینی ہی نہ پڑتی لیکن زویا چونکہ دہرا بوجھ اٹھانے کی عادی ہوگئی تھی، اس لیے اسے ڈیوٹی ناگوار نہیں لگتی تھی۔ یہ دوسرا برس تھا کہ اس نے ایک ساتھ کام بھی کیا تھا اور اپنی تعلیم بھی جاری رکھی تھی۔ کلینک میں جس قسم کا وہ کام کرتی تھی اس سے کوئی خاص طبی تجربہ حاصل نہیں ہوتا تھا لیکن وہ کام پیسے کے لیے کر رہی تھی، تجربے کے لیے نہیں۔ اس کی دادی کی پنشن صرف اتنی تھی کہ روٹی خریدی جا سکے اور اسے جو گرانٹ ملتی تھی وہ آتی بعد میں تھی اور خرچ پہلے ہو جاتی تھی۔ اس کا باپ اسے کچھ نہیں بھیجتا تھا اور نہ زویا نے اسے کبھی کچھ لکھا ہی۔ اس کا باپ اس قسم کا تھا کہ اس کا احسان اٹھانا اسے گوارا نہیں تھا۔

چھٹیاں ہوئیں تو رات کی آخری ڈیوٹی کے بعد اس نے دو دن بستر میں کروٹیں بدلنے میں گزار دیئے۔ اپنے بچپن کے بعد اس قسم کی فراغت اس نے دیکھی ہی نہیں تھی۔ پہلے اس نے اس کریپ سے جو اس نے تنخواہ ملنے کے بعد دسمبر میں خریدی تھی، اپنے لیے موسم بہار کا

ایک بلاؤز تیار کیا۔ اس کی دادی ماں اس سے ہمیشہ کہا کرتی تھی "برف گاڑی موسم گرما میں تیار کرو اور موسم گرما میں کام آنے والی گاڑی موسم سرما میں" یہ کہاوت بالکل صحیح تھی کیونکہ موسم گرما میں استعمال ہونے والی بہترین چیزیں دوکانوں پر صرف موسم سرما ہی میں ملتی تھیں) اپنا بلاؤز اس نے اپنی دادی ماں کی پرانی سنگر مشین پر ہی سیا تھا جسے وہ اپنے ساتھ سمولنسک سے اتنی مسافت طے کر کے لائے تھے۔ اسے سینا بھی پہلے اس کی دادی ماں نے ہی سکھایا تھا لیکن دادی ماں کے سینے پرونے کے طریقے پرانے فیشن کے تھے۔ زویا کی زیرک نگاہ نے پڑوسیوں، دوستوں اور ان لڑکیوں کو دیکھ کر جنھوں نے لباس تیار کرنے کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی، نئے طریقے بھی سیکھ لیے۔ زویا کے پاس وقت کچھ زیادہ نہیں تھا اسے دودن صرف بلاؤز تیار کرنے میں لگ گئے۔ لیکن اس نے ڈرائی کلیننگ کرنے والی دکانوں کا چکر لگا کر اس عرصے میں ایک ایسی دکان ضرور ڈھونڈ لی جو اس کے موسم گرما کے کوٹ کی مرمت اور دھلائی کر سکتی تھی۔ وہ آلو اور سبزیاں خریدنے کے لیے بازار بھی گئی اور سودے بازی اس نے ایک ماہر گھریلو عورت کی طرح کی۔ بالآخر جب وہ گھر آئی تو اس کے دونوں ہاتھوں میں دو بھاری بھاری تھیلے تھے (اس کی دادی ماں دکانوں پر کیو میں تو کھڑی ہو سکتی تھی لیکن کوئی بھاری چیز اٹھا کر لانا اس کے بس میں نہیں تھا) پھر وہ پبلک حمام میں بھی گئی۔ اس طرح درحقیقت اسے لیٹنے یا کوئی کتاب پڑھنے کا موقع بمشکل ہی ملا۔ کل شام وہ ریٹا کے ساتھ جو میڈیکل سکول میں اس کی ہم درس تھی، ثقافت گھر میں رقص کے لیے بھی گئی تھی۔

اگر ممکن ہوتا تو زویا کسی ایسی جگہ جاتی جو ان کلبوں کے مقابلے میں زیادہ فرحت بخش اور دلکش ہوتی لیکن ان کلبوں کے سوا ایسی جگہیں تھی ہی نہیں جہاں نوجوانوں سے ملا جا سکے۔ ان کی فیکلٹی اور ان کی جماعت میں روسی لڑکیاں تو کافی تھیں، لیکن لڑکے بہت ہی کم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ میڈیکل سکول کی پارٹیوں میں جانا اسے پسند نہیں تھا

ثقافت گھر جہاں وہ اور ریٹا گئیں، کافی کشادہ اور صاف ستھرا تھا اور گرم بھی تھا۔ اس میں سنگ مرمر کے ستون تھے، سنگ مرمر کی سلیں تھیں اور کانسی کے فریموں

والے بڑے بڑے شیشے بھی تھے۔ ان میں خود کو رقص کے فرش سے دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ وہاں بہت قیمتی اور آرام دہ کرسیاں بھی تھیں لیکن انھیں ڈھانپ کر رکھا جاتا تھا اور ان پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ نوروز کی شام کے بعد جب اسے ایک بہت ہی ذلت آمیز تجربے کا سامنا ہوا تھا، زویا وہاں گئی نہیں تھی۔ اس شام فینسی ڈریس کی مجلس رقص تھی اور بہترین لباسوں پر انعام ملنے تھے۔ زویا نے اپنے لیے بندر جیسا لباس تیار کیا تھا جس کی دم بہت شاندار تھی۔ زویا نے ہر چیز پر پوری پوری توجہ دی تھی، اپنے بال بنانے پر، میک اپ پر اور رنگوں کے میزان پر۔ لباس دلکش بھی تھا اور باعث تفریح بھی۔ اگرچہ مقابلہ سخت تھا لیکن اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پہلا انعام اس کی جیب میں ہے۔ لیکن انعام ملنے ہی والے تھے کہ اس سے ذرا پہلے کچھ شرارتیوں نے چاقو سے لباس کی دم کاٹ دی اور اسے دست بدست گھما کر کہیں چھپا دیا۔ زویا کے آنسو نکل پڑے۔ لڑکوں کی حماقت پر نہیں بلکہ اس پر کہ اس کے سامنے کوئی ہنس رہا تھا اور اس مذاق کی داد دے رہا تھا۔ دُم کے بغیر لباس اتنا مؤثر نہیں رہا تھا۔ زویا کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگ گیا۔ اُسے کوئی انعام نہیں ملا تھا۔

کل شام وہ وہاں گئی تو اس کے دل میں کلب کے خلاف ابھی تک غصہ تھا، اس کے پندار کو ٹھیس لگی تھی لیکن وہاں کچھ نہیں ہوا۔ کسی نے بھی اسے بندر والے واقعے کی یاد نہیں دلائی۔ وہاں ہر قسم کے لوگ تھے۔ مختلف کالجوں کے طالب علم اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے لڑکے۔ زویا اور ریٹا کو مل کر رقص کرنے کا ایک بھی موقع نہیں ملا۔ وہ وہاں پہنچتے ہی ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں اور تین پر شکوہ گھنٹوں تک انھیں باجے کی دھن پر بگولے کی طرح چکر کھلائے جاتے رہے۔ رقص کے چکروں اور پیچ و خم سے اس کے جسم کو بڑی تفریح اور آسودگی حاصل ہو رہی تھی اور بے روک دھکا پیل اور ہم آغوشی اسے خاص طور پر لطف دے رہی تھی۔ اس کے ہم رقص کچھ زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے اور اگر وہ کوئی مذاق کرتے تو زویا کو احمق سے لگتے۔ آخر کو لیاجوا ایک ٹیکنکل نقشہ ساز تھا اسے گھر چھوڑنے لے آیا۔ راستے میں وہ ہندوستانی فلموں اور پیرا کی

پر بات چیت کرتے رہے۔ کسی سنجیدہ موضوع پر گفتگو کرنا انھیں احمقانہ لگتا۔ جب وہ زویا کے گھر کے بیرونی دروازے پر پہنچے جہاں کافی تاریکی تھی تو انھوں نے بوسہ بازی شروع کر دی۔ خصوصی ہدف زویا کی چھاتیاں تھیں۔ انھیں دیکھ کر نوجوانوں میں لامحالہ جوش پیدا ہوتا تھا۔ کولیا نے انھیں مسل کر رکھ دیا۔ اس نے کچھ اور طریقوں سے بھی اس کے جسم تک رسائی کی کوشش کی۔ زویا نے لطف لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ اتوار کو بھی اسے جلدی اٹھنا تھا لہٰذا اس نے اسے بھگا دیا اور بھاگم بھاگ پرانی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔

زویا کی بیشتر سہیلیوں بالخصوص میڈیکل سکول کی طالبات کا خیال یہ تھا کہ زندگی سے جو کچھ بھی لیا جا سکتا ہے فوراً ہی جھپٹ لینا چاہیئے۔ اور دونوں ہاتھوں سے۔ اس مروجہ فلسفے کی موجودگی میں یہ بالکل ناممکن تھا کہ پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے میں بھی کوئی لڑکی معمر کنواری بنی رہے جس کا علم صرف نظریاتی حد تک ہو، اس سے آگے نہیں۔ زویا ان سب مراحل سے گزر چکی تھی۔ کئی بار مختلف نوجوانوں کے ساتھ اس نے بے تکلفی اور یاری کے مختلف مراحل طے کیے۔ رفتہ رفتہ وہ انھیں زیادہ ڈھیل دیتی گئی اور بالآخر اسیر بھی ہوئی اور مغلوب بھی۔ اس نے اسے بے قابو کر دینے والے لمحوں کا تجربہ بھی کیا کہ اگر گھر پر بم پھینک دیا جاتا تو بھی کوئی فرق نہ پڑتا اور ایسے پر سکون اور سست لمحات کا بھی جب فرش یا کرسی پر پھینکے ہوئے ایسے کپڑے اٹھائے جاتے ہیں جنھیں عام حالات میں ایک جگہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ وہ دونوں ہی انھیں دیکھتے اور اس میں انھیں کوئی حیرت کی بات نظر نہ آتی۔

یہ سب بلاشبہ بڑا ہی جوش انگیز تھا اور جب زویا تیسرے درجے میں تھی تو وہ بہت بڑی حد تک "معمر کنواریوں" کے زمرے سے نکل چکی تھی۔ پھر بھی اس سارے کچھ میں حقیقی پن کی کمی تھی۔ اس میں وہ پائداری اور وہ اطمینان بخش تسلسل نہیں تھا جس سے زندگی کو پائداری ملتی ہے اور جو سچ پوچھو تو حقیقی زندگی ہے۔

زویا کی عمر صرف ۲۳ برس تھی۔ لیکن اس نے بہت کچھ دیکھا تھا اور اسے بہت

کچھ یاد تھا۔ اولاً سمولنسک سے حالت اضطرار میں اخراج، پہلے مال بردار گاڑی میں، پھر ایک بجرے میں اور اس کے بعد پھر مال بردار گاڑی میں۔ جانے کیا وجہ تھی وہ شخص اسے خاص طور پر یاد رہ گیا تھا جو مال بردار گاڑی میں اس کے قریب بیٹھا تھا اور ڈوری کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے سے اس جگہ کو ناپ رہا تھا جو سونے کے تختے پر ہر شخص نے گھیر رکھی تھی۔ اس طرح وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ زویا کے خاندان نے دو سینٹی میٹر جگہ زیادہ گھیر رکھی ہے۔ زویا کو یہ بھی یاد تھا کہ جنگ کے برسوں میں زندگی میں کتنی کشیدگی تھی اور کتنی بھوک۔ لوگ راشن کارڈوں اور چور بازار کی قیمتوں کے سوا کسی موضوع پر بات نہیں کرتے تھے اور چچا فیدیا اس کے بستر کے قریب میز سے راشن کی روٹی چرا لیا کرتا تھا اور اب زویا کے سامنے معاندانہ کینسر کا عذاب تھا۔ یہ تباہ شدہ زندگیاں۔ مریضوں کی تھکا دینے والی داستانیں اور ان کے آنسو۔

اس سب کچھ کے مقابلے میں یہ دھکم پیل، بھینچم بھانچ اور گرم جوشانہ ہم آغوشیاں زندگی کے نمکین سمندر میں تازہ پانی کے چند قطروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ان قطروں سے پیاس کبھی نہیں بجھتی تھی۔

کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ چارۂ کار صرف شادی ہے؟ مسرت صرف اسی طرح مل سکتی ہے؟ جتنے بھی نوجوان اس سے ملتے، اس کے ساتھ رقص کرتے، اس کے ساتھ تفریح کو جاتے، ان سب کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا: اپنے آپ کو کسی قدر گرما لینا، تفریح کر لینا اور پھر الگ ہٹ جانا۔ وہ آپس میں کہا کرتے تھے "میں شادی کر سکتا تھا، لیکن ایک نیا دوست، ڈھونڈنے میں ایک یا دو سے زیادہ شامیں درکار نہیں ہوتیں۔ پھر میں چکر میں کیوں پڑوں؟"

سچ ہی تو تھا۔ جب عورتیں اتنی آسانی سے دستیاب ہوتی ہوں تو شادی کیوں کی جائے؟ اگر منڈی میں یکایک ٹماٹروں کی کثرت ہو جائے تو تم اپنے ٹماٹروں کی قیمت کیسے چڑھا سکتے ہو؟ وہ تو پڑے پڑے سڑ جائیں گے۔ جب تمہارے گرد و پیش میں ہر کوئی سپردگی کے لیے تیار تھا، تو تمہارے لیے کم آمیز رہنا کیسے ممکن تھا؟

رجسٹری دفتر کی شادی بھی کچھ مفید نہیں تھی۔ یہ زویا کو میریا کے تجربے سے اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا۔ میریا ایک یوکرینی نرس تھی جو زویا کے ساتھ متبادل شفٹوں میں کام کرتی تھی۔ زویا نے رجسٹری دفتر پر بھروسہ کیا تھا۔ لیکن شادی کے ایک ہفتے کے بعد اس کے خاوند نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ کہیں چلا گیا اور مکمل طور پر روپوش ہو گیا۔ سات برس تک وہ اپنے طور پر اس کے بچے کو پالتی رہی اور اس سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ شادی کے سبب بندھ گئی تھی۔

زویا جب پارٹیوں میں جاتی، شراب پیتی یا جب ایسے دن ہوتے جو عورتوں کے لیے محفوظ نہیں ہوتے تو وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتی۔ جیسے سرنگ اڑانے والے ایسے میدان میں چلتے ہیں جہاں بارودی سرنگیں بچھی ہوں۔

زویا کے سامنے ایک اور مثال بھی تھی۔ میریا کی مثال سے کہیں قریب تر۔ اس نے اپنی ماں اور اپنے باپ کی تباہ شدہ زندگیاں دیکھیں تھیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ کس طرح وہ آپس میں جھگڑتے، صلح کرتے، الگ ہو کر مختلف شہروں میں رہنے لگتے، پھر یکجا ہو جاتے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے زندگی بھر عذاب بنے رہے۔ زویا کے نزدیک اپنی ماں کی غلطی کا اعادہ کرنے سے تو بہتر یہ تھا کہ تیزاب کا سالم گلاس پی لیا جائے۔

یہ بھی رجسٹری دفتر کی شادی کی ایک مثال تھی، بے مصرف ہی نہیں، اس سے بھی بدتر۔

زویا اپنے جسم کے توازن اور اس کی خوش ترتیبی سے آگاہ تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کا ہر عضو باقی جسم کے ساتھ متناسب ہے اور اس کے مزاج اور نظریۂ حیات میں بھی ایک تناسب ہے۔ اس کی زندگی میں اگر کوئی پھیلاؤ یا کشادگی ہو سکتی تھی تو وہ اسی تناسب کے اندر ممکن تھی۔

اگر کوئی مرد اس کے جسم پر ہاتھ پھیرنے کے دوران کوئی احمقانہ یا مبتذل باتیں کہتا یا فلم کے کوئی بول دہرانے لگتا جیسا کہ کولیا نے گزشتہ رات کیا تھا

تو وہ فوراً ہی اس توازن اور خوش ترتیبی کو گزند پہنچانے کا مرتکب ٹھہر جاتا۔ ایک ایسے شخص پر زویا کا مائل ہونا خارج از امکان تھا۔

زویا ٹرام کے پچھواڑے کے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی اور ٹرام کی حرکت سے اسے ہچکولے لگ رہے تھے۔ ٹرام کی کنڈکٹر ایک نوجوان پر جس نے ٹکٹ نہیں خریدا تھا، برس رہی تھی۔ وہ کھڑا انتسار رہا لیکن ٹکٹ اس نے پھر بھی نہیں خریدا۔ ٹرمینس آنے تک زویا وہیں کھڑی رہی۔ پھر ٹرام نے موڑ لیا، موڑ کے دوسری طرف اس وقت تک ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا جو ٹرام کا منتظر تھا۔ ٹرام ابھی رکی نہیں تھی، وہ نوجوان جسے کنڈکٹر نے جھاڑ ڈالی تھی، نیچے کود گیا، اور اس کے بعد ایک لڑکا بھی کود گیا۔ زویا بھی چلتی گاڑی ہی سے کود گئی۔ اس طرح اسے چلنا کم پڑے گا۔

جب وہ کینسر وارڈ میں پہنچی اور اپنا اوور کوٹ اتار کر سفید اوپری پوشاک پہن کر سیڑھیاں چڑھی تو آٹھ بج کر دس منٹ ہو گئے تھے۔ اگر اولمپیاڈا ولاڈسلاوونا یا میریا کی ڈیوٹی ہوتی تو زویا کے لیے کافی بُرا ہوتا۔ میریا دس منٹ تاخیر سے آنے پر اسے اس طرح جھاڑ ڈالتی جیسے وہ نصف شفٹ غیر حاضر رہی ہو لیکن خوش قسمتی سے ڈیوٹی ایک طالب علم ٹرگون کی تھی۔ ٹرگون کارا کالپاک[1] قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بڑا ہی شفیق اور بامروت تھا اور زویا کے ساتھ تو خصوصی مروت سے پیش آتا تھا۔ اس نے سزا دینے کے انداز میں اس کے کولھے پر تھپڑ مارنا چاہا لیکن اس نے اسے اس کا موقع نہیں دیا اور اسے سیڑھیوں کی طرف ڈھکیل دیا جس پر دونوں ہی ہنس پڑے۔

وہ اگرچہ ابھی طالب علم تھا، لیکن چونکہ کارا کالپاک تھا اس لیے اسے ابھی سے اس علاقے کے ہسپتال کا سینئر ڈاکٹر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس طرح اس کی آزادی اور لاابالی پن کے چند ماہ ہی باقی تھے۔

ٹرگون نے زویا کو معائنے کی کتاب دی ہسپتال کی منتظمہ میٹرن اکثر

---

[1] ایک ترک قوم جو وسطی ایشیا میں آباد ہے۔

ایک خصوصی کام بھی سونپ دیا تھا۔ اتوار کے دن وارڈوں میں گشت نہیں لگتی تھی، علاج بھی کچھ کم ہی ہوتا تھا۔ نفوذ خون والے مریض بھی کچھ کم ہی ہوتے تھے، لیکن اس دن اس بات کی دیکھ بھال خاص طور پر کرنا پڑتی تھی کہ مریضوں کے لواحقین ڈیوٹی والے ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر وارڈوں کے اندر نہ گھس جائیں۔ اس پر مستزاد میٹا کی یہ عادت تھی کہ اعداد و شمار کا غیر مختتم کام جسے وہ خود پورا نہیں کرسکتی تھی ہر اس شخص کو سونپ دیتی جو اتوار کے دن ڈیوٹی پر ہوتا۔

آج کا کام یہ تھا کہ گزشتہ برس یعنی ۱۹۵۴ء کے دسمبر سے اب تک کے مریضوں کے کارڈوں کا جائزہ لیا جائے جن کا ایک اچھا خاصا پلندہ موجود تھا۔ اپنے ہونٹوں کو اس طرح پھیلاتے ہوئے جیسے وہ سیٹی بجانا چاہتی ہو، کارڈوں کے کناروں کو جلدی جلدی پکڑتے ہوئے اس نے انبار سے نمٹنا شروع کردیا۔ وہ یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ کُل کارڈ کتنے ہوں گے۔ اور اس انبار سے نمٹنے کے بعد اس کے پاس کشیدہ کاری کے لیے کچھ وقت بچ سکے گا یا نہیں؟ یکایک اسے اپنے قریب ایک لمبا سا سایہ محسوس ہوا۔ اسے مطلق حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے اپنا سر گھمایا تو کوستوگلوتوو پر نظر پڑی۔ اس کی حجامت بنی ہوئی تھی اور اس کے بال بھی صاف ستھرے تھے۔ صرف اس کی ٹھوڑی کا نشان اسے یہ یاد دلا رہا تھا کہ وہ کُل کتنا رہا ہے۔

"صبح بخیر ہو، زوئنکا۔" اس نے ایک مکمل جنٹلمین کی طرح کہا۔

"صبح بخیر۔" زوئنکا نے اپنا سر ہلایا جیسے کسی چیز کے متعلق غیر مطمئن یا مشکوک ہو اور اس کا کوئی واضح سبب بھی نہ ہو۔

کوستوگلوتوو نے اپنی سیاہ بھوری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"معلوم نہیں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ تم نے کیا یا نہیں؟"

"کیا تھا؟" زویا نے حیرت کا اظہار کرنے کے لیے تیوری چڑھالی۔ (یہ اس کی ایک آزمودہ چال تھی جو ہمیشہ کامیاب رہتی تھی)

"کیا تمھیں یاد نہیں؟ میں نے تو اپنے طور پر اس کے متعلق شرط بدلی تھی۔"

"تم نے مجھ سے تشخیص الامراض، ادھار لی تھی یہ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"
"ارے ہاں میں ایک ہی منٹ میں تمھیں لوٹا رہا ہوں شکریہ۔"
"تمھیں کیسی لگی؟"
"میں جو جاننا چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا۔"
"کیا میری وجہ سے تمھیں کوئی نقصان پہنچا ہے؟ بعد میں میں نے محسوس کیا کہ یہ کتاب تمھیں نہیں دینی چاہیئے تھی۔" زویا نے دریافت کیا۔ اس مرتبہ وہ واقعی سنجیدہ تھی۔
"نہیں زوئنکا" اس نے اپنی بات کو پر زور بنانے کے لیے اس کے بازو کو چھوا۔
"اس کے برعکس اس کتاب نے مجھے مسرور کیا۔ تم نے بہت ہی اچھا کیا کہ یہ کتاب مجھے دے دی لیکن" اس نے اس کی گردن کی طرف دیکھ کر کہا "تم اپنے کوٹ کا اوپر والا بٹن کیوں نہیں کھول دیتیں؟"
"آخر کیوں؟ مجھے گرمی محسوس نہیں ہو رہی۔" زویا نے حیرت سے کہا۔ وہ پھر ایک زیرک چال چل رہی تھی۔
"تمھیں گرمی ضرور لگ رہی ہے۔ دیکھتیں نہیں کہ سرخ ہو رہی ہو!"
"ہاں، ہے تو" وہ خوشدلی سے ہنسی۔ سچ یہ ہے کہ اسے واقعی یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوٹ اتار دینا چاہیے کیونکہ تیز تیز دوڑنے اور ڈھگون کے ساتھ ہاتھا پائی کی وجہ سے اس کا سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا لہذا اس نے اپنی گردن کا بٹن کھول دیا۔ بھورے کوٹ میں سے سرخ دھاریاں چمک پڑیں۔
کوسٹوگلوٹوو کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے اس کی طرف دیکھا اور قریب قریب سرگوشی میں کہا "کیا ہی خوب ہے۔ شکریہ بعد میں تم مجھے اس سے زیادہ دیکھنے کا موقع دو گی۔ کیا نہیں؟"
"اس کا انحصار اس پر ہے کہ تمہاری شرط کیا تھی؟"
"میں تمھیں بتا دوں گا لیکن بعد میں۔ ٹھیک ہے نا؟ کیا ہم آج کچھ وقت ساتھ گزار سکتے ہیں؟ کیا نہیں؟"

زویا نے گڑیا کی طرح آنکھیں گھمائیں "صرف اس صورت میں اگر تم میرا ہاتھ بٹاؤ۔ میں سرخ اس لیے ہو رہی ہوں کہ آج مجھے بہت کام کرنا ہے۔"

"نہیں میں نہیں۔ اگر ہاتھ بٹانے کا مطلب یہ ہے کہ زندہ جسموں میں سوئیاں چبھوئی جائیں۔"

"اگر معاملہ طبی اعداد و شمار کا ہو تو؟ اس سے تمھاری کمر تو نہیں ٹوٹ جائے گی؟ کیا ٹوٹ جائے گی؟"

"اعداد و شمار کا میں بڑا احترام کرتا ہوں اگر وہ خفیہ اور رازدارانہ نہ ہوں۔"

"تو اچھا ناشتے کے بعد آجانا۔" زویا نے اس کی طرف مسکراہٹ پھینکی یہ سوچتے ہوئے کہ اس کی محنت کا کچھ معاوضہ پیشگی ہی ادا ہو جانا چاہیے۔

وارڈوں میں ناشتے کا دور اب تک شروع ہو چکا تھا۔

گزشتہ جمعہ کی صبح جب دن کی ڈیوٹی دینے والی نرس آئی تو زویا نے داخلے کا رجسٹر ڈھونڈا اور کوسٹوگلوتوو کا کارڈ جس پر اس کی بیماری کی تفصیلات درج تھیں غور سے دیکھا۔ رات کی گفتگو کے باعث اس کے دل میں کوسٹوگلوتوو کے لیے کافی دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔

پتہ چلا کہ اس کا نام اولگ فلیمونووچ ہے۔ (یہ بھاری بھرکم حدی نام، لقب سے، جو کچھ زیادہ خوش آہنگ نہیں تھا، کافی لگا کھاتا تھا۔ البتہ نام کا پہلا حصہ ان دونوں میں کچھ اعتدال پیدا کر دیتا تھا) وہ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اب اس کی عمر ۳۴ برس تھی لیکن تھا وہ غیر شادی شدہ، اگرچہ یہ بات کافی غیر اغلب نظر آتی تھی۔ اور وہ اشترک   نام کے ایک مقام کا رہنے والا تھا۔ اس کا کوئی بھی رشتہ دار نہیں تھا۔ (کینسر کلینک میں یہ ضابطہ تھا کہ ہر مریض کے قریبی رشتہ داروں کا نام ضرور درج کیا جاتا تھا) پیشے کے اعتبار سے وہ نقشہ ساز تھا لیکن گرد آور پیمائش کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔

ان باتوں میں سے کسی سے بھی اس کی ذات پر روشنی نہیں پڑتی تھی بلکہ معاملہ کچھ

اور پراسرار ہو گیا تھا۔

اور آج اس نے معالجے کی کتاب میں پڑھا تھا کہ جمعہ کے دن سے نسوں کے درمیان سینٹیول کے دو سی سی کے یومیہ انجکشن لگیں گے۔ یہ انجکشن رات کی ڈیوٹی دینے والی نرس کو لگانے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ آج انجکشن وہ لگائے گی۔ اس خیال سے اس کے پھیلے ہوئے ہونٹ خارپشت کی طرح کچھ بھنچ سے گئے۔

ناشتے کے بعد کوسٹوگلوٹوو تشخیص الامراض والی کتاب لے کر آگیا مدد کے لیے تیار بر تیار۔ عین اس وقت زویا وارڈوں میں بھاگ دوڑ رہی تھی اور وہ دوائیاں تقسیم کر رہی تھی جنہیں وہ دن میں تین مرتبہ یا چار مرتبہ لگتا رہا تھا۔

بالآخر وہ زویا کے چھوٹے سے میز کے گرد بیٹھ گئے۔ زویا نے ابتدائی خاکہ تیار کرنے کے لیے ایک بڑا سا کاغذ نکالا۔ تمام معلومات اس کاغذ پر جمع کرنی تھیں اور مختلف کالموں میں اندراجات کیے جانے تھے۔ وہ بتانے لگی کہ یہ سب کس طرح کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بہت کچھ وہ خود بھی بھول چکی تھی۔ وہ بڑے سے رولر سے کاغذ پر لکیریں کھینچنے لگی۔

زویا کو اس معاملے میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی کہ یہ "امدادی" یہ نوجوان اور غیر شادی شدہ مرد اور بسا اوقات شادی شدہ مرد بھی ہاتھ بٹانے کے معاملے میں بالعموم مفید کس حد تک ہوتے ہیں۔ ان کی امداد لامحالہ طور پر ہنسی ٹھٹھے، مذاق اور اظہار محبت میں بدل جاتی ہے جس سے رجسٹر غلطیوں سے بھر جاتا ہے۔ زویا غلطیاں برداشت کرنے کے لیے تیار تھی، کیونکہ اظہار محبت خواہ ندرت سے کتنا ہی محروم ہو پھر بھی انتہائی شاندار رجسٹر کے مقابلے میں بھی زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ زویا کو آج اس کھیل کو جاری رکھنے پر مطلق اعتراض نہیں تھا جس سے اس کی ڈیوٹی کے اوقات میں دلکشی پیدا ہو جاتی تھی۔

نتیجتہً جب کوسٹوگلوٹوو نے نظربازی کا سلسلہ خود ہی بند کر دیا اور اپنے مخصوص لہجے کو خیرباد کہہ کر فوراً ہی کام کے لیے تیار ہو گیا تو اسے کچھ حیرت ہوئی۔

وہ فوراً ہی فائلوں میں ڈوب گیا اور ہر کارڈ کے اندراجات پڑھنے لگا اور زویا بڑے رجسٹر کے کالموں میں اپنے قلم سے اندراجات کرتی گئی۔

"ناک کی نالی کا ورم۔" "ریڑھ کی ہڈی کے مغز کی رسولی۔" وہ لکھواتا گیا۔ جو بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، اس کے متعلق وہ سوال بھی پوچھتا رہا اور اس اصول پر اس نے پوری باقاعدگی سے عمل کیا۔

ان کا فرض یہ تھا کہ اس سارے عرصے میں، جس کا رجسٹر نے احاطہ کیا ہوا تھا، جتنی بھی رسولیاں تشخیص کی گئی تھیں، ان کی قسم وار گنتی کریں۔ مردوں اور عورتوں کی رسولیوں کے جداگانہ اندراجات کریں اور جو جو معالجے کیے گئے تھے ان کی فہرست بھی تیار کریں۔ پھر انھیں ریکارڈ میں یہ بھی لکھنا تھا کہ ہر صورت میں پانچ ممکنہ نتائج میں سے کون سا نتیجہ برآمد ہوا؟ مکمل صحت، اصلاح، حالت کا بگڑنا یا موت۔ پانچویں صورت یہ ہو سکتی تھی کہ مریض کی حالت جوں کی توں رہے۔ زویا کے امدادی نے ان پانچ ممکنہ نتائج پر پوری پوری توجہ دی۔ یہ بات فوراً ہی اس کے نوٹس میں آ گئی کہ مکمل صحت یابی شاذونادر ہی ہوئی تھی اگرچہ موتیں بھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی تھیں۔

"میں سمجھا۔ انھیں یہاں مرنے نہیں دیا جاتا۔ بروقت ہی ڈسچارج کر دیا جاتا ہے۔" کوسٹوگلوٹوو نے کہا۔

"اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے اولک خود ہی سوچو۔" اولک کہہ کر اس نے اسے اس لیے پکارا تھا کہ وہ اسے اس کی مدد کا صلہ دینا چاہتی تھی۔ کوسٹوگلوٹوو سمجھ گیا اور اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ "اگر یہ بدیہی ہو کہ مریض اس سرحد کو پار کر چکا ہے جہاں اس کے لیے کچھ کیا جا سکتا تھا، اور صرف یہی باقی رہ گیا ہو کہ وہ اپنی زندگی کے آخری چند دن اور زندہ رہے تو وہ ہسپتال کے پلنگ پر قابض کیوں رہے؟ ایسے لوگوں کی جو پلنگ کے منتظر ہوتے ہیں کافی بڑی فہرست ہوتی ہے۔ جن لوگوں کا علاج کیا جا سکتا ہے وہ انتظار کرتے رہیں اور لاعلاج ....."

"لاعلاج ؟ کیا کہا ؟"

"وہ جنھیں ہم صوت یاب نہیں کرسکتے۔ جس طرح وہ دیکھتے ہیں، جس طرح وہ باتیں کرتے ہیں، اس کا ان لوگوں پر کافی برا اثر پڑتا ہے جنھیں ہم صوت دے سکتے ہیں۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نرسوں کے میز کے قریب بیٹھ کر اولگ کا سماجی درجہ کسی قدر بڑھ گیا ہے اور اس کی عام معاملہ فہمی میں بھی کسی قدر اضافہ ہوگیا ہے۔ اپنے اس وجود کو جو اس سرحد کو پار کرچکا تھا جس کے لیے کچھ کیا جا سکتا ہے، جس کے لیے پلنگ مخصوص کرنا بیکار ہوتا ہے، جو لاعلاج مریضوں کی فہرست میں شامل ہوتا ہے، کوسٹوگلوٹوکافی پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ غیر متوقع واقعات کی کسی لہر کے نتیجے کے طور پر وہ ایک حیثیت سے اٹھ کر دوسری حیثیت میں پہنچ گیا اور کافی حد تک غیر مستحقانہ طور پر۔ اس سے دھندلے طور پر اسے ایک اور بات یاد آرہی تھی لیکن یہ طریق فکر ایسا تھا جسے فی الحال وہ جاری رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"ہاں میرے خیال میں یہ بالکل منطقی ہے۔ تو انھوں نے ازدوکن کو خارج از بحث کر دیا، اور کل جب اسی طرح انھوں نے پروشکا کو کچھ بھی بتائے بغیر ڈسچارج کر دیا تو میں وہیں تھا۔ مجھے یہ تک محسوس ہوا کہ دھوکا دہی میں میں خود بھی شامل ہوں۔" کوسٹوگلوٹو اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے چہرے کا وہ رخ جس پر زخم کا نشان تھا زدیا کی طرف نہیں تھا اور اس کے چہرے سے بے رحمی کی کیفیت زائل ہوچکی تھی۔ وہ کافی یگانگت اور ہم آہنگی سے کام کرتے رہے اور جب دوپہر کے کھانے کا وقت آیا تو وہ کام پورا کرچکے تھے۔

لیکن ایک اور کام بھی تھا جو میٹا کرنے کے لیے چھوڑ گئی تھی۔ مریضوں کے ٹمپریچر کے چارٹوں پر لیبارٹری کے تجزیوں کو نقل کرنا تھا۔ اس کام کا مطلب یہ ہوگا کہ مریضوں کے مرض نامے مختصر ہوجائیں گے اور انھیں سنبھالنا آسان ہوگا۔ لیکن یہ میٹا کی زیادتی تھی کہ وہ اس کام کو ایک ہی اتوار میں پورا کرنا چاہتی تھی۔

"شکریہ" زدیا نے کہا "بہت بہت شکریہ اولگ فلیمونووچ!"

"ارے نہیں۔ مجھے اسی نام سے پکارو جس سے پہلے پکارا تھا۔ مجھے اوالک ہی کہو۔"

"اب تمہیں لنچ کے بعد آرام کرنا چاہیئے ...."

"میں کبھی آرام نہیں کرتا۔"

"تم بیمار ہو، جانتے ہی ہو۔"

"یہ عجیب بات ہے زویا جیسے ہی تم سیڑھیاں چڑھ کر ڈیوٹی پر آتی ہو میں خود کو پھر سے مکمل طور پر صحت یاب محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"تو بہت اچھا!" زویا نے آسانی ہی سے ہتھیار ڈال دیئے (اس کے پاس رہنا اسے بھی پسند تھا) "اس مرتبہ میں تم سے ڈرائنگ روم میں ملوں گی۔"

زویا اس نے سر کی جنبش سے ڈاکٹروں کے کمرۂ مشاورت کی طرف اشارہ کیا۔

لنچ کے بعد اسے دوائیوں کے سلسلے میں ایک بار اور گشت لگانا تھی اور عورتوں کے بڑے وارڈ میں بھی کچھ ایسے معاملات تھے جن پر فوری توجہ دینا ضروری تھی۔ زویا کو احساس تھا کہ اس کے گرد و پیش بیماری اور انحطاط کا جو ماحول تھا وہ اس کے مقابلے میں کتنی پاک و صاف اور صحت مند تھی، جلد کے روئیں روئیں تک، انگوٹھے کے ناخن تک۔ وہ اپنی کسی ہوئی چھاتیوں کے تصور سے سرشار ہو گئی مریضوں کے بستروں پر جھکتی تو وہ ان کا بوجھ محسوس کرتی اور جب جلدی جلدی چلتی تو ان میں تھرتھراہٹ سی ہونے لگتی۔

آخر کام کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ زویا نے اردلی سے کہا کہ وہ میز کے پاس بیٹھ جائے، کسی وزیٹر کو وارڈ میں نہ جانے دے اور اگر کچھ ہو جائے تو اسے بلا لے۔ اس نے اپنا کشیدہ کاری کا سامان سنبھالا اور اوالک بھی اس کے پیچھے پیچھے ڈاکٹروں کے کمرے کی طرف چل دیا۔

یہ کونے کا ایک روشن کمرہ تھا جس کی تین کھڑکیاں تھیں۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ کمرے کی زیبائش میں کوئی غیر معمولی فراخدلی برتی گئی ہے۔ سینئر ڈاکٹر کے اکاؤنٹنٹ

کی کارفرمائی ہر جگہ نظر آتی تھی۔ صوفے دو تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی صوفہ نہ ہو جانے والا نہیں تھا۔ دونوں ہی سرکاری آداب کے مطابق تھے۔ ان کی پشت اتنی سیدھی تھی کہ ان میں بیٹھ کر گردن میں اکڑاؤ محسوس ہونے لگے۔ اور صوفوں کی پشت پر جو شیشے آویزاں تھے وہ اتنے اونچے تھے کہ کوئی زرافہ ہی ان میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ میزیں معمول کے بے کیف اور ضابطہ پرستانہ انداز میں لگی ہوئی تھیں۔ پہلے چیئرمین کا لکھنے کا بڑا میز تھا، شیشے کی ایک موٹی پلیٹ سے ڈھکا ہوا۔ اس کے زاویے پر تنگ سی ایک لمبی میز لگی تھی جس پر لوگ میٹنگوں کے دوران بیٹھتے تھے۔ یہ دونوں میز مل کر T کی شکل بنا دیتے تھے۔ دوسرے میز پر سمرقندی میز پوش تھا جس پر نیلے رنگ کا روئیں دار کپڑا اچھا تھا، جس کے رنگ نے کمرے کو درخشاں بنا رکھا تھا۔ میز سے کچھ فاصلے پر چھوٹی چھوٹی آرام کرسیاں بے ترتیبی سے رکھی تھیں۔ ان سے بھی کمرے کے ماحول کی خوشگواری میں اضافہ ہوتا تھا۔

کمرے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے کوئی یہ محسوس کرے کہ یہ ہسپتال ہے۔ ماسوا علم رسولیات نامی ایک اخبار کے جو دیوار سے آویزاں تھا اور جس پر ۷ نومبر[1] کی تاریخ درج تھی۔

زویا اور اولگ کمرے کے روشن ترین حصے میں نرم آرام دہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پایوں کے سہارے کچھ گلدان رکھے گئے تھے جن میں ایلوائے پودے تھے۔ مرکزی کھڑکی کے بڑے شیشے میں سے بڑ کا ایک پیڑ نظر آ رہا تھا۔ جس کی پھیلی ہوئی شاخیں اوپر کی منزل کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

اولگ صرف بیٹھا ہوا نہیں تھا۔ وہ اپنے پورے جسم میں کرسی کی آسائش کو جذب کر رہا تھا۔ اس کی پشت کرسی کے خموں میں سمائی ہوئی تھی اور اپنا سر اور گردن اس نے آسودگی سے پیچھے کو رکھے ہوئے تھے جیسے تکیے پر آرام کر رہا ہو۔

---

[1] ۱۹۱۷ء کے انقلاب کی سالگرہ۔

"کتنی بڑی آسائش ہے۔" اس نے کہا "مجھے یاد نہیں پڑتا کہ گزشتہ پندرہ برس میں میرے جسم نے اتنی نرم و نازک چیز کا لمس محسوس کیا ہو۔"

(اگر اسے کرسی اتنی پسند ہے تو وہ جا کر اپنے لیے ایک خرید کیوں نہیں لیتا؟)

"تو پھر کیا تھی تمھاری شرط؟" زویا نے اپنے سر کو جنبش دے کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کا تاثر تھا جو اس قسم کے سوال پوچھتے وقت اکثر پیدا ہو جاتا ہے۔

وہ دونوں کمرے میں اب اکیلے تھے۔ ان کے سامنے صرف ایک مقصد تھا۔ بات چیت کرتے رہنا۔ گفتگو کیا رنگ اختیار کرتی ہے، اس کا انحصار لفظ، لہجے اور نظر پر تھا۔ کیا یہ صرف گپ شپ ہوگی یا کوئی ایسی گفتگو جو براہ راست سینوں میں اتر جاتی ہے۔ زویا پہلی صورت کے لیے تیار تھی لیکن جب آئی تھی تو اسے احساس تھا کہ صورت دوسری ہی ہوگی۔

اولگ نے اسے مایوس نہیں کیا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔ اپنا سر کرسی کی پشت سے اٹھائے بغیر اور ایک ایسے انداز میں کہ اس کی آواز کا رخ زویا کے سر کے اوپر کھڑکی کی طرف تھا: "میں نے شرط یہ بدی تھی کہ کیا ایک سنہری لٹ والی لڑکی بنجر زمینوں میں رہنے کے لیے ہمارے ساتھ جائے گی؟" تب اس نے پہلی مرتبہ سیدھا اس کی طرف دیکھا۔ زویا اس کی نظر کو سہہ گئی۔

"اور وہاں اس لڑکی کا کیا بنے گا؟"

اولگ نے آہ بھری: "میں تمھیں بتا چکا ہوں۔ وہاں کوئی چیز خاص طور پر مسرور کن نہیں ہے۔ وہاں نل کا پانی بھی نہیں۔ ہم استری کو کوئلوں پر گرم کرتے ہیں اور اپنے لیمپ پیرافین سے جلاتے ہیں۔ پھر وہاں نمی بھی ہے۔ دلدل ہی دلدل۔ جب خشکی ہوتی ہے تو گرد ہی گرد ہوتی ہے۔ نفیس کپڑے پہننے کی کوئی گنجائش نہیں۔"

اس نے کسی بھی ناخوشگوار تفصیل کو چھپایا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ اس کے لیے ہاں کہنا ناممکن بنا دے۔

آخر یہ بھی کیا زندگی ہوئی کہ آدمی ڈھنگ کے کپڑے بھی نہ پہن سکے۔ لیکن زویا جانتی تھی کہ بڑے شہر میں خواہ کتنے ہی آرام سے رہا جائے تاہم جینے کے لیے صرف شہر ہی تو کافی نہیں ہوتا۔ اس کے گاؤں کا تصور کرنے کی بجائے وہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے گی۔

"تمھیں کیا چیز وہاں رکھے ہوئے ہے۔"

ادلک ہنس پڑا: "وزارت داخلہ اور کیا؟" وہ اب بھی پیچھے کی طرف آرام سے لیٹا ہوا تھا اور مزے لے رہا تھا۔ اس کا سر کرسی کی پشت پر آرام سے ٹکا ہوا تھا۔ زویا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "میرا یہی خیال تھا۔ لیکن تم چیچن تو نہیں ہو یا کالموک؟ کیا ہو؟"

"ارے نہیں میں سو فیصدی روسی ہوں۔ کیا میرے بال کالے نہیں ہیں؟" اس نے بات چیت میں کچھ نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

زویا نے اپنے کندھے سکوڑ لیے: "تو پھر انھوں نے تمھیں وہاں کیوں بھیجا؟"

ادلک نے آہ بھری: "خوب! نئی نسل بھی کتنی ناواقف ہے جہاں میری پرورش ہوئی ہے وہاں مجموعۂ تعزیرات کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے پیراگرافوں کے متعلق، اس کی دفعات کے متعلق اور اس کی توسیع شدہ تاویلات کے متعلق۔ تم جو اس ڈسٹرکٹ کے درمیان میں رہ رہی ہو کیا تمھیں اس بنیادی فرق کا بھی علم نہیں جو جلاوطن آباد کار اور اس شخص میں ہوتا ہے جسے انتظامی کارروائی کے تحت جلاوطن کیا جائے؟"

"یہ فرق کیا ہے؟"

"مجھے انتظامی کارروائی کے تحت جلاوطن کیا گیا تھا۔ مجھے میری قومیت[1] کی بنا پر

---

[1] جنگ کے دوران اور اس کے بعد کئی چھوٹی چھوٹی قومیتوں کو مثلاً وولگا کے جرمن، چیچن اور کالموک، اجتماعی طور پر وسطی ایشیا میں جلاوطن کر دیا گیا تھا (بقیہ حاشیہ ص ۲۷۰ پر دیکھیے)

جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ میری نجی حیثیت میں، اولگ فلیمولودچ کوسٹوگلوٹوف کی حیثیت میں۔ کیا تم سمجھ رہی ہو؟" وہ ہنس پڑا۔ "یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی فرد کو آنریری شہری بنا دیا جائے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھے آنریبل شہریوں میں رہنے کی اجازت نہیں"
وہ تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
لیکن وہ ڈری نہیں اور اگر وہ تھوڑی سی ڈری بھی تو کسی نہ کسی طرح اسے اس کا علم تھا کہ اس کا یہ رویّہ دیرپا نہیں۔
"اور تمھیں کتنی مدت کے لیے جلاوطن کیا گیا تھا؟" اس نے ملائمت سے پوچھا۔
"دوامی طور پر۔" اس کے لفظ زویا کے کانوں میں گھنٹی کی طرح بجنے لگے۔
"تمھارا مطلب ہے عمر بھر کی سزا؟" اس نے پھر پوچھا، نیم سرگوشی کے انداز میں۔
"نہیں دوامی طور پر۔" کوسٹوگلوٹوف نے اصرار کیا۔ "کاغذات میں یہی لفظ استعمال ہوئے تھے۔ اگر عمر بھر کی سزا ہوتی تو میرا خیال ہے تابوت تو گھر میں واپس لایا ہی جا سکتا تھا لیکن یہ سزا چونکہ دوامی ہے، اس کا مطلب ہے کہ تابوت کو بھی گھر لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سورج بجھ جائے تو بھی میں گھر نہیں آسکتا۔ دوامی سزا عمر بھر کی سزا سے کہیں طویل ہوتی ہے۔"
زویا کو پہلی بار دل تنگی کا احساس ہوا۔ اس کے زخم کے نشان اور کبھی کبھی اس کی نظروں میں جو بے رحمی پیدا ہو جاتی تھی اس کا مفہوم اب اس کی سمجھ میں آیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے آگے)

ان پر نازیوں سے ساز باز کا شبہ تھا۔ انھیں جلاوطن آبادکاروں کا نام دیا گیا تھا۔ کوسٹوگلوٹوف جیسے جن لوگوں کو انتظامی کارروائی کے تحت جلاوطن کیا گیا تھا، وہ سیاسی قیدی تھے جنھیں اپنی سزا کی مدت جبری مشقت کے کیمپ میں گزارنا پڑتی تھی۔ اس مدت کے گزارنے کے بعد بھی انھیں ملک کے کسی دور دراز حصے ہی میں رہنا پڑتا تھا۔

وہ کوئی قاتل ہو سکتا ہے، کوئی بڑا ہی خونخوار درندہ جو معمولی سے اشتعال پر اس کا گلا گھونٹ دے۔ لیکن زویا نے فرار میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اپنی کرسی کو گھمایا نہیں۔ اس نے صرف یہ کیا کہ اپنے کشیدہ کاری کے سامان کو ایک طرف رکھ دیا (واقعہ یہ ہے کہ اس نے کشیدہ کاری ابھی شروع بھی نہیں کی تھی۔) اور بڑی حجابت مندی سے کوسٹوگلوٹوو کی نظروں میں نظریں ڈال کر، جو پہلے ہی کی طرح آرام کرسی میں بڑے آرام، سکون اور آسودگی سے بیٹھا ہوا تھا۔ مضطرب وہ نہیں تھا، زویا تھی۔ جب اس نے پوچھا "اگر یہ بہت مشکل ہے تو نہ بتانا، لیکن اگر ممکن ہے تو بتا دو تمھیں ایسی خوفناک سزا کیوں دی گئی؟"

اپنے جرم کی یاد دہانی سے کوسٹوگلوٹوو ذرا بھی مضطرب نہیں ہوا۔ جب اس نے جواب دیا تو اس کے چہرے پر لاابالی سی مسکراہٹ بھی کھیل رہی تھی "دراصل سزا دی ہی نہیں گئی۔ صرف ایک حکمنامے کے ذریعے مجھے مستقلاً جلاوطن کر دیا گیا۔"

"حکمنامے کے ذریعے؟"

"ہاں۔ اسے یہی نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کا بیجک ہوتا ہے۔ جیسے کسی تھوک فروشی کے ادارے سے کسی خوردہ فروش اسٹور میں سامان بھیجتے وقت اشیاء کی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ اتنی بوریاں، اتنے پیپے...،"

زویا نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا "ایک منٹ رکو.... اب میں سمجھ گئی.... کیا یہ ممکن ہے؟ کیا تم....؟ کیا ہر کوئی....؟"

"نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر کوئی۔ وہ لوگ جنھیں صرف پیرا ۱۰ کے مطابق مجرم ٹھہرایا گیا تھا جلاوطن نہیں کیے گئے۔ جلاوطن انھیں کیا گیا جنھیں پیرا ۱۱ اور پیرا ۱۰ کے تحت مجرم ٹھہرا گیا تھا۔[۱]"

---

[۱] سوویٹ ضابطۂ تعزیرات کی دفعہ ۵۸ کی طرف اشارہ ہے (بقیہ حاشیہ ۲۷۲ پر)

"یہ پیرا گراف کیا ہے؟"

"پیرا گراف؟" کوسٹوگلوٹوو ایک منٹ تک سوچتا رہا۔ "زوئنکا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تمھیں بہت سی خطرناک باتیں بتا رہا ہوں۔ اس مواد کے بارے میں احتیاط برتنا ورنہ تم مصیبت میں پڑ سکتی ہو۔ میری بنیادی سزا پیرا گراف کے مطابق مشقت کے کیمپ میں سات سال کی سزا تھی اور سچ جانو کہ جس کسی کو آٹھ سال سے کم سزا ملی اس نے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔ الزامات بالکل ہوائی تھے۔ لیکن پھر پیرا گراف بھی تھا جس کا اطلاق 'گروپ سرگرمی' پر ہوتا ہے۔ پیرا گراف بجائے خود کیمپ کی سزا کو طول نہیں دیتا لیکن ہم چونکہ ایک گروپ کے ممبر تھے، اس لیے ہم سب کو دوامی طور پر جلاوطن کر دیا گیا۔ مختلف جگہوں پر جلاوطن کر دیا گیا۔ تاکہ ہم پرانی جگہ پر پھر سے آپس میں نہ مل سکیں۔ کیا اب تم بات سمجھ گئی ہو؟"

نہیں۔ وہ اب بھی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"تو تم سب اس چیز کے رکن تھے جسے" ــــ وہ کوئی معتدل سا لفظ تلاش کرنے لگی ـــ "جسے ٹولی کہتے ہیں۔"

کوسٹوگلوٹوو کے منہ سے ہنسی کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ پھر اس نے اپنی ہنسی روک لی اور فوراً ہی اس کی بھنویں تن گئیں۔

"کتنی حیرت انگیز بات ہے۔ تم بالکل میرے محتسب کی طرح ہو۔ 'گروپ' کا لفظ تمھیں مطمئن نہ کر سکا۔ وہ بھی ہمیں ٹولی ہی قرار دیتا تھا۔ ہاں ہم طلبا کی ایک ٹولی تھے۔ لڑکے لڑکیاں۔ پہلے درجہ کے طالب علم اور طالبات" وہ اس کی طرف تہدیدآمیز انداز میں دیکھنے لگا۔ "مجھے علم ہے کہ یہاں سگریٹ نوشی کی ممانعت ہے اور اُسے ایک اچھا خاصہ جرم سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی میں سگریٹ پیوں گا۔ ہم آپس میں ملتے تھے،

اس کے پیراگراف کا تعلق اینٹی سوویٹ ایجی ٹیشن کرنے والے افراد سے ہے اور پیراگراف کا تعلق اینٹی سوویٹ ایجی ٹیشن کرنے والے گروپوں سے۔

لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، ناچتے تھے اور لڑکے سیاست پر بات چیت بھی کرتے تھے اور بسا اوقات ہم اس کے بارے میں بھی باتیں کرتے تھے۔ تو تم جانتی ہو کہ کچھ باتیں ایسی تھیں جو ہمیں پسند نہیں تھیں یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے بارے میں ہم زیادہ خوش نہیں تھے۔ ہم میں سے دو نے جنگ میں حصہ لیا تھا اور ہمیں امید تھی کہ جنگ کے بعد حالات کچھ مختلف ہوں گے۔ جنگ کے بعد انھوں نے ہم میں سے کئی ایک کو جن میں لڑکیاں بھی شامل تھیں، پکڑ لیا۔"

زدیا خوفزدہ ہو گئی۔ اس نے اپنا کشیدہ کاری کا سامان اٹھا لیا۔ ایک طرف وہ ایسی خطرناک باتیں کہہ رہا تھا جنھیں دہرانا حتیٰ کہ سننا تک نامناسب تھا۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ اسے اپنے کان بند کر لینے چاہیئے تھے۔ دوسری طرف یہ سن کر اسے بے پناہ اطمینان مل رہا تھا کہ وہ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو کسی کو بہکا کر تاریک گلیارے میں لے جائے اور قتل کر دے۔

اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اس نے کہا "میں سمجھی نہیں۔ تم نے دراصل کیا کیا تھا؟"

"ہم نے کیا کیا تھا؟" اس نے سگریٹ کا ایک کش لیا اور دھواں اڑانے لگا۔ وہ کتنا بڑا آدمی تھا اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ کتنا ننھا دکھائی دیتا تھا "میں نے تمھیں بتایا ہے کہ ہم طالب علم تھے۔ اگر جیب خرچ میں کچھ گنجائش ہوتی تو شراب پی لیتے، پارٹیوں میں چلے جاتے اور میں کہہ چکا ہوں کہ انھوں نے لڑکیوں کو بھی گرفتار کر لیا تھا۔ ان سب کو پانچ پانچ برس کی قید ملی۔" وہ تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "سوچو اگر یہ تمھیں پیش آ جائے۔ دوسری ٹرم کے امتحان سے پہلے ہی وہ تمھیں لے جائیں اور جیل میں ڈال دیں۔"

زدیا نے اپنا کشیدہ کاری کا سامان نیچے رکھ دیا۔

اسے خیال تھا کہ وہ کوئی خوفناک باتوں کا انکشاف کرے گا، لیکن جو کچھ اس نے کہا وہ ذرا بھی خوفناک نہیں تھا، یہ سب زیادہ سے زیادہ بچپنا تھا۔

"لیکن تم لڑکوں نے وہ سب کیا کیوں ؟"

"تمھارا کیا مطلب ہے ؟" اولک کے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"میرا مطلب ہے بے اطمینانی کیوں ظاہر کی جائے ؟ کسی چیز کی توقع کیوں کی جائے ؟"

"کیا واقعی ؟" اولک شکست خوردہ انداز میں ہنس پڑا "کیا واقعی ؟ میں تو قیاس بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ ممکن ہے ۔ زوئنکا میرے محتسب نے بھی یہی کہا تھا۔ اس کے لفظ بالکل یہی تھے ۔ کیا یہ چھوٹی سی کرسی آرام دہ نہیں ؟ بستر پر بیٹھنا اتنا آرام دہ ہرگز نہیں ۔"

اولک ایک بار کرسی میں پھر اس طرح بیٹھ گیا کہ اسے زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔ اس نے پھر سگریٹ کا کش لیا اور قدرے مچی ہوئی آنکھوں سے بڑی کھڑکی کے شیشے میں سے جھانکنے لگا۔

شام کا دھندلکا قریب آرہا تھا لیکن دن جو پہلے ہی کی طرح بے کیف تھا، اب بھی روشن تھا بلکہ کچھ روشن تر ہی ہوگیا تھا۔ کمرے کے سامنے مغرب کی طرف بادل چھٹ رہے تھے اور رخصت ہو رہے تھے ۔

زویا آخر کار سنجیدگی سے کشیدہ کاری میں مصروف ہوگئی ۔ اسے اس میں نمایاں لطف آرہا تھا۔ وہ خاموش بیٹھے رہے ۔ اولک نے پہلے کی طرح اس کے کام کی تعریف نہیں کی ۔

"اور تمھاری محبوبہ کا کیا بنا ؟ کیا وہ بھی ان میں شامل تھی ؟" زویا نے اپنا سر اٹھائے بغیر دریافت کیا۔

"ہا...ں " اولک نے جواب دیا۔ لفظ پورا کرنے میں اسے کچھ وقت لگا ۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی اور چیز کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

"اب وہ کہاں ہے ؟"

"اب ؟ اب وہ ینی سی دریا کے کنارے ہے ۔"

زویا نے جلدی سے اس کی طرف دیکھا "کیا تم اس تک رسائی کا کوئی ذریعہ ڈھونڈھ سکتے ہو؟"

"میں کوشش ہی نہیں کر رہا" اولک نے کسی بھی دلچسپی کا اظہار کیے بغیر کہا۔ جب وہ کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا تو زویا اسے دیکھ رہی تھی۔ جہاں اب وہ رہا ہے وہاں شادی کیوں نہیں کر لیتا؟

"کیا یہ واقعی بہت مشکل ہوگا؟ میرا مطلب ہے اس تک رسائی حاصل کرنا؟" یہ سوال ابھی ابھی اس کے ذہن میں آیا تھا۔

"قانونی طور پر ہماری شادی کبھی نہیں ہوئی لہٰذا عملاً یہ ناممکن ہے" اولک نے کہا "اور پھر اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"کیا تمھارے پاس اس کا فوٹو ہے؟"

"فوٹو؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "قیدیوں کو فوٹو رکھنے کی اجازت نہیں انھیں پھاڑ دیا جاتا ہے۔"

"خیر مجھے بتاؤ وہ کیسی لگتی تھی؟"

اولک مسکرایا اور اس نے اپنی آنکھیں کسی قدر بھینچ لیں "اس کے بال سیدھے شانوں تک جاتے تھے اور تب — ہو ہو۔ وہ اپنے سروں پر سے اوپر اٹھ جاتے تھے۔ اس کی آنکھوں میں کسی قدر تمسخر تھا لیکن تھوڑی سی محزونی بھی تھی۔ کیا لوگ اپنے مستقبل کو جان سکتے ہیں؟ تمھارا کیا خیال ہے؟"

"کیا تم کیمپ میں اکٹھے تھے؟"

"نہیں"

"تم دراصل اس سے الگ کب ہوئے؟"

"اپنی گرفتاری سے پانچ منٹ پہلے۔ یہ مئی کی بات ہے۔" ہم اس کے گھر کے باغیچے میں اکٹھے بیٹھے تھے۔ دوپہر کا ایک بجا ہوگا۔ میں نے اسے الوداع کہی اور چل دیا۔ کچھ ہی فاصلے پر انھوں نے مجھے دبوچ لیا۔ موڑ پہ کار منتظر کھڑی تھی۔"

"اور اسے ؟"

"اگلی رات"

"اور پھر تم نے ایک دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"صرف ایک بار۔ محتسبوں نے ہمیں پوچھ تاچھ کے لیے ایک جگہ جمع کیا تھا میرا سر انھوں نے مونڈ رکھا تھا۔ انھیں امید تھی کہ ہم ایک دوسرے کے خلاف گواہی دیں گے لیکن ہم نے گواہی دی نہیں۔"

وہ اپنے سگریٹ کے آخری حصے کو انگلیوں میں دبائے ہوئے تھا اور نہیں جانتا تھا کہ اس کا کیا کرے۔

"اسے وہاں رکھ دو" زویا نے میز پر رکھی ہوئی صاف ستھری ایش ٹرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میز وہی تھی جس پر چیئر مین جلسوں کے دوران بیٹھا کرتا تھا۔

مغرب کی طرف سے ہلکے سے بادل اور بھی ہٹ گئے تھے اور سورج کی نرم اور خوشگوار روشنی نظر آنے لگی تھی۔ اس روشنی نے ہر چیز کو نرم بنا دیا تھا، اولگ کے چہرے کو بھی جو مستقلاً سخت رہتا تھا۔

"لیکن اب تم اس سے کیوں نہیں مل سکتے ؟" زویا نے ہمدردی سے کہا۔

"زویا !" اولگ نے مضبوطی سے کہا اور کسی قدر سوچ کر کہنے لگا "کیا تم سوچ سکتی ہو کہ مشقت کے کیمپ میں ایک لڑکی کا کیا حشر ہوتا ہے، اگر وہ تھوڑی بہت خوبصورت بھی ہو۔ پہلے تو راستے ہی میں کچھ مجرم لوگ اس کے ساتھ زنا کر لیتے ہیں اور اگر نہیں تو وہاں پہنچتے ہی وہ زنا کا شکار ہو جاتی ہے۔ پھر پہلی ہی شام کیمپ کے نیمو نچوڑ یعنی کام کی نگرانی کرنے والے خون آشام اور زیادہ جو راشن دیتے ہیں، اسے ننگا کر کے حمام میں لے جاتے ہیں۔ راستے میں اسے دیکھتے جاتے ہیں اور وہیں یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ کس کی بنے گی۔ صبح ہونے تک وہ اسے ایک تجویز پیش کر دیتے ہیں۔ تم فلاں فلاں شخص کے ساتھ رہو تو تمھیں صاف ستھری اور گرم جگہ میں اچھا کام

ملے گا اور اگر وہ انکار کرے تو اس کا اہتمام کر لیتے ہیں کہ اسے اتنی مشکل سے دوچار ہونا پڑے کہ رینگتی ہوئی واپس آئے اور منت کر کے کہے کہ وہ جس کے ساتھ کہیں وہ اسی کے ساتھ رہنے کو تیار ہے۔" اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں "وہ مری نہیں زندہ رہی اور اپنی قید کی میعاد اس نے پوری کر لی۔ میں اسے الزام نہیں دیتا۔ اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن .... اب کیا کیا جا سکتا ہے؟ وہ بھی اس بات کو سمجھتی ہے۔"

وہ ایک منٹ خاموش رہا۔ سورج اپنی پوری تابانی سے چمکنے لگا اور ساری دنیا روشن اور مسرور نظر آنے لگی۔ پارک میں درخت کالے ضرور تھے لیکن واضح طور پر نظر آ رہے تھے۔ کمرے کی میز کے کپڑے کی نیلاہٹ پوری طرح نمایاں تھی اور زویا کے بال سنہری لگ رہے تھے۔

"ہم میں سے ایک لڑکی نے خودکشی کر لی، ایک زندہ ہے۔ لڑکوں میں سے ایک زندہ ہے باقی دو کا کیا ہوا۔ مجھے پتہ نہیں۔" وہ کرسی پر سے ایک طرف جھکا اور کسی قدر جھول کر گانے لگا۔

"طوفان سب کچھ بہالے گیا۔ ہم میں سے چند ہی بچے اور بہت
سے دوست دوستی کی صلا پر لبیک نہ کہہ سکے[1]۔"

وہ وہاں بیٹھا کرسی سے باہر جھکا فرش کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے بالوں کے سرے اوپر کو کھڑے تھے اور اس کے سر پر ہر طرف مختلف قسم کے زاویے بنا رہے تھے جن میں دوبار اسے بالوں کو گیلا کر کے نرم اور ہموار کرنا پڑتا تھا۔

وہ خاموش تھا لیکن زویا جو کچھ بھی سننا چاہتی تھی سن چکی تھی۔ اس نے اس کے تمام بنیادی سوالوں کا جواب دے دیا تھا۔ وہ جلاوطنی سے بندھا ہوا تھا لیکن اس کا باعث یہ نہیں تھا کہ وہ قاتل تھا۔ وہ شادی شدہ نہیں تھا۔ لیکن اس میں اس کی بری عادتوں کو دخل نہیں تھا۔ ان تمام برسوں کی مصیبتوں

---

[1] یہ مصرعے اور اس کے بعد آنے والے مصرعے سرگئی یسینن کے ہیں جو موجودہ صدی کا روس کا مقبول ترین شاعر ہے۔

کے باوجود وہ اپنی سابقہ محبوبہ کا ذکر مروّت سے کر سکتا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ سچی محبت کا اہل تھا۔

زویا نے اپنی کشیدہ کاری سے نظریں اٹھائیں، اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی کشیدہ کاری کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی خاموش تھی اور وہ بھی خاموش تھا۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ اسے خوبرو کہا جا سکے۔ لیکن زویا کو اس میں ایسی کوئی چیز بھی نظر نہیں آئی جسے بدصورتی کہا جائے۔ زویا کی دادی کہا کرتی تھی "خوبروئی ضروری نہیں ہوتی۔ آدمی کا اچھا پن ضروری ہوتا ہے۔" زویا کو جو چیز اس میں نمایاں طور پر محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ ان تمام مصائب سے گزرنے کے باوجود اس میں استحکام بھی ہے اور ثابت قدمی بھی۔ اس کی ثابت قدمی کو آزمایا جا چکا تھا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو اسے ان لڑکوں میں جن سے وہ ملتی رہی تھی کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

کشیدہ کاڑھتے کاڑھتے یکایک اس نے محسوس کیا کہ وہ نظروں ہی نظروں میں اس کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس نے اپنا سر اٹھائے بغیر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے جذبے سے بولنے لگا اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر:

" میں کسے آواز دوں؟

زندہ رہنے کی منحوس مسرت میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

" تمھیں ساتھ تو پہلے ہی مل چکا ہے"۔ زویا نے سرگوشی میں کہا۔ اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں بھی۔ اس کے ہونٹ نہ تو پیازی تھے اور نہ ان پر سرخی ہی لگی تھی۔ ان کی رنگت شنگرف اور سنترے کی رنگت کے بین بین تھی۔ بالکل آگ کی طرح۔ جیسے زرد شعلے کا رنگ ہوتا ہے۔

شروع شام کی نرم اور زرد روشنی نے اولگ کے تپلے دبلے اور بیمار سے چہرے پر زندگی کی ایک نئی رمق پیدا کر دی۔ سورج کی گرم روشنی میں ایسا لگتا تھا کہ اولگ مرے گا نہیں، زندہ رہے گا۔

اولگ نے اپنے سر کو اس طرح جنبش دی جیسے وہ کوئی ایسا گٹار بجانے والا

ہو جس نے ابھی ابھی ایک غمگین نغمہ ختم کیا ہو اور ایک نغمۂ مسرت شروع کرنے والا ہو۔
" زوئنکا! اس دن کو میرے لیے حقیقی چھٹی کا دن بنا دو۔ کیوں نا؟ میں ان سفید کوٹوں سے تنگ آچکا ہوں۔ نرسوں سے جی بھر چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایک حسین شہری لڑکی کا درشن کراؤ۔ اشترک میں پہنچ کر یہ موقع مجھے کبھی نہیں ملے گا۔"
" میں تمھارے لیے حسین لڑکی کہاں سے لاؤں؟" زویا نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔
" صرف ایک منٹ کے لیے کوٹ اتار دو اور ذرا چلو پھرو۔"
اس نے اپنی کرسی ہٹالی تاکہ اس کے چلنے کے لیے جگہ بن جائے۔
" میں ڈیوٹی پر ہوں۔" زویا نے احتجاج کیا۔" یہ میں نہیں کرسکتی۔ اس کی مجھے اجازت نہیں....."
شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اتنی دیر سے غمگین موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے یا شاید یہ غروب ہوتے سورج کا کرشمہ تھا جو کمرے میں اپنی پرمسرت اور روشن کرنیں پھینک رہا تھا۔ زویا کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اولگ کا مطالبہ پورا کردے۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں کوئی ہرج نہیں۔
اس نے اپنا کشیدہ کاری کا سامان ایک طرف رکھا، ایک ننھی سی بچی کی طرح اچک کر کرسی پر کھڑی ہو گئی اور اپنے کوٹ کے بٹن کھولنا شروع کر دیے۔ وہ جلدی جلدی کسی قدر آگے کو جھکی جیسے کمرے میں چلنے کی بجائے وہ دوڑنے کی تیاری کر رہی ہو۔
" کھینچو!" اس نے اپنا ایک بازو اس کی طرف پھیلا دیا جیسے وہ کسی اور کا بازو ہو۔ اس نے بازو پکڑ کر کوٹ کی ایک آستین کھینچ لی۔" اب دوسری۔" وہ ایک رقاصہ کی طرح گھوم گئی اور اپنی پشت اس کی طرف کر لی۔ اس نے دوسری آستین بھی اتار دی۔ سفید کوٹ اس کے گھٹنوں پر گر پڑا اور وہ... کمرے میں چلنے لگی۔ وہ کمرے میں اس طرح چل رہی تھی جیسے کسی درزی کی دکان میں اس کا کام کپڑوں کی نمائش کرنا ہو۔

وہ اپنی کمر کو جھکاتی، پھر سیدھا کرتی، چلتے چلتے اپنے بازوؤں کو ہلاتی پھر انھیں تھوڑا سا اوپر اٹھا لیتی۔

اس طرح وہ چند قدم چلی اور پھر گھوم کر اس کے قریب آ کر اپنے بازو پھیلا دیئے۔

اولک نے زوئنکا کا کوٹ اپنے سینے سے لگا رکھا تھا جیسے اس سے ہم آغوش ہو رہا ہو۔ اور کھلی کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"شاباش۔ بہت خوب" اس نے بھنبھناہٹ کی سی آواز میں کہا۔

میز پوش کی درخشاں نیلاہٹ میں کوئی خاص کیفیت تھی۔ یہ سورج کی روشنی میں چمکنے والی لازوال ازلی نیلاہٹ ہی تھی جس نے اولک کے دل کے جذبۂ تجسس و تفحص کو ڈھول دے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کی ساری متلون، پیچیدہ اور مبہم خواہشات اس میں از سر نو عود کر رہی ہیں۔ کافی مدت تک غیر یقینی اور غیر محفوظ زندگی بسر کرنے کے بعد یہ آرام دہ کمرہ اور اس کا خوش نما فرنیچر اسے واقعی آرام پہنچا رہے تھے اور یہ بھی مسرت کی بات تھی کہ وہ زویا کی دور ہی سے پرستش کرنے کی بجائے اسے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس مسرت کو اس بات نے دگنا کر دیا تھا کہ اس کی تحسین بے توجہی کا شکار نہیں تھی بلکہ اس کے لیے زویا کے دل میں پذیرائی بھی تھی۔ یہ وہی اولک تھا جو دو ہفتے پہلے موت کے منہ میں تھا۔ زویا نے اپنے شعلے کی طرح چمکتے ہوئے ہونٹوں کو ظفر مندانہ انداز میں جنبش دی جس میں اپنی اہمیت کا عیارانہ احساس شامل تھا جیسے اسے کوئی راز معلوم ہو اور بتانا نہ چاہتی ہو۔ اس نے چل کر کمرے کو پار کیا کھڑکی تک گئی اور اسی انداز میں گھوم کر اس کے روبرو کھڑی ہو گئی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا نہیں۔ وہ وہیں بیٹھا رہا۔ لیکن اس کا سر اپنے بالوں کے بڑے سے سیاہ گچھے کے ساتھ آگے کو ہو گیا جیسے زویا تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

زویا میں ایک مخصوص قسم کی قوت تھی۔ اس قوت کے مظہر موجود تھے، اسے محسوس کیا جا سکتا تھا لیکن کوئی نام دینا ممکن نہیں تھا۔ یہ وہ قوت نہیں تھی جو کسی

بھاری الماری کو دھکیلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ بلکہ ایک ایسی قوت تھی جو جوابی قوت کی طالب ہوتی ہے اولک خوش تھا کیونکہ وہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اس کے چیلنج کو قبول کر سکتا ہے اور اس کی قوت کا جواب دے سکتا ہے۔

اب جبکہ اس کا جسم صحت مند ہو رہا تھا۔ زندگی کے جذبے واپس آ رہے تھے، سب کے سب۔

"زویا!" اولک نے نغمے کی سی آواز میں کہا۔ "زویا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے نام کا مطلب کیا ہے؟"

"زویا کے معنی ہیں زندگی۔" اس نے کراری آواز میں جواب دیا جیسے کوئی نعرہ دہرا رہی ہو۔ وہ اس کی وضاحت کرنا چاہتی تھی۔ وہ وہاں کھڑکی کے شیشے کا سہارا لیے کھڑی تھی، ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی اور اس نے اپنا وزن ایک ٹانگ پر ڈال رکھا تھا۔

"اور اس میں جو 'زو' ہے کبھی اس کے بارے میں بھی سوچا؟ کیا تم کبھی یہ محسوس نہیں کرتیں کہ اس نام کی وجہ سے تم ہمارے حیوانی اجداد کے کتنی قریب ہو" زویا ہنس دی۔ اس کے ہنسنے کا انداز وہی تھا جو اس کی گفتگو کا۔

"ہم سب کسی نہ کسی حد تک ان کے قریب ہیں۔ ہم خوراک مہیا کرتے ہیں، اپنے بچوں کو پالتے ہیں . . . . کیا اس میں کچھ غلط ہے؟"

اور غالباً یہی وہ مقام تھا جہاں اسے اپنی گفتگو بند کر دینی چاہیئے تھی۔ لیکن اولک کی مسلسل اور خوشگوار مدح سرائی نے اسے سرشار کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو اسے شہر کے ان نوجوانوں میں کبھی نظر نہیں آئی تھی جو سنیچر کی رات رقص کے دوران سرسری طور پر اپنی محبوباؤں کو گدگدا دیتے ہیں۔ یکایک اس نے اپنے بازو پھیلا دیے، اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چٹخائیں اور اپنے پورے جسم کو جنبش دے کر ایک تازہ ہندوستانی فلم کا گانا گنگنانے لگی:

"آوارہ — آوارہ —"

فوراً ہی اولگ کا چہرہ دھندلا گیا" نہیں یہ گانا نہیں ۔ زویا مہربانی سے یہ گانا نہیں ۔"

زویا نے کڑوی شائستگی کا رویہ اختیار کر لیا ۔ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو ابھی گا رہی تھی اور اچھل کود کر رہی تھی ۔

" یہ گانا فلم آوارہ کا ہے ۔ کیا تم نے دیکھا نہیں ؟"

" ہاں دیکھا ہے "

" کیا یہ ایک حیرت انگیز فلم نہیں ؟ میں نے اسے دو بار دیکھا ہے ۔" دراصل یہ تھا کہ اس نے اسے چار بار دیکھا تھا لیکن وہ اس کا اعتراف کرنا نہیں چاہتی تھی " کیا تم نے اسے پسند نہیں کیا ؟ آخر آوارہ کی زندگی تمھاری جیسی ہی تو ہے ۔"

" بالکل نہیں " اولگ کی تیوریاں چڑھ گئیں ۔ اس کے چہرے کی تابانی واپس نہیں آئی تھی ۔ زرد سورج کی گرمی اسے خیر باد کہہ چکی تھی ۔ اور صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بہرحال ایک بیمار آدمی ہے ۔

" میرا مطلب ہے وہ ابھی جیل سے واپس آیا ہی تھا اور اس کی ساری زندگی تباہ ہو گئی تھی ۔"

" یہ صرف ایک فریب تھا ۔ وہ ایک مخصوص قسم کا غنڈہ تھا جس کا کام چھینا جھپٹی کرنا تھا[1] ۔"

زویا نے اپنی اوپری پوشاک کے لیے ہاتھ پھیلا یا ۔

اولگ اٹھ کھڑا ہوا اور کوٹ کو صاف کر کے اسے پہنانے لگا " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کے لوگوں کو پسند نہیں کرتے " زویا نے شکریے میں سر ہلایا اور

---

[1] اولگ کی مراد یہاں ان قیدیوں سے ہے جو پیشہ ور مجرم ہوتے ہیں اور مشقت کے کیمپوں میں تحت الارض تنظیمیں بنا کر دوسرے قیدیوں کو خوف زدہ کرتے ہیں اور انھیں لوٹتے رہتے ہیں ۔

جُنبش بند کرنے لگی۔

"میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔" اس کے چہرے سے بے رحمی ظاہر ہو رہی تھی اور اس کا جبڑا بھنچا ہوا تھا۔ "یہ لوگ لٹیرے ہیں، نکھٹو ہیں، دوسرے لوگوں کی محنت پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ تیس برس سے یہ بات میرے کانوں میں ٹھونسی جا رہی ہے کہ ان کی اصلاح ہو رہی ہے اور قریب قریب سماجی طور پر ہمارے ہم رتبہ ہیں لیکن وہ ہٹلر کے اصول پر کام کرتے ہیں۔ اگر تمھیں.... نہیں جا رہا — یہ کا لفظ بہت گندہ ہے۔ بہرحال اس کا مطلب یہ ہے: اگر تمھیں پیٹا نہیں جا رہا تو تم خاموش بیٹھے اپنی باری کا انتظار کرتے رہو۔ اگر تمھارے پڑوسی کو ننگا کیا جا رہا ہے تو تم خاموش اپنی باری کا انتظار کرتے رہو، کوئی آدمی گر پڑے تو اسے ٹھوکر مار کر انھیں بڑی خوشی ہوتی ہے اور پھر ڈھٹائی سے وہ رومانیت کا لبادہ بھی اوڑھ لیتے ہیں اور ہم ہیں کہ ان کے گرد ایک دیو مالائی کہانی بن دیتے ہیں اور فلموں میں ان کے گیت بھی گائے جاتے ہیں۔"

"کیسی دیو مالائی کہانیاں؟" ایسا لگ رہا تھا جیسے زدیا کسی نہ کسی بنا پر اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی ہو۔

"تمھیں یہ بات سمجھانے میں سیکڑوں برس لگ جائیں گے۔ لیکن خیر اگر تمھیں پسند ہے تو میں ایک سناتا ہوں۔" وہ اب کھڑکی کے پاس پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ اولگ نے اس کی کہنی پکڑ لی۔ یہ صرف اپنی برتری کا اظہار تھا اور جو وہ کہنے جا رہا تھا اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اس طرح بول رہا تھا جیسے کوئی اپنے سے کہیں کم عمر سے بات کرے۔ "یہ لٹیرے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ شریف مجرم ہیں۔ وہ بھکاریوں کو نہیں لوٹتے اور ایک قیدی کا دانہ پانی نہیں چھینتے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اس کا راشن نہیں چھینتے اور سب کچھ چھین لیتے ہیں۔ تو ۱۹۴۷ء میں خراسنے پارسک کے ٹرانزٹ کیمپ میں ہماری کوٹھری میں ایک بھی شخص ایسا نہیں تھا جو سچا بی ٹوپی پہنتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس

ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں جو چرائی جا سکے۔ اس میں نصف کے قریب ہی لیٹرے تھے۔ انھیں بھوک نے بہت ستایا تو ساری روٹی اور چینی خود ہی ہڑپ کرنے لگے۔ ہماری کوٹھری میں جو لوگ تھے وہ اجتماع ضدین تھے۔ ان میں سے نصف غنڈے تھے، نصف جاپانی، صرف ہم دو روسی سیاسی قیدی تھے۔ ایک میں اور ایک مشہور ہوا باز۔ جزیرہ شمالی کے ایک جزیرے کا نام اب بھی اس کے نام پر ہے۔ اگرچہ وہ خود جیل میں ہے۔ تین دن تک یہ غنڈے ہمیں اور جاپانیوں کو بے رحمی سے لوٹتے رہے اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ آخر جاپانی آپس میں مل گئے اور انھوں نے سازش کرلی۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ وہ کیا بول رہے ہیں۔ آدھی رات کے وقت وہ چپ چاپ اٹھے۔ پلنگوں کے کچھ تختے اٹھالیے اور 'بنسزائی' کا نعرہ بلند کر کے غنڈوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے انھیں خوب ہی پیٹا، کاش تم وہ منظر دیکھ سکتیں۔"

"وہ کیا انھوں نے تمھیں بھی پیٹا۔"

"نہیں۔ مجھے کیوں پیٹتے؟ ہم ان کی روٹی نہیں چھین رہے تھے۔ اس رات ہم غیر جانبدار تھے لیکن ہماری ہمدردیاں واضح طور پر شاندار جاپانی فوج، کے ساتھ تھیں صبح امن دامان قائم کر دیا گیا اور ہمیں روٹی اور چینی کا بھرپور راشن ملا۔ لیکن تم جانتی ہو کہ جیل کے انتظامیہ نے کیا کیا؟ انھوں نے نصف جاپانیوں کو اس کوٹھری سے نکال دیا اور ان کی جگہ اور غنڈے لے آئے۔ اس طرح پٹنے والے غنڈوں کو نہ پٹنے والوں کی کمک مل گئی۔ اب جاپانیوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ بے بس تھے۔ غنڈے ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے پاس چاقو تھے۔ سب کچھ تھا۔ وحشیوں کی طرح وہ جاپانیوں کے قتل کے درپے ہوگئے۔ ہوا باز اور میں اسے برداشت نہ کر سکے اور جاپانیوں کے ساتھ مل گئے۔"

"روسیوں کے خلاف؟"

اوکلف نے اس کی کہنی چھوڑ دی اور پوری طرح تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا جبڑا ہل رہا تھا۔

"میں لیڈروں کو روسی نہیں سمجھتا۔" اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا اور اپنے زخم کے نشان پر ہاتھ پھیرنے لگا جیسے اسے صاف کرنا چاہتا ہو۔ یہ نشان اس کی ٹھوڑی سے اس کے گال کے نیچے تک پہنچتا ہوا گردن تک جاتا تھا۔

* یہ مبندت کاری اسی وقت ہوئی تھی۔

۱۳۔۔۔ اور سو سے بھی

پیول نکولائے وچ کی رسولی سینچر کی رات کے دوران نہ تو نرم ہی پڑی تھی اور نہ ایسے کوئی آثار نظر آتے تھے کہ وہ چھوٹی ہو گئی ہے۔ اس کا احساس اسے بستر سے اٹھنے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ بوڑھا ازبک اس کے کان میں بڑے مکروہ طریقے سے کھانستا رہا تھا جس سے اس کی آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔ اس کی کھانسی صبح کے دھندلکے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی اور ساری صبح جاری رہی۔

کل اور پرسوں کی طرح یا ہر دن آج بھی بے کیف اور حبس زدہ ہی طلوع ہوا، دندانے دار شیشے کی طرح سفید جس سے محزونی میں کچھ اضافہ ہی ہوتا تھا۔ قازق چرواہا علی الصباح ہی جاگ پڑا تھا اور اپنے بستر پر آلتی پالتی مارے بے مقصد بیٹھا تھا۔ نہ کسی کو ایکسرے کے لیے بلایا جانا تھا نہ پٹیاں بدلنے کے لیے لہذا وہ وہاں جس طرح چاہے بیٹھ سکتا تھا۔ یفریم ہمیشہ ہی کی طرح نحوست مآب بنا طالسطائی کے آزردہ کر دینے والے مطالعے میں محو تھا۔ کبھی کبھی وہ اٹھ کھڑا ہوتا اور درمیانی راستے پر ادپر تلے اپنے قدم تھپتھپانے لگتا جس سے پلنگ لرز جاتے۔ لیکن کم از کم اتنا ضرور تھا کہ اب وہ پیول نکولائے وچ کو دق نہیں کر رہا تھا اور جو سچ پوچھو تو کسی کو بھی نہیں۔

بڑی جوس چلا گیا تھا۔ دن بھر وارڈ میں اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ ماہر ارضیات وہ خوش مزاج اور نرم خو نوجوان اپنے مطالعۂ ارضیات میں مصروف تھا اور کسی سے کچھ نہ کہہ رہا تھا۔ وارڈ کے دوسرے مریض بھی کافی خوش اطواری کا ثبوت دے

رہے تھے۔

پیول نکولائے وچ کو اس خیال سے مسرت ہوئی کہ اس کی بیوی اس سے ملنے آرہی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی کوئی ٹھوس مدد نہیں کر سکتی تھی لیکن یہ بھی کچھ کم نہیں تھا کہ وہ اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر سکے گا، اسے بتا سکے گا کہ وہ کتنی آزردگی محسوس کر رہا ہے۔ وارڈ کے لوگ کتنے خطرناک ہیں اور یہ کہ انجکشن سے اسے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ اس سے ہمدردی کرے گی اور وہ اپنے آپ کو بہتر محسوس کرے گا۔ وہ اسے کوئی کتاب لانے کو کہہ سکتا تھا، کوئی نئی قسم کی مسرت بخش کتاب اور اپنا فونٹن پن بھی تاکہ کل جیسی مضحکہ خیز صورتِ حال پیدا نہ ہو جب اسے نسخہ لکھنے کے لیے نوجوان لڑکے کی پنسل ادھار مانگنی پڑی تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اسے کہے گا کہ وہ برچ کے دمبل کے بارے میں پتہ چلائے۔

آخر ابھی قیامت تو نہیں آئی۔ اگر دوائیاں جواب دے گئی ہیں تو اور چیزیں ہیں جنھیں آزمایا جا سکتا ہے۔ اہم بات تو یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مرد محسوس کرے، اچھا مرد محسوس کرے، امید پرست رہے۔

رفتہ رفتہ پیول نکولائے وچ یہاں کا بھی عادی ہوتا جا رہا تھا۔ صبح کے ناشتے کے بعد اس نے کل کے اخبار میں وزیر خزانہ زوریو کی بجٹ تقریر پڑھی۔ آج کا اخبار بلا تاخیر ہی آگیا تھا۔ پہلے اسے ڈیوما نے تھام لیا تھا لیکن پیول نکولائے وچ نے ڈیوما سے درخواست کر کے اسے لے لیا اور مندیز فرانس کی حکومت کی شکست کی خبر پڑھ کر بڑا خوش ہوا (اسے اس کی سازشوں کی اور معاملات پیرس میں دھاندلی کرنے کی خوب سزا ملی۔)

اس نے فیصلہ کیا کہ اہرن برگ کے طویل مضمون کو کسی اور وقت پر اٹھا رکھے گا جنگ کے بعد اہرن برگ کی سماجی معنویت کی وہ بڑی قدر کرنے لگا تھا، اس کے چند انحرافات سے قطع نظر جن کی اصلاح قومی اخبارات نے جلدی ہی کر دی تھی) اس کے فوراً ہی بعد وہ ایک اور مضمون پڑھنے میں مصروف ہو گیا جو گوشت اور مرکبات کی پیداوار بڑھانے کے سلسلے میں مرکزی کمیٹی کے جنوری کے بھرپور اجلاس کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنانے سے

تعلق رکھتا تھا۔

اس طرح پیول نکولائے وچ نے دن بتادیا۔ حتیٰ کہ اردلی نے آکر اسے بتایا کہ اس کی بیوی آگئی ہے۔ عام طور پر صاحب فراش مریضوں کے رشتہ داروں کو وارڈ میں آنے کی اجازت دے دی جاتی تھی لیکن اس وقت پیول نکولائے وچ میں ہمت نہیں تھی کہ وہ جاکر اس معاملے میں دلیل بازی کرے کہ وہ صاحب فراش ہے۔ پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر وہ ان محزون اور دل شکستہ لوگوں سے دور باہر ہال میں چلا گیا تو نسبتہً اپنے آپ کو آزاد محسوس کرے گا۔ لہٰذا اس نے چھوٹے سے گرم گلوبند کو اپنی گردن کے گرد لپیٹا اور سیڑھیاں اتر گیا۔

ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو اپنی شادی کی نقرئی سالگرہ منانے کے بعد بھی اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی پیول نکولائے وچ کو کاپا سے تھی۔ اس کی پوری زندگی میں درحقیقت ایسا کوئی اور شخص تھا ہی نہیں جو اس کے اتنا قریب ہوتا کہ اس کے سامنے وہ اپنی کامیابیوں پر برملا خوش ہوتا اور اپنی مصیبتوں کو نظرانداز کردیتا۔ کاپا ایک سچی دوست تھی۔ ایک ذہین اور سرگرم عورت۔ پیول نکولائے وچ اپنے دوستوں کے سامنے شیخی بگھارا کرتا تھا: "وہ اتنی ذہین ہے کہ گاؤں کی پوری کونسل مل کر بھی اتنی ذہین نہیں۔" پیول نکولائے وچ نے اس کے ساتھ بے وفائی کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی اور کاپا نے کبھی اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔ یہ کہنا غلط ہے کہ جو خاوند سماجی سیڑھی پر اونچے چڑھ جاتے ہیں وہ اپنے گزشتہ ایام جوانی پر ہمیشہ ندامت محسوس کرتے ہیں۔ اس وقت کے مقابلے میں جب ان کی شادی ہوئی تھی وہ اب کہیں اونچے چلے گئے تھے۔ وہ اس وقت آٹے کے سیو بنانے کی اسی فیکٹری میں ایک مزدور تھی۔ جہاں اس نے کچھ بنانے والے کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا۔ لیکن شادی سے پہلے ہی وہ ترقی کرکے فیکٹری کی ٹریڈ یونین کمیٹی کا ممبر بن گیا تھا۔ اور حفاظتی انتظامات کرنے والے عملے میں شامل ہوگیا تھا۔ پھر جب سوویٹ تجارتی انجمن کے عملے میں اضافہ ہوا تو نوجوان کمیونسٹ لیگ کی رکنیت کی بدولت اسے وہاں لگا دیا گیا اور ایک سال بعد

اسے فیکٹری کے سیکنڈری سکول کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ ان سارے برسوں میں ان کے مفادات کبھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں رہے۔ ان کی پرولتاری ہمدردیاں بدلیں نہیں۔ اگر کبھی کوئی جشن یا تہوار ہوتا وہ تھوڑی سی پی لیتے۔ اگر ان کے آس پاس سادہ لوگ ہوتے تو وہ اپنے ان دنوں کا ذکر کرتے جو انھوں نے فیکٹری میں گزارے تھے اور زور زور سے مزدوروں کے گیت گانے لگتے۔

چوڑی چکلی کاپا اپنے چیتیوں والے لومڑی کے دو سیاہ سموروں اور اپنے بڑے سے ہینڈ بیگ کے ساتھ جو حجم میں بریف کیس کے برابر تھا اور اپنے بڑے سے تھیلے کے ساتھ جو اشیائے خورد و نوش سے بھرا ہوا تھا، ہال کے گرم ترین گوشے میں اتنی جگہ گھیرے بیٹھی تھی جس میں تین نفوس بہ آسانی بیٹھ سکتے تھے۔ وہ اپنے نرم اور گرم ہونٹوں سے اپنے خاوند کا بوسہ لینے اٹھی اور اپنے فرکوٹ کا لٹکتا ہوا کنارہ اس کے بیٹھنے کے لیے بنچ پر بچھا دیا تاکہ وہ زیادہ آرام سے بیٹھ سکے۔

"ایک خط آیا ہے۔" اس نے اپنے ہونٹوں کے کونوں کو پھڑکاتے ہوئے کہا۔ یہ ایک مانوس ادا تھی جس سے پیول نکولائے وچ نے فوراً ہی یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ خط ناخوشگوار قسم کا ہے۔ کاپا ٹھنڈے دماغ کی ایک سمجھدار عورت تھی لیکن اپنی ایک زنانہ عادت پر اس کے لیے قابو پانا ناممکن تھا۔ جب بھی کوئی خبر ہوتی، اچھی یا بری، وہ اُسے فوراً ہی اگل دیتی۔

"اچھا تو آؤ۔" پیول نکولائے وچ نے آزردہ سے لہجے میں کہا۔ "اب سنا بھی ڈالو۔ اگر اتنا اہم ہے تو سنا ہی ڈالو۔"

اب جب کاپا نے بات اگل دی تھی تو اس کے دل سے بوجھ ہٹ گیا تھا اور اب وہ ایک عام انسان کی طرح گفتگو کر سکتی تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" اس نے کسی قدر ندامت سے کہا: "یہ بتاؤ تم کیسے ہو پاسک، تم کیسے ہو؟ مجھے انجکشن کے متعلق سب معلوم ہو گیا ہے۔ میں نے جمعہ کے دن میٹرن کو فون کیا تھا اور کل صبح پھر کیا تھا۔ اگر کہیں کوئی خامی ہوتی تو

میں فوراً ہی دوڑی دوڑی آتی لیکن اس نے مجھے بتایا کہ سب ٹھیک رہا، سب ٹھیک ہے۔"

"انجکشن ٹھیک رہا۔" پیول نکولائی وچ نے تائید کی۔ وہ اپنی قوتِ برداشت پر مسرور تھا" لیکن یہاں کا ماحول! کاپیکا! یہاں کا ماحول!" اور فوراً ہی لیفریم اور بڑی چوس سے شروع ہو کر ہر وہ چیز جو اس کا ناک میں دم کر دینے والی تھی، اس کے ذہن میں آنے لگی اور بالآخر اس نے ایک اذیت ناک لہجے میں کہا!" کاش یہاں ایک الگ بیت الخلا ہی ہوتا۔ یہاں کے بیت الخلا دہشت ناک ہیں۔ الگ الگ بیت الخلا ہیں ہی نہیں۔ ہر کوئی تمہیں دیکھ سکتا ہے۔"

(عوامی غسل خانے یا عوامی بیت الخلا کا استعمال آدمی کے وقار کو لامحالہ ضعف پہنچاتا ہے۔ اپنے دفتر میں روسانوو دوسری منزل پر جایا کرتا تھا تاکہ اسے عام سٹاف کا بیت الخلا استعمال نہ کرنا پڑے)

کاپا نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ کتنا آزردہ محسوس کر رہا ہے اور یہ کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہونا ہی چاہئیے، اس کی بات میں مداخلت نہیں کی بلکہ اس کی بجائے اسے نئی نئی شکائتیں کرنے کا حوصلہ دلاتی رہی حتیٰ کہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا اور وہ اس انتہائی ناقابلِ جواز اور بے باک شکایت تک پہنچ گیا:" وہ ڈاکٹروں کو معاوضہ کس بات کا دیتے ہیں؟" کاپا نے اس سے تفصیلاً پوچھا کہ انجکشن کے دوران اور اسکے بعد اس نے کیا محسوس کیا اور اس کی رسولی کا کیا حال ہے؟ اس نے کسی قدر اس کے سکارف کو بھی ہٹا دیا، رسولی کو غور سے دیکھا اور اپنی رائے دی کہ یہ خفیف سی کم ہو رہی ہے۔

ایسا نہیں تھا، پیول نکولائے وچ یہ جانتا تھا۔ اس کے باوجود کسی کو یہ کہتے سننا خوشگوار تھا کہ وہ کچھ کم ہو رہی ہے۔

"خیر کم سے کم اتنا تو ہے کہ یہ بڑھی نہیں۔ کیوں نا؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں" اس بات کا کاپا کو کامل یقین تھا۔

"کاش اتنا ہو کہ یہ بڑھنی بند ہو جائے۔" پیول نکولائے وچ نے اس لہجے میں

کہا جیسے وہ رسولی سے درخواست کر رہا ہو کہ وہ رک جائے۔ اس کی آواز اشک آلود تھی۔
"کاش ایسا ہو کہ یہ رک جائے۔ اگر یہ ایک ہفتے تک اور اسی طرح بڑھتی رہی تو خدا ہی جانتا ہے..... " نہیں اس سے آگے وہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ سیاہ پاتال میں جھانکنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ کتنا آزردہ محسوس کر رہا تھا۔ کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا تھا۔
"اگلا انجکشن کل ہے۔ اس کے بعد بدھ وار کو لیکن اگر اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا تو کیا ہوگا؟ میں کیا کروں گا؟"

"تب تمہیں ماسکو جانا ہوگا" کاپا نے پر عزم لہجے میں کہا۔ "آؤ ہم فیصلہ کر لیں کہ اگر اگلے دو انجکشنوں سے فائدہ نہ ہوا تو ہم تمہیں ماسکو کے لیے جہاز پر بٹھا دیں گے۔ تم نے جمعہ کے دن انھیں فون کیا تھا لیکن پھر تم نے اپنا ارادہ بدل لیا۔ لیکن اب میں نے شینٹیاپن کو فون کیا ہے اور ایلی مود سے مل چکی ہوں اور ایلی مود نے خود ماسکو فون کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں تک جو بیماری تمہیں ہے اس کا علاج صرف ماسکو ہی میں ہو سکتا تھا۔ ہر کسی کو وہیں بھیجا جاتا تھا لیکن پھر وہ یہیں علاج کرنے لگے۔ تم جانتے ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ مقامی ماہرین کے معیار کو بہتر بنایا جائے۔ بہر حال ڈاکٹر مکروہ قوم ہے۔ پیدا واری کامیابیوں کا ذکر کیسے حق بجانب ہے جب ان کا واسطہ زندہ لوگوں سے ہے۔ چاہے تم کچھ ہی کہو، میں ڈاکٹروں سے نفرت کرتی ہوں۔"

"ہاں ہاں" پیول نکولائے وچ نے تلخی سے اتفاق کیا۔ "ہاں۔ یہی میں انھیں یہاں بتاتا رہا ہوں۔"

"مجھے استادوں سے بھی نفرت ہے۔ مائیکا کے ساتھ جو ہوا ہے اس کی بنا پر میں ان استادوں سے تنگ آ گئی ہوں اور لاورک کا کیا بنا؟"

پیول نکولائے وچ نے اپنی عینک کے شیشے پونچھے۔ "اپنے زمانے میں یہ بات میں اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ جب میں ایک سکول کا ڈائریکٹر تھا۔ تمام تربیت یافتہ اساتذہ ہمارے اقتدار کے تئیں معاندانہ رویہ رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ہماری

طرف نہیں تھا۔ بنیادی مسئلہ یہی تھا کہ انھیں قابو میں رکھا جائے۔ لیکن اب ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ ہم ان پر بھروسہ کریں، ان کے ساتھ توقعات وابستہ کریں۔"

"بہت اچھا، اب سنو۔ تمھیں ماسکو بھیجنے کے معاملے میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں۔ ہمارا راستہ بالکل ہی خار دار نہیں، کہیں کہیں کھلی جگہ ڈھونڈھی جا سکتی ہے ناپلی مودنے انھیں خصوصی انتظام کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ وہ تمھارے لیے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈھ لیں گے۔ اب تم بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں تیسرے انجکشن کا انتظار کرنا چاہیے؟"

انھوں نے جو منصوبہ بنایا وہ واضح تھا جس سے پیول نکولائے وچ کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اس تاریک گھروندے میں بیٹھ کر چپ چاپ موت کا انتظار کرنے سے تو کچھ بھی بہتر تھا۔ روسانوو میاں بیوی اپنی زندگی بھر باعمل اور بداعت پسند رہے تھے۔ انھیں داخلی سکون تبھی ملتا تھا جب وہ پہل کریں۔

آج جلدی کرنا مطلق ضروری نہیں تھا۔ پیول نکولائے وچ یہاں اپنی بیوی کے پاس جتنی زیادہ دیر بیٹھا رہے اور وارڈ میں لوٹنے سے گریز کرتا رہے، اتنا ہی اس کے لیے اچھا تھا۔ باہر کا دروازہ چونکہ کھلتا اور بند ہوتا رہتا تھا اس لیے پیول پر کبھی کبھی کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ کاپیٹولینا متویونا کے کوٹ کے نیچے اس کے کاندھوں سے جو شال لپٹا ہوا تھا وہ اس نے اتار دیا اور اپنے خاوند کے گرد لپیٹ دیا۔ اتفاق سے جو دوسرے لوگ بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ صاف ستھرے تھے اور مہذب بھی لہذا یہ میاں بیوی وہاں کافی دیر تک بیٹھ سکتے تھے۔ وہ ایک کے بعد دوسرے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ اور انھوں نے اپنی زندگی کے ایسے کئی پہلوؤں پر گفتگو کی جن میں پیول نکولائے وچ کی بیماری کی وجہ سے خلل پڑ گیا تھا۔ صرف ایک موضوع ایسا تھا جس سے انھوں نے گریز کیا۔ صرف ایک امکان سے جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا انھوں نے بحث نہیں کی۔ اگر بدترین بات ہو گئی تو کیا ہوگا؟ اس ایک امکان کے سلسلے میں ان کے پاس کوئی منصوبہ نہیں تھا، کوئی پروگرام نہیں تھا، کوئی ہدایت نامہ نہیں تھا، اس افتاد کے لیے وہ بالکل ہی تیار نہیں تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ

اسے خارج از امکان سمجھ رہے تھے (یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی یہ خیال کاپا کے ذہن میں کوند جاتا تھا کہ اگر اس کا شوہر مر گیا تو اس کے گھر اور اس کی جائداد کی کیا پوزیشن ہو گی لیکن ان دنوں کی پرداخت امید پرستی کی ایسی سپرٹ میں ہوئی تھی کہ اس قسم کے امکانات کا تجزیہ کر کے خود کو آزردہ کرنے اور مریضانہ قسم کی آخری وصیت کرنے کی بجائے وہ انھیں غیر یقینی ہی چھوڑ دینا چاہتے تھے)

کاپا کو ٹیلیفون پر جو پیغامات موصول ہوئے تھے وہ ان کے بارے میں بات چیت کرتے رہے اور بورڈ آف انڈسٹری سے اس کے رفقا نے جو استفسارات کیے تھے اور اپنی خواہشات بھیجی تھیں ان کے بارے میں بھی بات چیت کرتے رہے نیکرڑی کے مخصوص شعبے[1] سے اس بورڈ میں نکولائے وچ کا تبادلہ گزشتہ برس ہی ہوا تھا۔ وہ خود صنعتی معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا کیونکہ وہ کوئی محدود قسم کا ماہر نہیں تھا ٹیکنیکل معاملات کا فیصلہ انجینئر اور ماہرین اقتصادیات ہی کرتے تھے۔ اس کا کام تو یہ تھا کہ وہ ان پر ایک خاص قسم کا کنٹرول رکھے) اس کے سبھی ساتھی اسے پسند کرتے تھے اور یہ جان کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اس کے بارے میں اتنے متوشش ہیں۔

میاں بیوی میں نکولائے وچ کی پنشن کے امکانات کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن خصوصی شعبوں میں اتنے ذمہ دار عہدوں پر طویل خدمات کے باوجود اور بہت اچھی کارکردگی کے باوجود اس کا امکان کچھ زیادہ نہیں تھا کہ اس کی زندگی کا خواب پورا ہو جائے اور اسے وہ ذاتی پنشن مل جائے جو بڑے بڑے عہدہ داروں کو ملتی ہے۔ اسے تو سول ملازموں والی منفعت بخش پنشن بھی شاید نہ مل سکے جو کافی اونچی سطح سے شروع ہوتی ہے اور شروع بھی کافی مناسب عمر سے ہو جاتی ہے۔ یہ سب صرف اس لیے ہو گا کہ ۱۹۳۹ء میں وہ فوجی

---

[1] روس کی خفیہ پولیس کے، جی، بی، کی طرف اشارہ ہے۔

وردی پہننے سے گریز کر گیا حالانکہ یہ وردی اسے پیش بھی کی گئی تھی۔ یہ افسوس ناک تھا لیکن اگر گزشتہ دو برس کے غیر یقینی حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو شاید اتنا افسوسناک تھا بھی نہیں۔ غالباً یہ ایک ایسی قیمت تھی جو آدمی کو سلامتی کے لیے ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔

عوام میں اعلیٰ تر معیارِ زندگی کی جو عمومی خواہش پیدا ہو رہی تھی ان کے درمیان اس پر بھی گفتگو ہوئی۔ یہ رجحان گزشتہ چند برسوں میں خاص طور پر رونما ہوا تھا اور اس کا اظہار کپڑوں، فرنیچر اور مکانات کی آرائش اور روز بروز بڑھتے ہوئے ذوق میں ہو رہا تھا۔

اس مرحلے پر کاپیٹو لینا متویونا نے کہا کہ اگر اس کے خاوند کا علاج دیر تک جاری رہنا ہے (انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ علاج چھ ہفتے یا دو ماہ تک جاری رہ سکتا ہے) تو بہتر ہوگا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر فلیٹ میں کچھ تبدیلیاں کرالی جائیں۔ غسل خانے کا ایک پائپ بہت پہلے وہاں سے ہٹا دیا جانا چاہیے تھا۔ کچن کی ناند کو وہاں سے ہٹا کر کہیں اور بنانا چاہیے۔ پاخانے کی دیوار کو ٹائلوں کی ضرورت تھی اور کھانے کے کمرے اور پیول نکولائیے وچ کے کمرے میں نیا روغن کرانا انتہائی ضروری تھا۔ اب کے رنگ مختلف قسم کا ہونا چاہیے۔ (وہ ابھی سے سوچ رہی تھی کہ یہ رنگ کیسا ہوگا اور کتنا گہرا) اور اس پر سنہری دھاریاں بھی ہونی چاہئیں جن کا شوق ان دنوں جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ پیول نکولائیے وچ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن فوراً ہی ایک پریشان کن مسئلہ سامنے آ گیا۔ اگرچہ مزدور ریاست کی طرف سے بھیجے جائیں گے اور وہیں سے انھیں معاوضہ ملے گا لیکن وہ فلیٹ کے مالکوں سے کچھ خرید بھی ضرور بٹوریں گے اور یہ وہ بخشش کے طور پر نہیں مانگیں گے بلکہ زبردستی وصول کریں گے۔ نکولائیے وچ کو اتنی فکر پیسے کی نہیں تھی (اگرچہ پیسے کا ہاتھ سے جانا بھی کافی بُرا تھا) اسے زیادہ فکر تو اصول کی تھی جو اس کے نزدیک کہیں زیادہ اہم تھا وہ انھیں ادائیگی کیوں کرے، آخر کیا وجہ ہے؟ اسے اپنے کام کے صلے میں صرف

مناسب تنخواہ ہی ملتی ہے، اگرچہ اس میں بونسوں کا اضافہ بھی شامل ہوتا ہے لیکن وہ زائد ادائیگیوں اور بخشش کا کبھی مطالبہ نہیں کرتا۔ تو پھر یہ دھاندلی باز مزدور، یہ ٹکے ٹکے کے لوگ روپے پیسے کے اتنا پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ اس معاملے میں کوئی رعایت برتنا اصول شکنی ہوگا۔ یہ تو ساری نیم بورژوا دنیا اور اس کے ناپسندیدہ عناصر کے ساتھ رعایت برتنے والی بات ہوگی۔ جب بھی یہ سوال سامنے آتا پیول نکولامے وچ مضطرب ہو جاتا۔

"کاپا! ایسا کیوں ہے؟ آخر ان لوگوں کو مزدوروں کی حیثیت سے اپنے وقار کا خیال کیوں نہیں؟ جب ہم آئے، کے سیو بنانے والی فیکٹری میں کام کرتے تھے تو ہم نے کبھی شرطیں عائد نہیں کیں۔ فورمین کی جیبوں کو کبھی نہیں ٹٹولا ایسی بات ہمارے دماغ میں آ ہی نہیں سکتی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو ہمیں مزدوروں کو بددیانت نہیں بنانا چاہیئے۔ یہ تو رشوت ہے۔ اس سے کم ہرگز نہیں۔"

کاپا کو اس سے مکمل اتفاق تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر مزدوروں کو کچھ نہ دیا گیا اور کام شروع کرنے سے پہلے اور کام کے وسط میں انھیں ووڈکا نہ پلائی گئی تو وہ کام میں کہیں نہ کہیں گڑبڑ کر کے اپنا بدلہ چکا لیں گے اور نقصان انھیں کا ہوگا۔

"ایک ریٹائرڈ کرنل اپنی ضد پر قائم رہا اور کہا کہ میں تمھیں فالتو ایک کوپک بھی نہیں دوں گا۔ مزدوروں نے غسل خانے کی بدرو کے پائپ میں ایک مردہ چوہا رکھ دیا۔ پانی ٹھیک ڈھنگ سے نہیں بہا۔ اور خوفناک بدبو پھیل گئی۔"

چنانچہ فلیٹ کی مرمت کے معاملے میں وہ کسی بھی فیصلے پر نہ پہنچ سکے۔ زندگی پیچیدہ ہے، بڑی ہی پیچیدہ۔ خواہ تم کسی بھی صنف میں ہو۔

وہ لیوری کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ وہ ان کا سب سے بڑا لڑکا تھا لیکن کچھ زیادہ ہی حلیم اور نرم مزاج تھا۔ رد سانوودں کی طرح زندگی پر اس کی گرفت مضبوط نہیں تھی۔ انھوں نے اسے قانون کا امتحان پاس کرا دیا تھا اور کالج کے بعد

اس کے لیے اچھی ملازمت بھی ڈھونڈھ دی تھی۔ لیکن وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور تھے کہ وہ اس قسم کے کام کے لیے درحقیقت موزوں نہیں۔ وہ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ اپنی پوزیشن کو کس طرح مستحکم بنایا جاتا ہے اور مفید رابطے کس طرح قائم کیے جاتے ہیں۔ اب جبکہ وہ کاروباری سفر پر تھا تو ہمہ وقت کوئی نہ کوئی غلطی کرتا ہوگا۔ پیول نکولائےوچ کو اس معاملے میں بڑی تشویش تھی لیکن کا پیٹونا مٹویونا کو زیادہ تشویش اس کی شادی کے بارے میں تھی۔ اس کے باپ نے اسے گاڑی چلانا سکھا دیا ہے۔ وہ یہ بھی انتظام کر دے گا کہ اسے پرائیوٹ فلیٹ مل جائے لیکن وہ اسے شادی کے معاملے میں غلطی کرنے سے کس طرح روک سکتا ہے؟ وہ اتنا گاؤدی لڑکا ہے کہ کپڑے کی مل کی کوئی بھی جولاہن لڑکی اسے پھانس سکتی ہے لیکن شاید جولاہن لڑکی نہیں۔ بھلا ایسی کون سی جگہ ہے جہاں وہ اور جولاہن لڑکی دونوں جاتے ہوں۔ پھر ملاقات کی سبیل کیسے پیدا ہوگی؟ لیکن اب جبکہ وہ سفر پر ہے تو اس قسم کے خطرے کا انسداد کیسے ہو؟ یہ ایک ایسا قدم ہے جو بڑی ہی آسانی سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ اٹھے اور سوچے سمجھے بغیر شادی کے رجسٹر پر دستخط کر دے۔ اور اس سے صرف اس نوجوان کی زندگی تباہ نہیں ہوگی بلکہ اس کا خاندان بھی تباہ ہو جائے گا۔ اتنے برسوں تک اس کے لیے جو کوشش کی گئی ہے، سب اکارت چلی جائے گی۔ ذرا شینڈریاپن کی لڑکی کی طرف دیکھو۔ اساتذہ کے تربیتی کالج میں اس نے ایک ہم جماعت سے شادی بس رچا ہی لی تھی۔ وہ گاؤں کا ایک معمولی لڑکا تھا اور اس کی ماں مشترکہ کھیت پر کام کرنے والی ایک معمولی کسان عورت۔ ذرا شینڈریاپن کے فلیٹ کا تصور کرو، ان کے فرنیچر کا اور ان با اثر لوگوں کا جو ان کے مہمان ہوا کرتے ہیں۔ یکایک سر پر سفید رومال لپیٹے یہ بوڑھی عورت ان کے میز پر آموجود ہوتی ہے۔ اس کے پاس پاسپورٹ تک نہیں اور وہ ان کی لڑکی کی ساس ہے۔ اب باقی کیا رہ جاتا

لہ امو شناختی دستاویز کے بغیر ایک سوویٹ شہری آزادانہ طور پر ایک جگہ سے دوسری

(بقیہ ص ۲۹۷ پر)

ہے ؟ وہ تو خدا بھلا کرے انھوں نے کسی نہ کسی حیلے سے اپنی لڑکی کے محبوب کو سیاسی طور پر بے وقار بنا دیا اور اس طرح اپنی لڑکی کو بچا لیا

اوڈیٹی (جسے وہ اختصار کے طور پر ایوا یا ایلا بھی کہتے تھے) کی بات اور ہی تھی۔ اوڈیٹی روسانوو گھرانے کا موتی تھی۔ سکول کی لڑکیاں جو چھوٹی موٹی شرارتیں کرتی رہتی ہیں، ان سے قطع نظر، اس کی ماں یا اس کے باپ کو ایک بھی موقع ایسا یاد نہیں تھا جب اس نے کوئی ایسی حرکت کی ہو جس سے انھیں تکلیف پہنچی ہو یا تشویش ہوئی ہو۔ وہ خوبصورت تھی، ذہین تھی اور پرجوش تھی۔ وہ زندگی کو سمجھتی تھی اور جانتی تھی کہ اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ اس نے کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا خواہ معاملہ اہم ہو یا غیر اہم۔ اسے اپنے ماں باپ سے کوئی شکایت تھی تو اپنے نام کے پہلے حصّے کے بارے میں۔ "مجھے یہ لفظی شعبدہ بازی پسند نہیں۔" وہ کہا کرتی "مجھے صرف ایلا کہا کرو۔" لیکن اس کے پاسپورٹ پر بالکل واضح طور پر لکھا ہوا تھا: اوڈیٹی پاولوونا۔ کتنا خوبصورت نام تھا۔ چھٹیاں قریب ختم ہونے والی تھیں۔ بدھ کے دن وہ ہوائی جہاز سے ماسکو سے آجائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلا کام وہ یہ کرے گی کہ ہسپتال آئے گی۔

نام کتنی گڑبڑ پھیلا سکتے ہیں؟ حالات بدل جاتے ہیں لیکن نام نہیں بدلتے۔ اب لادرک کو بھی اپنے نام سے نفرت ہونے لگی تھی۔ جب تک وہ سکول میں تھا سب ٹھیک تھا، کسی کو اس کی فکر نہیں تھی۔ لیکن اس سال کے آخر تک اسے اپنا پاسپورٹ ملے گا، اور اس پر کیا لکھا ہوگا؟ لیورنٹی پاولووچ[1]۔ اس وقت اس کے ماں باپ نے یہ سوچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۶ سے آگے) جگہ نہیں جا سکتا اور نہ اپنی ملازمت ہی تبدیل کر سکتا ہے۔ شہریوں کے پاس یہ پاسپورٹ ہوتا ہے لیکن مشترکہ کھیت پر کام کرنے والوں کے پاس بالعموم نہیں ہوتا جس کا مطلب یہ ہے کہ مختصر وقفوں کے سوا وہ اپنے گانو کو چھوڑ کر جا ہی نہیں سکتے۔

[1] یہ سٹالن کی خفیہ پولیس کے بے رحم افسر بیریا کا پہلا نام اور پدری نام تھا۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں اسے برطانوی جاسوس قرار دے کر ختم کر دیا گیا۔

سمجھ کر کیا تھا؟" اسے سٹالن کے وزیر اور راسخ ترین رفیق کا نام دے دو۔" اس وقت انھوں نے کہا تھا ؛" اسے ہر معاملے میں ویسا ہی ہونا چاہیے ." لیکن اب ایک برس سے حالات بدل گئے تھے ." یورنٹی پاؤلووچ" کے لفظ پبلک میں زور سے کہنے سے پہلے سوچنا پڑتا تھا۔ ایک بات جو لاورک کو بچا سکتی تھی یہ تھی کہ وہ فوجی اکیڈمی میں جا رہا تھا۔ فوج میں اس کے نام کے پہلے دو اجزا استعمال نہیں ہوں گے۔

سرگوشی میں تو یہ بات کہی ہی جا سکتی تھی :" آخر معاملے کو اس طرح کیوں نپٹایا گیا؟" شسٹنیڈریاپن گھرانے کا بھی یہی خیال تھا۔ اگرچہ جن لوگوں کو وہ جانتے نہیں تھے ان کے سامنے اس کا ذکر نہیں کرتے تھے ۔ اچھا فرض کرو بیریا بے ایمان، بورژوا قوم پرست اور طاقت کا بھوکا ہی تھا۔ اس صورت میں اس پر مقدمہ چلاؤ اور بند دروازے کے پیچھے اسے گولی مار دو، لیکن عام لوگوں کو اس کے بارے میں بتانے کی کیا ضرورت تھی ؟ ان کا ایمان کیوں متزلزل کیا جائے ؟ ان کے دل میں شکوک کیوں پیدا کیے جائیں ؟ یہ سب کچھ کرنے کے بعد کسی خاص دفتری سطح پر ایک خفیہ مراسلہ بھیجا جا سکتا تھا تاکہ تفصیلات کی وضاحت ہو جائے ۔ جہاں تک اخباروں کا تعلق ہے کیا بہتر یہ نہیں تھا کہ وہاں یہ شائع کر دیا جاتا کہ وہ دل کے حملے سے مرا ہے اور اسے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا جاتا۔

انھوں نے اپنی سب سے چھوٹی لڑکی مائیکا کے بارے میں بھی بات چیت کی ۔ اس برس مائیکا نے ہمیشہ کی طرح پانچ میں سے پانچ نمبر نہیں لیے تھے ۔ اب وہ ممتاز شاگرد نہیں رہی تھی ۔ اس کا نام اعزازی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا اور بسا اوقات اب وہ پانچ میں سے چار نمبر بھی نہیں لیتی تھی ۔ ابتدائی مدرسے میں صرف ایک استاد تھا جو ہمہ وقت اس کی نگہداشت کرتا تھا ۔ وہ اسے بھی جانتا تھا اور اس کے ماں باپ کو بھی ۔ مائیکا کو شاندار کامیابی حاصل ہوتی رہی، لیکن اس برس پورے ایک درجن استاد تھے ، مختلف موضوعات کے ماہرین جو اسے ہفتے میں صرف ایک سبق پڑھاتے تھے ۔ وہ اپنے شاگردوں کو پہچانتے نہیں تھے اور ان کی ساری دلچسپی صرف ٹائم ٹیبل

سے ہوتی تھی۔ کیا یہ بات ان کے ذہن میں کبھی نہیں آتی تھی کہ اس قسم کی تبدیلی سے بچے کو کتنا صدمہ پہنچے گا اور اس کے کردار کو کتنا۔ کاپٹیولینا مٹویونا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گی۔ وہ مجلسِ والدین کو حرکت میں لائے گی اور سکول کا معاملہ درست کر کے رہے گی۔ ویسے سکول کے حسن کارکردگی کو نئی اصلاح سے بھی نقصان پہنچ رہا تھا۔ آخر مخلوط تعلیم جاری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ سکولوں میں تعلیم دینے کے پرانے طریقے ہی کو کیوں نہ جاری رکھا جائے؟ یہ تو سوویٹ تعلیمی سائنس کا انتہائی نابالغ نظرانہ کارنامہ تھا۔

اس قسم کے موضوعات پر وہ کئی گھنٹے تک بات چیت کرتے رہے۔ لیکن ان کی بات چیت میں ایک طرح کی مجہولیت سی تھی۔ ان میں سے یہ بات اگرچہ کسی نے کہی نہیں لیکن دونوں ہی کو احساس تھا کہ ان کی بات چیت میں کچھ غیر علمی پن ہے۔ پول نکولائے وچ کی ہمت بالکل پست ہو رہی تھی۔ جن اشخاص اور واقعات کے بارے میں وہ بات چیت کر رہے تھے ان کی حقیقت ہی کا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی خواہش اب یہ تھی کہ وہ اپنے بستر میں لیٹ جائے، اپنی رسولی کو تکیے کا سہارا دے کر کچھ آرام پہنچائے اور اپنا سر کمبل سے ڈھانک لے۔

لیکن کاپٹولینا مٹویونا کسی نہ کسی جتن سے گفتگو کو جاری رکھے ہوئے تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خط اس کے ہینڈ بیگ کو جھلسے جا رہا تھا۔ یہ خط اسے اپنے بھائی مینائی کی طرف سے آج ہی ملا تھا جو دک، میں رہتا تھا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں جنگ سے پہلے روسانوو رہتے تھے، جہاں ان کی جوانی بسر ہوئی تھی، جہاں ان کی شادی ہوئی تھی اور جہاں ان کے بچے ہوئے تھے۔ لیکن جنگ کے زمانے میں وہ اس شہر کو چھوڑ کر یہاں آگئے تھے اور پھر وہاں نہیں گئے تھے۔ کوشش کر کے انھوں نے اپنا فلیٹ کاپا کے بھائی کو منتقل کرا دیا تھا۔

اسے احساس تھا کہ اس کا خاوند اس وقت اس قسم کی خبر سننے کے لیے آمادہ نہیں ہے لیکن یہ بھی صحیح تھا کہ یہ ایک ایسی خبر تھی کہ کسی دوست یا کسی آشنا کو ہمراز نہیں بنایا

جاسکتا تھا۔ سارے شہر میں ایسا ایک بھی شخص نہیں تھا جسے وہ یہ خبر اس کی پوری تفصیلات کے ساتھ بتا سکتی۔ آخر اس نے اپنے خاوند کی دلدہی میں کوئی دقیقہ تو نہیں اٹھا رکھا تھا۔ اب اگر اسے اس کی ہمدردی کی ضرورت ہے تو اس سے محروم کیوں رہے؟ یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ گھر چلی جائے اور اس خبر کو اپنے تک محدود رکھے۔ جہاں تک بچوں کا سوال ہے، اوڈیٹی واحد شخص تھی جسے وہ یہ بات سمجھا سکتی تھی۔ پوری کو بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اوڈیٹی کو بتانے سے پہلے بھی اپنے خاوند سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔

اور اس کا یہ عالم تھا کہ جتنی دیر وہ زیادہ اکٹھے رہے اس کی تھکاوٹ کچھ بڑھتی ہی رہی اور اتنے اہم موضوع پر اس سے بات چیت کرنا ناممکن سے ناممکن نظر آنے لگا۔

اس کے جانے کا وقت قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ وہ اپنے بیگ سے کچھ چیزیں نکالنے لگی۔ اپنے خاوند کو دکھانے کے لیے کہ اس نے اس کے کھانے کے لیے کیا کیا خریدا ہے؟ اس کے فرکوٹ کی آستینیں جن پر لومڑی کے سمور کے کف لگے تھے، اتنی چوڑی تھیں کہ بیگ کے اندر ہاتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔

اس مرحلے پر پیول نکولائے درچ نے سامان خورد و نوش پہ نظر ڈالی اور محسوس کیا کہ اس کے میز پر کھانے کے لیے اب بھی بہت کچھ ہے اور یکایک اسے یاد آیا کہ ایک چیز ایسی بھی ہے جو اشیائے خورد نوش سے کہیں زیادہ اہم ہے اور سب سے پہلے آج اسی کو لایا جانا چاہیے تھا۔ اسے برچ کے دمبل کی یاد آئی۔ وہ جوش میں آ گیا اور اپنی بیوی کو اس معجزے کے بارے میں بتانے لگا۔ خط اور ڈاکٹر کے بارے میں (خواہ وہ اتنا ئی ہی ہوا)۔ اور اس کے یہ ذہن نشین کرانے لگا کہ یہ بات بہت اہم ہے کہ ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر وسطی روس میں کوئی ایسا شخص تلاش کیا جائے جو اس ڈمبل کو جمع کر سکے۔

"کیوں نہ اپنے قدیم گھر کے آس پاس کوشش کی جائے؟ وہاں برچ کے درخت کافی ہیں۔ مینائی انتظام کر سکتا ہے۔ کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہوگی۔ ہمیں مینائی کو فوراً ہی لکھنا چاہیئے اور کچھ اور لوگوں کو بھی۔ اپنے پرانے دوستوں کو۔ وہ سب مل کر کوشش کر سکتے ہیں۔ انھیں احساس دلا دو کہ میں کتنی مشکل میں ہوں۔"

خیر اس طرح معاملہ آسان ہو گیا۔ اس نے خود ہی مینائی اور ڈک، کا ذکر چھیڑ دیا خود ہی موضوع پر آگیا۔ اس نے خط نکالنا ضروری نہیں سمجھا کیونکہ اس کے بھائی کے خط کا لہجہ کافی یاس انگیز تھا۔ وہ وہاں بیٹھی اپنے ہینڈ بیگ کو کھولتی اور بند کرتی رہی۔

"تم جانتے ہو پاشا!" اس نے کہا۔" میں یہ فیصلہ نہیں کر پائی کہ تمہارا نام ڈک، کے آس پاس پھیلنا چاہئیے یا نہیں؟ مینائی نے لکھا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ یہ صحیح بھی ہو لیکن اس نے لکھا ہے کہ روڈ کچیو شہر میں واپس آگیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے بحال کر دیا گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

جب وہ "بحال" کا مکروہ اور طویل لفظ ادا کر رہی تھی اور اپنے ہینڈ بیگ کی چین کو دیکھ رہی تھی اور قریب قریب خط کو باہر نکالنے والی تھی تو یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس کی نظر اس طرف نہیں گئی کہ پاشا کے چہرے کا رنگ سفید ہو گیا ہے۔ ایک چادر سے بھی زیادہ سفید۔

"کیا ہوا؟" وہ چلائی۔ وہ اتنی تشویش زدہ تھی کہ خط پا کر بھی نہیں ہوئی تھی۔

"آخر کیا ہوا؟"

وہ بنچ کا مضبوطی سے سہارا لیے بیٹھا تھا۔ اپنی بیوی کا شال اس نے اپنے گرد اور مضبوطی سے لپیٹ لیا۔

"اب بھی ممکن ہے کہ یہ صحیح نہ ہو۔" وہ اپنے قوی ہاتھوں سے اس کے شانوں کو مضبوطی سے تھام رہی تھی۔ اپنے ایک ہاتھ سے اس نے اب بھی ہینڈ بیگ کو تھام رکھا تھا اور ایسا نظر آتا تھا جیسے وہ اسے اس کے کاندھے سے لٹکانے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اب بھی ممکن ہے کہ یہ صحیح نہ ہو۔ مینائی نے خود اسے نہیں دیکھا لیکن لوگ کہتے ہیں ....."

یوں نگولائے دیچ کا پیلا پن کچھ کم ہو گیا تھا لیکن ایک کمزوری اس کے سارے جسم پہ غالب آگئی تھی۔ اس کے کولھے، اس کے کاندھے اور اس کے بازو، سب کمزور پڑ گئے تھے اور اس کی رسولی اس کے سر کو توڑ مروڑ رہی تھی۔

"تم نے یہ مجھے کیوں بتایا؟" اس نے ایک منحنی سی آواز میں آہ بھر کر کہا "کیا

پہلے میری مصیبتیں کچھ کم ہیں؟" اور اس کے سر اور اس کے سینے میں دو بار کپکپی ہوئی جیسے وہ آنسو بہائے بغیر آہیں بھر رہا ہو۔

"پاشنکا! مجھے معاف کردو! پاسک! مجھے معاف کردو!" اس نے اب بھی اسے کاندھوں سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اپنے بالوں کو جنھیں شیر کی ایال کی شکل میں گوندھا گیا تھا، جنبش دے رہی تھی "میرا دماغ چل گیا ہے، ضرور چل گیا ہے۔ کیا تمھارے خیال میں وہ مینائی سے اس کا کمرہ لے سکے گا؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ کیا ہونے والا ہے؛ تمھیں یاد ہوگا کہ اس قسم کے دو واقعات کے بارے میں ہم پہلے بھی سن چکے ہیں۔"

"کمرے کا اس سے کیا تعلق ہے؟ جہنم میں جائے کمرہ۔ وہ اسے لے لے" اس کی آواز میں سسکی اور سرگوشی کی ملی جلی کیفیت تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ کمرہ جائے جہنم میں؟ مینائی کو تنگ جگہ میں رہنا کیسے گوارا ہوگا؟"

"بہتر ہے تم اپنے خاوند کے بارے میں سوچو۔ تم یہ سوچو کہ میرا کیا بننے والا ہے؟ اور پھر گزدون؟ کیا اس نے خط میں اس کا بھی ذکر کیا ہے؟"

"نہیں، گزدون کا نہیں..... لیکن اگر ان سب نے واپس آنا شروع کردیا؟ آخر کیا ہونے والا ہے؟"

"میں کیا جان سکتا ہوں؟" اس کے خاوند نے بھنچی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "انھیں اب ان لوگوں کو چھوڑنے کا کیا حق ہے؟ کیا ان کے دل میں کوئی رحم نہیں؟ اتنی جراحت تو ٹھیک نہیں۔"

۱۴۔ انصاف

روسانوو کا خیال تھا کہ کاپا کی آمد اس کے لیے خوشی کا باعث ہوگی لیکن جو خبر وہ لائی تھی اس نے اسے اتنا آزردہ کیا کہ اس سے بہتر یہ ہوتا کہ وہ آتی ہی نہیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ چکرا گیا اور اسے زینے کے کٹہرے کو پکڑنا پڑ گیا اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ کاپا کو اپنے کوٹ اور عام جوتوں کے ساتھ سیڑھیوں کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک کاہل سا اردلی وہاں صرف اس لیے کھڑا تھا کہ باہر والوں کو اوپر جانے سے روکے۔ چنانچہ کاپا نے پیول نکولائے وچ کو وارڈر کے سپرد کیا کہ وہ اسے اوپر لے جائے اور سامانِ خورد نوش کا تھیلا بھی اسے تھما دیا۔ اس روز مچھلی کی سی آنکھوں والی نرس زویا کی ڈیوٹی تھی جو کسی نہ کسی باعث پہلی ہی شام روسانوو کی آنکھوں میں کھب گئی تھی۔ وہ میز پر بیٹھی تھی اور اپنے گرد رجسٹروں کے ڈھیر کو اس نے کٹہرے کی طرح رکھا ہوا تھا۔ وہ غیر مہذب ٹڈی چوس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی اور مریضوں پر کوئی خاص توجہ نہیں کر رہی تھی۔ روسانوو نے اس سے اسپرین مانگی جس پر اس نے طراری سے جواب دیا کہ اسپرین صرف شام ہی کو دی جاتی ہے۔ پھر بھی اس نے اس کا ٹمپریچر لیا اور بعد میں اس کے لیے کچھ لائی تھی۔

اس کے پلنگ کے قریب کے میز پر خورد و نوش کا سامان بدل دیا گیا لیکن اس نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ وہ وہاں اپنی رسولی کو تکیے کا سہارا دیے لیٹا رہا۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ یہاں کے تکیے بہت نرم تھے۔ اسے گھر سے تکیے لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے کمبل سر پر کھینچ لیا۔

خیالات اس کے دماغ میں اتھل پتھل ڈال رہے تھے۔ انھوں نے اس کے دل میں اتنا طوفان پیدا کر رکھا تھا کہ اس کا باقی جسم ہر قسم کے احساس سے محروم ہو گیا تھا جیسے کسی نے اسے مدہوشی کی دوا پلا دی ہو۔ کمرے میں جو احمقانہ گفتگو ہو رہی تھی اسے وہ اب بالکل نہیں سن رہا تھا اور اگرچہ لیفریم کے پاؤں کی آواز اس کو اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو کافی پریشان کر رہی تھی لیکن اب وہ اس معاملے میں بھی بے حس ہو گیا تھا۔ اس نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ دن روشن تر ہو گیا ہے۔ شام ہونے ہی والی تھی۔ کہیں نہ کہیں سورج رینگ رہا تھا، عمارت کے اس طرف نہیں۔ اسے وقت گزرنے کا بھی احساس نہیں تھا۔ وہ بار بار سو جاتا۔ شاید اس دوائی کے زیر اثر جو اس نے ابھی لی تھی۔ اور بار بار جاگ پڑتا۔ ایک بار وہ جاگا تو بجلی کی بتی جل چکی تھی۔ وہ پھر سو گیا۔ جب وہ پھر جاگا تو آدھی رات ہو چکی تھی اور کمرے میں تاریکی اور سکوت تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ نیند ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی ہے۔ اس کا مہربان ہاتھ ہمیشہ کے لیے اس سے دور ہو گیا ہے اور دہشت نے پوری شدت کے ساتھ اس کے سینے پر غلبہ پا لیا ہے اور اسے شکنجے میں جکڑ لیا ہے۔

طرح طرح کے خیالات رفتہ رفتہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھا رہے تھے اور روسانوف کے سر میں، کمرے میں اور وسیع تاریکی میں ہر طرف ہجوم کر رہے تھے۔

دراصل یہ خیالات تھے ہی نہیں، صرف اتنی بات تھی کہ وہ ڈرا ہوا تھا، وہ اس تصور سے دہشت زدہ تھا کہ کل صبح روڈیچیو یکا یک در آئے گا اور نرسوں اور اردلیوں کو دھکیلتا ہوا کمرے میں آ دھمکے گا اور اسے پیٹنا شروع کر دے گا۔ وہ انصاف سے نہیں ڈرتا تھا، سماج کے فیصلے سے بھی نہیں اور بے عزتی سے بھی نہیں۔ اسے تو صرف پیٹے جانے کا خوف تھا۔ زندگی میں ایسا پہلے صرف ایک بار ہوا تھا، سکول میں۔ جب وہ چھٹے درجے میں تھا۔ شام کے وقت دروازے پر وہ اس کے منتظر تھے، اسے دبوچنے کے لیے تیار۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی چاقو نہیں تھا لیکن اس وقت سے اس وقت تک یہ دھڑکا اسے لگا رہتا تھا کہ چاروں طرف سے اس پر بھاری اور بے رحم مکوں کی

بارش ہو رہی ہے۔

اگر کوئی ایسا شخص مرجائے جسے ہم نے کافی دن سے نہ دیکھا ہو تو اپنی موت کے بعد وہ ہمیں نوجوان ہی نظر آتا رہتا ہے خواہ اس عرصے میں وہ بوڑھا ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔ روڈیچیو اٹھارہ برس تک دور رہا تھا۔ شاید اس وقت تک وہ اپاہج ہو گیا ہو، گونگا، لنگڑا، گنجا۔ لیکن روسانوو کو اب بھی وہ تانبے کی سی جلد والا صحت مند مرد ہی نظر آتا تھا، جیسا وہ کسی وقت تھا۔ اپنی گرفتاری سے پہلے آخری اتوار کے دن وہ اپنے ڈمبل اور گولے سنبھالے جس طرح کھڑا تھا، اب بھی وہ اسے اس طرح ہی نظر آتا تھا۔ کاپا کی مدد سے روسانوو اس وقت تک خط لکھ چکا تھا اور اسے متعلقہ حکام تک پہنچا چکا تھا۔ روڈیچیو نے جو اپنی کمر تک ننگا تھا، روسانوو کو پکار کر کہا تھا "پاشا! یہاں آؤ! میرے پٹھوں کو ٹٹولو تم ڈرو نہیں، خوب دباؤ اور دیکھو کہ ہمارے نئے انجینیرز کس مٹی کے بنے ہیں۔ ہم اس جرمن ایڈورڈ کرسٹو فروچ کی طرح دھان پان نہیں۔ پوری طرح گٹھے ہوئے آدمی ہیں۔ اپنی طرف دیکھو۔ تم اتنے لاغر اور ضعیف ہو کہ اپنے دروازے کے پیچھے نظر ہی نہ آؤ۔ فیکٹری میں آنا۔ میں تمھیں کارگاہ میں کام دلا دوں گا۔ کیا کہا؟ تم نہیں چاہتے۔ ہاہا ....."

وہ زور سے ہنس دیا اور نہانے چلا گیا۔ گاتے ہوئے:

'ہم لوہار ہیں۔ جواں دل اور آزاد۔'

یہ اس آدمی کا عظیم الجثہ ہیولیٰ تھا جو روسانوو کے تصور میں گئے لہراتے ہوئے وارڈ میں در آنے والا تھا۔ یہ تصویر غلط تھی لیکن اس سے چھٹکارا وہ نہیں پا سکتا تھا۔

وہ اور روڈیچیو کسی زمانے میں دوست ہوتے تھے۔ وہ نوجوان کمیونسٹوں کے ایک ہی حجرے سے متعلق تھے اور فلیٹ فیکٹری نے ان دونوں ہی کو دیا تھا۔ بعد میں روڈیچیو مزدوروں کے اعلیٰ مدرسے میں چلا گیا اور پھر کالج میں، جبکہ روسانوو ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا اور اس محکمے میں چلا گیا جو نجی ریکارڈ رکھتا ہے۔ تب اختلافات شروع ہو گئے۔ پہلے ان کی بیویوں کے درمیان اور پھر خود مردوں کے درمیان۔ روسانوو سے بات کرتے وقت روڈیچیو کا رویہ بسا اوقات بڑا ہی توہین آمیز ہوتا تھا۔ وہ

بڑا ہی آزاد رو تھا اور رائے عامّہ کے خلاف بھی ڈٹ جاتا تھا۔ ساتھ رہنا ناقابل برداشت ہو گیا۔ ایک بات سے دوسری بات نکلتی گئی۔ شاید دونوں ہی جلد باز تھے۔ آخر پول نکولائے وچ نے وہ خط لکھ دیا۔ اس خط میں اس نے لکھا کہ نجی بات چیت میں روڈ یچیو نے اس کے سامنے انڈسٹریل پارٹی کی سرگرمیوں کی حمایت کی تھی جسے حال ہی میں کالعدم کیا گیا تھا۔ اور اس کا ارادہ تھا کہ فیکٹری میں تخریب کاروں کا ایک گروپ قائم کرے۔

اپنے خط میں روسانود نے یہ درخواست خاص طور پر کی تھی کہ کارروائی کے دوران اس کا نام نہ لیا جائے اور اس کا اور روڈ یچیو کا سامنا ہرگز نہ کرایا جائے۔ اس قسم کی ملاقات کے تصور ہی سے وہ لرز جاتا تھا۔ محاسبہ کرنے والے نے فیصلہ دے دیا تھا کہ قانون کے مطابق روسانود کا نام کارروائی میں آنا ضروری نہیں اور اس کا اور ملزم کا آمنا سامنا ناگزیر ہرگز نہیں، صرف اتنا ہی کافی ہوگا کہ ملزم اپنے جرم کا اقبال کرلے۔ یہ تک ضروری نہیں ہوگا کہ روسانود کا اصل خط مقدمے کی فائل میں شامل کیا جائے۔ اس طرح ملزم جب دفعہ ۲۰۶ کے مطابق اپنے بیان پر دستخط کرے گا تو اسے اپنے پڑوسی کے نام کا کوئی علم نہیں ہوگا۔

سب کچھ چپ چاپ ہو جاتا لیکن فیکٹری کی پارٹی کمیٹی کے سکریٹری گزدن نے معاملہ گڑبڑ کر دیا۔ اسے سیکورٹی افسران کی طرف سے مراسلہ ملا کہ روڈ یچیو عوام کا دشمن ہے اور اس بنا پر اسے فیکٹری کے پارٹی حجرے سے خارج کیا جائے۔ لیکن گزدن اپنی بات پر ڈٹا رہا اور شور مچاتا رہا کہ روڈ یچیو وفادار ساتھی ہے۔ لہذا گزدن کو اس کے خلاف شہادت کی تفصیلات دی جانی چاہئیں۔ اس کے شور شرابے کی سزا اسے مل گئی۔ دو دن بعد رات کے وقت اسے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ تیسری صبح روڈ یچیو اور گزدن دونوں ہی کو انقلاب دشمن خفیہ تنظیم کے ممبروں کی حیثیت سے باضابطہ طور پر پارٹی بدر کر دیا گیا۔

روسانود کی نشاندہی اس طرح ہوئی کہ جب سیکورٹی افسران ان دنوں ہی گزدن کو قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے تو بات چیت کے دوران وہ اسے یہ بتانے پر مجبور ہو گئے کہ روڈ یچیو کے خلاف شہادت روسانود نے فراہم کی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا

کہ اگر گرِدن اور روڈیچیو میں ملاقات ہو گئی، اور وہ چونکہ دونوں ایک ہی مقدمے میں ملوث تھے اس لیے یہ ملاقات غیر اغلب ہرگز نہیں تھی، تو اس نے اسے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ روسانوو کو اب اس کی واپسی سے تشویش ہو رہی تھی۔ مردہ زندہ ہو رہا تھا اور یہ بڑی بدشگونی کی بات تھی۔

غالباً روڈیچیو کی بیوی نے بھی حقیقت کو بھانپ لیا تھا۔ جانے وہ زندہ بھی تھی یا نہیں؟ کاپا کا منصوبہ یہ تھا کہ روڈیچیو کی گرفتاری کا انتظار کرے تب کاٹلکا روڈیچیوا کو بے دخل کرائے اور پورے فلیٹ پر قابض ہو جائے۔ پھر پوری بالکونی پر ان کا قبضہ ہوگا (ماضی کے واقعات پر نظر ڈالنے سے اب یہ ساری بات مضحکہ خیز نظر آتی تھی کہ انھوں نے ۲۰ مربع میٹر کے ایک کمرے کو جو گیس سے محروم تھا، اتنا اہم سمجھا، لیکن انھوں نے کیا ہی تھا۔ کرتے بھی کیا؟ بچے بڑے ہو رہے تھے) ہر قسم کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں تھیں، لیکن جب وہ کاٹلکا کو بے دخل کرنے آئے تو اس نے انھیں جل دے دیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ حاملہ ہے۔ انھوں نے تشخیص کا مطالبہ کیا تو اس نے سرٹیفکیٹ پیش کر دیا۔ اس کی چال کامیاب رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے پوری پوری پیش بندی کر لی ہے۔ حاملہ عورت کو مکان سے بے دخل کرنا خلافِ قانون تھا۔ وہ اسے آئندہ موسم سرما ہی میں فلیٹ سے نکلوا سکے۔ کئی ماہ تک وہ اسے برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ وہ اپنے پیٹ میں بچے کو پالتی رہی اور بعد میں اپنی زچگی کی رخصت بھی اس نے وہیں کاٹی۔ ظاہر ہے کہ اس عرصے میں کاپا نے اسے کچن سے باہر نہیں نکلنے دیا اور ایواحیس کی عمر اس وقت تک چار برس ہو گئی تھی، اسے عجیب وغریب طریقے سے دق کرتا رہتا تھا، اس کے برتنوں تک میں تھوک دیتا تھا۔

روسانوو کو ڈر کیا تھا؟ وہ یہاں وارڈ کی تاریکی میں جہاں لوگ آہستہ آہستہ سانس لے رہے تھے اور ہلکے ہلکے خراٹے بھی لے رہے تھے، پشت کے بل لیٹا تھا۔ لابی میں نرس کے میز کا لیمپ روشن ضرور تھا لیکن دروازے کے دندانے دار شیشے میں سے اس کی مدھم سی روشنی ہی چھن کر آ رہی تھی۔ اس کا ذہن صاف تھا اور اس پر غنودگی بھی طاری نہیں

تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ روڈیچیو اور گزوون کے سامنے اسے اتنا پریشان کیوں کر رہے ہیں؟ اگر وہ دوسرے لوگ بھی جن کا جرم ثابت کرنے میں اس نے مدد دی تھی، واپس آگئے تو کیا وہ ان سے بھی ڈرنے لگا؟ مثال کے طور پر وہ شخص ایڈورڈ کرسٹو فوروویچ جس کا ذکر بالکونی میں روڈیچیو نے کیا تھا۔ وہ ایک انجینئر تھا جس کی پرورش بورژوا ماحول میں ہوئی تھی اس نے مزدوروں کے سامنے پیول کو احمق اور غنڈہ کہا تھا (بعد میں اس نے اپنے اس جرم کا اعتراف کر لیا تھا کہ وہ سرمایہ دارانہ نظام کی بحالی کے خواب دیکھتا تھا) اور وہ شارٹ ہینڈ ٹائپسٹ جس کا یہ جرم ثابت ہو گیا تھا کہ اس نے پیول نکولائے وچ کے سرپرست ایک اہم افسر کی تقریر کو مسخ کیا تھا۔ اس نے اس سے ایسے الفاظ منسوب کر دیے تھے جو اس نے اپنی تقریر میں نہیں کہے تھے اور وہ خر دماغ اکاؤنٹنٹ (بعد میں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس کا باپ ایک پادری تھا اس کے بعد اس کا جرم ثابت کرنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا) یلچانسکی اور اس کی بیوی بھی ..... اور پھر دوسرے .....

پیول نکولائے وچ ان میں سے کسی سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔ اس نے ان سب کا جرم ثابت کرنے میں مدد دی تھی اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا تھا وہ یہ کام زیادہ برملا اور زیادہ جرأت مندی سے کرنے لگا تھا۔ دو موقعوں پر تو اس نے مجرموں کا سامنا بھی کیا اور اپنی آواز بلند کر کے ان کو ملزم ٹھہرایا۔ اس وقت ایسی بات کو بالکل بھی شرمناک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس اعلیٰ اور عزت مندانہ دور میں یعنی ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے دوران سماجی ماحول بڑا ہی صاف ستھرا اور منزہ تھا جس میں آدمی آسانی سے سانس لے سکتا تھا۔ جھوٹے اور دروغ باف، وہ سب لوگ جو اپنی نکتہ چینی میں کچھ زیادہ ہی بے خوف ہو گئے تھے، وہ عیار دانشمند، سب کے سب لاپتہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنی زبان پر تالا لگا لیا تھا اور دبکے پڑے تھے۔ جبکہ با اصول، وفادار اور مستحکم مزاج لوگ مثلاً روسانوو کے دوست اور خود روسانوو اپنے سروں کو بلند کئے وقار سے چل پھر رہے تھے۔

اب زمانہ بدل گیا تھا۔ ماحول پریشان کن ہے اور غیر صحت مند۔ ابتدائی دنوں کے اعلیٰ ترین شہری کارنامے اب شرمناک بن گئے ہیں۔ کیا اسے اب اپنی کھال کی فکر

کرنی پڑے گی؟

خوف ؟ کیا بکواس ہے! روسانوو نے اپنی ساری زندگی پر نظر دوڑائی تو اسے بزدلی کی ایک بھی مثال نہ ملی جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو سرزنش کرتا۔ سچ یہ ہے کہ اس کے لیے ڈرنے کی کوئی وجہ بھی تھی ہی نہیں۔ شاید ایک مرد کی حیثیت سے وہ زیادہ بہادر نہیں تھا لیکن اسے ایسا موقع بھی یاد نہیں آیا جب اس نے بزدل ہونے کا ثبوت دیا ہو۔ یہ دلیل بھی بے بنیاد تھی کہ اگر اسے محاذ پر لڑنا پڑ جاتا تو وہ ڈر جاتا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وہ ایک قابل قدر اور تجربہ کار افسر تھا۔ اسی بنا پر اسے محاذ پر نہیں بھیجا گیا۔ یہ کہنا بھی کسی طرح صحیح نہیں تھا کہ بمباری کے دوران یا ایک جلتی ہوئی عمارت میں اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے "ک" کو بمباری شروع ہونے سے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا اور آتشزدگی کی واردات کے دوران وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ اسی طرح وہ انصاف یا قانون سے بھی کبھی نہیں ڈرا کیونکہ اس نے قانون کو کبھی توڑا ہی نہیں تھا اور انصاف تو ہمیشہ اس کی پشت پناہی کرتا رہا تھا۔ وہ رائے عامہ سے بھی کبھی نہیں ڈرا تھا، کیونکہ رائے عامہ تو ہمیشہ اسی کی طرف رہی تھی۔ روسانوو کے خلاف کوئی نازیبا مضمون کسی مقامی اخبار میں چھپ ہی نہیں سکتا تھا۔ کزما فوٹیوچ اور نل پروکوریچ اسے چھپنے نہ دیتے۔ اور جہاں تک ملکی اخباروں کا تعلق تھا وہ بھلا روسانوو کی سطح تک کیسے گرتے؟ اس طرح وہ اخباروں سے بھی کبھی نہیں ڈرا تھا۔

جب اس نے بحیرۂ اسود میں کشتی پر سفر کیا تھا تو اپنے نیچے کی گہرائیوں سے وہ مطلق نہیں ڈرا تھا۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ بلندیوں سے بھی ڈرتا ہے یا نہیں، کیونکہ اتنا سادہ لوح وہ تھا ہی نہیں کہ چٹانوں یا پہاڑوں پر چڑھتا پھرے اور نہ اس کے کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ اسے پل تعمیر کرنے پڑیں۔

روسانوو کے کام کی نوعیت کئی برسوں سے، تقریباً بیس برسوں سے عملے کے ریکارڈوں کا انتظام تھا۔ اس کام کو مختلف اداروں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا لیکن بنیادی طور پر کام کی نوعیت ایک ہی تھی۔ صرف جاہل اور ناواقف باہر والے ہی اس سے بے خبر ہو سکتے ہیں کہ یہ کام کتنا

نازک اور کتنا مفید تھا اور اس کے لیے کتنی ذہانت درکار تھی۔ یہ ایک ایسی شاعری تھی جس پر اس وقت تک خود شاعروں کو بھی قدرت نہیں تھی۔ ہر آدمی اپنی زندگی کے دوران ریکارڈ کے لیے متعدد فارموں کو پُر کرتا ہے۔ کسی بھی فارم میں کسی سوال کا جو جواب وہ دیتا ہے وہ ایک چھوٹا سا دھاگا بن جاتا ہے جو اسے عملے کے ریکارڈوں کے انصرام کے محکمے کے مقامی مرکز سے مستقل طور پر باندھے رہتا ہے۔ اس طرح ہر شخص سے سینکڑوں دھاگے پھوٹتے ہیں اور یہ دھاگے مل کر لکھوکھا ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ دھاگے یکایک مرئی بن جائیں تو سارا آسمان مکڑی کا جالا نظر آنے لگے اور اگر وہ مادی شکل اختیار کر کے لچکیلے فیتے بن جائیں تو بسوں، ٹراموں، حتیٰ کہ انسانوں تک کے لیے نقل و حرکت کرنا مشکل ہو جائے۔ ہوا تک کے لیے پھٹے پرانے اخباروں یا خزاں کے پتوں کو شہر کی گلیوں میں اڑائے لیے پھرنا ناممکن ہو جائے۔ یہ دھاگے مرئی نہیں اور نہ مادی ہیں لیکن ہر شخص مستقلاً ان کے وجود سے آگاہ رہتا ہے۔ مطلب کی بات یہ ہے کہ وہ چیز جسے مکمل طور پر پاک صاف ریکارڈ کہتے ہیں ہاتھ آنے والی چیز نہیں۔ یہ ایک آدرش ہے، ایک مجرّد سچائی جس کا وجود صرف قیاسی ہے۔ کسی بھی زندہ آدمی کے نام کے آگے کوئی منفی یا مشکوک بات درج کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص سے کوئی نہ کوئی قصور سرزد ہوتا ہے اور کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوتی ہے جسے وہ چھپانا چاہتا ہے۔ کوئی قابلِ اعتراض چیز ڈھونڈنے کے لیے ضروری صرف اتنا ہوتا ہے کہ ریکارڈ کی کڑی چھان بین کی جائے۔

ہر شخص کو ان نظر نہ آنے والے دھاگوں کا مستقلاً احساس رہتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے اور ان کے اقتدار کے لیے جن کے ہاتھ میں ان دھاگوں کا انصرام ہوتا ہے اور جو عملے کے ریکارڈوں کے انصرام کے محکمے کے، جو ایک انتہائی پیچیدہ سائنس ہے، مہتمم ہوتے ہیں، اس کے دل میں احترام پیدا ہو جاتا ہے۔

کچھ ایسی کنجیاں تھیں، کچھ ایسی ترکیبیں تھیں جنھیں بڑے سلیقے اور بڑے کارگر انداز میں استعمال کیا جا سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر وہ کسی کامریڈ کو یہ بتانا چاہتا کہ

وہ اس سے غیر مطمئن ہے یا اسے متنبہ کرنا چاہتا یا اسے اس کی اوقات کا احساس دلانا چاہتا تو روسانو وہ یہ کام ایک مخصوص انداز میں صبح بخیر کہہ کر انجام دے لیتا تھا اور صبح بخیر کا لفظ وہ بارہ مختلف لہجوں میں کہنے کا اہل تھا۔

جب دوسرا آدمی صبح بخیر کہتا (اور ظاہر ہے صبح بخیر پہلے دوسرے ہی آدمی کو کہنا پڑتا تھا) تو روسانو اس کا جواب سرد اور کاروباری انداز میں بغیر مسکراہٹ کے دے سکتا تھا یا وہ اپنی بھنوؤں کو سکیڑ لیتا (اس کی مشق وہ اپنے دفتر میں شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر کیا کرتا تھا) اور جواب دینے میں کسی قدر تاخیر کر دیتا جیسے وہ تذبذب میں پڑا ہوا ہو کہ اسے اس خاص شخص کو صبح بخیر کہنا چاہیے یا نہیں؟ وہ اس کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس مظاہرۂ تذبذب کے بعد ہی وہ اسے صبح بخیر کہتا۔ کبھی اپنا سر اس کی طرف مکمل طور پر گھما کر، کبھی جزواً اور کبھی بالکل نہ گھما کر۔ یہ تھوڑا سا تذبذب ہمیشہ اپنا اثر دکھاتا تھا۔ سٹاف کا ہر ممبر جسے اس تذبذب یا سرد مہری کا سامنا ہوتا اپنے دماغ پہ زور ڈال کر سوچنے لگتا کہ اس سے کون گناہ سرزد ہوا ہے۔ اغلب تھا کہ شک کا یہ بیج پیدا ہوتے ہی وہ اس غلط قدم سے جو وہ اٹھانے ہی والا تھا اور جس کے بارے میں پیول کھولتے وہ ج کو بعد ہی میں پتہ لگتا، اجتناب کرنے۔

کبھی کبھی وہ ایک اور طریقہ بھی اختیار کرتا جو ذرا سخت تھا (یا اسے ٹیلیفون کرتا یا خاص طور پر بلوا بھیجتا) اس پیغام کے ساتھ ''کیا تم کل صبح دس بجے مجھ سے ملنے آسکتے ہو؟'' ظاہر ہے کہ وہ شخص یہ جاننے کے لیے مضطرب ہوتا کہ اسے کیوں بلایا جا رہا ہے اور انٹرویو سے جلد ہی فارغ ہونے کی نیت سے کہتا کیا میں ابھی آسکتا ہوں۔ روسانو خوش خلقی لیکن قدرے سختی سے کہتا: نہیں تم ابھی نہیں آسکتے۔ وہ یہ کبھی نہ کہتا کہ اسے کوئی اور کام ہے یا وہ کسی میٹنگ میں شرکت کے لیے جا رہا ہے۔ اس قسم کا صاف اور سیدھا عذر وہ ہرگز پیش نہ کرتا کیونکہ اس طرح اس آدمی کے ذہن کو آسودگی مل سکتی تھی۔ چال کا کلیدی نکتہ یہی تھا۔ یہ الفاظ ''تم ابھی نہیں آسکتے'' وہ اس لہجے میں کہتا جیسے ان میں مختلف معانی پوشیدہ ہوں اور

وہ سب اس شخص کے لیے سازگار نہ ہوں۔ بدحواسی کے عالم میں یا اپنی ناتجربہ کاری کی
بنا پر دوسرا شخص کہہ اٹھتا "کیوں؟ کیا بات ہے؟" پیول نکولائے وچ کی نرم و نازک
آواز اس قسم کے غیر دانشمندانہ سوال کا جواب دینے سے ہمیشہ اجتناب کرتی
اور وہ ہمیشہ یہی کہتا۔ "تمھیں کل معلوم ہو جائے گا" لیکن اس وقت سے دوسرے
دن صبح دس بجے تک کا وقفہ کافی طویل تھا اور اس مدت میں بہت کچھ ہو سکتا
تھا۔ اس آدمی کو اپنا دن کا کام پورا کرنا تھا، گھر جانا تھا، اپنے اہل خانہ سے بات
کرنا تھا، شاید سینما جانا تھا یا اس سکول میں جہاں اس کے بچے پڑھتے تھے، والدین کے
جلسے میں شریک ہونا تھا اور بالآخر سونا تھا (کچھ کو نیند آتی کچھ کو نہیں) اور اگلی صبح اپنا
ناشتہ نگلنا تھا جبکہ اس سارے عرصہ میں یہ سوال اس کے ذہن میں کچوکے لگاتا رہتا "وہ
مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟" یہ طویل گھنٹے اس کے دل میں ایک عام قسم کی بے اطمینانی
اور تاسف کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھے اور ان میں وہ لامحالہ یہ قسم ضرور
کھا لیتا کہ آئندہ جلسوں میں اپنے آقاؤں کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہوگا۔ اور صبح
دس بجے کا وقت جب آتا تو بہت ممکن ہے کہ بات صرف اتنی ہوتی کہ اس کی
تاریخ پیدائش یا اس کے ڈپلوما کے نمبر کی چھان بین ہونا تھی۔

چوبی باجے کی یہ کنجیاں، یہ چالیں حرکت کرتی رہتیں۔ حتیٰ کہ تلخ ترین اور تیز ترین
دھن بلند ہو جاتی "سرگئی سرگیچ (مقامی باس اور سارے ادارے کا ڈائرکٹر) چاہتا
ہے کہ تم فلاں فلاں تاریخ تک اس فارم کی خانہ پری کر دو" روسانوو ایک فارم
اس شخص کے حوالے کرتے ہوئے کہتا۔ لیکن یہ فارم کوئی معمولی فارم نہیں تھا۔
روسانوو کی الماری میں جتنے بھی فارم اور جتنے بھی سوالنامے تھے، ان میں یہ سب سے
زیادہ پیچیدہ اور سب سے زیادہ ناخوشگوار تھا۔ مثال کے طور پر ہر شخص کو خفیہ
فائلوں تک رسائی کا حق دینے سے پہلے یہ فارم پُر کرایا جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے
یہ اس شخص کا خفیہ فائلوں تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ سرگئی
سرگیچ کو اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو لیکن ہر کوئی سرگئی سرگیچ سے اتنا خوفزدہ تھا

کہ اس کے پاس جا کر پوچھنے کی کسی کو ہمت ہی نہ ہوتی۔ وہ شخص فارم لے لیتا اور بظاہر کافی جری بننے کی کوشش کرتا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اگر اس نے ریکارڈوں کے ادارے سے کوئی بھی بات مخفی رکھی ہوتی تو اس کا اندر باہر ہل جاتا۔ یہ سوالنامہ سامنے ہو تو کچھ بھی چھپانا ناممکن تھا۔ ریکارڈوں کے محکمے میں جتنے بھی سوالنامے تھے ان میں یہ سب سے مؤثر ترین اور سب سے عمدہ تھا۔

اس سوالنامے کی مدد سے روسانوو نے کئی عورتوں کو اپنے خاوندوں سے جنہیں دفعہ ۵۸[۱] کے تحت گرفتار کیا گیا تھا، طلاق لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ عورتیں چاہے کتنی ہی چالاکی برتتیں، اپنے پارسل کتنے ہی مختلف ناموں سے بھیجتیں، کتنے ہی مختلف شہروں سے بھیجتیں، یا وہ پارسل بھیجتی ہی نہیں لیکن اس فارم کے سوالوں کا انداز اتنا پیچیدہ تھا کہ کوئی بھی جھوٹ بولنا، کوئی بھی بات مخفی رکھنا ممکن نہیں تھا۔ عورت کے لیے واحد راستہ یہی تھا کہ وہ قانونی طور پر طلاق حاصل کرلے۔ اس قسم کے مقدمات کے فیصلے کا طریقہ بھی نہایت سادہ تھا۔ عدالت کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ طلاق کے لیے قیدی کی رضامندی دریافت کرے۔ اسے یہ اطلاع دینا تک ضروری نہیں تھا کہ طلاق ہو گئی ہے۔ روسانوو کو اس بات سے گہری دلچسپی تھی کہ اس قسم کی طلاقیں ضرور ہوں اور مجرم کے غلیظ پنجے سے ایک عورت کو جو سماج کے اجتماعی راستے سے ابھی منحرف نہیں ہوئی، نجات مل جائے۔ اس قسم کے سوالناموں پر کارروائی کی ضرورت شاذ و نادر ہی پڑتی تھی۔ صرف مذاق کے انداز میں سرگئی سرگیچ کو دکھا دیا جاتا تھا کہ سوالنامہ پُر کرا لیا گیا ہے۔ اس کام کا شاعرانہ پہلو یہ تھا کہ وہ شخص آپ کی ہتھیلی میں آجاتا اور آپ کو مٹھی بند کرنے تک کی ضرورت نہ ہوتی۔

مجموعی پیداواری نظام میں روسانوو کو جو پُراسرار، الگ تھلگ اور قریب قریب فوق الفطری پوزیشن حاصل تھی اس کی بنا پر اسے زندگی کے صحیح عوامل کے

---

[۱] ضابطۂ تعزیرات کی اہم ترین سیاسی دفعہ

بارے میں گہری اور اطمینان بخش واقفیت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ زندگی جس سے ہر کوئی واقف تھا — کام، کانفرنسیں، فیکٹری کے خبر نامے، مقامی ٹریڈ یونینوں کے اعلان نامے، مختلف مراعات کے لیے درخواستیں، کینٹین اور فیکٹری کا کلب۔ یہ سب غیر حقیقی تھا۔ زندگی کی حقیقی سمت کا فیصلہ کسی دھوم دھڑکے کے بغیر پرسکون دفتروں میں چپ چاپ کر دیا جاتا تھا۔ یہ فیصلہ دو یا تین آدمی کرتے تھے جو ایک دوسرے کو سمجھتے تھے۔ کبھی کبھی یہ فیصلے ٹیلیفونوں پر بھی ہو جاتے تھے۔ حقیقی زندگی کی لہریں ان خفیہ کاغذوں پر دوڑتی تھیں جو روساتوو اور اس کے ساتھیوں کے بریف کیسوں میں بہت نیچے رکھے ہوتے تھے۔ برسوں تک یہ زندگی چپ چاپ آدمی کا پیچھا کرتی رہتی تب یکایک اور فوری طور پر وہ اپنے آپ کو منکشف کرتی اور اپنی تحت الارض سلطنت سے پھنکارتی ہوئی سامنے آجاتی۔ اس کے بعد یہ پھر چھپ جاتی، کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں؟ اس کے بعد سطح پر ہر چیز پھر جوں کی توں رہتی — کلب، کینٹین، مراعات کی درخواستیں، خبر نامے اور کام۔ لیکن جب مزدور فیکٹری کے ناکے کو پار کرتے تو ایک شخص گم ہوتا — معطل، برطرف یا معدوم۔

روساتوو کے دفتر کا ساز و سامان اس نازک کام کی شاعرانہ اور سیاسی نوعیت کے عین مطابق تھا جو وہ سرانجام دیتا تھا۔ یہ کمرہ ہمیشہ الگ تھلگ رہا۔ ابتدائی برسوں میں اس کے دروازے پر چمڑہ منڈھا ہوتا تھا جس پر جگہ جگہ چمکدار میخیں لگی ہوئی تھیں لیکن جب سماج متمول ہوا تو دروازے کی آراستگی میں مزید اضافہ کر دیا گیا اور اب دروازے میں ایک حفاظتی ڈھانچہ بھی لگا دیا گیا۔ ... ... یہ حفاظتی ڈھانچہ ایک چھوٹا سا لابی نما کمرہ تھا۔ دیکھنے میں یہ لابی بالکل ہی سادہ نظر آتی تھی جس کا کوئی پہلو بھی عیارانہ نہیں تھا۔ یہ تین فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی اور آنے والوں کو پہلا دروازہ بند کرنے اور دوسرا دروازہ کھولنے میں ایک دو سیکنڈ سے زیادہ وقت نہیں لگتا تھا لیکن جس شخص کو ایک نازک انٹرویو کا سامنا کرنا ہوا اسے یہ چند سیکنڈ ہی قید کی ایک پوری میعاد لگتے تھے۔ وہاں نہ روشنی تھی نہ ہوا۔ اور اس

طرح اس شخص کے مقابلے میں جس کے دفتر میں اسے جلد ہی داخل ہونا تھا، اسے اپنی ہیچ مائگی کا مکمل احساس ہو جاتا تھا۔ اگر اس کے دل میں کوئی جرأت مندانہ احساس ہوتا یا اپنی شخصی اہمیت کا کوئی تصور ہوتا تو وہ انھیں لابی ہی میں کھول جاتا۔

یہ قدرتی تھا کہ لوگوں کو پیول نکولائے وچ کے دفتر میں گروپوں کی شکل میں جانے نہیں دیا جاتا تھا۔ انھیں ایک ایک کر کے ہی جانے دیا جاتا تھا، وہ بھی اسی صورت میں، اگر انھیں طلب کیا گیا ہو یا ٹیلیفون پر آنے کی اجازت دی گئی ہو۔

یہ انضباطِ کار، داخلے کا یہ نظام روس نووکے محکمے میں جملہ فرائض کی مناسب انجام دہی کے لیے انتہائی ممد سمجھا جاتا تھا۔ حفاظتی لابی کے بغیر پیول نکولائے وچ خسارے میں رہتا۔

ظاہر ہے کہ حقیقت کے جملہ پہلوؤں کے جدلیاتی انحصار باہم کے نتیجے کے طور پر سرکاری فرائض کے سلسلے میں پیول نکولائے وچ کا رویہ زندگی میں اس کے عمومی رویے پر بھی اثر انداز ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کے اور کا پیٹولینا متویونا کے دل میں انبوہِ انسانی اور دھکم دھکا کرتے ہوئے ہجوم کے لیے نفرت پیدا ہونے لگی۔ روسالنوں کو ٹرامیں، بسیں اور ٹرالی بسیں کافی نفرت آگیں محسوس ہونے لگیں۔ لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کو دھکیلتے رہتے، بالخصوص جب وہ سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہوں۔ معمار اور دوسرے مزدور ہمیشہ اپنے غلیظ اوپری جاموں کے ساتھ سوار ہوتے۔ کسی بھی وقت تمھارے کوٹ کو میل بھی لگ سکتا تھا اور چونا مٹی بھی۔ بدترین چیز ان کی یہ لاعلاج عادت تھی کہ وہ دوستدارانہ انداز میں تمھارے کاندھے پر تھپکی دیتے کہ ٹکٹ یا ریزگاری گاڑی میں آگے تک پہنچا دی جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم ان کی خدمت پر مامور ہو اور تمھارا کام یہ ہے کہ چیزوں کو لازمی طور پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے رہو۔ فاصلے اتنے زیادہ تھے کہ شہر میں پیدل چلنے سے کام نہیں چلتا تھا۔ بہرحال یہ چیز وقار کے منافی تو تھی ہی جو اس کی پوزیشن کے آدمی کے لیے مشکل ہی سے موزوں تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ پیدل چلنے والوں کے درمیان کسی بھی وقت تمھیں کوئی غیر متوقع صورت حال پیش آ سکتی تھی۔ اس

طرح روسانوو رفتہ رفتہ موٹر کاروں کے خوگر ہو گئے ، پہلے سرکاری کاروں اور ٹیکسیوں کے، پھر خود اپنی کار کے ۔ظاہر ہے کہ معمولی ریل گاڑیوں میں حتیٰ کہ ریزرو سیٹوں میں بھی انھیں سفر کرنا ناقابل برداشت محسوس ہونے لگا۔جہاں عام لوگ بھیڑ کی کھال کے کوٹوں میں ملبوس اپنے ڈول اور تھیلے اٹھائے ، ہجوم در ہجوم در آتے رہتے ۔ اب روسانوو ریزرو کمپارٹمنٹوں میں ہی سفر کرتے تھے ۔قدرتی تھا کہ جب روسانوو ہوٹل میں ٹھہرتا تھا تو ہمیشہ اس کے لیے کمرہ مخصوص ہوتا تھا ۔ اس طرح مشترکہ کمرے میں رہنے کا خطرہ اسے درپیش آ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ بھی قدرتی تھا کہ وہ عام ریسٹ ہاؤسوں میں نہیں جاتے تھے بلکہ صرف انہی جگہوں پر جاتے تھے ۔جہاں اس بات کا پورا اہتمام ہوتا تھا کہ سیر کی جگہوں کے گرد باڑ لگا کر انھیں عام پبلک کی دسترس سے محفوظ بنا دیا جائے اور جب ڈاکٹروں نے کاپیتولینا ماتویونا کو مشورہ دیا کہ اس کے لیے سیر کرنا ضروری ہے تو اس قسم کی آرام گاہوں کے سوا جہاں وہ اپنے ہم رتبہ لوگوں کے ساتھ چل پھر سکتی تھی اور کہیں بھی سیر کو نہ جا سکتی تھی ۔

روسانووں کو عوام سے ، اپنے عظیم عوام سے محبت تھی ۔ وہ عوام کے خدمت گزار تھے اور عوام کے لیے اپنی جان بھی نچھاور کر سکتے تھے ۔

لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے انھوں نے محسوس کیا کہ حقیقی انسانوں کو برداشت کرنا ان کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ ضدی مخلوق جو ہمیشہ مزاحمت کرتی تھی ۔جو ہمیشہ اپنے لیے کچھ نہ کچھ مانگتی رہتی تھی اور جو کچھ اسے کہا جاتا تھا وہ کبھی نہیں کرتی تھی ۔

اس طرح وہ عوام سے جو ناقص لباس پہنتے تھے ، بدتمیز تھے اور کسی قدر نیم مدہوش بھی ، متنفر سے رہنے لگے ۔ بستیوں میں چلنے والی ٹرینوں میں ، بیئر کی دکانوں پر، بسوں میں اور ریلوے سٹیشنوں پر ، کسی بھی وقت ان عوام کا سامنا ہو سکتا تھا۔گندے لباس والا شخص ہمیشہ خطرناک ہوتا تھا کیونکہ اس کا یہ مطلب تھا کہ اسے ذمہ داری کا مناسب احساس نہیں ۔ پھر وہ ایک ایسا شخص بھی ہوگا جس کے پاس گنوانے کو

کچھ نہیں ورنہ وہ اچھا لباس ضرور پہنتا۔ ظاہر تھا کہ پولیس اور قانون روسانوو کو گندے لباس والوں سے بچانے کے لیے موجود تھے لیکن بات اتنی تھی کہ یہ مدد لامحالہ طور پر بعد از وقت پہنچتی۔ یہ مجرم کو جرم کے بعد ہی سزا دیتے۔ اپنے طور پر پیول نکولائے وچ بالکل غیر محفوظ تھا۔ نہ اس کی پوزیشن ہی اسے کوئی تحفظ دیتی تھی اور نہ اس کی سابقہ خدمات ہی۔ کوئی گنوار کسی بھی سبب کے بغیر اس کی بے عزتی کر سکتا تھا، اس پر گندی گالیوں کی بوچھار کر سکتا تھا، صرف تفریحاً اس کے منہ پر مکا جڑ سکتا تھا، اس کے سوٹ کو خراب کر سکتا تھا اور اسے زبردستی چھین بھی سکتا تھا۔

اس طرح روسانوو دنیا میں اگرچہ کسی بھی چیز سے نہیں ڈرتا تھا لیکن اس کے باوجود تباہ حال اور نیم مدہوش قسم کے لوگوں سے وہ ڈر ضرور محسوس کرنے لگا جو نارمل بھی تھا اور قابل جواز بھی۔ اگر بات زیادہ صاف لفظوں میں کہی جائے تو اسے دھڑکے سے لگتا تھا۔ جانے کب یہ مکا براہ راست اس کے منہ پر پڑ جائے۔

یہی وجہ تھی کہ روڈیچیو کی واپسی کی خبر نے پہلے پہل اسے اس قدر حواس باختہ کر دیا۔ روسانوو نے تصور کیا کہ پہلا کام روڈیچیو یہ کرے گا کہ اس کے منہ پر ایک مکا جڑ دے گا۔ اسے روڈیچیو یا گزون کی طرف سے کسی قانونی کارروائی کا خطرہ بالکل نہیں تھا۔ قانونی طور پر ان کا ہاتھ اس تک غالباً کبھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ پہلے ہی کی طرح قوی الجثہ، مضبوط اور صحت مند آدمی ہوئے اور ان کے دل میں یہ سما گیا کہ اس کی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیں تو کیا ہو گا؟

ایک ذہین اور باعزم "نئے آدمی" کی حیثیت سے پیول نکولائے وچ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اس خوف پر قابو پائے، اس کا گلا گھونٹ دے۔

اوّل تو یہ سب اس کا واہمہ ہی ہو سکتا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ روڈیچیو کا اب وجود ہی باقی نہ رہا ہو۔ خدا نہ کرے کہ وہ واپس آئے۔ لوگوں کی "واپسی" کی یہ تمام کہانیاں صرف اختراع ہو سکتی ہیں۔ پیول نکولائے وچ اہم واقعات سے مسلسل باخبر رہتا تھا تاحال اسے ایسی کوئی بدگمانی نہیں تھی کہ زندگی ایک نیا رخ اختیار کر سکتی ہے۔

ثانیاً روڈ یحیو اگر واپس آیا بھی تو وہ یہاں نہیں آئے گا۔ وہ تھک جائے گا۔ اس کے علاوہ اسے روسانوو کی تلاش کرنے کے علاوہ اور کام بھی ہوں گے۔ اسے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا پڑے گا، مبادا اسے پھر دھکے دے کر باہر پھینک دیا جائے۔ تو پیول نکولائے وچ کا پہلا جبلّی خوف غیر ضروری ہی تھا۔

اور اگر اس نے تلاش شروع بھی کی تو یہاں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اسے کافی وقت درکار ہوگا۔ اسے آٹھ صوبے پار کرنے ہوں گے اور ٹرین کا سفر کم سے کم تین دن لے گا اور اگر وہ پہنچا بھی تو پہلے روسانوو کے گھر جائے گا، یہاں ہسپتال میں نہیں۔ پیول نکولائے وچ نے محسوس کیا کہ جب تک وہ ہسپتال میں ہے وہ باقی محفوظ ہے۔

محفوظ! کیا مذاق ہے؟ یہ رسولی اور اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا!

بہرحال جب مستقبل اتنا غیر یقینی ہو تو موت ہی میں کیا برائی ہے؟ ہر واپس آنے والے سے ڈرنے کے مقابلے میں تو بہتر ہے کہ آدمی مر جائے۔ انھیں واپس آنے دینا کتنا پاگل پن تھا؟ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ وہ جہاں تھے وہاں کے عادی ہو گئے تھے۔ اپنی قسمت پر شاکر تھے۔ پھر انھیں اس کی اجازت کیوں دی گئی کہ وہ یہاں آئیں اور لوگوں کی زندگیاں اتھل پتھل کر دیں۔

ایسا نظر آتا تھا کہ پیول نکولائے وچ آخر تھک ہار گیا ہے اور سونے کے لیے آمادہ ہے۔ اسے ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ نیند آجائے۔

لیکن اسے غلام گردش کو پار کرنا تھا۔ کلینک کے دستور میں یہ بات انتہائی ناخوشگوار تھی۔

اپنے جسم کو انتہائی احتیاط سے جنبش دیتے ہوئے اس نے پہلو بدلا۔ رسولی نے اس کی گردن پر ڈیرا جما رکھا تھا اور آہنی گھونسے کی طرح اس پر وزن ڈال رکھا تھا۔ وہ ہاتھوں اور پاؤں کی سرگرم کوشش سے پلنگ کی مڑی تڑی چادر سے اٹھا، اپنا پاجامہ اور سلیپر پہنے، عینک لگائی اور چپ چاپ گھسٹتا ہوا کمرے کو پار کرنے لگا۔

میز کے پاس بیٹھی چاق و چوبند اور سیاہ فام میریا نے بڑی احتیاط سے اس کی

طرف نظریں گھمائیں اور اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

سیڑھیوں کے اوپر کی طرف ایک موٹا تازہ لمبے بازوؤں اور لمبی ٹانگوں والا یونانی جو ہسپتال میں حال ہی میں آیا تھا اپنے پلنگ پر تکلیف سے پیچ وتاب کھا رہا تھا اور آہیں بھر رہا تھا۔ وہ لیٹ نہیں سکتا تھا۔ وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے اس کا پلنگ اس کے لیے بہت چھوٹا ہو۔ اپنی بے خواب اور خوفزدہ آنکھوں سے وہ پیول نکولائے وچ کی طرف دیکھنے لگا۔

سیڑھیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا زرد رو آدمی جس کے بالوں میں اب بھی بڑی صفائی سے کنگھی کی ہوئی تھی نیم دراز تھا۔ اس نے سہارے کے لیے دو زائد تکیے لگا رکھے تھے اور کسی ایسی چیز سے جو واٹر پروف کینوس کی تھیلی نظر آتی تھی آکسیجن لے رہا تھا۔ اس کے پلنگ کے قریب میز پر سنگترے اور کیک رکھے تھے اور قیمتی مشروب کی ایک بوتل بھی رکھی تھی۔ لیکن وہ ان سب سے بے پرواہ تھا۔ عام پاک و صاف ہوا جس پر کچھ بھی خرچ نہیں آتا، مناسب مقدار میں حاصل کرنے میں ونا کام تھا۔

نیچے غلام گردش میں مزید پلنگ تھے۔ ان پر مریض لیٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ سوئے ہوئے تھے۔ ایک ایشیائی شباہت کی بوڑھی عورت جس کے بال پراگندہ تھے تکلیف میں اپنے تکیے پر لیٹی ہوئی تھی۔

اس کے بعد وہ ایک چھوٹے سے کمرے کے قریب سے گزرا جہاں ان سب لوگوں کو جنھیں انیما دیا جاتا تھا، خواہ وہ کوئی بھی ہوں، ایک ہی گندے سے کوچ پر بٹھایا گیا تھا۔

آخر سانس لے کر اور جہاں تک ہو سکا اس کو روک کر پیول نکولائے وچ بیت الخلا میں داخل ہو گیا۔ اس بیت الخلا میں الگ الگ کمرے نہیں تھے بیٹھنے کے لیے قدمچے بھی ٹھیک ڈھنگ سے نہیں بنائے گئے تھے۔ اس بنا پر وہ خاص طور پر اپنے کو غیر محفوظ اور پست محسوس کرنے لگا۔ اردلی دن میں کئی بار جگہ کو صاف کرتے تھے، لیکن جتنی جلدی وہ جگہ غلیظ ہو جاتی تھی اتنی جلدی صاف نہیں کی جاتی تھی خون، قے

اور غلاظت یہاں ہر وقت نظر آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ بیت الخلا وحشیوں کے لیے بنا تھا جو زندگی کی آسائشوں کے خوگر نہیں تھے۔ ایسے مریض جنھیں جلد ہی مر جانا تھا۔ اسے سینیئر ڈاکٹر سے ملنا پڑے گا تاکہ اسے ڈاکٹروں والا بیت الخلا استعمال کرنے کی اجازت مل سکے۔

لیکن یہ انتہائی عملی تجویز بھی پول نکولائے وچ نیم دلی ہی سے سوچ رہا تھا۔

وہ واپس لوٹا، ایما والے کمرے کے قریب سے گزرا، بدہیئت قازق عورت کے قریب سے گزرا اور غلام گردش میں سونے والے مریضوں کے قریب سے گزرا۔ پھر وہ اس مبتلائے عذاب شخص کے قریب سے گزرا جو تھیلی سے آکسیجن لے رہا تھا۔

سیڑھیوں کے اوپر سے یونانی نے کریہہ سرگوشی میں اپنی خرخر کی آواز میں پوچھا۔

"ارے بھائی سنو! کیا وہ یہاں ہر کسی کا علاج کر دیتے ہیں؟ یا کچھ لوگ مر بھی جاتے ہیں؟"

روسانووف نے بے تابی سے اس کی طرف دیکھا اور اس حرکت نے فوراً ہی اسے چوکنا کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اپنے سر کو از خود حرکت دینا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ یفریم کی طرح اب اس کے لیے بھی اپنے سارے جسم کو حرکت میں لانا ضروری تھا۔ وہ خوفناک چیز جو اس کی گردن سے چپکی ہوئی تھی، اس کی ٹھوڑی پر بھی دباؤ ڈال رہی تھی اور اس کی ہنسلی پر بھی۔

وہ جلدی جلدی اپنے بستر کی طرف لوٹا۔

اب وہ کسی اور چیز کے بارے میں کیسے سوچ سکتا تھا؟ اب وہ کسی اور سے کیا ڈرتا؟ وہ کس پر بھروسہ کر سکتا تھا.....؟

اس کی تقدیر تو یہاں اس کی ٹھوڑی اور اس کی ہنسلی کے بیچ تھی۔

فیصلہ یہاں حکایا جارہا تھا۔ انصاف یہاں ہو رہا تھا۔ اور اس انصاف کے مقابلے میں وہ نہ اپنے کسی بارسوخ دوست کو بلا سکتا تھا، نہ اپنی پچھلی خدمات کا واسطہ دے سکتا تھا اور نہ اپنا کوئی دفاع پیش کر سکتا تھا۔

۱۵۔ اپنا اپنا بوجھ

"تمہاری عمر کتنی ہے؟"

"چھبیس"

"ارے یہ تو کافی عمر ہے"

"اور تمہاری؟"

"میں سولہ برس کا ہوں۔ سوچو تو سہی سولہ برس کی عمر میں ایک ٹانگ گنوا دینا کتنا بُرا ہے؟"

"وہ اسے کہاں سے کاٹنا چاہتے ہیں؟"

"گھٹنے پر سے۔ یہ یقینی ہے۔ اس سے کم وہ کبھی نہیں کاٹتے۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ عموماً وہ کچھ زیادہ بھی کاٹ دیتے ہیں۔ تو یہ یوں ہے۔ یہاں ایک ٹھنٹھ لٹک رہا ہوگا ......"

"تم مصنوعی ٹانگ لے سکتے ہو۔ تم زندگی میں کیا کرو گے؟"

"میری آرزو ہے کہ یونیورسٹی میں جاؤں"

"کس شعبے میں؟"

"یا فلسفہ یا تاریخ"

"کیا تم داخلے کا امتحان پاس کر لو گے؟"

"میرا خیال ہے پاس کر لوں گا۔ میں گھبراتا نہیں۔ ٹھنڈے دل و دماغ کا ہوں"

"یہ اچھی بات ہے۔ مصنوعی ٹانگ سے وہاں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ تم کام

کرسکو گے، مطالعہ کرسکو گے اور حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ تندہی سے۔ تم یقیناً ایک بہتر سکالر بن سکو گے۔"

"اور زندگی کے بارے میں کیا ہو گا ـــ عام زندگی کے بارے میں؟"

"تمھارا مطلب ہے مطالعے کے علاوہ؟ عام زندگی سے تمھاری مراد کیا ہے؟"

"تم جانتے ہی ہو"

"تمھارا مطلب ہے شادی؟"

"ہاں وہ بھی شامل ہے۔"

"تمھیں کوئی مل ہی جائے گی۔ ہر درخت پر کوئی نہ کوئی پنچھی ضرور بیٹھتا ہے۔ بہرحال اور راستہ بھی کیا ہے؟"

"تمھارا کیا مطلب ہے؟"

"تم یا اپنی ٹانگ بچا سکتے ہو یا اپنی زندگی۔ کیا ایسا نہیں؟"

"شاید ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ اپنے طور پر بھی تو ٹھیک ہو سکتی ہے۔"

"نہیں ڈیوما! شاید کی بنیاد پر محل تعمیر نہیں ہو سکتے۔ شاید کہیں نہیں پہنچاتا صرف مزید شایدوں، تک پہنچاتا ہے۔ تم اس قسم کی خوش بختی پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ یہ غیر دانشمندانہ ہے۔ کیا انھوں نے تمھیں بتایا ہے کہ تمھاری رسولی کا نام کیا ہے؟"

"یہ ان رسولیوں میں سے ایک ہے جو 'س الف' کے زمرے میں آتی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے دمبل مجھی۔ تمھیں آپریشن کرانا پڑے گا۔"

"کیا؟ کیا تمھیں اس کا یقین ہے؟"

"ہاں! مجھے یقین ہے۔ اگر وہ مجھے بتائیں کہ میری ایک ٹانگ کاٹنی پڑے گی تو میں انھیں ایسا کرنے دوں گا۔ حالانکہ میری زندگی کا سارا مقصد چلتے رہنا ہے۔ پیدل اور گھوڑے کی پیٹھ پر۔ جہاں کا میں ہوں وہاں کاریں کسی کام نہیں آتیں۔"

"کیا اب نہ تمھارا آپریشن کرنا نہیں چاہتے؟"

"نہیں۔"

"کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ موقع تمہارے ہاتھ سے نکل گیا؟"

"میں اپنی بات کس طرح کہوں؟ یہ پوری طرح صحیح نہیں کہ میں نے موقع گنوا دیا ہے۔ یا شاید ایک اعتبار سے موقع نکل چکا ہے۔ میں اپنے کام میں بری طرح مگن تھا۔ شاید مجھے یہاں تین ماہ پہلے آنا چاہیے تھا لیکن میں اپنا کام چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چلتے رہنے اور گھڑ سواری لیتے رہنے کے باعث معاملا اور بگڑ گیا۔ مالش ہمیشہ ہوتی رہتی تھی۔ اس میں پیپ پیدا ہوگئی، پھر پیپ بہنے لگی۔ پیپ بہہ جائے تو کچھ افاقہ محسوس ہوتا اور جی پھر کام پر جانے کو چاہتا۔ میں نے سوچا کچھ اور انتظار کرلیں۔ اب بھی اتنی کھجلی ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے اپنے پاجامے کا ایک پائنچہ پھاڑ ڈالوں یا ننگا بیٹھا رہوں۔"

"کیا وہ پٹی نہیں باندھتے؟"

"نہیں"

"کیا میں دیکھ سکتا ہوں؟"

"دیکھ لو"

....

"ارے! یہ کیا؟ یہ تو بالکل سیاہ ہے"

"جب سے میں پیدا ہوا ہوں یہ تب سے سیاہ ہے۔ پیدائش کے وقت یہاں ایک بڑا سا نشان تھا، لیکن اب تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔"

"وہاں ہے کیا؟"

"تین نالی دار زخم۔ تین بار جب یہ پھوڑا ابھا تو یہ زخم پیدا ہوگئے۔ ڈیویا! تم دیکھ رہے ہو کہ میری رسولی تمہاری رسولی سے بالکل مختلف ہے۔ میری رسولی کالا سرطان ہے۔ ایک انتہائی بے رحم درندہ۔ اصولاً یہ بیماری لگنے کے بعد صرف

آٹھ مہینے ہی باقی رہتے ہیں۔"

"یہ سب تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں نے یہاں آنے سے پہلے ایک کتاب میں پڑھا تھا۔ اسے پڑھنے کے بعد ہی مجھے پتہ چلا کہ کیا ہوا ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اگر میں یہاں جلدی آجاتا تو بھی وہ آپریشن نہ کر پاتے۔ کالا سرطان ایک ایسی خبیث بیماری ہے کہ جیسے ہی اسے چھوا جائے اس کی ثانویات پیدا ہو جاتی ہیں۔ آخر اپنے طور پر یہ بھی تو زندہ رہنا چاہتی ہے۔ پھر میں چونکہ کئی مہینے انتظار کرتا رہا یہ یکا یک میری مقعد میں نمودار ہو گئی۔"

"لڈمیلا افانسیونا کیا کہتی ہے؟ اس نے تمھیں سنیچر کے دن دیکھا تھا، کیا نہیں؟"

"وہ کہتی ہے کہ وہ گداختہ اور منجمد سونا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر یہ مل گیا تو میری مقعد کا علاج کر دیا جائے گا۔ پھر اس کے بعد ایکس رے سے میری ٹانگ پر یلغار کی جائے گی۔ اس طرح وہ آنے والے وقت کو ٹالتے ...."

"وہ تمھارا علاج کر دیں گے۔"

"نہیں ڈیوما! علاج کا وقت گزر چکا ہے۔ کوئی بھی جسے کالا سرطان ہو صحتیاب نہیں ہوتا۔ صحت یابی کی کوئی مثال موجود ہی نہیں۔ میرے معاملے میں ٹانگ کاٹنا بھی بے سود ہوگا اور اس سے اوپر وہ کہاں سے کاٹ سکتے ہیں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ آنے والے وقت کو کہاں تک ٹالا جا سکتا ہے۔ مجھے کتنی مہلت مل سکتی ہے۔ مہینے یا برس؟"

"تو کیا..... تمھارا مطلب ہے تم جا رہے ہو؟"

"ہاں میرا یہی مطلب ہے۔ ڈیوما! میں نے اس پر قناعت کر لی ہے لیکن زندگی کی زیادہ مہلت ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم واقعی جی رہے ہو۔ اصل سوال یہ ہے کہ مجھے کچھ کرنے کی مہلت ملے گی یا نہیں؟ میں اس دھرتی پر کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے تین سال درکار ہیں۔ اگر یہ تین برس مجھے دے دیں تو میں اور کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔ لیکن تین برس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ میں کلینک میں لیٹا رہوں۔ میرا مطلب ہے

کہ تین برس میدان میں سرگرم عمل رہوں۔"

داؤم زتسر کو اور ڈیوما کھڑکی کے قریب داؤم کے پلنگ پر بیٹھے، کافی سکون سے باتیں کر رہے تھے۔ قریب کے پلنگ پر یفریم ہی ایسا شخص تھا جس کے کانوں تک کوئی بات پہنچ سکتی تھی۔ لیکن صبح ہی سے وہ بت بنا لیٹا تھا اور چھت سے اپنی آنکھیں ہٹاتا ہی نہیں تھا۔ غالباً روسانوو بھی کچھ سن سکتا تھا۔ کئی بار اس نے زتسر کو کی طرف دوست دارانہ نظر سے دیکھا۔

"تمھارے خیال میں تمھیں وقت کاہے کے لیے چاہیے؟" ڈیوما نے پیشانی پر تیوری ڈال کر پوچھا۔

"دیکھو! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں ایک نئے متنازعہ فیہ اصول کو پرکھنا چاہتا ہوں۔ ماسکو کے عظیم سائنسدانوں کو شک ہے کہ اس میں کوئی تنت ہے۔ میری تھیوری یہ ہے کہ تابکار پانی کی تلاش کے ذریعہ کچی مرکب دھات کے ذخائر کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ تابکار سے کیا مراد ہے؟ سیکڑوں قسم کے مختلف مظہر ہوتے ہیں، لیکن تم کاغذ پر جو چاہو غلط یا صحیح ثابت کر سکتے ہو۔ بہرحال میں وہی محسوس کرتا ہوں جو دراصل ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اسے عملاً ثابت کر سکتا ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مجھے ہمہ وقت میدان میں رہنا پڑے گا اور اس پانی کے سوا اور کسی بھی چیز کی مدد کے بغیر کچی دھات کے کسی ذخیرے کی نشان دہی کرنی ہوگی۔ بہتر یہ ہو کہ میں ایک سے زائد ذخائر کا پتہ لگاؤں۔ لیکن کام کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ جب تم کام کر رہے ہو تو تمھیں اپنی قوت بے شمار معمولی معمولی باتوں پر خرچ کرنی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی خاص پمپ موجود نہیں صرف ایک مرکز گریز ہے جسے کام میں لانے سے پہلے اس کی ہوا خارج کرنی پڑتی ہے۔ لیکن کس طرح؟ منہ سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تابکار پانی کے گھونٹ بھرنا پڑتے ہیں۔ بہرحال ہم اسے پینے کے پانی کے طور پر استعمال کرتے ہی ہیں۔ کرغز مزدور کہتے ہیں ہمارے باپ دادا یہ پانی کبھی نہیں پیتے تھے۔ ہم کیوں پئیں؟ لیکن ہم روسی اسے پیتے ہیں۔ میں تابکاری سے کیوں ڈروں جبکہ مجھے کالے سرطان کا مرض لاحق ہے؟ اس کام کے لیے

میں بدیہی طور پر موزوں ہوں ۔"

" تم کچھ زیادہ احمق ہو ۔" لیفریم کی غیر جذباتی اور جھنجھلائی ہوئی آواز ان کی گفتگو میں مزاحم ہوئی ۔ اس نے اپنا سر تک نہیں گھمایا تھا ۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ان کی گفتگو کا ہر لفظ سن رہا تھا ۔" اگر تم مر رہے ہو تو تمھیں علم طبقات الارض سے کیا کام ؟ اس سے تمھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا ۔ تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اس سوال پر سوچو کہ آدمی جیتے کس چیز کے سہارے ہیں ؟"

واڈم نے اپنی ٹانگ کو ایک مخصوص زاویے سے پکڑا لیکن اپنے سر کو اپنی لچکدار گردن پر آسانی سے گھما لیا ۔ جواب دینے سے پہلے اس کی سیاہ اور تیز آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اس کے ہونٹ کسی قدر کانپے ۔ لیکن اس کے رویے میں ناراضگی کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا ۔" اس سوال کا جواب مجھے پہلے ہی معلوم ہے ۔ لوگ تخلیقی کام کے سہارے جیتے ہیں ۔ اس سے بڑی مدد ملتی ہے ۔ آدمی کھانے پینے تک سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔" وہ اپنی پلاسٹک کی پنسل کو آہستہ آہستہ اپنے دانتوں سے بانسری کی طرح چھیڑ رہا تھا اور یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ لوگ اس کی بات کو کہاں تک سمجھ رہے ہیں ۔

" تم اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھو ۔ تمھاری آنکھیں کھل جائیں گی ۔ تم حیران رہ جاؤ گے ۔" پوڈوایو نے اپنے جسم کو حرکت دیئے بغیر اور زنسترکو کی طرف دیکھے بغیر پھر کہا ۔ وہ اپنے ایک کھردرے ناخن سے اس چھوٹی سی نیلی کتاب کو جو اس کے ہاتھ میں تھی بجا رہا تھا ۔

" میں اسے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں ۔" واڈم نے تیزی سے جواب دیا ۔" یہ ہمارے دور کی کتاب نہیں ۔ یہ بہت بے ہنگم اور ڈھیلی ڈھالی ہے ، پرجوش نہیں ۔ ہمارا مقولہ ہے : کڑی محنت کرو اور صرف اپنے فائدے کے لیے نہیں ؛ صرف اتنی بات کمائی ہے ۔"

روسانوو چونک اٹھا ۔ چشمے کے پیچھے اس کی آنکھوں میں موانست کی چمک

تھی جب اس نے پوچھا " مجھے بتاؤ نوجوان ! کیا تم کمیونسٹ ہو ؟"

واڈم نے بڑے سہل اور سادہ طور پر اپنی آنکھیں روسانوو کی طرف پھیریں اور نرمی سے کہا " ہاں !"

" مجھے یقین تھا کہ تم کمیونسٹ ہو " روسانوو نے اپنی انگلی اٹھا کر ظفر مندانہ طور پر اعلان کیا ۔ وہ ایک معلم نظر آ رہا تھا ۔

واڈم نے ڈیوما کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا " بہت اچھا ! اب تم جاؤ ۔ مجھے کام کرنا ہے ۔"

وہ اپنی کتاب "کیمیات الارض" پر جھک گیا ۔ اس میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جسے وہ نشانی کے طور پر استعمال کر رہا تھا ۔ اس کاغذ پر جگہ جگہ خوشخطی سے کچھ اندراجات کیے گئے تھے جن کے آگے بڑے بڑے استعجابیہ اور سوالیہ نشان تھے ۔ وہ پڑھنے لگا اور اس کی سیاہ پنسل بانسری کی طرح اس کی انگلیوں کے درمیان حرکت کرنے لگی ۔

وہ مطالعے میں بالکل مستغرق ہو گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ وہاں ہے ہی نہیں ۔ لیکن پیول نکولائے وچ جس کے حوصلے واڈم کی تائید نے بلند کر دیے تھے ، دوسرے انجکشن سے پہلے اپنے حوصلوں کو کچھ اور بلند کرنا چاہتا تھا ۔ اس نے فیصلہ کیا کہ یفریم کو فیصلہ کن انداز میں ہمیشہ کے لیے پچھاڑ دے تاکہ پھر اسے مایوسی اور دل شکنی پھیلانے کی ہمت نہ ہو ۔ اس نے یفریم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سارے کمرے میں اس دیوار سے اس دیوار تک دیکھ کر کہنا شروع کیا :

" کامریڈ پوڈ دایو ! اس کامریڈ نے ابھی ابھی تمہیں جو سبق دیا ہے ، بہت عمدہ ہے ۔ بیماری کے آگے ہتھیار ڈال دینا ، جیسے کہ تم نے ڈال دیے ہیں ، غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تمہارے ہاتھ جو پہلا پادریانہ کتابچہ لگے ، تم اس کے سامنے ہتھیار ڈال دو ۔ اس کا مطلب بالکل یہ ہو گا کہ تم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہو " ۔ وہ خالی جگہ کو دشمن کے لفظ سے پُر کرنا چاہتا تھا ۔ عام زندگی میں ہمیشہ ایک دشمن ہوتا تھا جس کا نام لیا جا سکتا تھا ۔ لیکن یہاں ہسپتال میں دشمن کون ہو سکتا تھا ؟ انہیں

زندگی کو گہری نظر سے دیکھنا چاہیئے ۔ اور سب سے بہتر یہ کہ جو کارنامہ انجام دیا گیا ہے، اس کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ پیدا داری صلاحیت کو بڑھانے کے لیے عوام کو کیا چیز اکساتی ہے ؟ گزشتہ جنگ میں جرمنی کے خلاف بہادری سے لڑنے کے لیے عوام کو کس چیز نے اکسایا ؟ یا خانہ جنگی میں عوام کو جراُت مندی سے لڑنے پر کس چیز نے ابھارا ؟ وہ بھوکے تھے اور ان کے پاس جوتے اور کپڑے تک نہیں تھے اور نہ مناسب ہتھیار تھے۔

سارے دن پوڈوا یو بے حس و حرکت رہا تھا۔ پلنگوں کے درمیانی راستے پر اوپر تلے چلنے کے لیے بھی وہ اپنے بستر سے نہیں اٹھا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کئی حرکات جو وہ عام طور پر کیا کرتا تھا، آج اس نے نہیں کی تھیں۔ وہ ہمیشہ احتیاط برتتا تھا کہ اپنی گردن کو جنبش نہ دے اور اپنے جسم کو بھی ہچکچاہٹ کے ساتھ ہی جنبش دیتا تھا لیکن آج اس نے اپنے ہاتھ یا پانو کو بھی جنبش نہیں دی تھی۔ صرف ایک انگلی سے اپنی کتاب کو تھپتھپاتا رہا تھا۔ انھوں نے اسے صبح کا ناشتہ دینے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کہا کہ اگر تم میز پر بیٹھ کر ڈھنگ سے کچھ نہیں کھا سکتے تو پلیٹیں چاٹنے سے کیا فائدہ ؟ ناشتے سے پہلے بھی اور بعد بھی وہ بے حس و حرکت لیٹا رہا تھا۔ اگر وہ گاہے گاہے آنکھ نہ جھپکاتا رہا ہوتا تو دیکھنے والے سمجھتے کہ وہ پتھر کا ہو گیا ہے ۔

لیکن اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔

اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور ایسا ہوا کہ روسانوو کو دیکھنے کے لیے اسے ایک انچ بھی جنبش نہ کرنی پڑی۔ دیوار اور چھت کے سوا روسانووکا زرد چہرہ واحد چیز تھی جو اس کی نظر کی زد میں آتی تھی ۔

اس نے روسانوو کا لیکچر سنا، اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی اور اس کی جھگڑالو آواز گونج اٹھی ۔ لیکن اس مرتبہ اس کے لفظ ہمیشہ سے کسی قدر مدھم تھے ۔

"تو کیا کہا ؟ خانہ جنگی ؟ کیا تم خانہ جنگی میں لڑے تھے ؟"

پول نکولائے وچ نے آہ بھری اور کہا " کامریڈ پوڈوایو، میری اور تمھاری عمر اتنی نہیں کہ ہم اس خاص لڑائی میں لڑے ہوتے ۔"

یفریم نے نفرت سے ناک سکیڑی: "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیوں نہیں لڑے؟ میں تو لڑا تھا۔"

پیول نکولائے وچ نے اپنی عینک کے شیشوں کے پیچھے ملائمت سے اپنی آنکھیں اٹھائیں: "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بالکل سادہ بات تھی" یفریم نے آہستہ آہستہ کہا۔ اپنے ہر فقرے کے درمیان رکتے ہوئے "میں نے پستول اٹھایا اور لڑنے چلا گیا۔ یہ کافی اچھا تجربہ تھا۔ اور پھر میں اکیلا تو نہیں تھا۔"

"اور وہ جگہ کون سی تھی جہاں تم لڑے تھے؟"

"ازھیوسک کے قریب۔ ہم آئین ساز اسمبلی[1] کا صفایا کر رہے تھے۔ سات ازھیوسکوں کو میں نے اپنے ہاتھ سے گولی ماری تھی مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

ہاں اس کا واقعی خیال تھا کہ یہ ساتوں کے ساتوں اسے اچھی طرح یاد ہیں۔ یہ سب معمر تھے اور وہ صرف ایک لڑکا۔ اسے یاد تھا کہ اس باغی شہر میں ان ساتوں کو کس طرح باری باری وہ گلی میں لایا تھا اور کہاں انھیں گولی ماری تھی۔

عینک والا شخص کسی چیز کے بارے میں بدستور اسے لیکچر دے رہا تھا لیکن آج اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے کانوں کو کسی چیز نے بند کر رکھا ہے اور اگر وہ کچھ ظاہرداری برت بھی رہا ہے تو یہ زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتی۔

آج علی الصبح جب اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بغیر کسی خاص سبب کے خالی سفید چھت کے ایک حصے پر اس کی نگاہیں رکیں تو ایک بہت ہی غیر اہم واقعہ جسے وہ ایک مدت سے فراموش کر چکا تھا، ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے ذہن میں در آیا۔

---

[1] روسی پارلیمنٹ یعنی آئین ساز اسمبلی کی غیر بولشویکی اکثریت نے خانہ جنگی کے دوران بولشویکوں کے خلاف مزاحمت منظم کی تھی جو کچھ زیادہ دن نہیں چلی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جنگ کے بعد نومبر کا ایک دن تھا۔ برف پڑ رہی تھی۔ جیسے ہی یہ زمین کو چھوتی پگھلنا شروع کر دیتی اور کھرتی ہوئی خندق سے باہر پھینکی ہوئی گرم مٹی کو توچھوکر یہ بالکل ہی بجھ جاتی۔ گیس کے نلوں کے لیے نالیاں کھودی جارہی تھیں۔ مقررہ گہرائی ایک میٹر اور اسی سینٹی میٹر تھی۔ پوڈوایو نے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ کھدائی مقررہ گہرائی تک نہیں کی گئی۔ لیکن فورمین نے اس کے قریب آکر قسمیں کھائیں کہ ساری خندق کو مقررہ گہرائی تک کھودا جا چکا ہے " بہت اچھا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اس کی پیمائش کی جائے؟ یہ تمھارے لیے برا ہی ہوگا۔" پوڈوایو نے پیمائش کی چھڑی سنبھالتے ہوئے کہا جس پر ہر دس سینٹی میٹر کے بعد نشان لگا تھا اور ہر پانچواں نشان باقی نشانوں کے مقابلے میں کچھ لمبا تھا۔ اور وہ دونوں مل کر پیمائش میں مصروف ہو گئے۔ گیلی اور گھاس والی مٹی میں ان کے پانو دھنس جاتے تھے۔ خود پوڈوایو نے افسروں والے اونچی ایڑی کے جوتے پہن رکھے تھے لیکن فورمین سپاہیوں کے معمولی جوتوں میں تھا۔ ایک جگہ رک کر انھوں نے پیمائش کی: ایک میٹر ستر سینٹی میٹر۔ وہ آگے چل دیے۔ اگلی جگہ تین آدمی کھدائی کر رہے تھے۔ ایک لمبا تپلا کسان جس کے سارے چہرے پر سیاہ داڑھی اگی ہوئی تھی۔ ایک سابق افسر تھا جس نے اب بھی فوجی ٹوپی پہن رکھی تھی اگرچہ اس پر جو سرخ ستارہ تھا وہ مدت ہوئی پھٹ چکا تھا۔ اس کے کنارے پر بہت عمدہ چمڑا لگا ہوا تھا لیکن یہ سرخ پٹی چونے اور مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ تیسرا ایک نوجوان لڑکا تھا جس نے کپڑے کی ٹوپی اور قصباتی اوورکوٹ پہن رکھا تھا (ان دنوں جیل کی وردی مہیا کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ ضابطے کے مطابق مہیا نہیں کی جاتی تھی۔) پھر یہ بھی دکھائی دیتا تھا کہ یہ اوورکوٹ اس کے لیے تب بنا ہوگا جب وہ سکول میں پڑھتا تھا کیونکہ یہ بہت چھوٹا اور تنگ تھا (اب لیفریم کو ایسا لگتا تھا کہ وہ کوٹ کو واضح طور پر پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا) پہلے دو تھکے ہارے اب بھی کھدائی کر رہے تھے۔ وہ اپنے پھاوڑوں سے مٹی ہٹا رہے تھے۔ اگرچہ دلدلی مٹی پھاوڑے کے پھل سے چمٹی جاتی تھی لیکن تیسرا جو صرف ایک نو عمر لڑکا تھا

اپنے سینے کے بل پھاوڑے پر جھکا ہوا تھا جیسے وہاں جم کر رہ گیا ہو۔ برف سے سفید اس کے ہاتھ اس کی پھٹی پرانی آستینوں میں اڑسے ہوئے تھے اور وہ یوں جھول رہا تھا جیسے وہ مردہ کوا جسے ڈرانے کے لیے کھیتوں میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ انھوں نے ان کام کرنے والوں کو دستانے نہیں دیے تھے۔ سابق سپاہی کے پاس اونچی ایڑی کے جوتے تھے لیکن باقی دو کے پاس صرف کار کے ٹائروں کے بنے ہوئے جوتے تھے جو شاید انھوں نے خود ہی بنا لیے تھے۔ "تم وہاں منہ پھاڑے کیوں کھڑے ہو؟" فورمین لڑکے پر چلایا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ سزا کے طور پر تمھارا راشن گھٹا دیا جائے؟ بہت اچھا۔ یہ میرے لیے برا نہیں۔" نوجوان لڑکے نے صرف آہ بھری اور کچھ اور جھک گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھاوڑے کا دستہ اس کے سینے میں گہرے سے گہرا گھستا جا رہا ہے۔ فورمین نے اس کے سر کے پیچھے گھونسا مارا۔ لڑکے نے جھرجھری سی لی اور پھر پھاوڑا چلانے لگا۔

انھوں نے پیمائش شروع کی۔ مٹی باہر نکال کر خندق کے دونوں طرف پھینکی یہ دیکھنے کے لیے کہ پیمائش کرنے والی لکڑی کا اوپر والا نشان ٹھیک کہاں پہنچتا ہے خندق پر سے جھکنا پڑتا تھا۔ سابق سپاہی قریب کھڑا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ پیمائش میں مدد کر رہا ہے لیکن درحقیقت وہ لکڑی کو ایک ایسے زاویے سے تھام رہا تھا کہ پیمائش میں دس سینٹی میٹر کا اضافہ ہو جائے۔ پوڈوالوف نے اسے مغلظ گالیاں دیں اور لکڑی کو خود سیدھا کھڑا کر دیا۔ نتیجہ سامنے تھا۔ ایک میٹر پینسٹھ سینٹی میٹر۔

"ٹھہری کمانڈر!" سابق سپاہی نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "مہربانی سے چند سینٹی میٹر ہمیں معاف کر دو۔ ہمارے پیٹ خالی ہیں، ہماری طاقت جواب دے چکی ہے اور موسم جیسا ہے تم خود دیکھ سکتے ہو۔"

"اور تمھاری وجہ سے الزام اپنے سر لے لوں؟ خوب! کسی اور کو پھانسو۔ پوری پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔ ہر طرف سیدھی کھدائی ہونی چاہیے اور نیچے کی طرف ڈھلوان نہیں ہونی چاہیے۔"

جیسے ہی پوڈوا یو نے اپنے آپ کو سیدھا کیا، اپنی لکڑی باہر کھینچی اور پانو مٹی سے باہر نکالے، تینوں نے اپنے منہ اس کی طرف کر لیے۔ پہلے کی سیاہ خشخشی داڑھی تھی، دوسرا مرا سا پلا نظر آتا تھا، تیسرے کے ابھی رونگٹے ہی نکلے تھے جو اسے نا آشنا تھے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تو ان کے برف آلودہ چہروں سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہیں۔ ان میں سے نوجوان لڑکے نے اپنے ہونٹ کھولے اور کہا "بہت اچھا آقا! ایک دن تمھارے مرنے کی باری بھی آئے گی۔"

پوڈوایو نے کوئی ایسی رپورٹ نہیں لکھی تھی جس سے انھیں جان کے لالے پڑ جاتے۔ اس نے صرف یہ لکھ دیا تھا کہ وہ کتنی اجرت کے مستحق ہیں تاکہ ان کی بددعا اسے نہ لگے۔ ماضی پر نظر دوڑاتے ہوئے اسے ایسے کئی لوگ یاد آئے جن سے اس نے ان تینوں کے مقابلے میں زیادہ سختی کی تھی۔ یہ سب دس سال پہلے کی باتیں تھیں۔ پوڈوایو نے اس کے بعد کیمپوں میں کام نہیں کیا۔ فورمین کو فارغ کر دیا گیا تھا۔ گیس کے نل عارضی طور پر ہی بچھائے گئے تھے۔ غالباً اب ان میں سے گیس نہیں گزر رہی تھی اور انھیں کسی اور ہی مقصد کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا لیکن جو بات اس سے اس وقت کہی گئی تھی وہ اس کے ذہن میں جم گئی اور آج اوپر آ گئی۔ اس کے کان میں آج پہلی آواز ہی گونجی "بہت اچھا آقا! ایک دن تمھارے مرنے کی باری بھی آئے گی۔"

اس یادداشت سے یفریم کو کوئی مفر نہیں تھا۔ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا تھا؟ وہ نوجوان لڑکا بھی تو یہی چاہتا تھا۔ کیا یفریم آہنی عزم کا مالک تھا؟ کیا اس نے کوئی نئی بات سیکھ لی تھی اور وہ نئے ڈھنگ سے زندہ رہنا چاہتا تھا؟ بیماری کو ان باتوں میں سے کسی میں دلچسپی نہیں تھی، اس کے اپنے ضابطے تھے۔

وہ چھوٹی سی نیلی کتاب ضرور تھی جس پر مصنف کا نام سنہری حروف میں

کندہ تھا اور جو پوری چار راتوں سے یفریم کے بستر کے نیچے تھی ۔ یہ کتاب بار بار اسے ہندوؤں اور ان کے اس عقیدے کی یاد دلا رہی تھی کہ ہم میں سے کوئی مکمل طور پر کبھی نہیں مرتا اور ہماری روحیں آواگون کے ذریعہ جانوروں اور دوسرے لوگوں میں منتقل ہوجاتی ہیں ۔ یہ صراحتیں اب پوڈوایو کے لیے موجب کشش بن گئی تھیں ۔ کاش وہ اپنے وجود کا کچھ حصّہ اپنے ساتھ لے جاسکے ۔ کاش سب کچھ نالی میں نہ بہ جائے ۔ کاش وہ اپنے وجود کا کچھ حصّہ موت کی سرحد کے پار لے جاسکے ۔

لیکن بات یہ تھی کہ روحوں کا یہ آواگون اسے صرف ایک تسلی معلوم ہوتا تھا ۔ درد اس کی گردن سے اٹھ کر سیدھا سر تک جارہا تھا اور لامتناہی طور پر ۔ اس درد کی یکساں طور پر چار ٹیسیں اٹھتی تھیں ۔ اور ہر ٹیس کچھ کے لگا کر اسے کہہ رہی تھی ۔

" یفریم ــــ پوڈوایو ــــ مرگیا ــــ فل سٹاپ ــــ یفریم ــــ پوڈوایو ــــ مرگیا ــــ فل سٹاپ ــــ "

یہ سلسلہ لامتناہی تھا ۔ یہ لفظ وہ اپنے سے دہرانے لگا ۔ جتنا وہ انھیں دہراتا اتنا ہی اسے محسوس ہوتا کہ وہ اس یفریم پوڈوایو سے جس کی موت مقدر ہوچکی ہے ، بہت دور اور الگ ہے ۔ اپنی موت کا تصوّر ، اب اسے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے کسی پڑوسی کی موت کا تصوّر ہو ۔ لیکن اس کے داخلی وجود کا وہ حصّہ جو یفریم پوڈوایو کی موت کو ایک پڑوسی کی موت سمجھ رہا تھا ، ایسا تھا جسے اس کے خیال میں مرنا نہیں چاہیے تھا ۔

لیکن اس پڑوسی کا کیا ہوگا ؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بچ سکتا ہی نہیں ۔ ماسوا اس کے کہ وہ برچ کے درخت کے دُمبل کا جوشاندہ پیے ۔ بات صرف اتنی تھی کہ خط کے مطابق یہ جوشاندہ باقاعدگی سے پورے ایک سال پینا ضروری تھا ۔ اس کے لیے دو پوڈ[1] خشک دُمبل کی ضرورت تھی اور اگر دُمبل گیلا ہو تو چار پوڈ ۔ اس

---

[1] ایک قدیم روسی پیمانۂ وزن ہے جو ۳۶ پونڈ کے برابر ہوتا ہے ۔

کا مطلب تھا آٹھ پارسل۔ یہ بھی ضروری تھا کہ ڈمبل کو درخت سے تازہ تازہ اتارا جائے۔
درخت کے آس پاس بکھرے ہوئے ڈمبل سے کام نہیں چل سکتا۔ آٹھوں پارسل ایک
ساتھ نہیں بھیجے جا سکتے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ انھیں ایک ایک کر کے ہر ماہ بھیجا
جائے۔ ایسا کون تھا جو ڈمبل کے پارسل بناتا اور انھیں مناسب وقت پر پہنچاتا رہتا؟
روس میں اس کا ایسا وہاں کون تھا؟

ایسا شخص وہی ہو سکتا تھا جسے تم سے کوئی قرابت ہو، جو تمھارے خاندان
کا رکن ہو۔

یفریم کی زندگی میں سینکڑوں لوگ آئے تھے لیکن اتنا قریب کوئی نہیں آیا
تھا جسے وہ اپنے خاندان کا رکن کہہ سکے۔

اس کی پہلی بیوی امینہ یہ کر سکتی تھی کہ ڈمبل اکٹھا کرے اور اسے بھیج دے۔
یورال کے دوسری طرف اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا جسے وہ اس کے لیے لکھ سکتا
لیکن وہ اسے لکھتا تو جواب میں وہ لکھ بھیجتی "تم جہاں چاہو مر سکتے ہو گھاگ بھیڑیے"
اور اس میں وہ حق بجانب ہوتی۔

جہاں تک ضابطوں کا تعلق ہے وہ ایسا لکھنے میں بالکل حق بجانب ہوگی اگرچہ
اس چھوٹی سی نیلی کتاب کے مطابق نہیں۔ یہ نیلی کتاب کہتی تھی کہ امینہ کو اس پر
ترس کھانا چاہیے۔ اس سے محبت ترک کرنی چاہیے۔ اپنے خاوند کی حیثیت سے
نہیں صرف ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو تکلیف میں مبتلا ہے۔ اسے ڈمبل کے
پارسل ضرور بھیجنے چاہئیں۔

کتاب ٹھیک کہتی تھی، لیکن یہ تبھی ممکن تھا اگر ایک ساتھ سبھی لوگ اس کے
مطابق زندگی بسر کرنا شروع کر دیں۔

پھر یفریم کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے کانوں کی میل چھٹ رہی ہے اور اسے
ماہر ارضیات کے لفظ سنائی دینے لگے ہیں جو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے کام کے سہارے
زندہ ہے اور یفریم نیلی کتاب کو اپنی انگلیوں کے ناخنوں سے بجانے لگا۔

ایک بار پھر وہ اپنے خیالات میں ڈوب گیا۔ وہ نہ تو کچھ سن رہا تھا نہ دیکھ رہا تھا۔
پھر تیز درد کی وہی ٹیسیں اس کے سر میں اٹھ رہی تھیں۔
اب یہ درد کی ٹیسیں ہی اسے ستا رہی تھیں۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو یہ کتنا آسان اور آرام دہ ہوتا کہ وہ وہاں لیٹا رہے، نہ حرکت کرے نہ علاج کرائے، نہ کھائے، نہ بولے، نہ سنے، نہ دیکھے؛
یہاں تک کہ اس کی ہستی ہی باقی نہ رہے۔
لیکن کوئی اس کے پانو اور اس کی کہنی کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جراحی کے وارڈ کی لڑکی کچھ دیر سے اس کے بستر کے قریب کھڑی ہے اور یہ کوشش کر رہی ہے کہ اسے اٹھا کر پٹی بدلوانے کے لیے لے جائے۔ اب احمد جان اس کی مدد کر رہا تھا۔
تو اب یفریم کو بستر سے ایک بار اور اٹھنا پڑے گا اور بلا وجہ۔ اُسے قوت ارادی کو مجتمع کر کے اپنے جسم کے پورے پندرہ سٹون وزن کو سنبھالنا پڑے گا۔ اپنی ٹانگوں، اپنے بازوؤں اور اپنی پیٹھ کو پھر کشاکش میں مبتلا کرنا پڑے گا۔
گوشت سے لدی ہوئی ہڈیوں کو آسودگی کی حالت سے نکال کر پھر حرکت میں لانا پڑے گا۔ اپنے جوڑوں کو پھر بروئے کار لانا پڑے گا تاکہ وہ اس کے لحیم و شحیم جسم کے بے بیرم کا کام دیں اور جب اس کا جسم ستون کی طرح کھڑا ہو جائے تو اس ستون کو لباس پہنا کر وہ اسے غلام گردشوں میں سے گزارتا ہوا سیڑھیوں کے نیچے لے جائے تاکہ اسے بلا وجہ مبتلائے عذاب کیا جا سکے اور رومجنوں پٹیاں کھول کر پھر باندھ دی جائیں۔۔۔۔
یہ سب کچھ کتنا طویل اور کتنا تکلیف دہ لگتا تھا۔ اس کے ہر طرف ایک دھندلا سا شور تھا۔ یوجینیا اسٹیپو ونا کے ساتھ دو سرجن تھے جو اپنے طور پر کبھی آپریشن نہیں کرتے تھے۔ وہ انھیں کوئی بات سمجھا رہی تھی اور تشریح کے لیے مشاہدہ بھی کرا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ یفریم سے بھی بات کرتی جاتی تھی لیکن وہ جواب نہیں

دے رہا تھا۔

اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے پاس بات کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ اس کے گرد بے معنی سے شور کی جو گرد اچھائی ہوئی تھی وہ ان سب کے لفظوں کے درمیان حائل ہو رہی تھی۔

انھوں نے اس کی گردن کے گرد پٹیوں کا حلقہ باندھ دیا جو پہلے حلقے سے بھی زیادہ مضبوط تھا اور وہ وارڈ میں واپس آ گیا۔ ان پٹیوں کے مقابلے میں جو اس کے گرد بیٹی ہو لی تھیں، اب اس کا سر چھوٹا نظر آتا تھا۔ اس کے سر کا صرف اوپری حصہ پٹیوں کے حلقے سے باہر تھا۔ وہ کوسٹو گلو ٹوو کے ساتھ ٹکرا گیا جو اپنے ہاتھ میں تمبا کو کی تھیلی سنبھالے باہر جا رہا تھا۔

"تو انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

یفریم نے اپنے دل میں سوچا "انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" بظاہر انھوں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن اب وہ یہ سمجھ ضرور گیا تھا کہ ان کا مطلب کیا ہے؟ اور اس نے اس طرح جواب دیا جیسے اسے اس کا پورا علم ہو۔ "انھوں نے کہا ہے "تم جہاں چاہو اپنی گردن میں پھندا ڈال کر مر سکتے ہو لیکن ایسا ہمارے گھر میں نہ کرنا۔""

فیڈریا نے دہشت سے اس کی بے ہنگم گردن کی طرف دیکھا جو اس کا مقدر بھی ہو سکتی تھی اور پوچھا "کیا وہ تمھیں ڈسچارج کر رہے ہیں؟"

یہ احساس یفریم کو یہ سوال سن کر ہی ہوا کہ وہ من مانی نہیں کر سکتا اور جیسا کہ اس کا دل چاہتا تھا، بستر پر نہیں لیٹ سکتا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ ڈسچارج ہونے کی تیاری کرے۔

اس کے بعد، اگرچہ وہ جھک کر، بھی نہیں سکتا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ روزمرہ کے کپڑے پہنے۔

اور اس کے بعد، گرچہ یہ بات اس کی سکت سے بالکل باہر تھی، اس کے

لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے جسم کے ستون کو گھسیٹتا ہوا شہر کی گلیوں میں سے لے جائے
اسے اپنے آپ کو ان سب باتوں کے لیے آمادہ کرنا ناقابل برداشت
نظر آتا تھا اور پھر یہ سب کس لیے ؟
کوسٹوگلوٹوو نے اس کی طرف دیکھا، ترحم سے نہیں بلکہ ہمدردی کے اس جذبے سے جو ایک فوجی کو دوسرے فوجی سے ہوتی ہے۔ جیسے کہہ رہا ہو "اس گولی پر تمھارا نام لکھا تھا، دوسری پر میرا ہو سکتا ہے" ! اسے یفریم کی سابقہ زندگی کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا، اس نے وارڈ میں اس کے ساتھ دوستی بھی نہیں کی تھی لیکن وہ اس کے دوٹوک لہجے کو پسند کرتا تھا اور یہ محسوس کرتا تھا کہ زندگی میں اسے جتنے لوگ ملے ہیں، ان میں یہ بدترین تو ہرگز نہیں۔
"تو اچھا یفریم آؤ ہم اس پر ہاتھ ملائیں" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔
یفریم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ہونٹوں پر زہرخند لا کر کہا۔
"جب تم پیدا ہوتے ہو تو بل کھاتے ہو، بڑے ہوتے ہو تو مجنونانہ دوڑتے ہو۔ جب تم مرتے ہو تو یہ تمھارا مقدر ہے۔"
اولک سگریٹ لانے کے لیے مڑا لیکن دروازے میں لیبارٹری میں کام کرنے والی لڑکی نمودار ہوئی۔ وہ اخبار لا رہی تھی اور چونکہ قریب ترین وہی تھا، اسے اس نے اسی کو تھما دیا۔ کوسٹوگلوٹوو نے اسے لے کر کھول لیا لیکن روسانوو کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے آزردہ لہجے میں بلند آہنگی کے ساتھ لڑکی کو سرزنش کرنا شروع کر دی جو مڑ کر ابھی جانے نہیں پائی تھی "سنو! اری سنو!! میں نے تمھیں واضح طور پر کہا تھا کہ اخبار پہلے مجھے دینا" اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ واقعی تکلیف میں ہے لیکن کوسٹوگلوٹوو کو اس پر کوئی ترس نہیں تھا۔ "پہلے اخبار تمھیں کیوں ملے ؟" وہ غرایا۔
"کیوں سے تمھارا کیا مطلب ہے ؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو ؟" پاویل نکولائیے

وپ جز بز ہو رہا تھا۔ وہ جُز بُز ہو رہا تھا کہ اگرچہ اس کا حق بالکل بدیہی اور ناقابلِ نزاع تھا لیکن اس کے باوجود یہ ایک ایسا حق ہے جس کے جواز میں لفظی دلیل نہیں دی جا سکتی۔

یہ بات اس کے لیے واقعی حسد کا باعث تھی کہ اس کے سامنے اپنی ناپاک انگلیوں سے کوئی تازہ اخبار کھولے۔ یہاں کون ایسا تھا جو اس کی طرح اخبار کو سمجھ سکتا تھا، اس کے نزدیک اخبار ایک طرح کا ہدایت نامہ تھا جس کے ذریعہ ہدایات دور دور تک پہنچائی جا سکتی تھیں۔ یہ ہدایات ایک طرح سے خفیہ لغت میں ہوتی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی بات کھلے لفظوں میں نہیں کہی جا سکتی تھی لیکن ایک ذہین شخص جو رمز شناس ہو وہ چھوٹے چھوٹے اشاروں سے، مضامین کی ترتیب سے، اس بات سے کہ کن باتوں کو کم اہمیت دی گئی ہے اور کنھیں نظرانداز کیا گیا ہے، نتائج اخذ کر سکتا تھا اور صحیح صحیح معلوم کر سکتا تھا کہ واقعات کا رخ کیا ہے؟

لیکن یہ سب باتیں ایسی تھیں جنھیں بلند آہنگی سے نہیں کہا جا سکتا۔ اس نے شکایتی لہجے میں صرف اتنا کہا "ایک منٹ میں وہ مجھے انجکشن لگائیں گے۔ میں انجکشن سے پہلے صرف دیکھ لینا چاہتا ہوں۔"

"انجکشن؟" بڈھی چوس نرم پڑ گیا "تو اچھا...."

اس نے جلدی جلدی اخبار پر نظر ڈالی، جہاں سپریم سوویٹ کے اجلاس نے اتنی جگہ گھیر رکھی تھی کہ باقی چیزیں کونوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تمباکو پینے کے لیے باہر جانے ہی والا تھا۔ اس نے اسے روسانووکو دینے کے لیے تہ کیا تو اس سے تڑمڑ کی آواز آئی اور معاً ہی اس کی نظر کسی چیز پر جم گئی۔ وہ پھر اخبار میں ڈوب گیا اور فوراً ہی اس کی زبان سے ایک لفظ نکلا "دل.... جیب.." وہ اس لفظ کو بار بار دہرا رہا تھا اور اسے اپنی زبان اور اپنے تالو میں گھس کے ادا کر رہا تھا۔

بیتھووِن کا مدھم سُر میں گایا ہوا نغمۂ تقدیر کوسٹو گلوٹووے کے سر پر گونج رہا تھا۔ یہ نغمہ وارڈ میں اور کسی کو سنائی نہیں دے رہا تھا۔ شاید کبھی سنائی نہ دے۔ اونچی آواز میں اس سے زیادہ وہ کیا کہہ سکتا تھا۔

"کیا ہے؟ کیا ہے؟" روسانووکے ہاتھ سے ضبط کا دامن چھوٹ رہا تھا۔ "مجھے فوراً اخبار دو۔"

کوسٹو گلوٹووے نے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ اخبار میں کیا ہے۔ اس نے روسانوو کو کبھی جواب نہیں دیا۔ اس نے روسانوو کی طرف قدم بڑھایا، دوسری طرف سے وہ بھی اس کی طرف بڑھا اور کوسٹو گلوٹووے نے اخبار اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ بیکرے سے باہر جائے بغیر اس نے تمباکو کی ریشمی تھیلی باہر نکالی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خام تمباکو اور اخباری کاغذ سے سگریٹ بنانے لگا۔

پیول نکولائے وچ نے اخبار کھولا تو اس کے ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ کوسٹو گلوٹوو نے دلچسپ کا لفظ جس انداز سے کہا تھا وہ اس کی پسلیوں میں چاقو کی طرح پیوست ہوگیا۔ وہ کیا بات تھی جو ہڈی چوس کو "دلچسپ" محسوس ہوئی۔

وہ ایک منجھے ہوئے انداز میں سپریم سوویٹ کے اجلاس کی خبروں کو عنوان بہ عنوان دیکھنے لگا، حتیٰ کہ یکایک......

یہ خبر چھوٹے ٹائپ میں چھپی تھی اور کسی ناواقف رموز کے لیے شاید اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ خبر صفحے پر سے چیخ رہی ہو سوویٹ یونین کی سپریم کورٹ کے سبھی ممبر بدل گئے تھے۔

یہ کیا ہوا؟ ماتولے وِچ، آلرچ کا نائب؟ ڈیٹسٹوو؟ اور کلوپوو! جب سے یہ وجود میں آئی تھی کلوپوو سپریم کورٹ کا ممبر رہا تھا۔ اب اسے برطرف کردیا گیا؟ ریاست اور پارٹی کے قلعے پر نگہداری اب کون کرے گا؟ اتنے سارے بالکل نئے نام! وہ سب لوگ جو چوتھائی صدی تک انصاف کی کرسی پر متمکن رہے ہیں یک جنبشِ قلم برطرف کردیئے گئے تھے۔

یہ صرف اتفاق نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ تو تاریخ حرکت میں آ رہی تھی .....

پیول نکولائے وچ کو پسینہ آنے لگا۔ طلوع آفتاب سے کچھ ہی پہلے اس نے اپنے آپ کو دلاسا دینے کی کوشش کی تھی، یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے سب خدشے بے بنیاد ہیں۔ لیکن اب .....

"تمھارا انجکشن"

"کیا؟" وہ ایک پاگل کی طرح اچھل پڑا۔

ڈاکٹر گنگارٹ اس کے سامنے سرنج لیے کھڑی تھی" اپنی آستین الٹ لو۔ تمھارا انجکشن تیار ہے۔"

۱۶- ہذیان

وہ رینگ رہا تھا۔ وہ کنکریٹ کی بنی ہوئی ایک نلی میں سے رینگ رہا تھا۔ نہیں یہ نلی نہیں تھی، یہ تو ایک سرنگ تھی جس کے اطراف میں سے فولاد کی ننگی سلاخیں آگے کو نکل رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ ان میں الجھ جاتا، اپنی گردن کے عین بائیں طرف جہاں اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ اپنے پیٹ کے بل رینگ رہا تھا اور جو چیز اسے سب سے زیادہ محسوس ہوتی تھی وہ اس کے جسم کا بھاری پن تھا جو اسے کھینچ کھینچ کر زمین کی طرف دبا رہا تھا۔ یہ بھاری پن اس کے جسم کے حقیقی وزن سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ اس کا عادی نہیں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بوجھ تلے دب کر چپٹا ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے اسے یہ خیال آیا کہ جو چیز اسے کچل رہی ہے وہ اوپر کا کنکریٹ ہے۔ لیکن نہیں، یہ تو اس کا جسم ہی ہے جو اتنا وزنی ہو گیا تھا۔ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ٹوٹے پھوٹے لوہے کی کوئی گٹھری ہو۔ اس کا جسم اتنا وزنی تھا کہ اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ پھر اپنے پاؤں پر کبھی کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ اب صرف ایک ہی بات کی اہمیت تھی کہ وہ رینگ رینگ کر اس راستے سے گزر جائے تاکہ سانس کے ذریعے تھوڑی سی ہوا پی سکے، روشنی دیکھ سکے۔ لیکن راستہ غیر مختتم تھا، کبھی نہ ختم ہونے والا۔

پھر کہیں سے ایک آواز آئی —— لیکن یہ آواز نہیں تھی بلکہ ایک خیال کی لہر تھی —— جو اسے حکم دے رہی تھی کہ وہ اطراف میں رینگے۔ "میں یہ کیسے کر سکتا ہوں، جب بیچ میں دیوار حائل ہے"، اس نے سوچا۔ لیکن حکم ایسا تھا جس کی کوئی مزاحمت نہیں کی جا سکتی تھی اور اس پر اسی طرح وزن ڈال رہا تھا جیسے وہ مہاوزن جو اس کے جسم کو چپٹا کر رہا تھا۔ ایک آہ بھر کر اس نے اطراف میں رینگنا شروع کر دیا اور بلاشبہ

اس نے محسوس کیا کہ اطراف کی طرف بھی وہ اتنی ہی آسانی سے رینگ سکتا ہے جتنا آگے کی طرف۔ وہ بائیں جانب رینگنے کا عادی ہونے لگا تھا کہ اسے حکم ملا وہ دائیں طرف کو رینگے۔ وہ آہ بھر کر پھر حرکت کرنے لگا۔ وہ اس سب کچھ سے بہت نڈھال ہو رہا تھا لیکن نہ کہیں روشنی تھی اور نہ سرنگ کے ختم ہونے کے آثار ہی نظر آرہے تھے۔
اسی واضح آواز نے اسے پھر حکم دیا کہ وہ ڈبل رفتار سے دائیں جانب کو گھوم جائے اس نے اپنی کہنیوں اور اپنے پانوؤں کو جنبش دی اور اس کے باوجود کہ اس کے دائیں طرف ناقابل نفوذ دیوار تھی، وہ رینگتا گیا اور اس کی حرکت جاری رہی۔ اسے پھر حکم ملا کہ وہ بائیں طرف کو گھوم جائے اور دُہری رفتار ہی سے۔ اس وقت تک اس کے سارے شکوک رفع ہو چکے تھے اور اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے کہنیوں سے بائیں طرف راستہ بنایا اور رینگنے لگا۔ اس کی گردن کہیں کہیں پھنس جاتی تھی اور اس کی کسک اس کے سر میں محسوس ہوتی تھی۔ اتنی الجھن میں اپنی زندگی میں وہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ یہ بڑی ہی افسوسناک بات ہوگی کہ وہ سرنگ کے کنارے پر پہنچے بغیر یونہی مرجائے۔
لیکن یکایک اس کی ٹانگیں ہلکی ہو گئیں جیسے وہ ہوا بھرنے سے پھول گئی ہوں۔ وہ اوپر اٹھنے لگیں اگرچہ اس کا سینہ اور اس کا سر ابھی تک دھرتی سے چمٹا ہوا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش کی لیکن کوئی نیا حکم نہیں آیا اور تب اس نے محسوس کیا کہ باہر نکلنے کا راستہ غالباً ہے۔ وہ اپنی ٹانگوں کو نلی کے باہر اڑنے دے گا اور پھر ان کے پیچھے رینگتا ہوا باہر نکل جائے گا۔ وہ بلاشبہ پیچھے کی طرف حرکت کر رہا تھا، اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو دھکیلتے ہوئے (خدا ہی جانتا تھا کہ اس میں یہ طاقت کہاں سے آ گئی) وہ اپنی ٹانگوں کے پیچھے پیچھے ایک سوراخ میں سے پیچھے کی طرف رینگنے لگا۔ یہ سوراخ بہت تنگ تھا لیکن جو چیز اس معاملے کو بہت زیادہ مشکل بنا رہی تھی وہ اس کے سر کی طرف بہنے والا سیل خون تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ بالکل وہیں مر جائے گا۔ اس کا سینہ کھچ رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے دیوار کی طرف

اپنے آپ کو ایک اور حرکت دی اور رینگ کر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اس کے
جسم کے ہر حصے پر خراشیں تھیں۔

اس نے اپنے آپ کو ایک تعمیر گاہ میں ایک پائپ پر بیٹھے پایا۔ وہاں کوئی نہیں
تھا۔ کام کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ اس کے آس پاس کی دھرتی گیلی اور دلدلی تھی وہ پائپ
پر سستانے کے لیے بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے پاس ہی ایک لڑکی بیٹھی ہوئی
ہے جس کی اوپری پوشاک بہت گندی ہے، سر ننگا ہے اور اس کے تنکوں جیسے بال
بے ڈھنگے پن سے لٹک رہے ہیں۔ ان میں نہ کوئی پن لگا ہے نہ کنگھی کی گئی ہے۔
لڑکی اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی صرف بیٹھی تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ لڑکی کو یہ
امید ہے کہ وہ اس سے کوئی سوال پوچھے گا۔ شروع شروع میں وہ کچھ ڈر سا گیا لیکن
تب اسے محسوس ہوا کہ اتنا وہ اس لڑکی سے خوفزدہ نہیں جتنی وہ اس سے خوفزدہ ہے۔
اس کا دل اس سے بات کرنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن لڑکی بہت پر اشتیاق تھی اور
اس کے سوال کی منتظر تھی۔ آخر اس نے اس سے سوال پوچھ ہی لیا۔ "نوجوان خاتون!
تمھاری ماں کہاں ہیں؟"

"میں نہیں جانتی" اس نے اپنے پانو کی طرف نیچے کو دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی
انگلیوں کے ناخن کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتی! تمھارا کیا مطلب ہے؟" اسے غصہ آنے لگا تھا، "تمھیں ضرور
علم ہونا چاہیے اور تمھیں مجھے سچ سچ بتا دینا چاہیے۔ ہر بات ٹھیک ٹھیک لکھ دو۔۔
۔۔۔ تم کچھ کہتی کیوں نہیں؟ میں ایک بار اور پوچھتا ہوں تمھاری ماں کہاں ہے؟"

"یہ سوال تو میں خود تم سے پوچھنا چاہتی ہوں" لڑکی نے اس کی طرف دیکھا۔

لڑکی نے اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں پانی پانی تھیں۔ اسے ایک کچوکا
سا لگا، کئی بار اور یہ کچوکے بیک وقت ہی لگے۔ یہ ضرور گروشا کی بیٹی ہوگی۔ وہ پریس
پر یٹر جیسے عوام کے لیڈر کے خلاف گپ بازی کرنے کے الزام میں دھر لیا گیا تھا۔ یہ
لڑکی اس کے پاس ایک فارم لے کر آئی تھی جسے باقاعدہ طور پر پُر نہیں کیا گیا تھا،

کیونکہ اپنی ماں کے بارے میں اس نے یہ حقیقت پوشیدہ رکھی تھی۔ چنانچہ اس نے اسے طلب کیا تھا اور یہ دھمکی دی تھی کہ فارم باقاعدہ طور پر پُر نہ کرنے کے الزام میں اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور تب اس نے زہر کھا لیا تھا۔ اس نے زہر کھا لیا تھا لیکن اب اس کے بالوں اور اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر اسے محسوس ہوا کہ اس نے اپنے آپ کو غرقاب کر لیا ہوگا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ یہ جان گئی ہے کہ وہ کون ہے اور اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر اس لڑکی نے اپنے آپ کو غرقاب کر لیا تھا اور اب وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا ہے تو وہ خود بھی مر چکا ہوگا۔ اسے پسینے چھوٹ گئے۔ اس نے اپنا پسینہ پونچھا اور لڑکی سے کہا "ارے یہاں تو بہت گرمی ہے۔ مجھے پانی کہاں مل سکتا ہے؟ کیا تم جانتی ہو؟"

"وہاں!" لڑکی نے اشارہ کیا۔

اس کا اشارہ ایک بکس یا طشلے کی طرف تھا جس میں سبز سی مٹی ملا مٹرا ہوا برساتی پانی تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ وہی پانی تھا جو اس نے نگل لیا تھا اور اب وہ چاہتی تھی کہ اسی پانی سے اس کا گلا بھی رک جائے۔ اگر وہ یہ چاہتی تھی تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابھی وہ زندہ ہے۔

"میں بتاتا ہوں کہ تم کیا کرو" اس نے لڑکی سے چھٹکارا پانے کے لیے ایک چال چلنے کی کوشش کی "تم بھاگ کر وہاں جاؤ اور فورمین کو آواز دو۔ اسے کہنا کہ وہ میرے لیے جوتے لے آئے۔ اس طرح میں کیسے چل پھر سکتا ہوں؟"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا اور پائپ سے اچھل کر ننگے سر گندے لباس اور اونچے بوٹوں کے ساتھ جو تعمیرگاہوں پر لڑکیاں پہنتی ہیں، مٹی گارے میں سے بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ اتنا پیاسا تھا کہ اس نے پانی پینے کا فیصلہ کر لیا خواہ اسے اس گندے طشلے ہی میں سے پینا پڑے۔ اگر اس نے تھوڑا ہی سا پانی پیا تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ نیچے اترا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ دلدل پر پھسل نہیں رہا تھا۔

اس کے پانو کے نیچے کی مٹی دھندلی اور غیر واضح تھی۔ اس کے آس پاس کی ہر چیز دھندلی اور غیر واضح تھی اور فاصلے پر کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ اسی طرح چلتا رہتا لیکن یکایک اسے ڈر محسوس ہوا کہ اس کی کوئی اہم دستاویز گم ہو گئی ہے۔ اس نے اپنی جیبیں ٹٹولنا شروع کیں، سبھی جیبیں ایک ساتھ۔ وہ اتنی جلدی جلدی جیبیں ٹٹول رہا تھا کہ اس کے ہاتھ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ تب، اسے محسوس ہوا کہ ہاں وہ دستاویز واقعی گم ہو گئی ہے۔

فوراً ہی اسے ڈر محسوس ہوا، بے اندازہ ڈر۔ ان دنوں اس قسم کی دستاویزیں باہر والوں کے ہاتھ نہیں پڑنی چاہئیں۔ وہ کسی مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ فوراً ہی اس نے محسوس کیا کہ دستاویز اس وقت گم ہوئی تھی جب وہ رننگ کرنالی میں سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ جلدی جلدی پیچھے کی طرف مڑا لیکن وہ جگہ ڈھونڈھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ اسے پہچان تک نہیں سکتا تھا اور وہاں کوئی نلی تھی ہی نہیں۔ اس کی بجائے وہاں ہر جگہ مزدور گھوم رہے تھے اور سب سے بری بات یہ ہو سکتی تھی کہ وہ دستاویز انھیں مل جائے۔

"ارے نوجوان! کیا تمھارے پاس دیا سلائی ہے؟" روسانود نے دریافت کیا۔

"لیکن تم تو سگریٹ نہیں پیتے۔" لوہا کوٹنے والے نے جواب دیا۔

(وہ سب کچھ جانتے تھے۔ یہ انھیں کیسے معلوم ہے؟)

"مجھے دیا سلائی کسی اور مقصد کے لیے چاہیے۔"

"اور کا ہے کے لیے؟" لوہا کوٹنے والے نے اس کا جائزہ لیا۔

واقعی کیا احمقانہ سوال تھا۔ ایک خالص تخریب کار کا جواب۔ وہ اُسے حراست میں لے سکتے ہیں اور اس دوران میں دستاویز ڈھونڈھی جا سکتی ہے۔ دیا سلائی اسی کے لیے تو درکار تھی، اس دستاویز کو جلانے کے لیے۔

نوجوان قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ روسانود بہت خوفزدہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ نوجوان نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور

واضح اور غیر مبہم لہجے میں کہا" یل چنسکایا نے چونکہ اپنی لڑکی مجھے سونپ دی ہے اس لیے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھتی ہے اور گرفتاری کی منتظر ہے"

روسانوو کانپنے لگا" تم یہ کیسے جانتے ہو؟"

(یہ ایک طرح سے بے معنی سوال تھا کیونکہ صاف ظاہر تھا کہ اس نوجوان نے ابھی ابھی اس کی رپورٹ کو پڑھا ہے اور اس کا آخری فقرہ لفظ بہ لفظ اس کی رپورٹ سے تھا)

لیکن لوہا کوٹنے والے نے کہا کچھ نہیں اور اپنی راہ چلتا گیا۔ روسانوو نے دوڑنا شروع کر دیا۔ اس کی رپورٹ بظاہر کہیں آس پاس ہی پڑی تھی۔ اسے اُسے جلد ڈھونڈنا چاہیے۔ ضرور ڈھونڈنا چاہیئے۔

دیوار کے درمیان اور موڑوں پر دوڑتے ہوئے اس کا دل اچک اچک کر آگے آ رہا تھا۔ لیکن اس کی ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ اس کی ٹانگیں بہت ہی سست رفتار تھیں۔ وہ بڑا ہی دل شکستہ ہو رہا تھا۔ آخر اسے ایک کاغذ نظر پڑا۔ وہ فوراً ہی جان گیا کہ یہ بالکل وہی ہے۔ وہ بھاگ کر اسے اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی ٹانگیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ وہ گھٹنوں کے بل ہو گیا، اور اپنے آپ کو کاغذ کی طرف دھکیلنے لگا، زیادہ تر ہاتھوں کی مدد سے۔ کاش اسے پہلے کوئی اور نہ اچک لے۔ کاش اس سے پہلے کہ وہ وہاں پہنچ کر اسے اپنے ہاتھوں سے پھاڑ ڈالے کوئی اور وہاں نہ پہنچ جائے۔ قریب تر، قریب تر۔۔۔ آخر اس نے کاغذ دبوچ لیا۔ یہ وہی کاغذ تھا لیکن اس کی انگلیوں میں سکت نہیں رہی تھی۔ اتنی سکت بھی نہیں کہ وہ اس کاغذ کو پھاڑ ڈالے۔ وہ اپنا منہ نیچے کیے زمین پر لیٹا تھا اور اپنے جسم سے کاغذ کو ڈھانپ لیا تھا۔

یکایک کسی نے اس کے کاندھے کو چھو لیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کروٹ نہیں لے گا، کاغذ کو اپنے نیچے سے نکلنے نہیں دے گا، لیکن اس کے کاندھے پر جو ہاتھ تھا وہ نرم تھا۔ ایک عورت کا ہاتھ۔ روسانوو نے محسوس کیا کہ یہ خود یل چنسکایا ہی ہوگی

"میرے دوست!" اس نے نیچے کو جھک کر اس کے کان میں نرم لہجے میں کہا۔
"تو میرے دوست! مجھے بتاؤ کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ تم اسے کہاں لے گئے تھے؟"
"وہ اچھی جگہ ہے، یلینیا فیڈورووا گھبراؤ نہیں" روسانووں نے اپنا سر اس کی طرف گھمائے بغیر جواب دیا۔
"کہاں؟"
"یتیم خانے میں"
"کیا؟ یتیم خانے میں؟" وہ اس سے جواب طلبی نہیں کر رہی تھی۔ اس کی آواز غمگین تھی۔
"سچ یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تمھیں کیا کہوں" وہ چاہتا تھا کہ اسے سچ بتا دے لیکن اسے پتہ نہیں تھا کہ سچ کیا ہے۔ اس کی بیٹی کو خود اس نے نہیں بھیجا تھا اور بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اسے پہلی جگہ سے کہیں اور منتقل کر دیا ہو۔
"کیا وہ میرے نام ہی سے رہ رہی ہے؟" پیچھے سے جو آواز سوال پوچھ رہی تھی وہ کافی حلیم اور نرم تھی۔
"نہیں" روسانووں نے مردانہ لہجے میں جواب دیا "وہاں کا ضابطہ یہ ہے کہ نام بدلنے پڑتے ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ ضابطہ ہے"
وہاں لیٹے ہوئے اسے یاد آیا کہ ییل جینکی جوڑے کو تو وہ کافی پسند کرتا تھا۔ ان سے اس کی کوئی عداوت نہیں تھی۔ اسے اس آدمی کے خلاف گواہی اس لیے دینی پڑ گئی کہ چیکھ نینگو نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ییل جینکی سے اس کی ملاقات پیشہ ورانہ سلسلے میں ہوئی تھی۔ جب خاوند گرفتار ہو گیا تو روسانووں نے اس کی بیوی اور اس کی بیٹی کی صدق دلی سے مدد کرنے کی کوشش کی تھی اور بعد میں جب بیوی محسوس کرنے لگی کہ وہ خود بھی گرفتار ہو جائے گی تو اس نے اپنی بیٹی اس کے حوالے کر دی تھی۔ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ بعد میں اس نے بیوی کے خلاف بھی گواہی کس طرح دے دی؟

اس نے اس کی طرف دیکھنے کے لیے اپنا سر گھمایا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ وہاں بالکل نہیں تھی (وہ ہو بھی کیسے سکتی تھی وہ تو مر چکی تھی) اس کی گردن میں دائیں طرف ایک بچھو کا سا لگا۔ وہیں زمین پر لیٹے لیٹے اس نے اپنے سر کو سیدھا کیا اسے آرام کی ضرورت تھی۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اتنا تھکا ہوا جتنا پہلے کبھی نہیں تھکا تھا۔ اس کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔

وہ کان کے راستے میں ایک گیلری میں لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اس وقت تک تاریکی کی عادی ہو چکی تھیں اور اپنے پاس، زمین پر جہاں کوئلے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، اسے ایک ٹیلیفون نظر آیا۔ وہ بہت حیران ہوا۔ وہاں ٹیلیفون کیسے پہنچ گیا؟ کہاں اسے ملایا جا سکتا تھا؟ اگر ایسا ہے تو وہ ٹیلیفون کر کے کسی کو اپنے لیے مشروب لانے کے لیے کہہ سکتا تھا اور جو سچ پوچھو تو وہ یہ کہتا کہ اسے کسی ہسپتال میں پہنچا دیا جائے۔

اس نے ریسیور اٹھایا لیکن ڈائل کی آواز کی بجائے اسے ایک پر زور کاروباری آواز سنائی دی۔

"کامریڈ روسانوو؟"

"ہاں ہاں!" روسانوو نے جلدی جلدی اپنے آپ کو سنبھالا (وہ فوراً ہی جان گیا کہ یہ آواز اوپر سے آ رہی ہے، نیچے سے نہیں)

"مہربانی سے سپریم کورٹ میں آ جاؤ۔"

"سپریم کورٹ؟ اچھا ضرور۔ فوراً ہی! بہت خوب!" وہ ریسیور نیچے رکھنے ہی والا تھا کہ اسے یاد آیا "ارے ہاں! ذرا معاف کرنا، کون سی سپریم کورٹ ــ؟ پرانی یا نئی؟"

"نئی" آواز نے سرد لہجے میں کہا۔ "مہربانی سے جلدی کرنا" اور ریسیور نیچے رکھ دیا گیا۔

اسے یاد آیا کہ سپریم کورٹ میں تبدیلیوں کا اسے علم ہے اور اس نے اپنے آپ کو کوسا کہ ریسیور خود اسی نے پہلے کیوں اٹھایا ماؤے وچ جا چکا تھا۔ کلو پونا جا چکا

تھا... ہاں بیریا تک جا چکا تھا. کیسا زمانہ آگیا تھا۔

لیکن اسے تعمیل حکم کرنا تھی۔ وہ اتنا کمزور تھا کہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن اب جب اسے طلب کر لیا گیا تھا تو وہ جانتا تھا کہ اسے جانا ہی پڑے گا۔ اس نے اپنے جسم کے ہر عضو پر زور ڈالا، اٹھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ نیچے گر پڑا۔ ایک بچھڑے کی طرح جس نے ابھی چلنا نہ سیکھا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اسے ٹھیک وقت نہیں بتایا تھا لیکن اتنا تو کہا ہی تھا کہ "جلدی کرو" آخر دیوار کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دیوار سے چمٹا چمٹا اپنے کمزور اور کانپتے ہوئے پانوؤں پر اپنے آپ کو آگے گھسیٹنے لگا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کیوں لیکن اس کی گردن میں دائیں طرف درد ہو رہا تھا۔

وہ چلتا گیا اور سوچتا گیا کہ کیا واقعی وہ اس کے خلاف مقدمہ چلائیں گے؟ کیا وہ واقعی اتنے بے رحم ہو سکتے تھے کہ ان تمام برسوں کے بعد اس پر مقدمہ چلائیں؟ یہ بھی خوب کیا۔ عدالت کی ممبرشپ بدل کر رکھ دی۔ یہ تبدیلی بہتری کے لیے تو کیا ہو گی۔

وہ کیا کر سکتا تھا؟ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے ہر احترام کے باوجود اسے اپنا دفاع تو پیش کرنا ہی ہو گا۔ وہ اس کے لیے اپنے میں ہمت پیدا کرلے گا۔

وہ عدالت کو مخاطب کر کے کہے گا: "سزا کا حکم میں نے صادر نہیں کیا تھا نہ ہی میں نے تفتیش کی تھی۔ میں نے تو صرف اپنے شکوک کا اظہار کیا تھا۔ اگر پبلک بیت الخلا میں مجھے اخبار کا کوئی ایسا ورق ملا جس پر لیڈر کی تصویر تھی اور اسے پھاڑ دیا گیا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں اس پر توجہ دلا دوں۔ چھان بین کرنا تفتیش کنندہ کا کام تھا۔ یہ ایک اتفاقی بات ہو سکتی تھی اور نہیں بھی۔ تفتیش کے ادارے اسی لیے تو ہیں کہ سچائی کا پتہ لگائیں۔ میں نے تو صرف اتنا کیا ہے کہ ایک شہری کی حیثیت سے اپنے معمولی فرائض انجام دیتا رہوں۔"

وہ انھیں بتائے گا: "ان تمام برسوں میں یہ بہت ضروری تھا کہ سماج کو صحت مند

بنایا جائے، اخلاقی طور پر صحت مند۔ سماج میں صفائی کے عمل کے بغیر یہ ممکن نہیں تھا اور صفائی کا عمل اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کچھ ایسے لوگ نہ ہوں جو کوڑا کرکٹ اٹھانے والے کھرپے کا بے دریغ استعمال کر سکیں۔"

یہ سب دلیلیں اس کے دماغ میں نشوونما پاتی رہیں اور اس سلسلے میں اس کا اضطراب بڑھتا گیا کہ وہ انھیں کس ڈھنگ سے پیش کرے گا۔

اب وہ چاہتا تھا کہ وہاں جلد سے جلد پہنچ جائے اور جتنی جلدی ممکن ہو وہ عدالت کے سامنے پیش ہو جائے۔ وہاں پہنچ کر وہ ان پر چلا پڑے گا: "صرف میں ہی تو نہیں تھا۔ میرے ہی خلاف مقدمہ کیوں چلایا جائے؟ کسی ایک آدمی کا نام لو جس نے وہ کچھ نہ کیا ہو جو میں نے کیا ہے۔ اگر کوئی "تعاون" نہ کرتا تو اپنے عہدے پر قائم کس طرح رہتا؟ تم گزون کا نام لیتے ہو؟ وہ تو جیل گیا تھا۔ کیا نہیں؟"

وہ اتنے جوش میں تھا جیسے ابھی سے اپنی تقریر چیخ چیخ کر سنا رہا ہو لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ دراصل وہ چیخ نہیں رہا تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ اس کا گلا سوجا ہوا تھا اور اسے تکلیف دے رہا تھا۔

اسے محسوس ہوا کہ اب وہ کوئلے کی کان کی گیلری میں نہیں بلکہ ایک عام غلام گردش میں چل رہا ہے۔ کسی نے پیچھے سے اسے پکارا "پاشکا! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم بیمار ہو؟ تم اپنے آپ کو اس طرح کیوں گھسیٹ رہے ہو؟"

اس نے ایک مسرت سی محسوس کی اور چلتا گیا۔ ایسا نظر آتا تھا کہ اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ آواز کس کی ہے وہ پیچھے کی طرف مڑا۔ یہ زوینک تھا جس نے پولیس کی وردی پہن رکھی تھی اور پیٹی لگا رکھی تھی۔

"تم کہاں جا رہے ہو جان؟" پیول نے پوچھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا مخاطب اتنا نوجوان کیوں ہے؟ وہ نوجوان ضرور تھا لیکن یہ تو بہت برس پہلے کی بات تھی۔

"میں کہاں جا رہا ہوں؟ یقیناً وہیں جہاں تم۔ کیفٹن میں۔"

"کون سے کمیشن میں؟" پیول نے اندازہ لگانے کی کوشش کی ۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کہیں اور طلب کیا گیا ہے لیکن کہاں یہ اسے اچھی طرح یاد نہیں تھا۔

اس نے زوینک کے قدم سے قدم ملا لیے ۔ وہ نوجوانوں کی طرح شاداں اور فرحاں چل رہے تھے ۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی عمر بیس سال سے کم ہے اور ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی ۔

اب وہ ایک بڑے دفتر میں سے گزر رہے تھے ۔ دانشور عملہ اپنے ڈیسکوں کے پیچھے بیٹھا تھا ۔ داڑھیوں اور نکٹائیوں والے بوڑھے منیم جو دیکھنے میں پادری لگتے تھے، انجینئر جنھوں نے اپنی صدریوں کے گریبانوں پر کراس کی طرح ہتھوڑے کا نشان لگا رکھا تھا معزز خواتین جنھیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ وہ معزز طبقے سے تعلق رکھتی ہیں، نوجوان ٹائپسٹ لڑکیاں جو خوب بنی ٹھنی تھیں اور جن کے سکرٹ ان کے گھٹنوں تک کے تھے ۔ جیسے ہی وہ اور زوینک اندر گئے اور ان کے جوتوں کا دھماکا ہوا کمرے میں بیٹھے تیس کے تیس اشخاص کی نظریں ان کی طرف مڑ گئیں ۔ ان میں کچھ اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہی گردنیں جھکا دیں ۔ سب کی آنکھیں ان کی نقل و حرکت پر جمی ہوئی تھیں اور ہر چہرہ دہشت زدہ نظر آتا تھا ۔ اسے پیول اور زوینک نے اپنے تئیں خراج سمجھا ۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے، کمیشن کے دوسرے ممبروں کو علیک سلیک کی اور ایک میز کے گرد جس پر سرخ میز پوش بچھا تھا بیٹھ گئے ۔

"بہت اچھا۔ آؤ اب کارروائی شروع کریں،" کمیشن کے صدر وینکا نے حکم جاری کیا ۔

انھوں نے کارروائی شروع کی ۔ سب سے پہلے پریس آپریٹر چچی گروشا سامنے آئی

"تم یہاں کیا کر رہی ہو، چچی گروشا؟" وینکا نے حیرت سے پوچھا "ہم تو انتظامیہ کی صفائی کر رہے ہیں تمھارا اس سے کیا تعلق ہے ؟ تم انتظامیہ میں کیسے پہنچ گئیں ؟"

ہر کوئی ہنس پڑا ۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں" چچی گروشا ذرا بھی نہیں گھبرائی تھی "یہ تو میری بیٹی

کی بات ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ بڑی ہو رہی ہے اور مجھے اس کے لیے کنڈر گارٹن تلاش کرنا ہے۔"

"بہت اچھا اچھی گروشا!" پیول پکارا "اپنی درخواست لکھ دو۔ ہم انتظام کر دیں گے۔ ہم تمھاری بیٹی کے لیے انتظام کر دیں گے۔ اب مزید مداخلت نہ کرو۔ ہمیں دانشور طبقے کی صفائی کرنا ہے۔"

اس نے صراحی میں سے پانی انڈیلنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا لیکن صراحی خالی نکلی۔ اس نے اپنے پڑوسی کو اشارہ کیا کہ وہ میز کے دوسرے کنارے سے صراحی اٹھا کر اسے دے دے۔ لیکن وہ صراحی بھی خالی نکلی۔

اسے اتنی پیاس محسوس ہو رہی تھی جیسے اس کا گلا جل رہا ہو۔

"مجھے پینے کو کچھ دو" وہ پکار اٹھا "مجھے پینے کو کچھ چاہیئے۔"

"ایک منٹ میں" ڈاکٹر گنگارٹ نے کہا "ہم ایک منٹ میں تمھیں پانی دیتے ہیں"

روسانوو نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ پلنگ پر اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"میرے پلنگ کے قریب میز پر کچھ فروٹ جوس ہیں" اس نے کمزور آواز میں کہا

اسے بخار محسوس ہو رہا تھا۔ اور اس کا جسم دکھ رہا تھا۔ اس کے سر میں جیسے ڈھول بج رہے تھے۔

"بہت اچھا ہم تمھیں کچھ جوس دیتے ہیں۔" گنگارٹ کے پتلے ہونٹوں پر ہنسی پھوٹ پڑی۔ اس نے پلنگ کے قریب کے میز سے ایک بوتل اور گلاس اٹھا لیا۔

کھڑکیوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شام روشن ہے۔ پیول نکولائے وچ نکھیوں سے گنگارٹ کو گلاس میں جوس ڈالتے دیکھتا رہا۔ یہ یقین کرنے کے لیے کہ وہ کہیں اس میں کوئی چیز ملا تو نہیں رہی۔

تلخ اور میٹھا جوس چٹخارے دار اور لذیذ تھا۔ پیول نکولائے وچ اپنے تکیے پر لیٹا رہا اور گلاس کو جسے گنگارٹ نے اس کے لیے تھام رکھا تھا، خالی کر دیا۔

"آج بہت ہی اضطراب رہا" اس نے شکایت کی

"ارے تم نے یہ سب بڑی آسانی سے برداشت کر لیا" گنگارٹ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا "بات صرف اتنی ہے کہ آج ہم نے دوا کی مقدار بڑھا دی تھی۔"

روسانوو کے دل میں ایک اور شک نے کچوکا لگایا۔ "تم نے کیا کہا؟ کیا تمھارا مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ دوا کی مقدار بڑھتی رہے گی؟"

"آج کے بعد ہر روز ایک ہی مقدار ہوگی۔ تم اس کے عادی ہو جاؤ گے۔ آئندہ اتنی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"اور سپریم..." اس نے شروع کیا لیکن پھر فوراً ہی اپنا سلسلۂ کلام منقطع کر لیا۔

وہ ہذیان اور حقیقی دنیا کے بیچوں بیچ مذبذب اور ہراساں تھا۔

۱۷۔ جرمی

دیرا کورنیلیونا اس بارے میں متشوش تھی کہ دوا کی پوری مقدار کا روسانوو پر کیا ردِّعمل ہوگا۔ وہ اس روز کئی مرتبہ وارڈ میں آئی اور کام کے اوقات ختم ہونے کے بعد بھی کافی دیر وہاں رکی رہی۔ اگر اولمپیاڈا ولاڈ سلا وونا ڈیوٹی پر ہوتی جیسا کہ شیڈول کے مطابق اسے ہونا چاہیئے تھا تو اسے اتنی مرتبہ آنا نہ پڑتا لیکن اولمپیاڈا ولاڈسلاوونا کو ٹریڈ یونینوں کے خزانچیوں کے نصاب میں شرکت کے لیے بلا لیا گیا تھا اور اس کی بجائے آج ترگون کی ڈیوٹی تھی جو کچھ لاابالی سا تھا۔

انجکشن سے روسانوو کو کچھ زیادہ ہی تکلیف ہوئی اگرچہ ردِّعمل مقررہ حدود سے زیادہ نہیں تھا۔ انجکشن کے بعد اسے خواب آور دوا دے دی گئی۔ اس طرح وہ جاگا تو نہیں لیکن مضطربانہ طور پر ہاتھ پاؤں ضرور مارتا رہا، پہلو بدلتا رہا، اپنے جسم کو توڑتا مروڑتا رہا اور آہیں بھرتا رہا۔ ہر مرتبہ جب دیرا کورنیلیونا آئی وہ وہاں رکی، اسے غور سے دیکھا اور اس کی نبض ٹٹولی۔ اس پر کچھ تشنج کی سی کیفیت طاری رہی اور وہ اپنی ٹانگیں چلاتا رہا۔

اس کا چہرہ پسینے سے سرخ اور نمناک تھا۔ عینک کے بغیر اس کا سر جو تکیے پر رکھا ہوا تھا اب کسی تحکم مزاج افسر کا سر نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے گنجے سر پر جو چند بال بچ رہے تھے وہ ایک حسرتناک عالم میں اس کے سر کے اوپر کے حصے پر خمیدہ خمیدہ سے کھڑے تھے۔

دیرا کورنیلیونا کے لیے چونکہ وارڈ میں بار بار آنا ضروری تھا اس لیے اس نے مناسب سمجھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ اور کام بھی کر دے۔ پوڈوایوجو وارڈ کا

"سینئر مریض" تھا اسے ڈسچارج کیا جا چکا تھا اور اگرچہ اس کے کوئی واضح فرائض نہیں تھے، "سینئر مریض" کا تقرر ضروری سمجھا جاتا تھا، وہ روسانوو کے پلنگ سے چل کر پاس والے دوسرے پلنگ کے پاس گئی اور اعلان کیا "کوسٹوگلوٹوو! آج سے تم "سینئر مریض" ہو۔"

کوسٹوگلوٹوو کمبلوں کے اوپر پورا لباس پہنے لیٹا تھا اور اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کے اخبار پڑھنے کے دوران گنگارٹ اب دوسری بار آئی تھی۔ وہ اسکی لفظی بوچھاڑ کی اب خوگر ہو چکی تھی اور اس کی متوقع بھی تھی۔ چنانچہ اپنی بات کہتے وقت وہ ہلکی سی مسکرائی جیسے مضمر طور پر بتا رہی ہو کہ وہ خود بھی جانتی ہے کہ یہ تقرر بے معنی ہے۔ کوسٹوگلوٹوو نے اپنا سر اور چہرہ اخبار پر سے اٹھایا۔ یہ بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ڈاکٹر کے تئیں احترام ظاہر کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ بہرحال اس نے اپنی ٹانگوں کو جو بستر پر پھیلی ہوئی تھیں سمیٹ لیا اور بہت دوستدارانہ لہجے میں جواب دیا۔ "ویرا کورنیلیونا! تم مجھ پر ایک ایسا اخلاقی وار کر رہی ہو جس کا کوئی مداوا نہیں۔ ایڈمنسٹریٹر ہمیشہ غلطیاں کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتدار کی تحریص کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ برسوں کے غور و فکر کے بعد میں نے عہد کر لیا ہے کہ ایک ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے پھر کبھی کام نہیں کروں گا۔"

"تم ایڈمنسٹریٹر رہ چکے ہو؟ کسی اہم عہدے پر؟" وہ گفتگو پر آمادہ تھی، کھیل میں شرکت کرنا چاہتی تھی۔

"میرا اہم ترین عہدہ ڈپٹی پلاٹون کمانڈر کا تھا لیکن درحقیقت میں اس سے کچھ زیادہ ہی رہا۔ میرا پلاٹون کمانڈر احمق اور نا اہل تھا۔ چنانچہ اسے انھوں نے ایک تربیتی کورس میں شرکت کے لیے بھیج دیا جس کے بعد اسے بیٹری کمانڈر بنا دیا گیا۔ صرف اتنا تھا کہ یہ تقرر ہماری پلاٹون میں نہیں تھا۔ اس کی بجائے جو افسر آیا اسے فوراً ہی متفرق کاموں کے لیے سیاسی شعبے میں بھیج دیا گیا۔ میرے بٹالین کمانڈر کو میرے تقرر پر کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ میں ایک اچھا نقشہ ساز تھا اور لڑکے میری اطاعت کرتے تھے۔ چنانچہ دو برس

میں نے عارضی پلاٹون کمانڈر کی حیثیت سے کام کیا۔ میرا درجہ البتہ سینئر سارجنٹ کا تھا۔ میں پیٹش سے لے کر دریائے اوڈر کے کنارے فرینکفرٹ تک رہا۔ میں یہ بھی بتا دوں کہ یہ میری زندگی کا بہترین زمانہ تھا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بات عجیب و غریب لگے گی۔ لیکن ہے سچ۔"

اس نے محسوس کیا کہ اس طرح ٹانگیں سمیٹے بیٹھے رہنا کچھ زیادہ مودبانہ نہیں، چنانچہ اس نے اپنی ٹانگیں نیچے فرش پر لٹکا دیں۔

"دیکھو!" اس کی بات سنتے ہوئے اور اس سے کچھ کہتے ہوئے گنگارٹ کے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ ہمہ وقت رہی "کام سے انکار کیوں کرتے ہو؟ شاید تمھیں خوشی کے کچھ اور برس مل جائیں۔"

"کیا حیرت انگیز منطق ہے! مسرت کے برس؟ لیکن جمہوریت کا کیا ہوگا؟ تم جمہوریت کے سب اصولوں کو نظر انداز کر رہی ہو۔ وارڈ نے مجھے منتخب نہیں کیا۔ ووٹروں کو میری سابقہ زندگی کا بھی علم نہیں..... اور جو سچ پوچھو تو تمھیں بھی علم نہیں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ۔"

ہمیشہ کی طرح، نرم لہجے ہی میں بول رہی تھی۔ اس مرتبہ کوسٹوگلوٹوو نے بھی اپنی آواز مدھم کر لی تاکہ صرف وہی سن سکے۔ روسانوو سو رہا تھا، زتسرکو پڑھ رہا تھا، پوڈوایو کا بستر اب خالی تھا۔ ان کی بات چیت اتنے مدھم لہجے میں تھی کہ کوئی مشکل ہی سے سن سکتا تھا۔

"اس میں کافی وقت لگے گا۔ دیکھو مجھے اس سے کافی الجھن ہو رہی ہے کہ میں بیٹھا ہوں اور تم کھڑی ہو۔ ایک خاتون سے بات کرنے کا یہ طریقہ مناسب ہرگز نہیں لیکن یہ بات اس سے بھی احمقانہ ہو گی کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاؤں لیکن ایک سپاہی کی طرح اکڑا کھڑا رہوں۔ مہربانی سے میرے بستر پر بیٹھ جاؤ۔"

"سچ یہ ہے کہ مجھے اب جانا چاہیے۔" اس نے کہا اور پلنگ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

"ویرا کورنیلیونا! تم دیکھ رہی ہو کہ میری زندگی کے ہر معاملے میں گڑبڑ ہوتی رہی

رہی ہے جس کا باعث یہ رہا ہے کہ میں جمہوریت کا کچھ زیادہ ہی شائق ہوں۔ میں نے فوج میں جمہوریت کے فروغ کی کوشش کی یعنی یہ کہ اپنے افسروں کو ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۹ء میں مجھے افسروں کے تربیتی کورس میں نہیں بھیجا گیا اور میں معمولی صفوں میں رہا۔ ۱۹۴۰ء میں میں افسروں کے ٹریننگ کالج تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا؟ لیکن اپنے افسروں سے میرا رویہ گستاخانہ تھا لہٰذا انھوں نے مجھے نکال باہر کیا ۔ یہ ۱۹۴۱ء میں ہوا کہ کسی نہ کسی طرح میں دور مشرق کے لیے نان کمیشنڈ افسروں کا کورس مکمل کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ سچ پوچھو تو یہ مجھے کافی ناخوشگوار لگا کہ میں افسر نہ بن سکا۔ میرے تمام دوستوں کو کمیشن مل گیا۔ نوجوانی میں اس طرح کی باتیں کافی بری لگتی ہیں۔ پھر بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ زیادہ اہم چیز انصاف ہے"

"میرا ایک.. دوست تھا جو میرے بہت قریب تھا" گنگارٹ نے پلنگ کے کمبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اسے بھی اسی قسم کی باتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لیکن وہ ایک عام سپاہی سے زیادہ کبھی کچھ نہ بن سکا" وہ کچھ رک گئی۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک لمحہ خاموشی رہی۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کر کہا "لیکن تم اب بھی ویسے ہی ہو جیسے تب تھے۔"

"تمھارا کیا مطلب ہے؟ ایک عام سپاہی یا ذہین آدمی؟"

"گستاخ۔ مثال کے طور پر یہ دیکھو کہ تم ڈاکٹروں سے کس طرح بات کرتے ہو، خاص طور پر میرے ساتھ" یہ بات اس نے درشتی سے کہی۔ لیکن یہ عجیب طرح کی درشتی تھی جس میں نرمی بھی شامل تھی وہ جب بھی کچھ بولتی یا کرتی، ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ یہ نرمی ایسی نہیں تھی جس سے کچھ بے یقینی یا انتشار ظاہر ہو، اس سے تو ایک طرح کی موسیقی یا ہم آہنگی ظاہر ہوتی تھی۔

"جس طرح میں تم سے بات کرتا ہوں؟ میں تمھارے ساتھ انتہائی احترام سے بات کرتا ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ طریق گفتگو بہترین ہے لیکن غالباً تمھیں اس کا احساس نہیں ۔ ہاں اگر تم پہلے دن کی بات کر رہی ہو تو میں سمجھوں گا تم تصور بھی

نہیں کر سکتیں کہ اس وقت میں کتنی کٹھنائی میں تھا۔ میں مر رہا تھا۔ لیکن انھوں نے صرف اتنا کیا کہ مجھے اس ڈسٹرکٹ سے جہاں میں نظر بند تھا، باہر جانے کی اجازت دے دی میں یہاں آیا لیکن موسم سرما کی برف باری کی بجائے یہاں دھواں دھار بارش ہو رہی تھی۔ مجھے اپنے گندے چڑھے جوتے اتار کر ہاتھ میں پکڑنے پڑے۔ جہاں سے میں آیا تھا وہاں برف واقعی خوشگوار ہوتی ہے لیکن یہاں بارش ہو رہی تھی۔ میرا اوور کوٹ اتنا بھیگ گیا کہ میں اسے نچوڑ سکتا تھا۔ میں نے اپنے بوٹ سامان گھر میں رکھے اور پلنے شہر جانے کے لیے ٹرام میں بیٹھ گیا۔ وہاں میرا ایک واقف کار تھا، ایک سپاہی جو میرے ساتھ محاذ پر تھا لیکن اس وقت تک تاریکی ہو چکی تھی، ٹرام میں ہر شخص مجھ سے یہی کہتا رہا "وہاں نہ جاؤ تمھاری گردن کاٹ دیں گے۔" ١٩٥٣ء کی معافی کے بعد انھوں نے تمام مجرموں کو جیل سے رہا کر دیا اور اب وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں انھیں دوبارہ نہیں پکڑ سکتے۔ مجھے اس کا بھی یقین نہیں تھا کہ میرا دوست سپاہی وہاں ہے یا نہیں اور ٹرام میں کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ جس گلی میں مجھے جانا ہے وہ کہاں ہے چنانچہ میں نے ہوٹلوں کا چکر لگانے کا فیصلہ کیا۔ ان ہوٹلوں کی لابیاں اتنی خوبصورت تھیں کہ اپنے گندے پاؤں سے ان میں چلتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی۔ لیکن جب انھیں میں نے عام پاسپورٹ کی بجائے اپنے جلاوطنی کے کاغذات دکھائے تو ان سب نے کہا نہیں نہیں اس کی اجازت نہیں، میں کیا کر سکتا تھا؟ میں اس کے لیے بالکل تیار تھا کہ پڑا پڑا مر جاؤں لیکن جنگلے تلے کھلی جگہ پر مرنے کا کیا فائدہ؟ میں سیدھا پولیس سٹیشن چلا گیا اور کہا "سنو! میں ان میں سے ہوں جن کی تمھیں تلاش ہے۔ مجھے رات کو ٹھہرنے کی جگہ دے دو۔" انھوں نے ادھر ادھر کی باتوں کے بعد مجھے کہا: "چائے خانے چلے جاؤ اور رات وہاں گزارو۔ ہم یہاں کاغذات کی چھان بین نہیں کرتے۔" چائے خانہ مجھے نہ مل سکا لہٰذا میں واپس ریلوے سٹیشن چلا گیا لیکن وہاں وہ کسی کو سونے نہیں دیتے۔ ایک پولیس مین گھوم رہا تھا اور ایسے لوگوں کو بھگا رہا تھا۔ تب صبح میں تمھارے پاس آیا۔ بیرونی مریضوں کے شعبے میں۔ وہاں قطار

لگی تھی۔ انھوں نے میرا معائنہ کیا اور کہا کہ مجھے فوراً ہی ہسپتال میں داخل ہو جانا چاہیے چنانچہ مجھے پھر شہر کے دوسری طرف جانا پڑا اور ضلع دفتر جانے کے لیے مجھے کئی بار ٹرامیں بدلنا پڑیں۔ اگرچہ سوویٹ یونین میں اوقات کار سب جگہ ایک ہی ہیں لیکن ضلعدار وہاں نہیں تھا 'کام جائے جہنم میں' اس نے سوچا ہوگا۔ اتنی حقیر حرکت وہ کیسے کرسکتا تھا کہ جلاوطنوں کے لیے کوئی پیغام چھوڑ جائے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ دفتر میں واپس آئے گا بھی یا نہیں ؟ تب مجھے خیال آیا کہ اگر میں نے اپنے کاغذات دے دیئے تو سٹیشن سے مجھے اپنے جوتے واپس نہیں مل سکیں گے لہٰذا سٹیشن واپس جانے کے لیے مجھے پھر ٹرام کا دوبارہ سفر کرنا پڑا۔ ہر سفر میں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔"

"مجھے یاد نہیں پڑتا کہ جب تم آئے تھے، تمھارے پاس نمدے دار جوتے تھے، کیا تھے ؟"

"کیسے یاد رہ سکتا ہے ؟ کیونکہ اپنے جوتے تو میں نے سٹیشن پر ایک شخص کو بیچ دیئے تھے۔ میں نے سوچا باقی موسم سرما مجھے کلینک ہی میں گزارنا پڑے گا اور آئندہ موسم سرما تک میں زندہ نہیں رہوں گا۔ تب میں ضلع دفتر واپس گیا۔ اس وقت تک میں صرف ٹراموں پر دس روبل خرچ کر چکا تھا۔ ٹرام رکنے کی جگہ سے ایک کیلومیٹر تک مجھے دلدل میں پیدل چلنا پڑا اور اتنی تکلیف میں کہ میں اپنے آپ کو بمشکل ہی گھسیٹ سکتا تھا، اور جہاں کہیں میں جاؤں مجھے اپنا تھیلا بھی اٹھانا پڑتا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ضلعدار واپس آچکا تھا۔ میں نے اپنی جلاوطنی کے مقام کے ضلعدار کا پرمٹ اسے دکھایا اور ساتھ ہی داخلے کی چٹ بھی جو مجھے تمھارے بیرونی مریضوں کے شعبے سے ملی تھی۔ اس نے میرے ہسپتال میں داخلے کے اجازت نامے کی تصدیق کردی۔ اس طرح میں آیا..... لیکن نہیں ابھی واپس کلینک میں نہیں۔ پہلے میں شہر میں گیا۔ میں نے پوسٹر دیکھا تھا کہ 'خوابیدہ حسینہ' نامی بیلے شروع ہے۔"

"تو تم نے بیلے دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں تمھیں کبھی داخل نہ کرتی۔ ہرگز نہیں"

"ویرا کورنیلیونا! یہ ایک معجزہ سا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے آخری بیلے دیکھ لوں۔ اگر میں نہ بھی مروں تو بھی مجھے یقین تھا کہ مستقل جلاوطن ہونے کے باعث میں پھر بیلے کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔ لیکن خدا غارت کرے۔ انھوں نے پروگرام بدل دیا تھا 'خوابیدہ حسینہ' کی بجائے 'آگو بائی'[1] دکھایا جا رہا تھا۔"

ویرا کورنیلیونا نے خاموش ہنسی سے اپنا سر ہلا دیا۔ ایک مرتے ہوئے آدمی کے بیلے دیکھنے کے شوق نے اسے متاثر کیا، بہت زیادہ متاثر کیا۔

"میں کیا کر سکتا تھا؟ راگ شالا میں پیانو کا پروگرام تھا لیکن سٹیشن سے یہ جگہ بہت دور تھی اور مجھے یقین تھا کہ ہسپتال میں مجھے کسی بنچ کا کونا بھی نہیں مل سکے گا۔ بارش تابڑ توڑ برس رہی تھی اور میرا بُرا حال ہو رہا تھا۔ میں ایک ہی بات کر سکتا تھا اپنے آپ کو کلینک کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ میں چلا آیا، 'یہاں کوئی جگہ نہیں،' انھوں نے کہا 'تمھیں کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا'۔ دوسرے مریضوں نے کہا کہ کئی بار لوگوں کو ایک ہفتے تک انتظار کرنا پڑ جاتا ہے لیکن انتظار کرنے میں کہاں جا سکتا تھا؟ میں کیا کرتا؟ کیمپوں میں رہنے کے دوران مجھ میں جو ضدی پن آ گیا تھا اگر وہ نہ ہوتا تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ اور تب تم نے چاہا کہ میری چِٹ لے لو۔ کیا نہیں؟ ۔ ۔ ۔ ان حالات میں تمھیں بتاؤ کہ میں اور کس طرح گفتگو کرتا؟"

اب بعد میں غور کرنے پر یہ سب کچھ کافی دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ ان دونوں ہی نے اس سے لطف لیا۔

یہ کہانی بیان کرنے میں کچھ زیادہ ذہنی کاوش کی ضرورت نہیں تھی، اور وہ اس سارے عرصے میں کسی اور بات کے بارے میں سوچتا رہا تھا: اگر اس نے میڈیکل سکول کی تعلیم ۱۹۴۶ء میں ختم کر لی تھی تو اس کی عمر اب اکتیس برس سے

---

[1] ایک ازبک اوپیرا جو اسٹالنی ایام میں تیار ہوا تھا۔

کم نہیں ہو سکتی۔ اس طرح وہ قریب قریب اس کی ہم عمر تھی۔ پھر یہ کیسے تھا کہ ۲۲ سالہ زویا کے مقابلے میں وہ اسے دیکھنے میں کم عمر لگتی تھی۔ اس کا سبب اس کا چہرہ نہیں بلکہ اس کا سبھاؤ تھا۔ کچھ جھجک، کچھ شرمیلا پن۔ اس قسم کی عورت کے بارے میں آدمی ہمیشہ یہ ضرور سوچتا ہے کیا اب تک ..... اگر اس قسم کی عورتوں کو غور سے دیکھا جائے تو ان کے طرز عمل اور اشاروں کنایوں سے تم ہمیشہ کوئی نتیجہ نکال سکتے ہو۔ لیکن گنگارٹ تو شادی شدہ تھی۔ تو پھر کیوں ....؟

اس نے اس کی طرف دیکھا اور اس بات پر تعجب کرنے لگی کہ پہلی ملاقات میں اس نے اس کے بارے میں اتنا ناخوشگوار اور بے ڈھنگا تاثر کیوں قائم کیا تھا؟ یہ سچ ہے کہ اس کے چہرے کے نقوش کھردرے ہیں اور وہ کچھ نامہذب طریقے سے دیکھتا ہے۔ لیکن اسے دیکھنے کے آداب بھی آتے ہیں اور وہ ایک دوست کی طرح خوشگوار لہجے میں گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ جیسے کہ اس وقت کر رہا ہے۔ شاید یوں ہے کہ وہ دونوں قسم کے اطوار پر آمادہ رہتا ہے۔ جیسی ضرورت پڑتی ہے ویسا رویّہ اختیار کر لیتا ہے۔

"خیر اب مجھے نمدے دار جوتوں اور بیلچے کے متعلق سب کچھ معلوم ہو گیا ہے" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی "لیکن اب مجھے اپنے عام جوتوں کے بارے میں بتاؤ۔ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے جوتے ضابطے کی انتہائی خلاف ورزی ہیں؟" اس نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھیں سکیڑ لیں۔

"ضابطے، ضابطے" کوسٹوگلوتوو نے اپنا چہرہ سکوڑ لیا۔ اس نے منہ بنایا تو اس کے چہرے کے نشانِ زخم کو بھی جنبش ہوئی "جیل میں بھی آدمی کو ورزش کی اجازت تو ہوتی ہی ہے، کیا نہیں؟ میں سیر کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے بغیر مجھے صحت نہیں ہو گی۔ تم مجھے تازہ ہوا سے تو محروم رکھنا نہیں چاہتیں۔ تم کیا چاہتی ہو؟"

ہاں اسے سیر پسند تھی۔ وہ کافی وقت میڈیکل سنٹر کی دور دراز اور سنسان پگڈنڈیوں پر گھومتا رہتا تھا۔ یہ گنگارٹ کی نظر میں تھا۔ ان موقعوں پر وہ بے ڈھنگی زنانہ ڈریسنگ گون میں جو اس نے منت سماجت سے ہاؤس کیپر سے مانگ لی تھی،

بہت ہی عجیب وغریب لگتا تھا (مردوں کو ڈریسنگ گونیں نہیں دی جاتی تھیں۔ کیونکہ ان کی بہت کمی تھی) وہ اسے اپنی فوجی پیٹی کے نیچے جس پر ستارے والا بکسوا لگا تھا، سمیٹ لیتا تھا۔ اس کی بے شمار تہوں کو وہ اپنے پیٹ کی بجائے پہلوؤں میں کر لیتا تھا لیکن اس کی گوٹ پھر بھی لہراتی رہتی تھی۔ وہ فوجی جوتے پہنتا تھا لیکن ٹوپی نہیں۔ جب وہ عمداً بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا ٹہلتا تھا تو اس کے جھاڑی نما سیاہ بال نمایاں طور پر کھڑے نظر آتے تھے۔ وہ کبھی تیز چلتا، کبھی آہستہ، لیکن اپنے پاؤں کے نیچے پتھروں کی طرف ضرور دیکھتا رہتا۔ مقررہ جگہ پہنچنے کے بعد وہ لوٹ پڑتا۔ اپنے ہاتھ وہ ہمیشہ پیٹھ کے پیچھے باندھے رہتا اور ہمیشہ تنہا ہوتا۔ کبھی کوئی اس کے ساتھ نہ ہوتا۔

"نظامتدین بہرا مودچ چند ہی دن میں گشت پر آنے والا ہے۔ تم جانتے ہو کہ وہ تمھارے جوتے دیکھے گا تو کیا ہوگا؟ مجھ سے بھی پوچھ تاچھ ہوگی۔"

ایک بار اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کوئی مطالبہ نہیں بلکہ درخواست کر رہی ہے قریب قریب اس سے گلہ کر رہی ہے۔ جو لہجہ وہ اس کے ساتھ اختیار کر رہی تھی۔ وہ مساوات کا بھی نہیں تھا۔ یہ تو قریب قریب لحاظ و پاس کا تھا۔ اسے خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ تعلق ان کے درمیان کیسے پیدا ہو گیا؟ اس قسم کا رویّہ اس نے کسی اور مریض کے ساتھ کبھی اختیار نہیں کیا تھا۔ اسے قائل کرنے کی کوشش میں کوستوگلوتوو نے اس کا ہاتھ چھو لیا "ویراکورنیلیونا! میں تمھیں سو فیصدی گارنٹی دیتا ہوں کہ اسے جوتے کبھی نظر نہ آسکیں گے۔ وہ مجھے ہال میں پہنے ہوئے کبھی نہیں دیکھے گا۔"

"لیکن باہر راستوں پر؟"

"اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ میں اس کے ونگ میں ہوں، مجھے ایک بات سوجھی ہے۔ تفریح کے لیے ہم ایک گمنام خط لکھ دیں گے جس میں میرے خلاف شکایت ہوگی کہ میرے پاس دو جوتے ہیں۔ وہ دوا ردیوں کو لے کر یہاں کا کونا کونا چھان مارے گا اور اسے کچھ نہیں ملے گا۔"

"گمنام خطوط لکھنا؟ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے" اس نے اپنی آنکھیں سکوڑ لیں۔

ایک اور بات بھی کو سٹو گلوٹو کو پریشان کر رہی تھی، وہ لپ اسٹک کیوں استعمال کرتی تھی؟ اس سے اس کی نزاکت کو گزند پہنچتا تھا، کھردرا پن آتا تھا۔ اس نے آہ بھری "لوگ پھر بھی لکھتے ہیں ویرا کورنیلیونا! اور یہ کارگر رہتا ہے۔ رومن کہا کرتے تھے، ایک گواہی کافی نہیں لیکن بیسویں صدی میں ایک گواہی بھی فاضل اور غیر ضروری ہے۔"

ویرا کورنیلیونا نے اپنی آنکھیں پھیر لیں۔ اس موضوع پر گفتگو کرنا دشوار تھا۔

"تم انھیں کہاں چھپاؤ گے؟"

"میرے جوتے؟ ارے میں درجنوں جگہیں ڈھونڈ سکتا ہوں۔ اس سب کچھ کا انحصار وقت پر ہے اگر سٹو و جل نہ رہا ہو تو میں انھیں وہاں چھپا سکتا ہوں، یا میں انھیں رسّی میں باندھ کر کھڑکی کے باہر لٹکا سکتا ہوں، تم اس بارے میں کوئی تشویش نہ کرو۔"

ویرا کورنیلیونا کے لیے ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ضرور بچ نکلے گا۔

"تم یہ تو بتاؤ کہ پہلے دن تم نے جوتوں کو حوالگی سے کیسے بچا لیا؟"

"ارے یہ آسان تھا۔ میں اس جگہ تھا جہاں وہ پاجامہ بدلواتے ہیں۔ میں نے جوتوں کو دروازے کے پیچھے رکھ دیا۔ اردلی نے میری تمام چیزیں جمع کیں، انھیں ایک بیگ میں رکھ کر لیبل لگایا اور لے کر اسٹور میں چلا گیا۔ میں نہایا، نہا کر باتھ روم سے باہر آیا اور جوتوں کو ایک اخبار میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے آیا۔"

وہ اس قسم کی ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ کام کا دن ابھی آدھا ختم ہوا تھا۔ وہ وہاں بیٹھی کیا کر رہی تھی۔ روسانوو بے چینی کی نیند سو رہا تھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ لیکن کم سے کم وہ سو رہا تھا اور قے نہیں کر رہا تھا۔ گنگارٹ نے پھر اس کی نبض دیکھی اور وہ جانے ہی والی تھی کہ اسے کوئی بات یاد آئی اور اس

نے کوسٹوگلوٹوو کی طرف منہ کر کے کہا " ارے ہاں! تمہیں اضافی خوراک نہیں مل رہی؟
کیا مل رہی ہے ؟"

" نہیں مادام " کوسٹوگلوٹوو کے کان کھڑے ہو گئے۔

" کل سے تمہیں ملے گی۔ دو انڈے یومیہ ، دودھ کے دو گلاس اور پچاس گرام مکھن"

" دو انڈے یومیہ، دو گلاس دودھ کے اور پچاس گرام مکھن ؟ یہ کیا ہے ؟ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔ ایسی غذا مجھے ساری زندگی نہیں ملی۔ اگرچہ میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہی ہے۔ تمہیں معلوم ہے، مجھے تو یہاں بیماری کا وظیفہ بھی نہیں مل رہا۔"

" کیوں نہیں ؟"

" بات سادہ ہے ؛ میں حقیقۃً چھ مہینے تک کسی بھی ٹریڈ یونین کا ممبر نہیں رہا نتیجے کے طور پر میں کسی بھی چیز کا حقدار نہیں "

" یہ بڑی ہی خوفناک بات ہے۔ یہ کیسے ہوا ؟"

" صرف اتنی بات ہے کہ میں باہر کی دنیا کا خوگر نہیں رہا تھا۔ جب میں اپنی جلاوطنی کی جگہ پہنچا تو مجھے معلوم ہونا چاہیے تھا کہ میں جلد سے جلد ٹریڈ یونین کا ممبر بن جاؤں۔"

عجیب بات تھی۔ کچھ باتوں میں وہ اتنا چالاک تھا لیکن دوسری باتوں میں اتنا کودن۔ زائد غذا کے لیے اصرار خود گنگارٹ ہی کو کرنا پڑا تھا۔ یہ آسان کبھی نہیں تھا ..... لیکن اب جانے کا وقت تھا۔ وہ سارا دن وہاں بیٹھی گپ بازی نہیں کر سکتی تھی۔

وہ قریب قریب دروازے تک جا چکی تھی، جب اس نے ہنستے ہوئے پیچھے سے پکارا " صرف ایک منٹ۔ تم مجھے اس لیے تو رشوت نہیں دے رہیں کہ میں سینئر مریض ہوں۔ تم نے مجھے واقعی گھبراہٹ میں ڈال دیا ہے۔ ابھی کام کا پہلا دن ہے کہ مجھے رشوت مل گئی ہے۔"

گنگارٹ کمرے سے چلی گئی۔

لیکن مریضوں کے پنج کے بعد اسے رسانوو کو دیکھنے کے لیے پھر آنا تھا۔ اس وقت تک اسے پتہ چل چکا تھا کہ سینیئر ڈاکٹر کی گشت کل لازماً ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ وارڈوں میں زائد کام کرنا ہوگا کیونکہ جو چیز نظا متدین بھرا موویچ کی متجسس نگاہوں میں خاص طور پر کھٹک جاتی تھی، وہ میزوں پر رکھے ہوئے ٹکڑے یا ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی غذا تھی۔ بہترین صورت حال یہ تھی کہ وہاں ہسپتال کی طرف سے ملی ہوئی روٹی اور چینی کے سوا کچھ نہ ہو۔ اسے صفائی بھی دیکھنا تھی اور اس شعبے میں جتنی دور رس نظر اس کی تھی، شاید ہی کسی عورت کی ہو۔

ویرا کورنیلیونا پہلی منزل میں گئی اور اپنی گردن کو پیچھے کی طرف تان کر تمام دیواروں اور چھت کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیا۔ سبگاتوو کے پلنگ کے اوپر ایک کونے میں اسے ایک جالا نظر آیا (روشنی اب کچھ زیادہ تھی، سورج ابھی ابھی نکلا تھا)۔ اس نے ایک اردلی کو بلایا جس کا نام الیزا دیمیٹیا اناتولیونا تھا اور وہ فوری ضرورت کے وقت ہمیشہ آس پاس ہی ہوتی تھی۔ اسے اس نے بتایا کہ کل تک پوری طرح صفائی ہو جانی چاہیئے اور جالے کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا۔

الیزا وٹیا اناتولیونا نے اپنے کوٹ کی جیب سے عینک نکالی اور اسے لگا کر کہا "میرے خدا! تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ کتنی شرمناک بات ہے" اس نے اپنی عینک اتار دی اور برش اور سیڑھی تلاش کرنے چلی گئی۔ صفائی کرتے وقت اس نے عینک نہیں لگائی۔

وہاں سے گنگارٹ مردوں کے وارڈ میں گئی۔ رسانوو کی حالت وہی تھی۔ اسے پسینے آ رہے تھے۔ اس کی نبض کی رفتار البتہ کچھ ٹھیک ہو گئی تھی۔ اس کے آنے سے کچھ ہی پہلے کوستوگلوتوو اپنے جوتے اور ڈریسنگ گون پہن چکا تھا اور سیر کو جانے والا تھا۔ ویرا کورنیلیونا نے وارڈ کو کل کے اہم معائنے کے متعلق آگاہ کیا اور

مریضوں سے کہا کہ پیشتر اس کے کہ وہ خود دیکھ بھال کرے وہ اپنے اپنے میزوں کو اچھی طرح دیکھ لیں۔

"ابتدا میں اس وارڈ کے سینئر مریض سے کروں گی" اس نے کہا۔

اس کا کوئی خاص جواز نہیں تھا کہ وہ ابتدا سینئر مریض ہی سے کرے اور سچ پوچھو تو اس کا بھی کوئی خاص جواز نہیں تھا کہ وہ کمرے کے اس گوشے میں دوسری بار جائے۔

ویرا کورنیلیونا کا جسم دو مثلثوں سے مشابہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں مثلثیں جن میں ایک کسی قدر تنگ ہے اور دوسری کشادہ، ایک دوسرے پر دھری ہیں۔ اس کی کمر اتنی پتلی تھی کہ دیکھنے والے کے ہاتھ میں کھجلی سی ہونے لگتی تھی کہ اسے اپنی انگلیوں میں تھام کر ہوا میں اچھال دے۔ لیکن کوسٹوگلوٹوو نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ اس نے مودبانہ طور پر اس کے معائنے کے لیے اپنے میز کا دروازہ کھولا اور کہا "غور سے دیکھ لو۔"

"دیکھیں، دیکھیں" اس نے میز تک پہنچنے کی کوشش کی اور وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ میز کے بالکل قریب اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی اور میز کو دیکھنا شروع کیا۔

وہ وہاں بیٹھی تھی اور وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اب کوسٹوگلوٹوو کو اسے اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا۔ اس نے اس کی گردن کو دیکھا: پتلی سی گردن جسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی ماہر سنگتراش کا کارنامہ ہے اور اس کے بال جو کافی کالے تھے اور جن میں پیچھے کی طرف چھوٹی سی گرہ لگا دی گئی تھی، کچھ اس انداز سے کہ فیشن کا ذرا بھی گمان نہیں گزرتا تھا۔

اسے اس یلغار سے ضرور نجات حاصل کرنی چاہیے۔ یہ مضحکہ خیز تھا کہ ہر وہ عورت جو اس کے قریب آئے، اس کے ذہن پر اس حد تک چھا جائے۔ اس نے اس کے پاس بیٹھ کر چند ہی منٹ باتیں کی تھیں اور چلی گئی تھی اور درمیانی وقفے میں وہ کوشش کے باوجود اس کے بارے میں سوچنے سے خود کو باز نہ

رکھ سکا اور جہاں تک اس کا تعلق تھا وہ شام کو اپنے گھر چلی جائے گی، اپنے خاوند کے آغوش میں .....

اسے چھٹکارا حاصل کرنا پڑے گا اور ایک عورت کے معاملے میں ایسا کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

وہ وہاں کھڑا اس کے سر کی پشت کو متواتر دیکھتا رہا۔ اس کے کوٹ کا کالر پیچھے سے اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ اس کے باہر ایک گول سی ہڈی کوب کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اسے اپنی انگلی سے ٹٹولے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ سارے کلینک میں تمھارا میز شرمناک ترین ہے۔" گنگارٹ رائے زنی کر رہی تھی "ردی کے ٹکڑے، چکنے کاغذ کے ٹکڑے، گندے تمباکو کے ریشے، کتاب اور دستانوں کی جوڑی۔ کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ تمھیں آج صفائی کر لینی چاہیے، پوری طرح۔"

وہ اس کی گردن کی طرف دیکھتا رہا اور کہا کچھ نہیں۔

اس نے میز کا سب سے اوپر والا خانہ کھولا۔ چھوٹی موٹی چیزوں کے ساتھ یہاں مشروب کی ایک پوری بوتل رکھی تھی جس کا کاگ خوب کسا ہوا تھا۔ اس میں چالیس ملی لیٹر کے قریب مشروب تھا۔ پاس ہی پلاسٹک کا ایک چھوٹا سا گلاس تھا جیسا عام طور پر مسافر اپنے سفری تھیلے میں رکھ لیتے ہیں اور ایک ڈراپر بھی۔

"یہ کیا ہے؟ دوا؟"

کوسٹوگلوٹوو نے بھنچی سی سیٹی بجائی۔ "ارے یہ کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہا

"یہ کیسی دوائی ہے؟ ہم نے تو نہیں دی۔ کیا دی تھی؟"

"بہرحال مجھے اپنی دوائی رکھنے کا حق تو ہے ہی، کیا نہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ جب تک تم ہمارے کلینک کے مریض ہو ہماری اجازت کے بغیر ہرگز نہیں۔"

"دیکھو! وضاحت کرنا ذرا مشکل ہے۔ یہ گھٹنوں کے لیے ہے۔"

گنگارٹ نے بوتل کو جس پر کوئی لیبل نہیں تھا، کوئی نام نہیں تھا، اپنے ہاتھوں میں گھمانا شروع کیا اور اسے کھول کر سونگھنے کی کوشش کی۔ کوستوگلوتوو نے فوراً ہی مداخلت کی۔ اس نے اپنے کھردرے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے اور اس ہاتھ کو جو کاگ کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا، پیچھے دھکیل دیا۔
(یہ عجیب بات تھی کہ جب بھی وہ بات چیت کرتے تھے ان کے ہاتھ آپس میں ضرور مل جاتے تھے)
"احتیاط سے" اس نے بڑے سکون سے اسے متنبہ کیا "اسے چھونے میں احتیاط ضروری ہے۔ اسے تمھاری انگلیوں پر نہیں لگنا چاہیے اور نہ اسے تمھیں سونگھنا چاہیے۔"
اس نے بڑی شائستگی سے بوتل اس سے لے لی۔
مذاق کچھ زیادہ ہی طول کھینچ رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" گنگارٹ نے تیوری چڑھا کر کہا "کوئی تیز چیز؟"
کوستوگلوتوو اس کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اس کا لہجہ کاروباری تھا "بہت تیز" اس نے کہا "یہ ایک جڑی بوٹی ہے جو اسیک کل سے آئی ہے۔ اسے سونگھنا نہیں چاہیے۔ نہ خشک حالت میں نہ عرق کی شکل میں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا کاگ اتنی مضبوطی سے لگایا گیا ہے۔ اگر یہ ہاتھوں پر لگ جائے، آدمی ہاتھ دھونا بھول جائے اور بعد میں اسے چاٹ لے تو موت ہو سکتی ہے۔"
ویرا کورنیلیونا ڈر گئی "تم نے اسے رکھا کا ہے کے لیے ہے؟" اس نے سوال کیا۔
"اب یہ گئی۔" کوستوگلوتوو غرایا "اب جب تم نے اسے دیکھ لیا ہے تو میرا خیال ہے کہ میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔ مجھے اسے چھپا دینا چاہیے تھا میں اسے علاج کے لیے استعمال کرتا رہا ہوں، اب بھی کرتا ہوں۔"

"خالصتہً علاج کے لیے؟" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے سوال کیا لیکن اس مرتبہ اس نے اپنی آنکھوں کو سکوڑا نہیں اور خالصتہً منصبی رویہ اختیار کیا۔
ہاں یہ سچ ہے۔ اس کا رویہ خالصتہً منصبی تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وہی چھوراپن تھا۔

"خالصتہً علاج کے لیے" اس نے ایمانداری سے اسے بتایا۔

"تم اسے اپنے پاس رکھ رہے ہو، صرف اس لیے کہ اگر ضرورت ...."

"تو اچھا۔ اگر تم جاننا چاہتی ہو تو یہاں آتے وقت یہ تصور میرے ذہن کے کسی گوشے میں تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ بلاوجہ تکلیف اٹھاؤں.... لیکن تکلیف جاتی رہی اور میں نے یہ خیال چھوڑ دیا۔ اس چیز کو تو میں علاج کے لیے ہی استعمال کر رہا ہوں۔"

"خفیہ خفیہ۔ جب کوئی آس پاس نہ ہو؟"

"آدمی اصولوں اور ضابطوں میں جکڑا ہوا ہو، اسے اپنے حسب منشا زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ ہو تو کیا کرے؟"

"تم کتنی خوراک لیتے ہو؟"

"مقدار بتدریج بڑھتی گھٹتی ہے۔ پہلے ایک قطرے سے دس قطروں تک پھر دس قطروں سے ایک قطرے تک۔ اس کے بعد دس دن کا وقفہ۔ ان دنوں وقفہ ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ یقین نہیں کہ تکلیف میں افاقہ صرف ایکسرے سے ہوا ہے۔ اس میں اس جڑی کو بھی دخل ہو سکتا ہے۔"

وہ دونوں بھنچی بھنچی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔

"تم نے اسے کس چیز میں ملایا تھا؟"

"دودھ کا میں۔"

"یہ تم نے خود کیا تھا؟"

"ہاں۔"

"کس تناسب میں؟"

"تناسب؟ ہوا یوں کہ اس نے مجھے مٹھی بھر جڑی دی اور کہا، یہ تین نصف لیٹر ووڈکا کے لیے کافی ہو گی۔ تناسب کا فیصلہ میں نے اسی حساب سے کر لیا۔"

"لیکن اس کا وزن کیا تھا؟"

"اس نے کوئی وزن نہیں کیا۔ صرف نظروں سے ہی تول لیا تھا۔"

"صرف آنکھوں سے؟ ایسی زہریلی چیز کو اس نے صرف دیکھ کر ہی تول لیا؟ یہ زہر ہے۔ کیا تمھیں اس کا احساس نہیں؟"

"مجھ سے کس بات کا احساس کرنے کی توقع کی جاتی ہے؟" کوستوگلوٹوو کو غصہ آنے لگا تھا "تم دنیا میں یکہ و تنہا ہو اور کمانڈنٹ تمھیں اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ تم گاؤں کی حدود سے باہر جا سکو۔ ایسے میں تم یہی کوشش کرتے ہو کہ مر جاؤ۔ کیا تم اس وقت یہ سوچو گے ارے یہ تو زہر ہے، اس کا وزن کیا ہے؟ تم جانتی ہو کہ یہ مٹھی بھر جڑی کیا کر سکتی تھی؟ اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بلا اجازت باہر جانے کی پاداش میں بیس سال مشقت۔ لیکن میں گیا پھر بھی۔ میں نے پہاڑیوں میں ایک سو پچاس کیلومیٹر کا سفر کیا۔ وہاں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے جس کا نام کریمنشوو ہے۔ اس کی داڑھی اکاڈمی کے مشہور ممبر پاولوو سے ملتی ہے۔ وہ وہاں اس صدی کے اوائل میں جا کر آباد ہوا تھا۔ وہ ایک ایماندار طبیب ہے۔ خود باہر جاتا ہے، جڑی اکٹھی کرتا ہے اور خود ہی مقدار کا تعین کرتا ہے۔ اس کے گاؤں کے لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنے ملک میں بھلا کون پیغمبر بن سکتا ہے؟ لیکن ماسکو اور لینن گراڈ سے لوگ اسے ملنے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ پراودا کا ایک نامہ نگار وہاں گیا تھا اور اس کا قائل ہو گیا تھا۔ لیکن اب افواہ ہے کہ اس بوڑھے کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا گیا ہے۔ کچھ احمقوں نے نصف لیٹر دوا تیار کر کے اسے کچن میں رکھ دیا۔ نومبر کی تقریبات[1] کے سلسلے میں کچھ مہمان آئے تھے۔ ووڈکا ختم

---

[1] ۷ نومبر جس روز ۱۹۱۷ء کے انقلاب کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔

ہو گئی ۔ میزبان اور اس کی بیوی وہاں نہیں تھے ۔ لہٰذا انھوں نے وہ جڑی ہی پی لی ۔
ان میں تین مر گئے ۔ ایک اور گھر میں بھی تین بچے زہر خوری کا شکار ہو گئے ۔ لیکن
بوڑھے کو کیوں گرفتار کیا جائے ؟ اس نے تو خبر دار کر دیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن اس وقت تک کوسٹو گلوٹود کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اپنے پکش کو کمزور
کر رہا ہے لہٰذا وہ خاموش ہو گیا۔

"گنگارٹ مضطرب ہو گئی "اہم نکتہ یہی ہے" اس نے کہا" ایک ہسپتال
کے وارڈ میں اس قسم کی تیز دوائیاں رکھنے کی سخت ممانعت ہے ۔ اس موضوع
پر کوئی بحث نہیں ہو سکتی ۔ ہرگز کوئی بحث نہیں ہو سکتی ۔ کسی وقت بھی کوئی حادثہ
ہو سکتا ہے ۔ یہ بوتل مجھے دے دو۔"

"نہیں" کوسٹو گلوٹود نے مضبوطی سے کہا۔

"اسے مجھے دے دو" اس نے بوتل کی طرف جسے کوسٹو گلوٹود نے مضبوطی سے
اپنی مٹھی میں پکڑ رکھا تھا، ہاتھ بڑھاتے ہوئے تیوری چڑھا کر کہا۔

کوسٹو گلوٹود کی مضبوط انگلیاں جن سے اس نے کافی سخت کام کیے تھے ،
بوتل کے گرد مضبوطی سے کسی ہوئی تھیں ۔

"تم اس طرح اسے نہیں لے سکتیں" وہ مسکرایا ۔

گنگارٹ کی تنی ہوئی بھنویں ڈھیلی پڑ گئیں "بہر حال" اس نے کہا "یہ تو
میں جانتی ہوں کہ تم سیر کو کب جاتے ہو۔ میں اسے تمھاری غیر حاضری میں لے
جاؤں گی ۔"

"تمھارا شکریہ کہ تم نے مجھے خبر دار کر دیا ۔ اب میں اسے چھپا دوں گا ۔"

"رسّی سے باندھ کر باہر کھڑکی میں ؟ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو ؟ کیا میں تمھاری
رپورٹ کر دوں ؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم ایسا کرو گی ۔ تم نے ابھی ابھی مجھے بتایا تھا کہ تم لوگوں
کے خلاف مخبری کرنے کو برا سمجھتی ہو ۔"

"لیکن تم نے میرے لیے کوئی اور راستہ چھوڑا ہی نہیں۔"

تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میرے خلاف مخبری کرو گی؟ یہ کوئی بہت عزت مندانہ فعل نہیں۔ کیا تم ڈرتی ہو کہ کامریڈ روسانووا سے پی لے گا؟ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں اسے کاغذ میں لپیٹ کر کہیں چھپا دوں گا۔ جب میں کلینک کے باہر جاؤں گا تو جڑی کے اس عرق کی مجھے اپنے لیے ضرورت ہوگی۔ میرا خیال ہے تمھیں اس کا یقین نہیں کہ یہ مؤثر ہے۔"

"نہیں۔ میں ہرگز ایسا نہیں سمجھتی۔ یہ صرف ایک جاہلانہ وہم ہے۔ یہ موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا ہے۔ میں تو صرف باقاعدہ سائنس میں یقین رکھتی ہوں۔ ان چیزوں میں جنھیں عملاً آزمایا جا چکا ہو۔ مجھے یہی سکھایا گیا ہے اور رسولیوں کے تمام معالج اسی طرح سوچتے ہیں۔ بوتل مجھے دے دو۔"

کوسٹوگلوٹوو نے جو کچھ کہا تھا اس کے باوجود گنگارٹ نے کوشش کی کہ وہ کوسٹوگلوٹوو کی مٹھی کو کھول دے۔ گنگارٹ کی رسیلی اور بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کوسٹوگلوٹوو میں اس کی کچھ زیادہ سکت نہیں رہی کہ وہ ثابت قدم رہے اور دلیل بازی کرے۔ اسے اس کی بڑی خوشی ہوتی کہ وہ یہ بوتل بلکہ میز کی تمام چیزیں ہی اس کے حوالے کر دے۔ لیکن یہ اس کی سرشت کے منافی تھا کہ وہ اپنے اصولوں کو خیرباد کہہ دے۔

"ارے میں تمھاری مقدس سائنس کے بارے میں سب جانتا ہوں" اس نے آہ بھر کر کہا "اگر یہ اتنی ہی حتمی ہوتی تو ہر دس برس کے بعد اسے خیرباد نہ کہنا پڑتا۔ آخر میں کس چیز پر ایمان لاؤں؟ تمھارے انجکشنوں پر؟ پھر یہ تو بتاؤ کہ یہ نئے انجکشن انھوں نے میرے لیے کیوں تجویز کیے ہیں؟ یہ انجکشن ہیں کیا؟"

"یہ بالکل ضروری ہیں۔ ان پر تمھاری زندگی منحصر ہے۔ ہم تمھاری جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس نے یہ بات خاص جوش سے کہی۔ اس کی آنکھوں میں ایمان کی چمک تھی "یہ مت سمجھ لینا کہ تم صحت یاب ہو گئے ہو۔"

"کیا تم اپنی بات زیادہ وضاحت سے نہیں کہہ سکتیں؛ ان کا اثر کیا ہوگا؟"

"مجھے زیادہ وضاحت کی کیا ضرورت ہے؟ ان سے تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ ذیلی رسولیاں بننی بند ہو جائیں گی۔ اگر میں وضاحت کروں بھی تو تم سمجھ نہیں سکو گے..... یہ بوتل مجھے دے دو اور میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جب تم یہاں سے جاؤ گے تو میں یہ تمھیں دے دوں گی۔"

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

کوسٹوگلوٹوو زنانہ ڈریسنگ گون پہنے اور ستارے والی مٹی لگائے سیر کے لیے تیار تھا اور اس ہئیتِ کذائی میں واقعی مضحکہ خیز لگتا تھا۔

وہ مسلسل اصرار کیے جا رہی تھی۔ بوتل جائے جہنم میں، اسے دے دینے میں اسے کوئی خاص ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ پیچھے اس کے گھر میں اس سے دس گنا جڑی موجود تھی۔ نہیں حقیقی گڑبڑ تو یہ تھی کہ یہاں یہ ہلکی بھوری آنکھوں اور روشن چہرے والی حسین عورت موجود تھی جس کے ساتھ گفتگو کرنا کتنا اچھا تھا، اگرچہ وہ اس کا بوسہ کبھی نہیں لے سکے گا۔ جب وہ واپس گھر جائے گا تو اسے یہ مشکل ہی سے یقین آئے گا کہ وہ یہاں ایک ایسی حسین عورت کے پاس بیٹھا تھا اور وہ ہر ممکن قیمت پر اس کی جان بچانا چاہتی تھی۔

اگرچہ یہی ایک ایسی بات تھی جو وہ نہیں کر سکتی تھی۔

"اسے تمھیں دینے سے پہلے مجھے دوبارہ سوچنا پڑے گا۔" اس نے مذاقاً کہا "تم اسے گھر لے جاؤ گی۔ شاید کوئی اسے وہاں پی لے۔"

(کون پی لے گا؟ گھر پر اسے کون پی لے گا؟ وہ تو اپنے گھر میں خود مختار تھی لیکن اس وقت اس قسم کی کوئی بات کہنا بے ڈھنگا پن ہوتا)

"بہت اچھا۔ ہم سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ آؤ اسے پھینک ہی دیں۔"

کوسٹوگلوٹوو ہنسنے لگا۔ افسوس کہ وہ اس سے زیادہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"بہت اچھا! میں اسے باہر جا کر انڈیل دیتا ہوں۔"

(کوئی کچھ ہی کہے۔ اس نے سوچا۔ لپ اشک اسے استعمال نہیں کرنی چاہیے)

"نہیں۔ اب میں یقین نہیں کرتی۔ تم اسے پھینکنے جاؤ گے تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"مجھے ایک بات سوجھی ہے۔ اسے پھینکا کیوں جائے؟ کیوں نہ اسے کسی مستحق شخص کو دے دیا جائے جس کا علاج تم کسی صورت کر ہی نہیں سکتیں۔ شاید یہ اس کے لیے کسی طرح مفید ہو؟"

"تمہارے ذہن میں کون ہے؟"

کوسٹوگلوٹوو نے واڈم زتسر کو کے پلنگ کی طرف اشارہ کیا اور اپنی آواز اور بھی مدھم کر لی "اسے کالا سرطان ہے۔ کیا نہیں؟"

"اب مجھے پورا یقین آگیا ہے کہ ہمیں اسے پھینکنا پڑے گا۔ ورنہ تم کسی کو زہر دے دو گے۔ تم اپنے آپ کو اس کے لیے کیسے آمادہ کر سکتے ہو کہ ایک ایسے آدمی کو جو بری طرح بیمار ہو، زہر کی بوتل دے دو۔ وہ زہر پی کر مر گیا تو کیا ہو گا؟ کیا تمہارا ضمیر سرزنش نہیں کرے گا؟"

"وہ زہر نہیں کھائے گا۔ کافی مضبوط دل گردے کا ہے"

"نہیں بالکل نہیں۔ آؤ ہم اسے باہر جا کر پھینک دیں۔"

"خیر۔ آج میرا موڈ بہت ہی اچھا ہے۔ بہت اچھا۔ آؤ باہر جا کر اُسے پھینک دیں۔"

وہ پلنگوں کے درمیان چلتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف چل دیئے۔

"کیا تمھیں سردی نہیں لگے گی؟"

"نہیں۔ میں نے نیچے گرم صدری پہن رکھی ہے۔"

اس نے کہا تھا "نیچے گرم صدری" یہ اس نے کیوں کہا تھا؟ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ گرم صدری کیسی ہے؟ اس کی رنگت کیا ہے؟ لیکن وہ کبھی نہیں

دیکھ سکے گا۔

وہ باہر پورچ میں چلے گئے۔ دن روشن ہو گیا تھا۔ بہار کا موسم قریب قریب آ گیا تھا۔ کوئی نو وارد مشکل ہی سے باور کرتا کہ ابھی فروری کی صرف سات تاریخ تھی۔ سورج چمک رہا تھا۔ اونچے درخت جوڑ کی شاخیں اور نیچے باڑھ کی جھاڑیاں ابھی ننگی ہی تھیں لیکن برف کی ڈھیریاں رخصت ہو چکی تھیں۔ ان جگہوں سے بھی جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی تھی۔ درختوں کے درمیان پچھلے برس کی بھوری بھوری گھاس پڑی تھی۔ پگڈنڈیوں کے پتھر اور اسفلٹ ابھی نم تھے اور خشک نہیں ہوئے تھے۔ باغوں میں حسب معمول چہل پہل تھی۔ ڈاکٹر، نرسیں، اردلی، بیرونی مریض، اقامتی مریض چل پھر رہے تھے، ایک دوسرے کا راستہ کاٹ رہے تھے اور ایک دوسرے سے آگے نکل رہے تھے۔ کہیں کہیں لوگ بنچوں پر بیٹھے تھے۔ ہسپتال کے اس ونگ میں اور دوسرے ونگوں میں کچھ کھڑکیاں کھلی تھیں اور یہ سال میں پہلی بار کھلی تھیں۔

انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہوٹل کو پورچ کے بالکل سامنے نہ اِنڈیلا جائے۔ یہ عجیب سا لگے گا۔

"آؤ۔ ہم وہاں چلیں،" کوسٹوگلوٹوو نے ایک راستے کی طرف جو کینسر ونگ اور کان، ناک اور گلے کے ونگ کے درمیان جاتا تھا، اشارہ کیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ اکثر چہل قدمی کرتا تھا۔

وہ پکے راستے پر پہلو بہ پہلو چلتے گئے۔ گنگارٹ کی ڈاکٹروں والی ٹوپی پائلٹ کی ٹوپی جیسی تھی جو قریب قریب کوسٹوگلوٹوو کے کندھے تک پہنچتی تھی۔

وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ چل رہی تھی تو اس کے چہرے سے بڑی ہی سنجیدگی برس رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت ہی اہم کام کرنے جا رہی ہو۔ اس پر کوسٹوگلوٹوو کو ہنسی آ گئی۔

"مجھے بتاؤ، تمھیں اسکول میں کس نام سے پکارتے تھے؟" یکایک اس نے

دریافت کیا۔

"اس بات کا اس سے کیا تعلق ہے؟" گنگارٹ نے تیزی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ظاہر ہے کہ بالکل نہیں۔ مجھے صرف دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔"

وہ چند قدم چپ چاپ چلتی رہی۔ راستے کے پتھروں پر اس کے پاؤں کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ اس کی نازک غزالی ٹانگوں کا نوٹس پہلی بار اس نے تب لیا تھا جب وہ فرش پر قریب المرگ لیٹا ہوا تھا اور وہ پہلی بار اس کے پاس آئی تھی۔

"ویگا" گنگارٹ نے کہا۔

(سچ یہ ہے کہ یہ بالکل ہی سچ نہیں تھا، کم از کم مکمل طور پر سچ نہیں تھا۔ اس نام سے سکول میں اسے صرف ایک آدمی پکارتا تھا۔ ایک تعلیم یافتہ اور ذہین فوجی جو جنگ سے واپس نہیں آیا۔ کسی جذبے کے تحت اور یہ جانے بغیر کہ کیوں، اس نے اپنے عرف سے ایک اور شخص کو آگاہ کر دیا تھا)

وہ سائے سے باہر نکل کر اس پگڈنڈی پر آگئے جو دو ونگوں کے درمیان تھی۔ سورج کی روشنی ان پر پڑ رہی تھی اور تھوڑی سی ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔

"ویگا؟" یہ نام تو ستارے پہ ہے لیکن ویگا کو تو چکا چوند کر دینے کی حد تک تاباں ہونا چاہیے۔"

وہ رک گئے۔

"مجھ میں چکا چوند کر دینے والی کوئی بات نہیں" اس نے اپنا سر ہلایا "لیکن میں تو ویرا گنگارٹ ہوں، صرف ویرا گنگارٹ"

یہ پہلا موقع تھا کہ کوستوگلوتوو کی بات پر گنگارٹ کو نہیں بلکہ خود اسے الجھن ہو رہی تھی۔

"میرا مطلب تھا..." اس نے اپنا جواز پیش کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"میں بالکل سمجھتی ہوں۔ اب اسے انڈیل ڈالو" اس نے حکم دیا۔

اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہیں آنے دی۔

کوسٹو گلوٹو نے مضبوطی سے لگے ہوئے کاگ کو ڈھیلا کیا، بڑی احتیاط سے اسے نکالا، پھر جھکا ر سکرٹ نما ڈریسنگ گون پہنے ہوئے وہ کافی احمق لگتا تھا، اور ایک چھوٹا سا پتھر جو سڑک کی کٹائی کے دوران بچ رہا تھا، اٹھا لیا۔

"غور سے دیکھتی رہنا ورنہ تم کہو گی کہ میں نے اسے اپنی جیب میں انڈیل لیا ہے۔" اس نے کہا۔ وہ زمین پر اس کی ٹانگوں کے قریب اکڑوں بیٹھ گیا تھا یہ ٹانگیں، یہ غزال جیسی ٹانگیں، ان پر اس کی نظر پہلی بار ہی ٹھہری تھی اس نے دھندلا زرد مشروب جو کسی کے لیے آب حیات ہو سکتا تھا یا شاید زہر ہلاہل، زمین کے ایک گیلے سے سوراخ میں انڈیل دیا۔

"کیا میں پتھر کو اسی جگہ رکھ دوں؟" اس نے پوچھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

جس انداز سے اس نے مشروب کو انڈیلا اور پتھر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھا، اس سے ایک طرح کا لڑکپن ظاہر ہوتا تھا۔ اس سے لڑکپن ظاہر ہوتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی جیسے وہ کوئی عہد کر رہا ہو یا اسے کسی راز میں شریک کر رہا ہو۔

"تو اب مجھے مبارکباد دو" اس نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مبارکباد"، وہ مسکرائی لیکن کسی قدر غمگین انداز میں۔ "اب جاؤ سیر کرو۔"

اور وہ ذنگ کی طرف مڑ کر چلنے لگی۔

وہ اس کی سفید پشت کی طرف دیکھتا رہا۔ دو مثلث۔ ایک اوپر ایک نیچے۔

اب صنف نازک کی طرف سے کوئی بھی دلچسپی اس کے اندر اضطراب پیدا کر دیتی تھی۔ ہر لفظ اور ہر فعل کے معنی وہ کچھ زیادہ ہی اخذ کر لیتا تھا اور آگے کا

منتظر رہتا تھا۔

ویگا۔ ویرا گنگارٹ۔ کوئی ایسی بات تھی جو بالکل فٹ نہیں بیٹھتی تھی۔ لیکن فی الوقت وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکا۔ وہ اس کی پشت کی طرف دیکھتا رہا۔

"ویگا! ویگا!!" وہ نیم بلند آواز میں پکارا، یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ فاصلے سے بول رہا ہے۔ "واپس آجاؤ۔ کیا تم سنتی ہو؟ واپس آجاؤ۔ مہربانی سے واپس آجاؤ۔"

لیکن یہ التجا بیکار گئی۔ وہ لوٹی نہیں۔
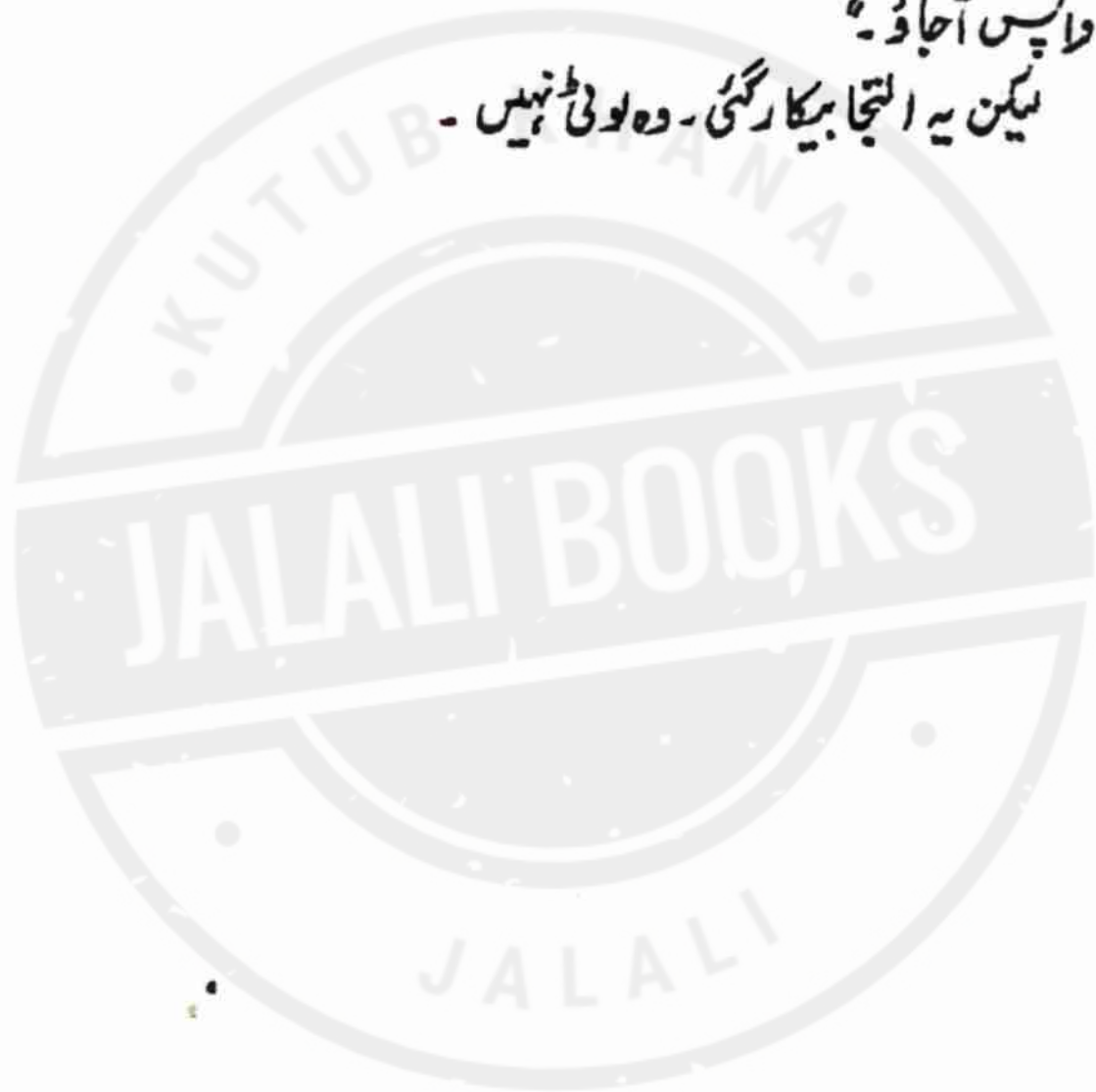
۱۸۔ قبر کے دہانے پر[1]

بائیسکل کا پہیہ اگر ایک بار حرکت میں آجائے تو اپنے توازن کو اسی وقت تک برقرار رکھتا ہے جب تک وہ حرکت میں ہے، حرکت کے بغیر یہ گر پڑتا ہے۔ یہی بات مرد اور عورت کے کھیل پر صادق آتی ہے۔ ایک بار شروع ہو جائے تو یہ اسی وقت تک جاری رہ سکتا ہے، اگر یہ آگے بڑھتا رہے۔ کل جس حد تک بات بڑھی تھی اگر وہ آج اور آگے نہ چلے تو کھیل جاری نہیں رہتا۔

اولک کے لیے منگلوار کی شام کا، جب زویا کو رات کی ڈیوٹی پر آنا تھا، انتظار کرنا مشکل تھا۔ ان کے کھیل کا چنچل اور رنگین پہیہ پہلی رات اور اتوار کی دوپہر کو کتنا آگے چلا تھا اب اسے اس سے اور آگے بڑھنا چاہیئے تھا۔ اس کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ وہ اس پہیئے کو حرکت دے اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ زویا کے دل میں بھی اسی کی خواہش ہے۔ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

پہلے وہ باہر گیا۔ پہلے باہر اس امید میں کہ شاید وہ اسے باغ میں مل جائے وہ اس ڈھلوان راستے کو اچھی طرح جانتا تھا جس سے وہ ہمیشہ آیا کرتی تھی۔ اس سے پہلے کہ اسے یہ احساس ہوا کہ خواہ وہ اپنے آپ کو کسی طرح پیش کرنے کی

---

[1] ایگزنڈر پشکن کی ایک نظم کے پہلے بند کے ابتدائی الفاظ۔ نظم اس طرح جاری رہتی ہے۔

"...... کسی بھی غم کے بغیر، جہاں میں اب لیٹا ہوں وہاں جوان زندگی کھیلتی ہے۔ فطرت اپنے تمام حسن کے ساتھ تاباں رہے جو امر ہے۔"

کوشش کرے، اپنی زنانہ گون میں وہ احمق ہی لگے گا وہ اپنے بنائے دو سگریٹ ختم کر چکا تھا۔ وہ واپس ونگ میں گیا۔ اپنی ڈریسنگ گون اور جوتے اتار دیے اور سیڑھیوں کے نیچے پاجامہ پہن کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس طرح بھی وہ اتنا ہی احمق لگتا تھا جتنا ڈریسنگ گون میں۔ اس کے سر کے بال جو ہمیشہ سیدھے کھڑے رہتے تھے، آج جس حد تک بھی ممکن تھا اس نے انھیں ہموار کر لیا تھا۔

وہ ڈاکٹروں کے ڈریسنگ روم میں سے باہر نکلی، کچھ تاخیر سے اور جلدی جلدی۔ لیکن اسے دیکھ کر اس نے اپنی بھنویں نیچی کر لیں، حیرت سے نہیں بلکہ کچھ اس انداز سے جیسے وہی کچھ ہو رہا ہو جو ہونا چاہیے تھا۔ جیسے اسے توقع تھی کہ وہ اسی جگہ سیڑھیوں کے نیچے اپنی جگہ پر کھڑا ہو گا۔

وہ رکی نہیں۔ یہ سوچ کر کہ وہ کہیں پیچھے نہ رہ جائے وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اپنی لمبی ٹانگوں کو پھیلا کر وہ سیڑھی کے دو دو قدمچوں کو ایک ہی بار پھلانگ جاتا تھا۔ اور اب وہ ایسا بغیر کسی مشکل کے کر سکتا تھا۔

" تو نئی بات کیا ہے ؟" اس نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس سے پوچھا جیسے وہ اس کا کوئی مددگار ہو۔

نئی بات کیا ہے ؟ سپریم کورٹ میں جو تبدیلیاں ہوئی تھیں وہ نئی ضرور تھیں لیکن انھیں سمجھنے کے لیے اسے برسوں تعلیم کی ضرورت ہوگی اور پھر اس قسم کی تفہیم کی زویا کو اس وقت ضرورت بھی نہیں تھی۔

" میں نے تمھارے لیے نیا نام ڈھونڈھ لیا ہے۔ آخر میں نے جان لیا ہے تمھارا نام کیا ہونا چاہیے۔"

" واقعی ؟ کیا ؟" وہ چستی سے سیڑھیاں چڑھتی گئی۔

" میں تمھیں چلتے چلتے نہیں بتا سکتا۔ یہ بہت اہم ہے "

اب وہ اوپر پہنچ چکے تھے۔ وہ چند قدم پیچھے اس سے پیچھے رہ گیا تھا۔ پیچھے سے دیکھتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگیں کسی قدر زیادہ موٹی اور بھاری

ہیں اگرچہ وہ اس کے پورے جسم کے ساتھ موزوں ہی تھیں۔ ان کا ایک اپنا جادو تھا، اگرچہ نرم و نازک ٹانگیں جیسی کہ دیپکا کی تھیں، دیکھنے والے کے موڈ کو خوشگوار بنا دیتی ہیں۔

اسے اپنے آپ پر حیرت ہونے لگی، وہ پہلے اس طرح سوچنے اور اس طرح دیکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اسے اس میں کچھ گنوارپن اور اجڈپن نظر آیا۔ ایک عورت سے دوسری عورت پر اس طرح وہ پہلے کبھی راغب نہیں ہوا تھا۔ اس کا دادا ہوتا تو اسے "لہنگا پرست" کا نام دے ڈالتا لیکن وہ جو کہتے ہیں 'بھوک ہے تو کھاؤ جوانی ہے تو محبت کرو' یہ اور بات ہے کہ اولک جوانی میں محروم ہی رہ گیا تھا۔ اب وہ موسم خزاں کے پودے کی طرح تھا جو دھرتی سے جلدی جلدی آخری رس نچوڑ لینا چاہتا تھا تاکہ گزرے ہوئے موسم بہاریں محرومی کا شکوہ نہ رہے۔

زندگی کی اس مختصر سی مراجعت کے دوران ـــــ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اس کی زندگی بڑی تیزی سے زوال کی گہرائیوں میں جارہی تھی ـــ وہ بے صبر تھا کہ عورتوں کو جی بھر کے دیکھ لے، انھیں جذب کرلے، اس طرح کہ وہ انھیں کچھ تبا بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی فطرت اور ان کے مزاج کے بارے میں وہ دوسروں سے کہیں زیادہ حساس تھا۔ کیونکہ برسوں تک اس نے نہ کوئی عورت دیکھی تھی، نہ کسی عورت سے قریب رہا تھا، نہ نسوانی آواز سنی تھی۔ وہ تو یہ تک بھول چکا تھا کہ یہ آواز کیسی ہوتی ہے۔ زویا نے شفٹ کا چارج لیا اور ایک لٹو کی طرح گھومنے لگی۔ اس نے میز کے گرد چکر لگایا، معالجے کی فہرست اور دوائیوں کی الماری کا جائزہ لیا اور تب یکایک ایک لٹو کی طرح گھوم کر ایک دروازے کی طرف چل دی۔

اولک اسے دیکھتا رہا اور جیسے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ چند لمحوں کے لیے فارغ ہے، وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تو کلینک میں اور کوئی نئی بات نہیں ہوئی" زویا نے اپنی شیریں آواز میں پوچھا۔ اس دوران میں وہ بجلی کے سٹوو پہ سرنجوں کو پاک و صاف کرتی رہی اور انجکشنوں کی شیشیاں بھی کھولتی رہی۔

"ارے آج تو کلینک میں ایک عظیم واقعہ رونما ہوا۔ نظامتدین بہراموو چ نے خود گشت لگائی۔"

"کیا واقعی گشت لگائی؟ یہ اچھا ہوا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نہیں تھی..... تو ہوا کیا؟ کیا وہ تمھارے جوتے لے گیا؟"

"نہیں۔ یہ جوتوں کی بات نہیں لیکن تھوڑا سا ٹکراؤ ضرور ہو گیا!"

"کیا ہوا؟"

"ارے یہ ایک شاندار موقع تھا۔ پندرہ سفید کوٹ بیک وقت وارڈ میں آدھمکے۔ مختلف شعبوں کے افسران اعلیٰ۔ رجسٹرار، منتظمین، ڈاکٹر، جنھیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سینئر ڈاکٹر پلنگوں کے قریب رکھے میزوں پر شیر کی طرح جھپٹ پڑا لیکن ہمیں ہمارے خفیہ ایجنٹوں نے پہلے ہی مطلع کر دیا تھا اور ہم نے تھوڑی بہت تیاری کر رکھی تھی چنانچہ اس کے جبڑے خالی ہی رہے۔ اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس کے چہرے سے کچھ زیادہ ہی بے اطمینانی ظاہر ہوتی تھی۔ اس مرحلے پر میرا معاملہ سامنے آیا اور لڈمیلا افانسیونا نے ایک ناسمجھی کی بات کہہ دی۔ وہ میری فائل دیکھ رہی تھی...."

"کیسی فائل؟"

"میرے مرض کا کیفیت نامہ۔ ایسی غلطیاں مجھ سے اکثر ہو جاتی ہیں.... اس نے میری ابتدائی تشخیص کا ذکر کیا اور یہ بھی کہ وہ کہاں کی گئی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ میں قازقستان کا ہوں۔ 'کیا؟' نظامتدین نے کہا 'یہ تو دوسری ری پبلک کا ہے۔ ہمارے پاس پلنگ ناکافی ہیں۔ ہم غیر ملکیوں کا علاج کیوں کریں؟ اُسے فوراً ڈسچارج کر دو۔'"

"لیکن وارڈ میں نصف مریض 'غیر ملکی' ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن اس نے صرف مجھی کو منتخب کیا۔ کاش تم اس وقت لڈمیلا افانسیونا کے تیور دیکھتیں۔ میں حیران رہ گیا۔ وہ میرے لیے اس طرح لڑی

جیسے مرغی اپنے چوزوں کے لیے لڑتی ہے "سائنسی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک اہم اور پیچیدہ کیس ہے، اس نے کہا "ہمیں کچھ بنیادی نتائج پر پہنچنے کے لیے اس کی ضرورت ہے ..." میرے لیے یہ احمقانہ صورتِ حال تھی۔ چند ہی دن پہلے میں نے اس کے ساتھ دلیل بازی کی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مجھے ڈسچارج کر دیا جائے۔ وہ مجھ پر چلائی تھی لیکن اب وہ میرے لیے سینہ سپر تھی۔ میرے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ میں نظامتدین کو "ہاں" کہہ دیتا۔ لنچ کے وقت تک تمھیں میری دھول بھی نظر نہ آتی اور میں بھی پھر تمھیں کبھی نہ دیکھتا۔"

"تو یہ صرف میری وجہ سے تھا کہ تم نے 'ہاں' نہیں کہی"۔

"یہ بتاؤ اس بارے میں تمھارا خیال کیا ہے؟" کوسٹوگلوٹوو کی آواز رندھی ہوئی سی تھی۔

"تم نے تو مجھے اپنا ایڈریس تک نہیں بتایا۔ میں تمھاری تلاش کیسے کرتی؟"

لیکن وہ کچھ کرنے میں مصروف تھی، اسے کیسے بتاتی کہ اس کی بات کو اس نے کتنی سنجیدگی سے لیا ہے۔

"میرے لیے ممکن تھا کہ میں لڈمیلا افانسیونا کو دغا دے جاتا" اس نے اپنی آواز کو پھر سے بلند کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی "میں وہاں بت بنا بیٹھا رہا، کچھ بھی نہیں بولا۔ جبکہ نظامتدین کہتا گیا 'میں بیرونی مریضوں میں ایسے پانچ مریض ڈھونڈھ سکتا ہوں جو اتنے ہی بیمار ہیں جتنا یہ۔ اور وہ سب ہمارے ہی آدمی ہیں۔ اسے ڈسچارج کر دو۔' اور میرا خیال ہے کہ یہ ایسا موقع تھا جب میں نے حماقت کا ثبوت دیا اور بھاگ نکلنے کا ایک بہت اچھا موقع ہاتھ سے گنوا دیا۔ میرے دل میں لڈمیلا افانسیونا کے لیے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ اس نے آنکھ سے کچھ اس طرح کا اشارہ کیا جیسے چوٹ اسی پر پڑ رہی ہو لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ میں اپنے گھٹنوں پر جھک گیا اور اپنے گلے کو صاف کر کے بڑے سکون سے نظامتدین سے پوچھا 'تم مجھے کیسے ڈسچارج کر سکتے ہو؟ میں تو بنجر علاقے سے آیا ہوں؟' ارے تم بنجر زمینوں کے ہو؟

واقعی؟ نظام الدین نے کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ اس سے ایک خطرناک سیاسی غلطی ہو گئی ہے دبنجر زمینوں کے باسیوں کے لیے ہمارا ملک سب کچھ کرنے کو تیار ہے، اور وہ سب اگلے پلنگ کی طرف چل دیئے "

" تم بڑے چالاک اور عیار ہو" زویا نے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

" زویا! میں کبھی ایسا نہیں تھا لیکن کیمپوں میں انھوں نے مجھے سان پر چڑھا دیا۔ میرے کردار میں ایسے کئی پہلو شامل ہو گئے ہیں جو واقعی میرے کردار کا حصہ نہیں۔ یہ کیمپوں کی دین ہیں۔"

" تمھاری مسرور رہنے کی ادا؟ کیا یہ بھی تم نے کیمپوں میں حاصل کی تھی؟"

" کیوں نہیں؟ میں مسرور اس لیے ہوں کہ ہر چیز گنوا دینے پر قانع ہوں جب یہاں لوگ ڈاکٹروں کی گشت کے دوران چیخنے چلاتے ہیں تو مجھے ہمیشہ عجیب لگتا ہے۔ آخر وہ کا ہے کے لیے چیختے ہیں؟ نہ کوئی انھیں جلا وطن کر رہا ہے نہ ان کی جائداد ضبط کر رہا ہے....."

" تو تم ہمارے ساتھ ایک مہینے کے لگ بھگ اور رہ رہے ہو۔"

" خدا بچائے۔ لیکن میں یہاں دو ہفتے کے قریب ضرور رہوں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے لڈمیلا افانسیونا کو سادہ چیک دے دیا ہے۔ اب کچھ بھی ہو، مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔"

سرنج اب گرم سیال سے بھر گیا تھا اور زویا کو آج ایک مشکل مسئلے کا سامنا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے اولگ کو آج نیا انجکشن لگانا تھا۔ معمول کی جگہ پر۔ جسم کے اسی حصے پر جسے ہر قسم کی زیادتی برداشت کرنی تھی۔ لیکن اب ان دونوں کے درمیان جو موڈ قائم ہو گیا تھا، اس کے پیش نظر یہ انجکشن لگانا نا ممکن تھا۔ اس سے سارا کھیل ختم ہو سکتا تھا۔ زویا نہیں چاہتی تھی کہ یہ کھیل اور یہ موڈ ختم ہو جائے اور اولگ بھی نہیں چاہتا تھا۔ ابھی بہت کچھ اور گھومنا چاہیے۔ تا کہ وہ اس کے اتنے قریب ہو جائے کہ آسانی سے موانست کے ساتھ اسے انجکشن لگا سکے۔

وہ میز پر واپس آگئی اور احمد جان کے لیے نیا انجکشن تیار کرتے ہوئے اس نے کوسٹوگلوتوو سے پوچھا "تمھارا کیا معاملہ ہے؟ کیا تم نے اپنے آپ کو انجکشنوں کے لیے آمادہ کرلیا ہے؟ تم اب ان کے خلاف پہلے کی طرح دولتیاں تو نہیں چلاتے؟"

ایک مریض بالخصوص کوسٹوگلوتوو کے لیے یہ سوال کتنا عجیب تھا! وہ تو اپنے موقف کی وضاحت کے لیے موقع کے انتظار میں تھا۔

"زوئنکا! میں کیا سوچتا ہوں یہ تم جانتی ہو۔ اگر ممکن ہو تو میں ہمیشہ ان سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس معاملے میں کبھی کامیابی ہوئی ہے کبھی ناکامی۔ مڑگون کی حد تک معاملہ خوب ہے۔ اس کی واحد آرزو یہ ہے کہ اسے شطرنج کھیلنا آجائے۔ ہمارے درمیان ایک عہد ہوگیا ہے۔ اگر میں جیت جاؤں تو انجکشن نہیں لگے گا۔ مصیبت صرف اتنی ہے کہ کھیلتے وقت میں اپنا ایک رخ اٹھا لیتا ہوں۔ لیکن میریا کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں چل سکتی۔ وہ سرنج لے کر آتی ہے تو اس کا چہرہ پتھر کی طرح بے حس ہوتا ہے۔ کبھی میں کوئی مذاقیہ بات کہنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن اس کا جواب ہمیشہ ایک ہوتا ہے 'مریض کوسٹوگلوتوو! تمھارے انجکشن کا وقت ہوگیا ہے، پاجامہ اوپر اٹھاؤ' وہ ہمدردی کا کوئی لفظ نہیں کہتی، ایک بھی فالتو لفظ نہیں۔"

"وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"

"مجھ سے؟"

"تم سب سے۔ سب مردوں سے۔"

"ہاں اگر عام طور سے بات کی جائے تو ہم اس کے مستحق بھی ہیں۔ اب ایک اور نئی نرس ہے اس کے ساتھ بھی معاملہ کچھ آگے بڑھ نہیں رہا اور جب اولمپیاڈا واپس آجائے گی تو معاملہ اور بھی خراب ہوگا۔ وہ تو اپنی جگہ سے ایک اِنچ بھی نہیں ہٹتی۔"

"اور یہی کرنے کا میرا اپنا ارادہ بھی ہے۔" زویا نے احتیاط سے انجکشن کی

دوائی ناپتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں زور نہیں پیدا ہو رہا تھا۔ وہ احمد جان کو انجکشن لگانے چلی گئی، اولک کو ایک بار اور میز پر تنہا چھوڑ کر۔

ایک اور اہم سبب بھی تھا جس کی بنا پر زویا نہیں چاہتی تھی کہ اولک انجکشن لگوائے۔ اتوار سے وہ اس سوال پر مسلسل غور کر رہی تھی کہ اسے ان انجکشنوں کے ممکنہ اثرات کے بارے میں اولک کو آگاہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

بہت ممکن ہے کہ ان کی دل لگی اور ہنسی مذاق کے نتیجے کے طور پر یکایک کوئی اہم بات پیدا ہو جائے۔ یہ بالکل ممکن تھا۔ یہ بالکل ممکن تھا کہ اس مرتبہ معاملہ کمرے میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنے پر ہی ختم نہ ہو جائے۔ اگر بات بڑھتے بڑھتے معاملہ مستقل ہو گیا، اگر زویا نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس کا کھلونا بن جائے گی، اس کے ساتھ جلاوطنی میں چلی جائے گی تو کیا ہوگا (وہ ٹھیک ہی تو کہتا تھا "کون جانتا ہے کہ مسرت کن دور دراز گوشوں میں اس کی منتظر ہے") اگر ایسا ہوا تو جو انجکشن اولک کے لیے تجویز کیے گئے تھے ان کا اثر صرف اولک پر ہی نہیں اس پر بھی پڑے گا۔

اور وہ ان کے خلاف تھی۔

وہ خالی سرنج لے کر لوٹی اور خوش باشانہ لہجے میں کہا "اچھا! کیا اب تم نے اپنے میں ہمت پیدا کر لی ہے؟ وارڈ میں جاؤ۔ پاجامے کے پائینچے اوپر چڑھاؤ مریض کو سٹو گلو ٹو! میں ایک ہی منٹ میں تمھارے پاس آتی ہوں۔"

وہ وہاں بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا، ایسی نظروں سے جو ایک مریض کی نظریں نہیں تھیں۔ وہ انجکشنوں کے بارے میں سوچ بھی نہیں رہا تھا۔ ان کے درمیان اس وقت تک معاہدہ طے پا چکا تھا۔

اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا جو ذرا باہر کو ابلی ہوئی سی تھیں جیسے پپوٹوں سے رہائی حاصل کرنے کی متمنی ہوں۔

"زویا! آؤ کہیں چلیں" یہ بات کی بجائے مدھم سی گڑگڑاہٹ زیادہ تھی۔

اس کی آواز جتنی مدھم تھی اتنی ہی زویا کی گرجدار۔

"کہاں؟" اس نے حیرت سے قہقہہ مار کر کہا "شہر میں؟"

"ڈاکٹروں کے کمرے میں۔"

وہ کوسٹوگلوٹوو کی مبہم نظر کو جذب کر گئی۔ اس کی آواز میں کوئی چال نہیں تھی، جب اس نے کہا "میں نہیں جاسکتی اولگ! مجھے بہت زیادہ کام کرنا ہے۔" ایسا نظر آتا تھا جیسے وہ اس کی بات کو سمجھا ہی نہیں "آؤ چلیں!" اس نے دہرایا۔

"ارے ہاں!" زویا کو کوئی بات یاد آگئی "مجھے ..... کے لیے آکسیجن کا غبارہ بھرنا ہے" اس نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بہت ممکن ہے اس نے مریض کا نام بھی لیا ہو لیکن کوسٹوگلوٹوو نے سنا نہیں "مشکل یہ ہے کہ آکسیجن کے سلنڈر کی ٹونٹی اتنی سخت ہے کہ مجھ سے گھمائی نہیں جاتی۔ تم میری مدد کرسکتے ہو، آؤ!"

وہ سیڑھیوں کی طرف چل دی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

کھنچی ہوئی ناک والا زرد رُو اور قابل رحم مریض جسے پھیپھڑوں کی کینسر چاٹ رہی تھی، اپنے پلنگ پر بیٹھا تھا۔ آکسیجن کے ذریعہ سانس لیتے وقت وہ ہانپنے لگتا۔ اس کے سینے کی کھڑکھڑاہٹ تک سنی جاسکتی تھی۔ کیا وہ ہمیشہ سے اتنا ہی منحنی تھا یا یہ بیماری تھی جس نے اسے اتنا دھان پان بنا دیا تھا۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ جب ڈاکٹر گشت پر آتے تو نہ تو اس سے کوئی بات ہی کرتے نہ سوال ہی پوچھتے۔ اس کی حالت ہمیشہ ہی خراب رہتی تھی لیکن آج کچھ زیادہ ہی خراب تھی اور یہ جاننے کے لیے کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آکسیجن کے ایک غبارے کو ختم کرنے ہی والا تھا اور دوسرا غبارہ جو خالی ہوچکا تھا، اس کے قریب ہی پڑا تھا۔

اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ اسے کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ چاہے کوئی

اس کے پاس رُکے چاہے اس کے قریب سے گزر جائے۔

زویا اور اولگ نے اس کے قریب سے خالی غبارہ اٹھایا اور سیڑھیاں اترنے لگے۔

"تم لوگ اس کا کیا علاج کر رہے ہو؟"

"ہم علاج نہیں کر رہے۔ اس کی حالت ایسی ہے کہ آپریشن نہیں ہو سکتا اور شعاع زنی سے فائدہ نہیں پہنچتا۔"

"کیا تم اس کا سینہ نہیں کھول سکتے؟"

"ابھی یہاں ایسا ہوتا نہیں۔ کم از کم اس شہر میں تو نہیں۔"

"تو یہ مر جائے گا؟"

زویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اگرچہ ان کے ہاتھوں میں غبارہ تھا جس کی بیمار آدمی کو ضرورت تھی۔ تاکہ کہیں اس کا دم نہ گھٹ جائے لیکن اس وقت تک وہ اس آدمی کو فراموش کر چکے تھے۔ وہ کوئی ایسی بات کرنے والے تھے جو معمول سے بالکل مختلف تھی۔

آکسیجن کا لمبا سلنڈر ایک الگ تھلگ غلام گردش میں کھڑا تھا جس کے باہر تالا لگا ہوا تھا۔ یہ جگہ ان کمروں سے جہاں شعاع زنی کی جاتی تھی قریب ہی تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں کبھی گنگارٹ نے بارش سے بھیگے ہوئے اور قریب المرگ کوسٹوگلوتوو کو پہلی دفعہ دیکھا تھا (کبھی سے یہاں مراد تین ہفتے پہلے تھا) جب تک دوسری غلام گردش کی بتی نہ جلائی جائے (اور انھوں نے صرف پہلی ہی کی جلائی تھی) تو وہ کونا جہاں دیوار باہر کو نکلی ہوئی تھی اور سلنڈر کھڑا تھا، نیم تاریکی میں رہتا تھا۔

زویا کا قد سلنڈر سے چھوٹا تھا، اولگ کا بڑا۔

وہ غبارے کے والو کو سلنڈر کے والو کے ساتھ جوڑنے لگی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا اور اس کے بالوں کی خوشبو کو سونگھ رہا تھا جو اس کی ٹوپی کے نیچے سے اڑ رہی تھی۔

"یہ ٹونٹی سخت ہے" زویا نے شکایت کی۔
کوسٹوگلوتوف نے ٹونٹی کو پکڑ کر فوراً ہی گھما دیا۔ آکسیجن نکلنے لگی اور ہلکی سی سی سی کی سی آواز آنے لگی۔

اور تب، اگرچہ اس کا کوئی جواز نہیں تھا، اولگ نے اپنے اس ہاتھ سے جس سے ابھی ابھی اس نے ٹونٹی کو گھمایا تھا زویا کے اس ہاتھ کی کلائی کو جس سے اس نے آکسیجن کا غبارہ نہیں تھاما ہوا تھا، اپنی گرفت میں لے لیا۔
وہ نہ تو چونکی نہ حیران ہوئی صرف غبارے کو پھولتے ہوئے دیکھتی رہی۔
کوسٹوگلوتوف کا ہاتھ کلائی سے اوپر کی طرف حرکت کرنے لگا۔ اس کی کہنی تک پہنچا، پھر بازو تک اور پھر اس سے بھی اوپر کاندھے تک۔
یہ تمہیدی چھیڑ چھاڑ کچھ زیادہ لطیف اور نازک تو نہیں تھی۔ لیکن ان دونوں کے لیے ضروری تھی۔ یہ اس بات کی آزمائش تھی کہ انھوں نے ایک دوسرے کے لفظوں کو صحیح طور پر سمجھا ہے یا نہیں؟ پتہ چلا کہ انھوں نے ٹھیک ہی سمجھا تھا۔
وہ اپنی دو انگلیوں سے اس کے بالوں کو چھیڑنے لگا۔ اس نے نہ احتجاج کیا نہ سمٹی، بس غبارے کو دیکھتی رہی۔

اس نے اس کے دونوں کاندھوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا، اس کے سارے جسم کو اپنی طرف کھینچا اور بالآخر اس کے ہونٹوں تک رسائی حاصل کر لی۔ ان ہونٹوں تک جو اس پر کئی بار مسکرائے تھے، جن سے ہمیشہ چہچہاہٹ برستی تھی۔

ان کے ہونٹ ملے۔ زویا کے ہونٹ کھلے نہیں تھے۔ وہ نہ نرم تھے نہ شوخ۔ وہ تنے ہوئے پر اشتیاق اور آمادہ تھے، جس کا فوراً ہی اسے احساس ہو گیا تھا ایک لمحہ پہلے اسے یاد نہیں آتا تھا کب، وہ یہ بھول گیا تھا کہ سبھی ہونٹ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ سبھی بوسوں کی کیفیت ایک جیسی نہیں ہوتی اور ایک بوسہ اپنی قدر و قیمت میں سو بوسوں کے برابر ہو سکتا ہے۔

اس نے پہلے ہلکا سا بوسہ لیا۔ پھر جیسے وہ ایک دوسرے سے چمٹتے گئے، ایک

دوسرے میں مدغم ہوتے گئے اور بوسے طول پکڑتے گئے۔ کوئی چیز اس شغل میں حائل نہیں ہو سکتی تھی اور نہ اسے ختم کرنے کی کسی کو کوئی ضرورت ہی محسوس ہوئی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہونٹ پیوست کیے ہمیشہ اسی طرح رہ سکتے تھے۔

لیکن کچھ دیر کے بعد، غالباً دو صدیوں کے بعد، ان کے ہونٹ الگ ہوئے، اولگ نے زویا کو پہلی بار دیکھا اور اسے اس کے ہونٹوں سے یہ لفظ نکلتے سنائی دیے۔

"جب تم میرا بوسہ لے رہے تھے تو تم نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں؟"

کیا اس نے واقعی اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں؟ اسے پتہ نہیں تھا، اسے مطلق احساس نہیں تھا۔

"کیا تم اپنے تصور میں کسی اور کو لانے کی کوشش کر رہے تھے؟"

جس طرح کوئی غوطہ خور جلدی جلدی اپنا سانس درست کر کے پھر سمندر میں کود جاتا ہے تاکہ جو موتی سمندر کی تہہ میں چھپا ہوا ہے اسے ڈھونڈ کر نکال لائے، وہ پھر ایک دوسرے کے بوسے لینے لگے لیکن اس مرتبہ کوستوگلوتوو کو احساس ہو گیا کہ اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں اور اس نے انھیں کھول لیا۔ وہ ایک دوسرے کے قریب تھے، ناقابلِ اعتبار حد تک قریب۔ کوستوگلوتوو نے اس کی دو چمپئی اور قریب قریب غائر آنکھوں کی طرف دیکھا اور اس کی ہر آنکھ نے الگ الگ اس کی دونوں آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اپنے پُر اعتماد اور تجربہ کار ہونٹوں سے اس کے بوسے لے رہی تھی اور اس کے ہونٹ ذرا بھی ڈھیلے نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ اپنے پاؤں پر تھوڑا سا جھول بھی رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں متواتر جھانک رہی تھی، شاید یہ جاننے کے لیے کہ مقدّر نے اس کے لیے کیا طے کیا ہے؟

یکایک اس کی آنکھیں گھوم سی گئیں۔ وہ یکایک اس سے الگ ہو گئی اور پکاری "ٹونٹی! میرے خدا ٹونٹی!" کوستوگلوتوو کا ہاتھ فوراً ہی آگے بڑھا اور اس نے جلدی جلدی ٹونٹی بند کر دی۔

یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ غبارہ پھٹا نہیں۔

"تم نے دیکھا بوسہ بازی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے!" زویا نے کہا۔ ابھی اس کا سانس درست نہیں ہوا تھا اور وہ رک رک کر بول رہی تھی۔ اس کے بالوں کی لٹیں بکھری ہوئی تھیں اور اس کی ٹوپی ٹیڑھی ہو گئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زویا کی بات بالکل ٹھیک تھی لیکن اس کے ہونٹ آپس میں پھر مل گئے جیسے وہ ایک دوسرے کا رس بالکل نچوڑ لینا چاہتے ہوں۔

غلام گردش کا دروازہ شیشے کا تھا۔ آس پاس سے گزرتا ہوا کوئی بھی شخص ان کی اٹھی ہوئی بھنویں دیکھ سکتا تھا لیکن کسے پروا تھی۔

جب اولگ کا سانس کسی قدر درست ہوا تو اس نے اسے غور سے دیکھا، اور اس کی گردن کا پچھلا حصہ چھو کر کہا "پھولدار درخت۔ تمھارا اصلی نام یہی ہے پھولدار درخت"

اس نے اپنے ہونٹوں سے یہی بات دہرائی "پھولدار درخت؟ بہت ٹھیک۔ کیوں نہیں!"

"کیا تمھیں اس سے تشویش نہیں کہ میں جلا وطن ہوں، مجرم ہوں؟"

"نہیں" اس نے اپنا سر زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔

"یا یہ کہ میں بوڑھا ہوں؟"

"بوڑھا!"

"یا یہ کہ میں بیمار ہوں"

زویا نے اپنی پیشانی اس کے سینے سے لگا لی اور خاموش کھڑی رہی۔ اس نے اُسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ قریب تر، اور قریب تر "تم واقعی اشترک آؤ گی نا؟ ہم شادی کریں گے، ہم ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے۔"

ایسا نظر آتا تھا کہ وہ اسے ایک ایسا تسلسل اور استحکام دے رہا ہے جس سے وہ اب تک محروم تھی۔ ایک ایسا تخلیقی استحکام جو اس وقت شروع ہوتا ہے جب سرشاری کا وہ لمحہ، جب کپڑے کمرے میں ادھر ادھر بکھرے پڑے ہوتے ہیں، گزر چکا ہوتا

ہے۔ وہ اس کے ساتھ بھنچی ہوئی تھی اس کا رحم تک اس کا قرب محسوس کر رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی: کیا وہ اسی شخص سے ملے گا؟ کیا واقعی یہی وہ شخص ہے؟

اس نے کسی قدر اونچا اٹھ کر اپنے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیے اور ایک بار اور اس سے چمٹ گئی "پیارے اولک" اس نے کہا "کیا تم جانتے ہو کہ یہ انجکشن کیا کر دیتے ہیں؟"

"نہیں۔ آخر یہ کیا کر دیتے ہیں؟" اس نے اپنے رخساروں کو اس کے رخساروں کے ساتھ رگڑتے ہوئے کہا۔

"وہ..... اب میں کیسے بتاؤں؟..... ان کا سائنسی نام ہے تبادلۂ افراز۔ اس عمل کا نتیجہ الٹا ہوتا ہے۔ عورتوں میں مردانہ تولیدی زیرہ بڑھ جاتا ہے اور مردوں میں زنانہ تولیدی زیرہ۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اس سے ثانوی رسولیاں پیدا ہونی بند ہو جاتی ہیں لیکن اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواہش دب جاتی ہے۔ سمجھے؟"

"کیا کہا؟ کیا بالکل؟" اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ اس سے تھکن اور خوف ظاہر ہوتا تھا۔ اب اس نے اس کے کاندھے اس طرح پکڑ لیے جیسے سچ جاننے کے لیے اس پر زور ڈال رہا ہو "مجھے بتاؤ، سچ سچ بتاؤ"

"ان سے جنسی قوت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے یہی ہوتا ہے زیادہ انجکشن لگنے سے تو یہ تک ہوتا ہے کہ عورتوں کے داڑھیاں اگنے لگتی ہیں اور مردوں کے پستان ابھرنے لگتے ہیں۔"

"ذرا ٹھہرو یہ سب کیا ہے؟" اولک گرجا۔ اس پر صداقت کا انکشاف ہونے لگا تھا "تمہاری مراد انہی انجکشنوں سے ہے جو وہ اب مجھے دے رہے ہیں۔ کیا وہ سب کچھ دبا دیتے ہیں؟"

"خیر، سب کچھ تو نہیں۔ آرزو تو کئی دن بعد تک باقی رہتی ہے۔"

"آرزو سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

اس نے اس کی آنکھوں میں سیدھا دیکھا اور اس کے بالوں کے گچھے کو چھیڑتے

ہوئے کہا "آرزو سے مراد وہی ہے جو اس وقت تم میرے لیے محسوس کر رہے ہو۔"

"تو خواہش تو رہتی ہے لیکن صلاحیت نہیں۔ یہی ہے نا؟" وہ بالکل گم صم ہو گیا۔

"صلاحیت رفتہ رفتہ کمزور پڑتی ہے اور کچھ خواہش تک باقی نہیں رہتی" وہ اس کے زخم کے نشان پر انگلی پھیرنے لگی اور اس کے گال کو تھپتھپانے لگی "یہی وجہ ہے کہ میں نہیں چاہتی کہ تم انجکشن لگواؤ۔"

"کتنی احمقانہ بات ہے" وہ اب سنبھل گیا تھا۔ اپنے قد کو پوری طرح اونچا کر کے اس نے کہا "یہ واقعی حماقت ہے۔ مجھے خود محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ کوئی مذموم چال چل رہے ہیں۔"

وہ ان ڈاکٹروں کو جو لوگوں کی زندگیوں سے اس طرح کھیل رہے تھے، گالی دینا چاہتا تھا، ہر قسم کی مغلظات بک دینا چاہتا تھا لیکن یکایک اسے گدگاریٹ کا درخشاں اور خود اعتماد چہرہ نظر آیا۔ اسے یاد آیا کہ کل وہ اسے اتنی گرم جوشی اور دوستانہ لہجے میں بتا رہی تھی "یہ انتہائی ضروری ہیں۔ ان پر تمھاری زندگی کا انحصار ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ تمھاری زندگی بچ جائے۔"

یہ رہی وینگا کی بات۔ وہ اس کے لیے وہی کر رہی تھی جو اس کے خیال میں بہترین تھا۔ کیا واقعی وہ اسی انجام کی طرف اس کو دھکیل رہی تھی؟

تو تمھارا حشر یہ ہونے جا رہا ہے! یہی نا؟ اس نے بھینگے پن سے زویا کی طرف دیکھا۔

نہیں، وہ اسے قصوروار کیوں ٹھہرائے۔ وہ جانتی تھی کہ ..... کے بغیر زندگی کسی کام کی نہیں۔ اپنے تمنا آفریں اور تابناک ہونٹوں کے ساتھ وہ اسے پہاڑ پر گھسیٹ کر لے گئی تھی۔ وہ ان تابناک ہونٹوں کے ساتھ وہاں کھڑی تھی اور جب تک اس کے دل میں امنگ موجود ہے اسے ان ہونٹوں کو چومنا چاہیے اور جلدی سے جلدی۔

"کیا تم میرے کوئی ایسا انجکشن لگا سکتی ہو جس کا نتیجہ بالکل الٹا ہو؟"

"وہ مجھے نکال باہر کریں گے"

لیکن کیا ایسے کوئی انجکشن ہیں جو ایسا کر دیں؟"

"ہاں ہیں۔ ایسے انجکشن جن کا ذیرۂ تولید ہم جنس ہو۔"

"ماہ روسنو! آؤ کہیں چلیں ...."

"ہم اب بھی کہیں پہنچ گئے ہیں۔ اپنی منزل پر آگئے ہیں۔ اب ہمیں لوٹنا چاہیے۔"

"آؤ ڈاکٹروں کے کمرے میں چلیں۔ چلو تو۔"

"نہیں ہم یہ نہیں کر سکتے۔ وہاں اردلی ہے۔ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں خاص طور پر شام کے وقت....."

"ہم رات تک انتظار کر سکتے ہیں...."

"اولک! ہمیں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ تم تو ایسے ہو رہے ہو جیسے کل ہوگا ہی نہیں"

"کیسا کل؟ ہو سکتا ہے کہ کل تک میری آرزو ہی مر جائے، لیکن ایسا ہوگا نہیں۔ تمھارا شکریہ زویا۔ میں اپنی خواہش کو مرنے نہیں دوں گا۔ کیوں نا؟ آؤ اب کوئی اور بات سوچیں، آؤ اب کہیں چلیں"

"اولک پیارے! کوئی بات مستقبل پر بھی چھوڑ دینی چاہیے۔ جلدی نہ کرو... ہمیں غبارے کو واپس لے جانا ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ غبارہ لے جانا ہے۔ آؤ اب غبارے کو واپس لے چلیں"

"ہاں اب ہم غبارے کو واپس لے چلیں گے۔"

"اب واپس لے چلیں...."

وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ نہیں بلکہ غبارہ پکڑ رکھا تھا جو اب فٹ بال کی طرح پھول گیا تھا، غبارے کے ہر ہچکولے کے ساتھ انھیں محسوس ہوتا تھا کہ انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے رکھا ہے۔ سیڑھیوں کے اوپر زرد، سوکھا، سڑا مریض اپنے بستر پر بیٹھا تھا۔ رات دن لوگ اس کے پاس سے گزرتے رہتے، مریض اور صحت مند، سب اپنے اپنے کام میں مگن۔ وہ اپنے تکیوں کے سہارے بیٹھا تھا۔ اس نے کھانسنا بند کر دیا تھا اور اپنی پیشانی کو اپنے گھٹنوں پر اس

طرح مار رہا تھا جیسے وہ کوئی دیوار ہوں ۔ وہ اب بھی زندہ تھا لیکن اس کے آس پاس کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔

شاید یہ دن اس کی زندگی کا آخری دن ہو۔ اولک کا بھائی اور پڑوسی، ہمدردی کا بھوکا بے یار و مددگار لیٹا تھا۔ اگر اولک اس کے بستر کے پاس بیٹھ جائے اور رات وہاں گزار دے تو بہت ممکن ہے اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں اسے کچھ تسکین مل جائے لیکن انھوں نے صرف اتنا کیا کہ آکسیجن کا غبارہ اسے دے کر آگے چل دیے۔ اس قریب المرگ آدمی کے غبارے میں آخری بار ہوا بھرنا صرف ایک بہانہ تھا کہ وہ کسی کونے میں اکٹھے ہوں اور ایک دوسرے کے بوسوں کی لذت چکھیں ۔

ایک ایسے آدمی کی طرح جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو، اولک زویا سے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ وہ اب اس قریب المرگ آدمی کی بات نہیں سوچ رہا تھا جسے وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دو ہفتے پہلے اس کی بھی یہی حالت تھی اور چھ ماہ بعد پھر ہو سکتی تھی ۔اب وہ اس لڑکی، اس عورت کی بات سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ چلنے کے لیے کس طرح آمادہ کرے ۔

وہ قریب قریب بھول چکا تھا کہ اس کی لذت کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میٹھے درد کی لذت جب غیر متوقع طور پر ایک بار اور ملے گی تو اور بھی لطف ملے گا، ہونٹوں کا رس اتنا چوسنا کہ وہ سوج جائیں ۔اس کا سارا جسم پھر سے جوان ہو رہا تھا۔

۱۹۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ

ہر شخص اپنی ماں کو "ممی" کہہ کر مخاطب نہیں کرتا، بالخصوص اجنبیوں کے سامنے۔ پندرہ اور تیس کے درمیان کی عمر کے "لڑکے" یہ لفظ استعمال کرنے سے خاص طور پر شرماتے ہیں لیکن وارڈم، بورس اور یوری ژنسر کو اپنی ممی سے کبھی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب ان کا باپ زندہ تھا تو وہ سب اپنی ماں سے محبت کرتے تھے۔ جب ان کے باپ کو گولی ماردی گئی تو وہ اس سے اور بھی محبت کرنے لگے۔ ان کی عمروں کا فرق بہت کم تھا اس لیے وہ ہم عمروں کی طرح پروان چڑھے۔ سکول میں اور گھر پر چونکہ وہ ہمیشہ مصروف رہتے تھے اس لیے عام لڑکوں کی طرح انھوں نے گلیوں میں آوارہ گردی نہیں کی۔ اپنی بیوہ ماں کو انھوں نے کبھی تشویش کا موقع نہیں دیا۔ ایک بار جب وہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے تو ان کی ماں کے ساتھ ان تینوں کا فوٹو لیا گیا تھا۔ بعد میں موازنے کے لیے ایک اور فوٹو لیا گیا۔ پھر یہ ایک اصول سا بن گیا کہ ہر دو سال کے بعد ان کا فوٹو اتروایا جانے لگا (بعد میں وہ یہ فوٹو اپنے ہی کیمرے سے اتارنے لگے)، ساری تصویریں یکے بعد دیگرے خاندانی البم میں لگا دی جائیں۔ ماں اور تین بیٹے، ماں اور تین بیٹے۔ ماں کا رنگ صاف تھا لیکن اس کے تینوں بیٹے کسی قدر سانولے تھے۔ اس کا باعث غالباً وہ غلام ترک تھا جس نے بہت مدت پہلے ان کی پردادی سے جو زپروزے کی ایک کورسک لڑکی تھی، شادی کی تھی۔ اجنبیوں کے لیے کئی بار یہ بتانا مشکل ہو جاتا کہ مشترکہ فوٹو میں کون کون ہے۔ ہر فوٹوگراف میں بچوں کے قد نمایاں طور پر بڑھتے گئے اور وہ توانا تر بھی نظر آنے لگے لیکن ماں کی عمر میں جو اضافہ ہو رہا تھا وہ کچھ اتنا نمایاں نہیں تھا۔ وہ کیمرے کے سامنے تن کر کھڑی ہوتی جس طرح اس نے زندگی بسر کی تھی اس پر اسے ناز تھا۔

وہ ایک ڈاکٹر تھی اور قصبے میں اس کی بہت شہرت تھی۔ اس کی خوش اطواری کے باعث لوگ اس کے احسان مند تھے اور اپنی احسان مندی کا اظہار کرنے کے لیے اسے مٹھائیاں اور گلدستے پیش کرتے رہتے تھے۔ اگر اس نے کوئی اور کارنامہ نہ بھی سرانجام دیا ہوتا تو ایک عورت کی حیثیت سے اس کے پندار کی تسکین کے لیے یہی کافی تھا کہ اس نے اپنے بیٹوں کی اتنے اچھے طریقے سے تربیت کی۔ ان تینوں نے ایک ہی پولی ٹیکنک میں تعلیم حاصل کی تھی۔ سب سے بڑے نے جیالوجی پڑھی تھی۔ منجھلے نے الیکٹرک انجینئرنگ اور سب سے چھوٹے نے حال ہی میں ترکیبی انجینئرنگ کا کورس پورا کیا تھا اور ماں اسی کے ساتھ رہتی تھی۔

واڈم کی بیماری کی خبر جب اسے ملی تو وہ وہیں تھی۔ گزشتہ جمعرات وہ اسے دیکھنے کے لیے روانہ ہونے ہی والی تھی لیکن سنیچر کے دن اسے ڈونٹسووا کا تار ملا کہ اس کے بیٹے کے لیے گداختہ سونے کی ضرورت ہے۔ اتوار کے روز اس نے واپسی تار دیا کہ وہ اس سونے کی دستیابی کے لیے ماسکو جا رہی ہے۔ سوموار سے وہ ماسکو ہی میں تھی۔ کل کا دن اور آج کا دن اس نے وزیروں اور دوسرے اہم لوگوں تک رسائی حاصل کرنے میں صرف کیا ہوگا۔ یہ گزارش کرنے کے لیے کہ اس کے بیٹے کے شہید باپ کے نام پر ریاستی ریزرو سے تھوڑا سا سونا دے دیں۔ (جب ان کے قصبے پر دشمن کا قبضہ ہوا تھا تو اسے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ ایک ایسے دانشور کا بھیس بھرنے کے لیے جو سوویٹ اقتدار کا شاکی تھا لیکن جرمنوں کو پتہ چل گیا تھا اور انھوں نے اسے اس الزام میں گولی مار دی تھی کہ وہ گوریلوں کا ساتھی تھا۔)

اس قسم کی تگ و دو واڈم کو پسند نہیں تھی اور دور بیٹھے ہوئے بھی اسے بری محسوس ہو رہی تھی۔ کسی بھی قسم کی سلسلہ جنبانی اسے پسند نہیں تھی۔ نہ اسے یہ پسند تھا کہ دوستوں سے مطلب برآری کی جائے اور نہ یہ کہ سابقہ خدمات کا صلہ مانگا جائے۔ ممی نے ڈونٹسووا کو جو سفارشی تار دیا تھا وہ بھی اس کے دل پر بوجھ بنا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن وہ اس کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ مراعات سے فائدہ

اٹھایا جائے، اس صورت میں بھی جب اسے کینسر سے موت کا سامنا تھا۔ لیکن جب اس نے ڈونٹسیوا کو مصروفِ کار دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اگر اس کی ماں کا تار نہ بھی آتا تو بھی لڈمیلا افانسیوونا اس پر اتنا ہی وقت اور اتنی ہی توجہ صرف کرتی۔ اتنا ضرور تھا کہ اس صورت میں گداختہ سونے کے لیے تار بھیجنا شاید ضروری نہ سمجھا جاتا۔

اگر ممی کو سونا مل گیا تو وہ یہاں اڑ کر پہنچے گی اور نہ ملا تو بھی اڑ کر ہی پہنچے گی۔ آئے گی بہر حال۔ اس نے اسے برچ کے دمبل کے سلسلے میں لکھا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ فوراً ہی ایمان لے آیا تھا بلکہ اس لیے کہ اس طرح اس کی ماں کو کچھ اور کارِ خیر کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ اگر اسے واقعی جوش آ گیا تو اپنے طبی علم اور اعتقادات کے باوجود استیکل کے اتائی سے ملنے اور جڑی حاصل کرنے پہاڑوں تک پہنچ جائے گی۔ راولک کوسٹوگلوٹوو کل اس کے پاس آیا تھا اور یہ اعتراف کیا تھا کہ ایک عورت کو خوش کرنے کے لیے اس نے جڑی کی کاپیاں پھینک دیا۔ بہرحال یہ کچھ زیادہ تھا بھی نہیں اور بوڑھے اتائی کا ایڈریس اس نے اسے دے دیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ بوڑھا اتائی اس وقت تک گرفتار ہو چکا ہے تو کچھ دمبل اس کے پاس گھر میں اب بھی محفوظ ہے جس میں سے کچھ وہ واڈم کو دے دے گا) اپنے سب سے بڑے بیٹے کی بیماری کے باعث ممی کی جان عذاب میں تھی۔ وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھی۔ وہ تک جو ضروری نہیں تھا۔ وہ واڈم کے ساتھ شریک رقص تک ہونے کے لیے تیار تھی اگرچہ اس کے لیے اس کی محبوبہ کا لنگا موجود تھی۔

اپنی بیماری کے بارے میں واڈم کو جو کچھ پتہ چلا تھا، پڑھ کر یا کہیں سے سن سنا کر اس کی بنا پر اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کی بیماری اس کی ممی کی ضرورت سے زیادہ نگہداشت اور احتیاط کا نتیجہ ہے۔ بچپن سے ہی اس کی ٹانگ پر ایک بڑا سا نشان تھا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کی ممی کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ یہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ وہ اُسے رگڑنے اور چھیڑنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتی تھی اور ایک بار تو اس نے اصرار کیا تھا کہ اس کا کسی ڈاکٹر سے آپریشن کرانا چاہیے۔ یہ ایک ایسی بات تھی جو کبھی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

اگرچہ قدرت نے اس کے خلاف سزائے موت کا جو حکم صادر کیا تھا، اس کے لیے ممی ہی ذمہ دار تھی لیکن اس سے اسے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ نہ اس کے منہ پر اس کے خلاف کوئی بات کہنے کے لیے تیار تھا، نہ اس کے پیٹھ پیچھے۔ نتائج کو بہت زیادہ اہمیت دینا صحیح نہیں ہوتا۔ یہ صحیح نہیں کہ صرف نتائج ہی کی بنا پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کی جائے۔ بہتر انسانی طریقہ یہ ہے کہ ان کی نیتوں کو سامنے رکھا جائے۔ اس کی ماں سے جو غلطی ہوئی تھی اس کی بنا پر اس سے برہمی ناجائز تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے کام میں اس سے رکاوٹ پیدا ہوئی تھی، مواقع اس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے لیکن کام کی لگن تو درکنار، اور کچھ بھی نہ ہوتا اگر واڈم خود وجود میں نہ آیا ہوتا اور اسے وجود میں اس کی ماں ہی لائی تھی۔

آدمی کے دانت ہوتے ہیں، وہ دانت پیستا ہے، کسمساتا ہے اور جیاتا ہے لیکن پودوں کو دیکھو۔ ان کے دانت نہیں ہوتے۔ وہ بڑھتے ہیں اور پرسکون طور پر مر جاتے ہیں۔

واڈم نے اپنی ماں کو تو معاف کر دیا لیکن حالات کو وہ معاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی شخصیت کے تقاضوں کو خیرباد کہنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس کے لیے دانت پیستا ناگزیر تھا۔

یہ مردود بیماری اس کی زندگی میں حائل ہو گئی تھی، اس نے ایک نازک موقعے پر اسے کچل کر رکھ دیا تھا۔

سچ یہ ہے کہ بچپن ہی سے اسے ایک طرح کا وسوسہ تھا کہ دھرتی پر اس کا قیام مختصر ہوگا۔ اگر کبھی مہمان یا پڑوس کی عورتیں گھر میں آجاتیں اور گپ شپ سے اس کا اور اس کی ممی کا وقت ضائع کرتیں تو وہ بے چین ہو جاتا۔ سکول یا کالج میں جب طلبا کو اس نظریے کے مطابق کہ وہ ہمیشہ ہی دیر سے پہنچتے ہیں، پڑھائی، سیر و تفریح یا کسی مظاہرے میں شرکت کے لیے وقت معینہ سے ایک یا دو گھنٹے پہلے طلب کر لیا جاتا تو وہ غصے سے پاگل ہو جاتا، ریڈیو پر آدھ گھنٹے کا خبرنامہ واڈم کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ ضروری اور اہم خبریں تو پانچ ہی منٹ میں بیان کی جا سکتی تھیں۔ باقی سب حشو و زوائد تھا۔ وہ یہ سوچ کر پاگل ہو جاتا کہ جب بھی وہ کسی دکان پر جاتا تھا بسا اوقات وہ بند ہی ملتی تھی۔ کبھی مال کی فہرست تیار کرنے

کے لیے بھی نئے مال کی وصولی کے لیے۔ یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ دکان کب بند ملے گی اور کب کھلی۔ گاؤں کی کونسل یا ڈاک خانہ کام کے اوقات میں بھی کسی بھی وقت بند مل سکتا تھا اور پچیس کیلومیٹر کے فاصلے سے یہ قیاس کرنا ناممکن تھا کہ وہ بند ہے یا کھلا۔

وقت کے معاملے میں اتنا حریص اسے اس کے باپ ہی نے بنایا تھا۔ اسے بھی بے عملی پسند نہیں تھی۔ واڈم کو یاد تھا کہ اس کا باپ اسے اپنے گھٹنوں پر بٹھا کر کہا کرتا تھا "واڈکا! اگر تم نے یہ نہ سیکھا کہ منٹ کیسے بچایا جاتا ہے تو تم گھنٹے گنواؤ گے اور پھر ساری عمر..."

لیکن صرف اتنا ہی نہیں تھا۔ بچپن ہی سے وقت کی ناقابل تسکین بھوک اس کی سرشت کا حصہ تھی اور اس میں صرف اس کے والد ہی کی تربیت کو دخل نہیں تھا جب بھی وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل سے اکتا جاتا تو فوراً ہی وہاں سے چل دیتا۔ کھیل بند کرنے کے بعد یونہی وہاں کھڑے رہنا اسے پسند نہیں تھا۔ اس کے دوست اس کی عجلت پسندی کا مذاق اڑاتے لیکن وہ اس کی مطلق پروا نہ کرتا۔ اگر کوئی کتاب اسے بے لطف محسوس ہوتی تو وہ فوراً ہی اسے پھینک دیتا اور کوئی دلچسپ تر کتاب ڈھونڈ لیتا۔ اگر کسی فلم کے ابتدائی سین کچھ احمقانہ ہوتے (بھلا کوئی پہلے ہی سے کیسے جان سکتا ہے کہ فلم کیسی ہوگی، فلم والے اس بات کو عمداً چھپاتے ہیں) تو اس کی پروا نہ کرتے ہوئے کہ پیسہ ضائع ہو رہا ہے وہ اپنی سیٹ چھوڑ کر وہاں سے چل دیتا تاکہ وقت کی بچت ہو اور اس کا دماغ پراگندہ نہ ہو۔ اسے ان استادوں سے بڑی بیزاری ہوتی تھی جو کلاس میں دس منٹ تک بولتے رہتے اور پھر بھی وضاحت کرنے میں ناکام رہتے۔ یا تو ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہتے اور یا سب کچھ گڈمڈ کر دیتے اور گھر کے لیے وہ کام تب بتاتے جب گھنٹی بج چکی ہوتی۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کہ ان کا ایک شاگرد ایسا بھی ہے جس نے یہ منصوبہ ان سے کہیں بہتر طور پر وضع کر رکھا ہے کہ وقفے کا استعمال کس طرح کیا جائے۔

غالباً اپنے بچپن ہی میں، خواہ شعوری طور پر نہ سہی، اسے مبہم طور پر احساس ہو گیا تھا کہ اس کے سر پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔ اپنی تمام بے خبری کے باوجود وہ شروع ہی سے اپنی ٹانگ کے اس نقصان کی زد میں تھا۔ بچپن ہی سے وہ وقت بچانے کا عادی تھا اور بخل کی یہ عادت

دیکھا دیکھی اس کے بھائیوں میں بھی پیدا ہو گئی تھی۔ سکول جانے سے پہلے ہی وہ ایسی کتابیں پڑھنے لگا تھا جو بڑوں کے لیے ہوتی ہیں اور جب وہ ساتویں درجے میں تھا تو اس نے گھر پر ایک کیمیائی لیبارٹری قائم کر لی تھی۔ وہ ہمہ وقت آنے والی رسولی کے مقابلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا، لیکن بہر حال اس کا دشمن سب کچھ دیکھ رہا تھا اور جب اس کی زندگی کا بہترین لمحہ تھا، اس دشمن نے اسے ڈنک مار دیا۔ یہ بیماری نہیں تھی ایک سانپ تھا۔ اس کا نام بھی سانپ جیسا ہی تھا: کالا سرطان۔

واڈم کو یہ تک پتہ نہیں تھا کہ یہ کب شروع ہوا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ایک مہم کے سلسلے میں الطائی کے پہاڑوں میں تھا۔ اس کی ٹانگ کا نشان سخت ہونے لگا اور پھر اس میں درد ہونے لگا۔ یہ ایک پھوڑے کی طرح پھوٹ گیا اور ایسا نظر آنے لگا کہ وہ صرف ایک پھٹ رہا ہے۔ لیکن بعد میں وہ پھر سخت ہو گیا۔ اس میں کپڑوں کی رگڑ سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ آخر واڈم کے لیے چلنا پھرنا ناممکن ہو گیا۔ لیکن اس نے نہ تو اپنی ممی کو لکھا اور نہ اپنا کام ہی چھوڑا۔ وہ اپنے ایک نظریے کی تائید میں پہلی بار ایسے ثبوت جمع کر رہا تھا جنھیں ماسکو پہنچانا ضروری تھا۔

ان کی مہم کا مقصد گرم تاب پانی کی تحقیق تھا اور انھیں جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ شامل نہیں تھا کہ کچی دھات کے ذخائر کے بارے میں بھی تجسس کریں، لیکن واڈم نے، جو اپنی عمر کے مقابلے میں کہیں زیادہ پڑھا لکھا تھا اور کیمسٹری میں تو جس میں سبھی ماہرین ارضیات کو مہارت ہرگز نہیں ہوتی، اور بھی خصوصی علم رکھتا تھا، یا تو یہ اندازہ لگا لیا یا وہبی طور پر محسوس کر لیا کہ خام دھات کے ذخائر کا پتہ لگانے کے ایک نئے طریقے کی ابتدا ہو رہی ہے۔ مہم کے لیڈر نے واڈم کے کام کے اس رجحان میں مداخلت شروع کر دی، اس کے لیے ان ہدایات کی پابندی ضروری تھی جو اسے دی گئی تھیں۔

واڈم نے مطالبہ کیا کہ اسے کام کے سلسلے میں ماسکو بھیجا جائے لیکن لیڈر نے انکار کر دیا۔ تب واڈم نے اپنی رسولی دکھائی۔ اسے بیماری کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور وہ کلینک پہنچا جہاں اس کی بیماری کی نوعیت کا پتہ چلا اور فوراً ہی اسے بستر علالت پر لیٹنے کا حکم مل گیا۔ اگرچہ

اسے بتایا گیا تھا کہ اس کی بیماری ایسی ہے جس کے معالجے میں کسی قسم کی تاخیر کی گنجائش نہیں لیکن وہ داخلے کا سرٹیفکیٹ لے کر ہوائی جہاز سے ماسکو پہنچ گیا تاکہ چیر نگوروڈ نشوو سے جو اس وقت ایک کانفرنس میں شرکت کر رہا تھا، ملاقات کر سکے۔ واڈم چیر نگوروڈ نشوو سے پہلے کبھی ملا نہیں تھا، اس نے صرف اس کی درسی کتاب اور دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ لوگوں نے اسے متنبہ کر دیا تھا کہ چیر نگوروڈ نشوو ایک فقرے سے زیادہ سننے کا روادار نہیں ہوگا یہ فیصلہ کہ کسی سے گفتگو کی جانی چاہیے یا نہیں، وہ اس کے ایک ہی فقرے سے کر لیا کرتا تھا۔ واڈم نے ماسکو تک کا پورا سفر اپنا ایک فقرہ تیار کرنے میں صرف کیا۔ چیر نگوروڈ نشوو سے اس کا تعارف اس وقت کرایا گیا جب وہ وقفے کے دوران کینٹین کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے اپنا ایک فقرہ داغ دیا۔ چیر نگوروڈ نشوو کینٹین سے پلٹ پڑا اور اس کی کہنی پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ جو بات چیت ہوئی وہ واڈم کو کافی گہری اور پر جوش لگی۔ یہ پانچ منٹ تک جاری رہی اور کافی پُرپیچ تھی۔ اس نے اپنی تحریر جلدی جلدی پڑھی اور جو سوالات اس سے پوچھے گئے ان کا ایک بھی نقطہ اس نے نظر انداز نہیں کیا۔ اس نے اپنے تبحر علمی کا ثبوت تو پیش کیا لیکن اپنے نظریے کی تفصیلی طور پر اس نے وضاحت نہیں کی کیونکہ اپنے بنیادی راز کو وہ اپنے ہی پاس رکھنا چاہتا تھا۔ چیر نگوروڈ نشوو نے اعتراضات کی بارش کر دی۔ اس کے تمام اعتراضات سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ گرم تاب پانی کچی دھاتوں کے ذخائر کا براہ راست ثبوت نہیں اور اسے تحقیقات کی بنیاد بنانا بے سود ہوگا لیکن جو کچھ اس نے کہا اس کے باوجود وہ بظاہر اس کے لیے آمادہ نظر آتا تھا کہ اسے کسی اور طریقے سے قائل کیا جائے۔ اس نے ایک منٹ توقف کیا کہ واڈم اسے قائل کرنے کے لیے کوئی اور ثبوت پیش کرے گا لیکن جب وہ ایسا نہ کر سکا تو اس نے اسے رخصت کر دیا۔

واڈم کو ایسا محسوس ہوا کہ ایک طرف جہاں وہ التائی کے پہاڑوں میں سنگریزوں کے درمیان اس مسئلے کے حل کے لیے ثبوت فراہم کرنے میں اپنے طور پر مصروف تھا وہاں دوسری طرف ساری ماسکو انسٹی ٹیوٹ اسی مسئلے میں منہمک تھی۔

اس وقت اس سے زیادہ کی توقع اسے کتنی بھی نہیں۔ اس کے لیے ضروری تھا

کہ اب وہ حقیقی کام کرے۔

ہسپتال میں داخلے کا مسئلہ بھی اس کے سامنے تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنی ممی کو بھی اعتماد میں لے لیا۔ وہ اگر چاہتا تو نووچرکاسک جا سکتا تھا لیکن اس نے اسی جگہ کو ترجیح دی کیونکہ یہ جگہ اس کے عزیز پہاڑوں کے قریب تھی۔

ماسکو میں اسے گرم تاب پانی اور کچی دھاتوں کے ذخائر ہی کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوئیں، اسے یہ بھی پتہ چلا کہ جن لوگوں کو کالا سرطان ہو جاتا ہے وہ مرجاتے ہیں ـــــ بلا استثنا۔ وہ ایک سال شاذونادر ہی زندہ رہتے تھے، عام طور پر تو آٹھ ہی ماہ میں کھیل ختم ہو جاتا تھا۔

وہ ایک ایسا متحرک وجود بن گیا جس میں قریب قریب بجلی کی سی تیزی آ گئی تھی۔ اس کا وقت اور اس کے جسم کے اجزائے ترکیبی دوسرے لوگوں سے مختلف بن گئے۔ وقت کا اب مفہوم ہی بدل گیا تھا۔ برس اب ہفتوں میں سمٹ رہے تھے اور دن منٹوں میں جلدی تو اس نے زندگی بھر کی تھی لیکن اب وہ واقعی دوڑ رہا تھا۔ اگر ساٹھ برس کی پرسکون زندگی مل جائے تو ایک احمق بھی سائنس میں ڈاکٹر بن سکتا ہے لیکن صرف ستائیس برس میں کوئی کیا کر سکتا ہے؟

لرمونتوف[1] کی عمر بھی ستائیس ہی برس تھی۔ لرمونتوف بھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔ واڈم کو علم تھا کہ اس کی شباہت لرمونتوف سے کچھ ملتی ہے۔ دونوں ہی پست قامت تھے، دونوں ہی کے بال بالکل کالے تھے، دونوں ہی تپلے دبلے تھے، دونوں ہی نرم و نازک تھے اور دونوں ہی کے ہاتھ چھوٹے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ واڈم کے مونچھیں نہیں تھیں، پھر بھی لرمونتوف دنیا میں اپنی یاد چھوڑ گیا۔ سو دو سو برس کے لیے نہیں ہمیشہ کے لیے۔

واڈم ایک دانشور تھا۔ اسے اس نہج کی زندگی بسر کرنے کا فارمولا تلاش کرنا تھا

---

[1] مائیکل لرمونتوف ۱۸۱۴ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۱ء میں انتقال کر گیا۔ وہ روس کا عظیم ترین رومانی مصنف تھا اور دو بدو جنگ میں مارا گیا تھا۔

کہ موت کا چیتا اس کے پلنگ کے قریب ہی دبکا بیٹھا ہے اور اسے اس کے ساتھ ایک پڑوسی کی طرح رہنا ہے۔ وہ اپنے باقی ماندہ مہینے اس طرح بسر کرنا چاہتا تھا، انھیں اس طرح یارآور بنانا چاہتا تھا کہ وہ صرف مہینے نہ رہیں۔ اسے موت کا اپنی زندگی کے ایک نئے اور غیر متوقع عنصر کی حیثیت سے تجزیہ کرنا پڑا اور تجزیے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ اس حقیقت کا خوگر بننے لگا ہے۔ اسے اپنے وجود کے جزو کی طرح قبول کرنے لگا ہے۔

استدلال کا غلط ترین طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی یوں سوچنے لگے کہ اس کی کون کون سی توقعات باطل ہونے لگی ہیں۔ آدمی یہ سوچنے لگے کہ اگر وہ زیادہ دیر تک زندہ رہتا تو کتنی مسرت حاصل کرسکتا تھا، کیا کچھ حاصل کرسکتا تھا؟ صحیح انداز نظر یہ تھا کہ آدمی ان حقایق کو تسلیم کرے جو شماریات سے ثابت ہوگئے ہیں، جو بتاتے ہیں کہ کچھ آدمی جوانی میں ضرور مرتے ہیں اور مریں گے۔ آدمی جوانی میں مرتا ہے تو لوگوں کے ذہن میں ہمیشہ ہی جوان رہتا ہے۔ اگر مرنے سے پہلے وہ درخشانی سے جلے تو وہ ہمیشہ کے لیے درخشاں رہتا ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں کی سوچ بچار سے واڈم نے ایک اہم نکتہ دریافت کیا تھا جو بظاہر متناقض نظر آتا تھا۔ ایک ذہین آدمی کے لیے ایک، ایسے آدمی کے مقابلے میں جو ذہانت سے محروم ہے 'موت کو سمجھنا اور قبول کرنا نسبتۃً آسان ہے، اگرچہ زیاں خسارے میں وہی رہتا ہے۔ ذہانت سے محروم شخص طویل زندگی ضرور پالیتا ہے لیکن جیسا کہ اپیکیورس نے کہا ہے ایک احمق کو اگر دوامی زندگی مل بھی جائے تو اسے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس کا کیا کیا جائے۔

یہ تصور کرنا یقیناً دل فریب تھا کہ اگر کسی طرح وہ تین یا چار برس اور جی سکے تو جس رفتار سے موجودہ دور میں سائنسی دریافتیں ہو رہی ہیں، کالے سرطان کا کوئی نہ کوئی علاج کبھی ضرور ڈھونڈ لیا جائے گا لیکن واڈم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بحالی صحت اور طویل زندگی کے خواب دیکھنا بالکل چھوڑ دے گا۔ اس بے سود قیاس آرائی میں تو وہ اپنے اوقات شبانہ بھی ضائع نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے دانت بھینچ کر سخت محنت کرے گا اور خام معدنیات کے انکشاف کا نیا طریقہ عوام کے لیے وراثت میں چھوڑ جائے گا۔

اس طرح وہ اپنی قبل از وقت موت کی تلافی کر دے گا۔ اسے امید تھی کہ وہ مرے گا۔

تو مطمئن مرے گا۔

اپنی عمر کے پورے چھبیس برس میں اس کے لیے سب سے زیادہ اطمینان سب سے زیادہ تسکین، سب سے زیادہ خوشگواری کا باعث یہ احساس تھا کہ وقت مفید طور پر صرف ہو رہا ہے۔ اپنے آخری ماہ بسر کرنے کا سب سے دانشمندانہ طریق بھی اس کے نزدیک یہی تھا۔ اپنی بغل میں کتابیں دبائے ہوئے جب واڈم' وارڈ میں آیا تو کام کی اسی لگن سے سرشار تھا۔

وارڈ میں داخل ہوتے وقت اس کا خیال تھا کہ وہاں جس دشمن کا سب سے پہلے اسے سامنا ہوگا وہ ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر ہوں گے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ پوری طرح تیار تھا۔ ان کے مقابلے میں وہ ہر حربہ استعمال کرنے کے لیے تیار تھا، قانونی بھی اور غیر قانونی بھی۔ اس کا خیال تھا کہ پہلے وہ اپنے پڑوسیوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ قائل نہ ہوئے تو تاریں سوئی چبھو کر اسے بیکار بنا دے گا اور اگر ضرورت پڑی تو دیوار سے لگا اس کا کھٹکا ہی توڑ ڈالے گا۔ لاؤڈ سپیکر جنھیں کسی عمومی سبب کے باعث ہمارے ملک میں تہذیب کے پھیلاؤ کا مظہر سمجھا جاتا ہے، دراصل تہذیبی پس ماندگی کی علامت ہیں اور ذہنی کاہلی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ واڈم لوگوں کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتا تھا لیکن وہ انھیں ایسا قائل شاذ و نادر ہی کر پاتا تھا۔ مسلسل شور و شر، ایسی اطلاعات جن کے جاننے کی تم نے کبھی خواہش نہیں کی اور ایسی موسیقی جس میں تمھاری پسند کو کوئی دخل نہیں اور جو تمھارے اس وقت کے موڈ سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتی، وقت کا زیاں ہے۔ یہ ذہن کو منتشر اور ناکارہ بناتا ہے۔ کاہل الوجود لوگوں کے لیے یہ کتنا ہی خوشگوار ہو لیکن بدائت پسند لوگوں کے لیے یہ ناقابل برداشت ہے۔ اپیکیورس کے دوامی زندگی والے احمق کے لیے اس زندگی کو برداشت کرنے کا واحد طریقہ غالباً یہی ہوگا کہ وہ ریڈیو سنتا رہے۔

لیکن واڈم جب وارڈ میں داخل ہو چکا تو اسے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی ریڈیو نہیں تھا۔ پہلی منزل میں واقعی کوئی ریڈیو نہیں تھا۔ اس فروگزاشت کا باعث یہ تھا کہ کئی برس سے یہ منصوبہ بنایا جا رہا تھا کہ کلینک کو ایک نئی اور بہتر جگہ منتقل کر دیا جائے گا جہاں ہر جگہ نشریات کو پھیلانے والے آلے لگے ہوں گے۔

واڈم کو جس دوسرے دشمن کا ڈر تھا وہ تاریکی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ کھڑکیاں اس کے پلنگ سے میلوں دور ہوں، بتیاں بہت دیر بعد روشن کی جائیں اور بہت جلد بجھا دی جائیں لیکن ذرا خدل ڈیومکا نے اس کے لیے کھڑکی کے قریب ہی جگہ نکال دی اور پہلے ہی دن سے واڈم نے یہ شعار بنا لیا کہ وہ جلدی سو جاتا، صبح سویرے جاگ پڑتا اور دن کے ابتدائی پرسکون گھنٹے اپنے کام میں گزار دیتا۔

تیسرا امکانی دشمن وارڈ کے لوگوں کی بات چیت کا شور تھا لیکن پتہ چلا کہ یہ بھی کچھ زیادہ نہیں۔ مجموعی طور پر واڈم کو یہ ماحول پسند آیا بالخصوص اس لیے کہ یہ پرسکون تھا، شور و شر سے مبرا۔

وہاں جتنے بھی لوگ تھے ان میں نفیس ترین اس کے خیال میں اگن بردیو تھا۔ وہ اپنا بیشتر وقت خاموشی میں بسر کرتا تھا۔ صرف کسی رزمیاتی ہیرو کی طرح مسکراتا رہتا، اپنے موٹے موٹے ہونٹوں کو پھیلاتا رہتا۔

مرسالیمووا اور احمد جان بھی کافی نفیس قسم کے لوگ تھے جو کسی کے کام میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ وہ آپس میں ازبک زبان میں گفتگو کرتے تو واڈم کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ گفتگو پرسکون اور متین لہجے میں کرتے تھے۔ مرسالیموو تو بالکل ایک بوڑھا رشی نظر آتا تھا۔ واڈم پہاڑوں میں ایسے اور لوگوں سے بھی ملا تھا۔ صرف ایک مرتبہ ان دونوں میں اختلاف پیدا ہوا تھا اور کافی گرما گرمی ہو گئی تھی۔ واڈم نے ان سے کہا کہ وہ ترجمہ کر کے اسے بتائیں کہ جھگڑا کس بات پر ہو رہا ہے۔ پتہ چلا کہ مرسالیموو کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ لوگ اپنے نام کے پہلے حصے کو بگاڑنے لگے ہیں اور کئی لفظوں کو ملا کر ایک نام بنا لیتے ہیں۔ اس کا فیصلہ تھا کہ صحیح اور مصدقہ پہلے نام صرف چالیس ہیں، وہی جو پیغمبر ہمارے لیے چھوڑ گیا ہے۔ باقی سب نام غلط ہیں۔

احمد جان ایسا شخص نہیں تھا جو کوئی گڑبڑ پیدا کرے۔ اس سے کہا جاتا تو وہ ہمیشہ اپنی آواز نیچی کر لیتا۔ ایک بار واڈم نے اسے اَلیوتکی[1] قبیلے کے متعلق کچھ کہانیاں سنائیں جن سے

---

[1] ایک چھوٹا سا قبیلہ جو بحر آرکٹک کے ساحل پر رہتا ہے۔

اس کا ذہن جگمگا اٹھا۔ وہ دو دن تک ان کے ناقابلِ قیاس طرزِ زندگی کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ بار بار اس کے پاس آتا اور پوچھتا "ارے ہاں وہ ایونکی۔ وہ یونیفارم کس قسم کی پہنتے ہیں۔"

داڈم اسے مختصر سا جواب دے دیتا اور احمد جان کئی گھنٹے کے لیے خیالات میں ڈوب جاتا لیکن پھر وہ اٹک اٹک کر پھر پوچھتا "ان لوگوں کا ٹائم ٹیبل کیا ہوتا ہے؟ میری مراد ہے ایونکی قبیلے کے لوگوں کا؟"

اور اگلی صبح اس نے پوچھا "ارے ہاں وہ ایونکی۔ ان کے کارِ مفوضہ کیا ہیں؟"

یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایونکی "من مانے ڈھنگ سے زندگی بسر کرتے ہیں۔"

سبکاٹو بھی خاموش اور مہذب تھا۔ کبھی کبھی وہ وارڈ میں احمد جان کے ساتھ ڈرافٹ کھیلنے آجاتا تھا۔ ظاہر تھا کہ اس کی کوئی خاص تعلیم نہیں تھی لیکن وہ یہ ضرور سمجھتا تھا کہ زور زور سے بولنا آداب کے خلاف ہے اور غیر ضروری بھی ہے۔ اگر کبھی احمد جان سے اس کی بحث بھی ہو جاتی تو اس کا لہجہ نرم ہوتا تھا۔ "تمھیں یہاں حقیقی انگور نہیں ملتے، حقیقی تربوز بھی نہیں ملتے۔"

"تو پھر حقیقی تربوز اور حقیقی انگور کہاں ملتے ہیں؟" احمد جان نے گرم ہو کر پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ کریمیا میں اور کہاں؟ کاش تم نے انھیں دیکھا ہوتا۔ ۔ ۔ ۔"

ڈیومکا بھی اچھا لڑکا تھا۔ وہ بیکار باتونی نہیں تھا۔ اپنے وقت کو سوچنے اور مطالعے میں صرف کرتا تھا۔ وہ دنیا کو سمجھنا چاہتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے چہرے پر ذہانت کی درخشانی نہیں تھی۔ جب بھی کوئی اجنبی خیال اس کے دماغ میں داخل ہوتا تو وہ کسی قدر آزردہ دکھائی دینے لگتا۔ مطالعہ اور ذہنی کام اس کے لیے آسان ہرگز نہیں تھا لیکن یہ بھی تو بسا اوقات ہوتا ہے کہ لوگ محنت اور مشقت کے بل پر ہی روشنی کے مینار بن جاتے ہیں۔

داڈم کو روسانوو پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ زندگی بھر ایک ٹھوس کارکن

رہا تھا اگرچہ وہ ان لوگوں میں نہیں تھا جو دنیا کو منور کر جاتے ہیں۔ اس کی آراء بنیادی طور پر صحیح تھیں لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ انھیں ایک ایسے انداز میں کس طرح پیش کرے جو قدرے لچکیلا ہو۔ وہ انھیں ایسے انداز میں بیان کرتا تھا جیسے اس نے انھیں رٹ رکھا ہو۔

کوسٹوگلوٹوو شروع شروع میں واڈم کو پسند نہیں تھا۔ اسے وہ کچھ گنوار سا لگا تھا اور ضرورت سے زیادہ بلند آہنگ بھی۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ صرف اس کا ظاہر ہے۔ وہ حقیقت میں گستاخ اور متکبر نہیں تھا اور معاملہ فہمی کا بھی اہل تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اس کی زندگی میں کافی ناخوشگواری رہی تھی جس نے اسے چڑچڑا بنا دیا تھا۔ اس کے مزاج میں تھوڑی سی کجی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہی اس کی ناکامیوں کا باعث ہے اس کی بیماری اب کچھ ٹھیک ہو رہی تھی۔ اس کی زندگی بھی ٹھیک ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ وہ اپنی توجہ کو مرتکز کر سکتا۔ یہ فیصلہ کر سکتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس کی بنیادی خامی عدم ارتکاز تھا۔ اس کا پتہ اس بات سے چلتا تھا کہ وہ اپنا وقت ادھر ادھر گھومنے میں صرف کر دیتا تھا۔ وہ بے مقصد باغ میں گھومتا رہتا اور سگریٹ پیتا رہتا۔ وہ کوئی کتاب اٹھاتا بھی تو فوراً ہی رکھ دیتا اور وہ لڑکیوں کے پیچھے بھی بہت بھاگتا تھا۔ سرسری نظروں نے بھی یہ بھانپ لیا تھا کہ اس میں اور زویا میں کچھ معاملہ ہے اور اس میں اور گنگارٹ بس بھی۔ وہ دونوں ہی نفیس لڑکیاں تھیں لیکن واڈم کے دل میں، جو اب موت کی سرحد میں تھا، لڑکیوں کا پیچھا کرنے کی کوئی آرزو نہیں تھی۔ گالکا مہم میں اس کے ساتھ تھی اور اس سے شادی کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ لیکن واڈم کو اب شادی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اب وہ اس کے ہاتھ آنے سے رہا۔

اب وہ کسی کے بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

یہ قیمت تو ادا کرنی ہی پڑتی ہے۔ اگر ایک جذبہ پوری شدت سے تم پر طاری ہو جائے تو کسی اور جذبے کے لیے گنجائش نہیں چھوڑتا۔

جس شخص سے واڈم کو واقعی پریشانی ہوتی تھی۔ وہ پوڈوالیو تھا۔ وہ ایک یاوہ گو شخص تھا۔ وہ قوی الجثہ تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹوٹ گیا ہے۔ مذہبی باتیں

بھی بہت بتاتا تھا جو واڈم کے نزدیک طالسطائیانہ یاوہ گوئی تھی ۔ واڈم کے لیے دماغ کو چاٹنے والی ان دیومالائی کہانیوں کو ماننا مشکل تھا کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ مروت اور محبت سے پیش آیا جائے ، ایثار کو فرض مان لیا جائے اور ہر وقت اس کا منتظر رہا جائے کہ ہر ایرے غیرے کی کوئی مدد کی جاسکے ۔ اس قسم کی مبہم صداقتیں واڈم کے جوانی کے جوش اور جوانی کی بے صبری کے منافی تھیں ، اس جذبے کے منافی تھیں کہ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جائے ۔ اس نے پُرعزم فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو منتشر نہیں کرے گا ، ڈگمگائے گا نہیں اور اپنی قوم اور نوع بشر کے فائدے کے لیے صرف ایک ہی سورمائی کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کردے گا ۔

لہٰذا جب پوڈدایو کو ڈسچارج کیا گیا اور سرمئی بالوں والے فیڈیرا نے اس کے پلنگ پر قبضہ جمایا تو واڈم کو کافی مسرت ہوئی ۔ فیڈیرا خاموش طبع تھا ، وارڈ بھر میں سب سے زیادہ خاموش طبع ۔ وہ دن دن بھر ایک بھی لفظ منہ سے نہ نکالتا ۔ صرف لیٹا لیٹا محزوں سے انداز میں ادھر ادھر دیکھتا رہتا ۔ ایک عجیب وغریب شخص ۔ واڈم کے لیے وہ ایک آدرش پڑوسی تھا ۔ بہرحال پرسوں یعنی جمعہ کے دن اسے آپریشن کے لیے لے جایا جاتا تھا ۔

ہاں ، خاص طور پر وہ خاموش ہی رہتے تھے لیکن آج وہ بیماری کے بارے میں بات چیت کرنے لگے ۔ فیڈیرا نے اسے بتایا کہ وہ کیسے بیمار پڑا اور کس طرح گردن توڑ بخار سے مرتے مرتے بچا ۔

"کیا تمھیں چوٹ آگئی تھی ؟"

"نہیں مجھے سردی لگ گئی تھی ۔ ایک دن مجھے ضرورت سے زیادہ گرمی لگ گئی اور جب وہ مجھے فیکٹری سے گھر لے گئے تو میرا سر پھٹ رہا تھا ۔ مجھے گردن توڑ بخار ہو گیا تھا ۔ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا ۔"

اس نے اپنی کہانی پرسکون لہجے میں سنائی اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی ۔ اپنے المیے کی خوفناکی پر اس نے مطلق زور نہیں دیا ۔

"تمھیں اتنی زیادہ گرمی کیسے لگ گئی تھی ؟" واڈم نے پوچھا ۔ اپنی کنکھیوں سے وہ یہ

سوال پوچھتے ہوئے بھی پڑھ رہا تھا۔ وقت اڑ رہا تھا۔ بیماری کی بات چیت چلتی ہے تو ہسپتال کے وارڈ میں سننے والے ضرور مل جاتے ہیں۔ فیڈیرا نے دیکھا کہ روسانوو کمرے کے اس پار سے اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آج اس کے بشرے پر نسبتہً نرمی تھی۔ لہٰذا فیڈیرا نے اپنی کہانی اس طرح سنائی کہ وہ بھی سن لے۔

" ہوا یہ کہ بائلر میں حادثہ ہوگیا تھا۔ کام کافی پیچیدہ تھا۔ اگر مرمت کرنے سے پہلے ساری اسٹیم خارج کی جاتی اور بائلر کو ٹھنڈا کیا جاتا تو سارا دن لگ جاتا چنانچہ ورکس منیجر نے رات کے وقت کال بھیج کر مجھے بلوا لیا اور کہا " فیڈیرا! ہم نہیں چاہتے کہ سب کام رک جائے۔ ٹھیک ہے نا؟ تم اپنا حفاظتی سوٹ پہن لو اور اسٹیم میں داخل ہو جاؤ۔ ٹھیک ہے؟ " بہت اچھا " میں نے کہا " اگر کسی کو کرنا ہی ہے تو کرنا ہی پڑے گا۔ یہ جنگ سے پہلے کی بات ہے۔ شیڈول بڑا سخت تھا اور اسے پورا کرنا ضروری تھا۔ میں اسٹیم میں داخل ہوا اور بائلر کی مرمت کر دی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا کام تھا...... میں بھلا انکار کیسے کرتا، فیکٹری کی اعزازی فہرست میں میرا نام ہمیشہ چوٹی پر ہوتا تھا۔"

روسانوو نے جو یہ کہانی سن رہا تھا، اس کی طرف تائیدی انداز میں دیکھا " ایک کارنامہ جو میرے خیال میں ایک بولشویک کے لیے وجہ ناز ہو سکتا ہے " اس نے تبصرہ کیا۔

" میں پارٹی کا ممبر ہوں " فیڈیرا نے اس کی طرف مسکرا کر پھر دیکھا۔ اس بار مسکراہٹ میں پہلے سے بھی زیادہ نرمی اور حلیمی تھی۔

" تمھارا مطلب ہے کہ تم تھے " روسانوو نے اس کی بات کی اصلاح کی (تم لوگوں کو ذرا سی تھپکی دو اور یہ اینٹھ جاتے ہیں)

" میں اب بھی ہوں " فیڈیرا نے نرمی سے کہا۔

روسانوو اس موڈ میں نہیں تھا کہ دوسرے لوگوں کی زندگیوں کا تجزیہ کرے، ان سے دلیل بازی کرے اور انھیں ان کی حیثیت جتائے۔ اس کی اپنی زندگی بھی کافی المناک تھی لیکن جب اس نے یہ بالکل ہی احمقانہ بات سنی تو روک لگانا ضروری ہو گیا۔ ماہر ارضیات اپنی کتابوں میں گم تھا۔ روسانوو کی آواز کمزور اور مدھم تھی لیکن بالکل واضح۔ " وہ جانتا تھا کہ

سب لوگوں نے اپنے کان کھڑے کیے ہوئے ہیں اور اس کی بات سن لیں گے) اس نے کہا" یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ تم ایک جرمن ہو، کیا نہیں ؟"

" ہاں " فیڈیرا نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس حقیقت کے اعتراف سے اُسے کافی تکلیف ہو رہی تھی۔

" تو پھر ؟" (میں نے اچھی طرح وضاحت کر دی ہے، پھر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا) " تو جب تمھیں جلاوطن کیا گیا تو تمھارا پارٹی کارڈ تم سے لے لیا گیا ہوگا۔"

" نہیں۔ انھوں نے نہیں لیا " فیڈیرا نے سر ہلایا۔

روسانوو کا چہرہ تڑمڑ سا گیا۔ اس کے لیے گفتگو کرنا مشکل ہو رہا تھا" تو پھر ان سے غلطی ہوئی۔ وہ جلدی میں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب تم خود اسے واپس کر دو۔"

" نہیں، میں نہیں کروں گا"، فیڈیرا کافی شرمیلا آدمی تھا، لیکن اس مرتبہ اس نے اپنے پنجے گاڑ دیے" میرا کارڈ تیرہ۱۳ برس سے میرے پاس ہے۔ اس سلسلے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ ہمیں ڈسٹرکٹ کمیٹی کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور انھوں نے ہر بات کی وضاحت کر دی تھی" تم اب بھی پارٹی کے ممبر رہو گے، انھوں نے کہا تھا" لیکن ہم تم میں اور عوام میں امتیاز کر رہے ہیں۔ کمانڈر کے ریکارڈ میں اندراج اور بات ہے لیکن پارٹی کا معاملہ پارٹی کا معاملہ ہے۔ یہ بالکل الگ بات ہے۔ تمھیں کوئی اہم عہدہ نہیں دیا جائے گا لیکن ایک عام فرد کی حیثیت سے تمھیں مثال قائم کرنی ہوگی۔ بالکل یہی ہوا تھا۔"

" ہو سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا" روسانوو نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی آنکھیں بند کر لے۔ بات چیت مشکل ہوتی جا رہی تھی۔

پرسوں اسے جو انجکشن لگا تھا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کی رسولی نہ دبی تھی نہ نرم ہوئی تھی۔ وہ ایک آہنی کلے کی طرح اب بھی اس کی ٹھوڑی پر دباؤ ڈال رہی تھی۔ وہ نقاہت سے لیٹا تھا اور اس ہذیانی کیفیت کا تصور کر رہا تھا جو تیسرے انجکشن کے بعد اس پر طاری ہوگی۔ وہ اور کاپا اس پر متفق تھے کہ تیسرے انجکشن کے بعد اسے ماسکو جانا

چاہئے۔ لیکن اب بیماری سے جدوجہد کرنے کی اس کی ساری قوت زائل ہو گئی تھی۔ اسے اب پتہ تھا کہ مایوس العلاج ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ تین انجکشن لگیں یا دس، یہاں یا ماسکو میں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر رسولی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتی تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ رسولی کا لازمی مطلب موت نہیں تھا۔ وہ اس کی ہمیشہ کے لیے رفیق بن سکتی تھی۔ صرف اتنا ہوگا کہ اس کا چہرہ مسخ ہو جائے گا اور وہ اپاہج بن کر رہ جائے گا۔ بہرحال پیول نکولائے وچ نے اب تک رسولی اور موت میں براہِ راست تعلق قائم نہیں کیا تھا۔ یہ کل ہی کی بات ہے کہ بڈی چوس نے جس نے تمام طبی کتابیں پڑھ رکھی تھیں، کسی کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا کہ رسولی کس طرح سارے جسم میں زہر پھیلا دیتی ہے۔ لہٰذا اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

پیول نکولائے وچ نے اپنی آنکھوں میں چبھن سی محسوس کی۔ اسے احساس ہوا کہ موت کو بالکل ہی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ موت کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اسے ذہن میں تو رکھنا ہی پڑے گا۔

کل نچلی منزل میں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ ایک مریض جس کا آپریشن ہو چکا تھا، اس کا سر چادر سے ڈھانپ دیا گیا۔ اب وہ سمجھ گیا تھا کہ جب اردلی آپس میں گفتگو کرتے ہیں کہ "فلاں کا سر جلد ہی چادر سے ڈھانپا جانے والا ہے"، تو ان کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے! ہم ہمیشہ موت کو کالی کہتے ہیں لیکن کالا اس کا ابتدائیہ ہی ہے، موت بجائے خود سفید ہے۔

آدمی چونکہ فانی ہے، روسانوو ہمیشہ ہی سے یہ جانتا تھا کہ ایک دن اسے بھی اپنے دفتر کی چابیاں کسی کے حوالے کرنی پڑیں گی لیکن "کسی دن" اسی لمحے نہیں۔ وہ "کسی دن" مرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔ ڈرتا تو وہ اس سے تھا کہ ابھی مرنا پڑ جائے۔ موت کیسی ہوگی؟ بعد میں کیا ہوگا؟ اس کے بغیر زندگی کس نہج پر چلے گی؟

جب اس نے اپنی بامقصد اور سرگرم زندگی کا جیسی کہ وہ بسر کر رہا تھا، تصور کیا تو اسے اپنے پر رحم آنے لگا۔ اس زندگی کو قریب قریب پرشکوہ کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اب وہ رسولی کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا۔ یہ چیز اس کی زندگی میں اتنی اجنبی تھی کہ اس کا

ذہن اسے ناگزیر تسلیم کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

موت، سفید اور بے پروا ۔۔۔ ایک بے جسم اور خالی چادر، بڑی احتیاط اور دبے پاؤں سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے بے دھیانی میں روسانوو پر شب خون مار دیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کا اہل نہیں تھا بلکہ وہ اس کا بھی اہل نہیں تھا کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے، کوئی گفتگو کرے۔

موت کی اس طرح آمد خلافِ قانون تھی۔ ایسا کوئی ضابطہ یا ہدایات نہیں تھیں جن کی بنا پر وہ اپنا تحفظ کر سکتا۔

وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ اب اسے ایک معزز شہری کی حیثیت سے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وارڈ میں کیا ہو رہا ہے۔ لیبارٹری میں کام کرنے والی ایک لڑکی آج وارڈ میں انتخابی فہرست تیار کرنے آئی تھی (انتخاب کی تیاریاں یہاں بھی ہو رہی تھیں) وہ پاسپورٹ اکٹھے کر رہی تھی۔ ہر شخص نے اپنا پاسپورٹ یا مشترکہ کھیت کا سرٹیفکیٹ اس کے حوالے کر دیا۔ صرف کوسٹوگلوٹوو نے نہیں دیا۔ اس کے پاس تھا ہی نہیں۔ قدرتی تھا کہ لڑکی کو اس پر حیرت ہو۔ وہ پاسپورٹ کے لیے تقاضا کرتی رہی جس پر اس گستاخ شخص نے اس کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا۔ کہنے لگا تمھیں بنیادی سیاسی حقیقتوں کا علم ہونا چاہیے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جلاوطن مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ تم فلاں فلاں نمبر پر فون کر کے کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے، اسے اصولی طور پر ووٹ دینے کا حق ہے لیکن اگر بدترین صورتِ حال کا سامنا ہوا تو ووٹ نہیں بھی دے گا۔

آخر پول نکولائے وچ کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کلینک میں وہ چوروں کی ایک عجیب وغریب منڈلی میں پھنس گیا ہے۔ یہ وہی غنڈہ تھا جس نے بجلی بجھانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب چاہتا تھا، کھڑکی کھول لیتا تھا۔ بنجر دھرتی کا باسی بن کر اس نے سینیئر ڈاکٹر تک رسائی حاصل کر لی تھی اور یہاں تک جسارت کی تھی کہ اچھوتے اخبار کو روسانوو سے پہلے ہی کھول لیا تھا۔ پول نکولائے وچ نے ذہنی طور پر پہلی بار اس کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی وہی صحیح تھی۔ وہ واقعی اسی قسم کا آدمی تھا۔

پیول نکولائے وچ پر بے نیازی کی دھند چھاگئی۔ اب اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بڑی چوس کو بے نقاب کر سکے۔ اب تو چوروں کی اس پوری منڈلی سے بھی اسے کوئی کراہت نہیں ہو رہی تھی۔

چادر کا سرا اس کے سامنے ناچ رہا تھا۔

لابی سے ادلی نیلا کی گڑگڑاتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سارے کلینک میں ایسی آواز اسی کی تھی۔ وہ کوئی بیس میٹر کے فاصلے سے کوئی سوال پوچھ رہی تھی اور اس کے لیے اسے اپنی آواز کو اونچا کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ "اری سنو! یہ پیٹنٹ چمڑے کے جوتے تم نے کتنے میں خریدے ہیں؟"

جواب سنائی نہیں دیا لیکن نیلا کی آواز پھر سنائی دی "اری! اگر جوتوں کی ایسی جوڑی میرے پاس ہو تو سارے عاشق مزاج لڑکوں کو اپنی طرف کھینچ لوں۔"

دوسری لڑکی کو اس پر اعتبار نہیں آیا اور نیلا خود بھی قریب قریب اس سے متفق ہونے لگی "اری ہاں! پہلی بار جب میں نے نائیلون کے موزے پہنے تب بھی میں نے ایسا ہی محسوس کیا تھا۔ میں واقعی ان پر عاشق ہو گئی تھی لیکن سرگئی نے ماچس کی تیلی پھینک کر ان میں سوراخ کر دیا۔ حرامی کہیں کا۔"

وہ ایک برش لیے ہوئے وارڈ میں آئی "بہت اچھا دوستو! مجھے بتایا گیا ہے کہ کل فرش کو خوب دھویا گیا تھا اور رگڑ رگڑ کر صاف کیا گیا تھا اس لیے آج ایک ہی برش مارنا کافی ہوگا ٹھیک ہے نا۔" اسے کوئی بات یاد آگئی "میرے پاس تمھارے لیے ایک خبر ہے" اس نے فیڈیرا کی طرف اشارہ کر کے خوشدلی سے کہا "کل جو وہاں تھا وہ اپنی دکان بڑھا گیا ہے۔ جو کھانا پینا تھا، کھا پی چکا۔"

فیڈیرا طبعاً انتہائی متحمل المزاج تھا لیکن آج اس نے بے چینی سے اپنے کندھے سیکڑ لیے۔

نیلا جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سب کی سمجھ میں نہیں آیا۔ لہٰذا اس نے وضاحت کی "تم اس آتشک زدہ چہرے والے کو جانتے ہو۔ وہ جس کے ہر طرف پٹیاں ہی بندھی رہتی تھیں

یہ واقعہ کل ریلوے سٹیشن پر ہوا۔ بالکل ٹکٹ گھر کے نزدیک۔ ابھی ابھی اسے پوسٹ مارٹم کے لیے لائے ہیں۔"

"میرے خدا!" روسانووف نے مظلومانہ لہجے میں کہا۔ "کامریڈ اردلی! تمھیں کچھ تو سلیقہ آنا چاہیے۔ اتنی خوفناک خبریں کیوں پھیلاتی ہو؟ کیا تم کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتیں جس سے ہمیں خوشی ہو؟"

وارڈ میں ہر شخص خیالات میں ڈوب گیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یفریم موت کے بارے میں بہت گفتگو کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے اپنے انجام کی خبر ہے۔ وہ پلنگوں کے درمیان کے راستے پر کھڑا ہو کر اپنے دانت کٹکٹا کر کہا کرتا تھا۔ "ہمیں واقعی خوف ناک صورتِ حال کا سامنا ہے۔"

لیکن انھوں نے یفریم کو مرتے نہیں دیکھا تھا وہ کلینک سے چلا گیا تھا اور ان کے ذہنوں میں زندہ تھا۔ کوئی ایسا شخص ان کے ذہن میں نہیں تھا جو کل انہی کی طرح فرش پر چل پھر رہا تھا اور اب مردہ گھر میں قیمے کی طرح چھلا کٹا پڑا تھا۔

"اب میں تمھیں ایک ایسی بات بتاتی ہوں جسے سُن کر تم ہنس پڑو گے، تمھاری پسلیوں میں درد ہونے لگے گا۔ لیکن یہ ذرا مکروہ ہے....."

"بہت اچھا، ضرور سناؤ" احمد جان نے گزارش کی "ضرور سناؤ"۔

"ارے ہاں" نیلا کو کوئی اور بات یاد آ گئی "ارے خوبصورت لڑکے! تمھیں ایکسرے کے لیے بلا رہے ہیں۔ ہاں تمھیں کو" اس نے واڈم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

واڈم نے اپنی کتاب کھڑکی میں رکھ دی۔ بڑی احتیاط سے ہاتھوں کا سہارا لے کر اس نے اپنی دکھتی ٹانگ کو نیچے فرش پر رکھا اور اس کے بعد اپنی دوسری ٹانگ کو۔ اپنی دکھتی ٹانگ کے سلسلے میں وہ انتہائی محتاط تھا، فرش پر چلتے وقت وہ اچھا خاصا بیلے ڈانسر لگتا تھا۔

اس نے پوڈوایو کے بارے میں سن لیا تھا لیکن اس کے لیے اس کے دل میں کوئی

ہمدردی نہیں تھی۔ پوڈوالیو سماج کا کوئی قیمتی رکن نہیں تھا اور یہ شور وغل کرنے والی لڑکی بھی ایسی ہی تھی۔ آخر انسانی نسل کی قدر و قیمت تعداد پر نہیں بلکہ صلاحیت پر منحصر ہے۔ لیبارٹری والی لڑکی اخبار لے کر آ گئی۔

ہڈی چوس اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ اخبار جھپٹ لینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا۔

"مجھے دو مجھے دو" پیول نکولائیے وچ نے ہاتھ پھیلا کر نحیف آواز میں کہا۔

وہ اخبار لینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

عینک لگائے بغیر ہی وہ دیکھ رہا تھا کہ پہلا صفحہ بڑے بڑے فوٹوؤں اور جلی سرخیوں سے اٹا ہوا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھا، آہستہ آہستہ عینک لگائی اور دیکھا کہ جیسا کہ اسے امید تھی سپریم سوویٹ کا اجلاس ختم ہو گیا ہے۔ پہلے صفحے پر پریسیڈیم کا بھی فوٹو تھا اور ہال کا بھی۔ اہم قراردادیں بڑے بڑے ٹائپ میں تھیں۔ اتنے بڑے ٹائپ میں کہ چھوٹے چھوٹے پیراگرافوں کو غور سے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"کیا؟ کیا؟" پیول نکولائیے وچ اپنے تئیں قابو نہ پا سکا، اگرچہ وہاں وارڈ میں ایسا کوئی نہ تھا جو مخاطب بننے کا اہل ہو اور اخبار کی کسی خبر پر اتنی حیرت کا اظہار کرنا خوش اطواری نہیں تھی۔

پہلے کالم میں بڑے بڑے ٹائپ میں یہ درج تھا کہ وزرا کی کونسل کے چیئرمین جی، ایم، مالنکوف نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اسے اس کے فرائض سے سبکدوش کر دیا جائے اور سپریم سوویٹ نے اتفاق رائے سے اس درخواست کو قبول کر لیا ہے۔

تو جس اجلاس کے متعلق روسانوو کا خیال تھا کہ وہ صرف بجٹ ہی پاس کرے گا، اس کا انجام یوں ہوا ہے!

وہ کافی نقاہت محسوس کرنے لگا۔ اس کے ہاتھ لڑھک گئے اگرچہ اخبار اس نے اب بھی پکڑ رکھا تھا۔ آگے پڑھنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

اس کی کوئی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن اسے یہ احساس ضرور ہو گیا کہ حالات

بدل رہے ہیں، کچھ زیادہ ہی تیزی سے بدل رہے ہیں۔
یہ ایسا تھا کہ نیچے پاتال میں کسی زلزلے کی گڑگڑاہٹ ہو رہی ہے جس کی ہلکی سی جنبش سے سارا شہر، ہسپتال اور پیول نکولائے وچ کا پلنگ لرزنے لگا تھا۔
کمرے اور فرش کی گڑگڑاہٹ سے بے نیاز ڈاکٹر گنگارٹ نرم اور متوازن قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ اس نے نیا استری کیا ہوا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر اُمید افزا مسکراہٹ تھی اور ہاتھوں میں سرنج۔
"تو اچھا۔ انجکشن کا وقت ہو گیا۔" اس نے روسانوو سے پُراسرار لہجے میں کہا۔
کوستوگلوٹوو نے روسانوو کے قدموں میں سے اخبار جھپٹ لیا۔ اس نے بڑی خبر کی فوراً ہی نشاندہی کرلی اور اسے پڑھا۔
تب وہ کھڑا ہو گیا۔ بیٹھے رہنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔
خبر کا پورا مفہوم تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا لیکن اگر پرسوں انھوں نے پوری سپریم کورٹ بدل ڈالی تھی اور آج وزیر اعظم بدل دیا تھا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ تاریخ پیش قدمی کر رہی ہے۔
تاریخ آگے بڑھ رہی تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان سے حالات اور بھی خراب ہو جائیں؟
پرسوں اس نے اپنے اچھلتے ہوئے دل کو ہاتھوں سے تھام لیا تھا لیکن تب اس نے اُمید پرستی اور اعتماد سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔
لیکن دو دن گزر گئے تھے اور اب اس کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔ مریض سو رہے تھے۔ انھوں نے کچھ نہیں سنا۔ ویرا گنگارٹ بڑے سکون سے روسانوو کی نسوں میں دوائی داخل کر رہی تھی۔
اولک کمرے سے باہر بھاگ گیا، وہ باہر دوڑ رہا تھا،
باہر کھلے میں ——!

۲۰۔ ذکر اس پری وش کا

نہیں۔ ایمان اور اعتماد پر ایک مدت ہوئی اس نے اپنے دل کے دروازے بند کر لیے تھے۔ اب اس کی ہمت جواب دے چکی تھی۔

اپنی سزا کے صرف ابتدائی برسوں ہی میں قیدی اتنا خوش امید ہوتا ہے کہ ہر بار جب اسے اس کی کوٹھری سے بلایا جاتا ہے یا اسے اپنی چیزیں اکٹھی کرنے کو کہا جاتا ہے تو وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسے رہائی مل رہی ہے۔ معافی کی ہلکی سے ہلکی سرگوشی کو بھی وہ نجات دہندہ فرشتوں کے بول سمجھ لیتا ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اسے اس کی کوٹھری سے نکالا جاتا ہے۔ کچھ قابلِ نفرت قسم کے کاغذات پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور تب اسے نچلی منزل کی ایک اور کوٹھری میں دھکیل دیا جاتا ہے جو پہلی سے بھی زیادہ تاریک ہوتی ہے اور اس میں وہی گندی اور بدبودار ہوا ہوتی ہے۔ معافی ہمیشہ ملتوی ہوتی رہتی ہے، جشنِ فتح سے جشنِ انقلاب پر اور جشنِ انقلاب سے سپریم سوویٹ کے اجلاس پر۔ تب بلبلہ پھوٹ جاتا ہے۔ معافی اگر ملتی بھی ہے تو چوروں کو، جعلسازوں کو اور بھگوڑوں کو۔ انھیں نہیں جنھوں نے جنگ لڑی اور تکلیفیں اٹھائیں۔

قلبِ انسانی کے وہ خلیے جنھیں فطرت نے مسرت کے لیے بنایا ہے اگر مدت تک بے کار رہیں تو مر جاتے ہیں۔ انسان کے سینے میں وہ چھوٹی سی جگہ جو ایمان اور اعتماد کے لیے بنی ہے اگر برسوں تک خالی رہے تو برباد ہو جاتی ہے۔

وہ امید کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ وہ یہ تصور کرتے کرتے کہ اسے رہائی ملے گی اور

وہ گھر واپس جائے گا، تھک گیا تھا۔ اب وہ صرف اتنا چاہتا تھا کہ اسی خوبصورت جگہ میں واپس چلا جائے جہاں اسے جلاوطن کیا گیا تھا، اپنے حسین اشترک میں۔ ہاں وہ جگہ حسین ہی تھی۔ بات عجیب تھی لیکن اس ہسپتال سے، اس بڑے شہر سے، اس پر پیچ ضابطوں والی دنیا سے، جس سے سازگاری کرنے کا وہ اب اہل نہیں تھا یا جس کے لیے وہ تیار نہیں تھا، اسے اپنی جلاوطنی کی وہ چھوٹی سی جگہ حسین ہی نظر آتی تھی۔

اشترک کا مطلب ہے: تین درختِ جوز۔ یہ نام تین قدیم درختوں کے نام پر پڑا تھا جو دس کلومیٹر یا اس سے بھی زیادہ فاصلے سے نظر آ جاتے تھے۔ یہ درخت ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہیں۔ اس قسم کے عام درختوں کی طرح سیدھے نہیں بلکہ کسی قدر مڑے ہوئے۔ وہ قریب قریب چار سو برس پرانے ہوں گے۔ اپنے موجودہ قد تک پہنچنے کے بعد انھوں نے اور اونچا بڑھنا بند کر دیا اور ان کی شاخیں پہلوؤں کی طرف بڑھنے لگیں۔ اس طرح انھوں نے آبپاشی کی نہر کے آر پار سائے کا جال بُن دیا۔ کہا جاتا ہے کہ گاؤں میں پہلے ایسے درخت اور بھی تھے لیکن ۱۹۳۱ء میں انھیں کاٹ دیا گیا۔ اس قسم کے درخت اب وہاں جڑ نہیں پکڑتے، آباد کار چاہے کتنی ہی کوشش کریں۔ جیسے ہی وہ زمین سے سر نکالتے ہیں بکریاں انھیں کھا جاتی ہیں۔ صرف امریکی میپل ہی پنپ سکا ہے جو علاقائی پارٹی کمیٹی کے دفتر کے سامنے مرکزی سڑک پر کھڑا ہے۔

دھرتی پر وہ کون سی جگہ ہے جس سے زیادہ محبت کی جانی چاہیے؟ وہ جگہ جہاں تم رحمِ مادر سے باہر نکلے، ایک چیختے چلاتے بچے کی صورت میں جو کچھ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ نہ یہ کہ وہ کیا دیکھتا ہے اور نہ یہ کہ وہ کیا سن رہا ہے۔ یا وہ جگہ جہاں پہلی بار تم سے کہا گیا "بہت اچھا اب تم پہرے کے بغیر جا سکتے ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو۔

اپنی دونوں ٹانگوں پر۔ اپنا بستر اٹھاؤ اور چل دو۔"

آہ نصف آزادی کی وہ پہلی رات۔ کماندار چونکہ ابھی تک ان پر نظر رکھ رہا تھا اس لیے انھیں گاؤں کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن سیکیورٹی پولیس کی عمارت کے احاطے میں گھاس کے چھپر کے نیچے جہاں وہ چاہیں انھیں سونے کی اجازت تھی۔ وہ

رات انھوں نے چھپر میں گھوڑوں کے ساتھ گزاری جو رات بھر چپ چاپ کھڑے گھاس چباتے رہے۔ اس سے شیریں تر آواز کا تو تصور بھی ممکن نہیں۔

اولک نصف رات تک سو نہیں سکا تھا۔ احاطے کی سخت زمین چاندنی میں روشن ہیٹی تھی۔ وہ ایک سحر زدہ کی طرح اوپر تلے چلتا رہا۔ وہاں ایسے کوئی مینار نہیں تھے جن میں بیٹھ کر قیدیوں کی نگہبانی کی جاتی ہو۔ وہ پیٹھ کے بل زمین پر ٹھوکر کھا کے گرا، سر پیچھے کی طرف۔ اور چہرہ آسمان کی طرف، تو بھی اسے کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ وہ چل رہا تھا، یہ جانے بغیر اور یہ پروا کیے بغیر کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ پھر بھی وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے اسے ڈر ہو کہ تاخیر ہو رہی ہے۔ جیسے کل جب آئے گی تو وہ اس ذلیل دور دراز گانو میں نہیں بلکہ ایک کشادہ اور ظفر مند دنیا میں ہوگا۔ ابتدائی موسم بہار کی یہ گرم رات خاموش نہیں تھی۔ یہ ایک بڑے پر شور ریلوے سٹیشن کی طرح تھی جہاں انجن رات بھر ایک دوسرے کے جواب میں چیختے رہتے ہیں! حاطوں اور اصطبلوں میں گدھے رینکتے رہے اور اونٹ بلبلاتے رہے۔ ان کی آواز ترم کی سی تھی جس میں آرزو کی دھڑکن شامل تھی جو جذبۂ وصل کی ترجمانی کرتی تھی، زندگی کے تسلسل کے اعلان کی منظر تھی۔ یہ چیخ شور ایک گرج کے ساتھ اولک کے سینے میں جذب ہو گیا۔

کیا کوئی جگہ اس جگہ سے عزیز تر ہو سکتی ہے جہاں تم نے ایسی رات گزاری ہو؟

یہ وہی رات تھی جب اس کے سینے میں امید اور ایمان پھر سے جاگے۔ حالانکہ وہ قسم کھا چکا تھا کہ ایسا ہونے نہیں دے گا۔

کیمپوں کے تجربے کے بعد جلاوطنی کی اس دنیا کو بے رحم ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا، اگرچہ یہاں بھی زمانۂ آبیاری میں پانی حاصل کرنے کے لیے بالٹیاں سنبھال کر جنگ کرنا پڑتی تھی اور بہتوں کی تو ٹانگیں لہولہان ہو جاتی تھیں۔ جلاوطنی کی دنیا کہیں زیادہ کشادہ تھی اور یہاں رہنا کہیں زیادہ آسان تھا۔ اس میں بڑی وسعت تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کسی پہلو سے بے رحم تھی ہی نہیں۔ یہاں پودا لگانا اور اسے پالنا آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے کمانڈر کی چاپلوسی ضروری تھی مبادا وہ اسے ڈیڑھ سو

کیلومیٹر اور آگے ریگستان میں دھکیل دے۔ اسے سر ڈھانپنے کے لیے گھاس اور مٹی کی چھت ڈھونڈنا تھی اور مکانداری کو ادائیگی کرنا ضروری تھا حالانکہ اس کے پاس دینے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے کام ڈھونڈنا تھا لیکن گزشتہ سات برس میں وہ اتنی مشقت کر چکا تھا کہ اب بالٹی اٹھانے اور فصلوں کو پانی دینے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ اگرچہ گانو میں ایسی عورتیں موجود تھیں جن کے پاس مٹی کی دیوار کے گھر بھی تھے، کچن گارڈن بھی تھے گائیں تک تھیں اور وہ کسی بھی غیر شادی شدہ جلاوطن کو قبول کرنے کے لیے تیار تھیں۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ ایک خاوند کی حیثیت سے خود کو فروخت کر دے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی زندگی قریب قریب بسر ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس اس کے نزدیک تو زندگی کی ابھی ابتدا ہو رہی تھی۔

پیچھے کیمپوں میں قیدی ایسے لوگوں کی اندازاً گنتی کرتے رہتے تھے جو اُن کے نزدیک بیرونی دنیا میں پہنچ کر کھو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جونہی کسی شخص سے پہرہ ہٹتا ہے وہ اس عورت کا جس پر اس کی پہلی نظر پڑتی ہے، ہو جاتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ بیرونی دنیا میں ساری عورتیں تنہائی میں آہیں بھرتی رہتی ہیں اور مردوں کے سوا اور کسی چیز کے بارے میں سوچتیں ہی نہیں۔ لیکن یہاں گانو میں بے شمار بچے تھے اور عورتیں بنا ہر اپنی زندگی میں مگن تھیں۔ خواہ شادی شدہ عورتیں ہوں خواہ کنواری لڑکیاں، آسانی سے کسی مرد کے ساتھ نہیں جاتی تھیں۔ ان کا مطالبہ ہوتا تھا کہ پہلے عزت مندانہ طور پر ان سے شادی کی جائے اور ایک چھوٹا سا گھر بنایا جائے جسے سارا گانو دیکھ سکے۔ اخلاقی معیاروں اور رسم و رواج کے اعتبار سے اشترک میں اب بھی گزشتہ صدی کا ماحول تھا۔

اولگ پر سے پہرہ ہٹے اگرچہ کافی دیر ہو چکی تھی لیکن اب بھی وہ عورت کے بغیر ہی رہ رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ خاردار جنگلے کے پیچھے رہا کرتا تھا حالانکہ گانو میں خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں اور محنت کش لڑکیاں بھی۔

اس کی جلاوطنی کے حکم نامے میں لکھا تھا "دوامی طور پر" اور اولگ اپنے ذہن میں

اس پر قناعت کر چکا تھا کہ یہ جلا وطنی دوامی ہی ہو گی۔ اس کے ذہن میں اور آ بھی کیا سکتا تھا۔ پھر بھی اس کے اندر کوئی چیز ایسی تھی جو اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ یہیں شادی کر لے۔ بیریا کا تختہ الٹ چکا تھا اور وہ ایک کھوکھلے بت کی طرح خفیف سی جھنکار کے ساتھ زمین پر آ گرا تھا۔ ہر شخص کو توقع تھی کہ بڑی بڑی تبدیلیاں ہوں گی لیکن تبدیلیاں آہستہ آہستہ ہوئیں اور بہت کم۔ اولک نے پتہ چلا لیا کہ اس کی پرانی محبوبہ کہاں ہے ـــــ وہ کراسنویارسک میں جلا وطن تھی ـــــ اور ان میں خط و کتابت شروع ہو گئی۔ وہ اس لڑکی کو بھی خط لکھنے لگا جس سے لینن گراڈ میں اس کی واقفیت ہوئی تھی۔ وہ مہینوں اس امید سے چمٹا رہا کہ وہ یہاں آ جائے گی (لیکن لینن گراڈ کا کمرہ چھوڑ کر بھلا کوئی یہاں کے گھروندے میں کیسے آ سکتا تھا؟)

اس وقت تک اس کے رسولی نمودار ہو چکی تھی اور مسلسل اور ناقابل برداشت تکلیف سے اس کی زندگی پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ اب عورتیں اس کے لیے دوسرے لوگوں سے زیادہ کشش نہیں رکھتی تھیں۔ اولک جانتا تھا، جیسے ہر شخص جانتا ہے، اگرچہ تجربے کی بنا پر نہیں بلکہ صرف مطالعۂ کتب سے، کہ جلا وطنی جبر کا نام ہے (ورنہ تم ایسی جگہ رہ رہے ہوتے ہو جو تمھیں عزیز ہو اور نہ ایسے لوگوں کے ساتھ جن سے ملنے کی تمھیں آرزو ہو) لیکن اسے یہ بھی احساس تھا اور یہ احساس بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے کہ جلا وطنی آزادی بھی لاتی ہے شکوک سے آزادی، ذمہ داریوں سے آزادی۔ حقیقی بدنصیب وہ نہیں تھے جنھیں جلا وطن کر دیا گیا تھا، حقیقی بدنصیب وہ تھے۔۔۔

۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

جنھیں مردود دفعہ ۳۹[1] کے تحت مشروط پاسپورٹ دیے گئے تھے۔ یہ بدنصیب ہمہ وقت اپنی کوتاہیوں کے لیے خود کو کوستے رہتے تھے۔ ہمیشہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے تھے جہاں سر چھپا سکیں ہمہ وقت کام کی تلاش میں رہتے تھے اور ہر جگہ سے نکال دیے جاتے تھے۔ اس کے برعکس

---

[1] اس دفعہ کے ماتحت کیمپ کے سابق باسیوں پر یہ پابندی لگا دی جاتی تھی کہ وہ فلاں فلاں جگہ سے باہر نہ جائیں۔ اور صرف فلاں فلاں کام ہی کریں۔

قیدی جب جلاوطنی میں داخل ہوتا تھا تو اس کے جملہ حقوق محفوظ ہوتے تھے۔ وہ جگہ کا انتخاب کرتا ہی نہیں تھا پھر اسے نکالا کیسے جا سکتا تھا؟ اس کے لیے ہر چیز کا فیصلہ حکام ہی نے کر رکھا تھا۔ اسے اس کی کوئی تشویش نہیں تھی کہ وہ کسی بہتر جگہ رہنے کا موقع گنوا بیٹھا ہے یا یہ کہ اسے کسی بہتر ماحول کی تلاش کرنی چاہیے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے، اس کے لیے یہی واحد راستہ ہے۔ اس سے اس کے دل میں قناعت اور مگن رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔

اب اس کی صحت بحال ہونا شروع ہو گئی تھی اور ایک بار پھر اسے زندگی کی پیچیدہ گتھی کا سامنا ہو رہا تھا۔ وہ اس خیال سے مسرور تھا کہ اشترک نام کی ایک چھوٹی سی مقدس جگہ موجود ہے جہاں اس کے لیے کچھ سوچنا ضروری نہیں تھا۔ اس کے لیے سب سوچ بچار دوسرے ہی کرتے تھے۔ جہاں ہر چیز دو ٹوک تھی۔ جہاں قریب قریب اسے ایک شہری سمجھا جاتا تھا۔ وہاں جانا ایسا تھا جیسے وہ وطن جا رہا ہو۔ یہ وطن ہی تو ہوگا۔ تعلق کی زنجیریں اسے وہاں کھینچ رہی تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ وہ "اپنا وطن" کہہ کر پکارے۔

اشترک میں اولک نے جو برس بسر کیا اس کا تین چوتھائی علالت میں گزرا۔ وہ فطرت اور روزمرہ کی زندگی کو قریب سے نہیں دیکھ سکا تھا اور نہ ان سے کوئی مسرت ہی وہ حاصل کر سکا تھا۔ بیمار آدمی کو اچھوتی زمین کچھ زیادہ ہی گرد آلود نظر آتی ہے، سورج کچھ زیادہ ہی گرم لگتا ہے اور کچن گارڈن بھی جھلسا جھلسا معلوم ہوتا ہے اور اینٹ گارا ڈھونا اس کے لیے کچھ زیادہ ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔

لیکن اب جب وہ طبی مرکز کی پگڈنڈیوں پر جہاں درختوں کی کافی فراوانی تھی، لوگ تھے، رنگوں کی فراوانی تھی اور پختہ مکان تھے، ٹہل رہا تھا، زندگی اس کے اندر ترنم بجا رہی تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے بہار کے موسم میں وہ گدھے رینگتے تھے۔ وہ گہرے جوش میں تھا۔ اور اپنے تصور میں اشترک کی دنیا کا پھر سے نقشہ کھینچ رہا تھا، اس کی ہر معمولی اور حقیر سی تفصیل کے ساتھ۔ یہ حقیر دنیا اسے عزیز اس لیے تھی کہ یہ اس کی اپنی تھی، موت

تک اس کی اپنی، دوامی طور پر اس کی اپنی، باقی دنیا عارضی تھی کرائے کی۔

اسے اچھوتی دھرتی کا جوسن یاد آیا جس کی بو بہت تیز ہوتی تھی جیسے وہ اس کے اپنے وجود کا قریبی حصہ ہو۔ اسے جنطک یاد آیا جس کے کانٹے نوکیلے ہوتے تھے اور جنگل جو اور بھی زیادہ کانٹے دار تھا، جس میں مئی کے مہینے میں بنفشی پھول لگتے تھے اور بنفشے کے پھولوں ہی کی طرح خوشبودار تھے۔ اور وہ مدہوش کر دینے والا جیدہ کا درخت جس کے پھولوں کی خوشبو اتنی تیز اور سرشار کر دینے والی ہوتی تھی جیسے کسی عورت نے جی بھر کے عطر مل لیا ہو۔

کیا یہ بات عجیب و غریب نہیں تھی کہ ایک روسی جس کا انگ انگ روس کے چھوٹے چھوٹے کھیتوں اور اس کے جنگلوں کی مہکوں سے بندھا ہوا تھا، جو وسطی روس کے دیہات کے پرسکون تخیلے کا خوگر تھا، جسے اس کی مرضی کے خلاف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اچھوتی دھرتی پر بھیج دیا گیا تھا، وہ اس کے خشک اور کھلے میدانوں کا، جہاں ہمیشہ بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے، بہت زیادہ تیز ہوا چلتی ہے، جہاں بادل ہوں تو لوگ اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور برسات کے دن کو تہوار کا دن سمجھتے ہیں، اتنا شائق ہو جائے۔ وہ اس پر بالکل قانع تھا کہ مرتے دم تک وہیں رہے۔ سیر میبٹوو، ٹیلیجینوو، مکیبوو اور سلوکوو بھائیوں جیسے لوگوں نے اسے ان کی قوم کا گرویدہ بنا دیا تھا اگرچہ وہ ابھی ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اپنے ظاہری تلون کے باوجود جو سچے اور جھوٹے جذبوں کا ملغوبہ تھا اور قدیم قبائلی آداب سے اپنی سادہ لوحانہ وابستگی کے باوجود وہ بنیادی طور پر نیک دل لوگ معلوم ہوتے تھے جو خلوص کا جواب ہمیشہ خلوص سے دیتے تھے اور نیکی کا نیکی سے۔

اودنک کی عمر جو نتیس برس تھی۔ کالجوں میں پینتیس برس سے زیادہ عمر کے طالب علموں کو نہیں لیا جاتا وہ تعلیم کبھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ بہرحال جو تھا وہ تھا۔ حال ہی میں وہ اینٹیں بنانے والے سے ترقی کر کے گرد آور پیمائش کا اسسٹنٹ بن گیا تھا زویا سے اس نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ گرد آور پیمائش نہیں تھا صرف تین سو پچاس روبل ماہانہ پانے والا اسسٹنٹ تھا، اس کا افسر جو ضلع گرد آور پیمائش تھا، اسے جریب کے نشانات کا بھی بس یونہی سا علم تھا۔ اگر کوئی کام ہوتا تو اودنک جو چاہتا کرتا لیکن وہاں قریب قریب کام کوئی تھا ہی نہیں۔

مشترکہ فارموں کی دستاویزوں میں درج تھا کہ زمین انھیں استعمال کے لیے دوامی طور پر دی جا رہی ہے (پھر وہی دوامی!) اسے صرف اتنا کرنا پڑتا تھا کہ صنعتی توسیع کے مقاصد کے لیے کسی فارم میں سے زمین کا ٹکڑا کاٹ لیا جائے۔ وہ یہ امید کبھی نہیں رکھ سکتا تھا کہ آبپاشی کے افسر اعلیٰ کا مقابلہ کر سکے (اس شخص کا پیشہ بھی دوامی تھا) زمین میں ذرا سی بھی ڈھلان ہوتی تو وہ فوراً ہی بھانپ لیتا۔ بہرحال آئندہ برسوں میں کبھی نہ کبھی اسے کوئی بہتر کام مل ہی جائے گا۔ لیکن آخر کیا وجہ تھی کہ اب بھی اشترک کو واپسی کے بارے میں وہ اتنی گرم جوشی سے سوچ رہا تھا، اپنے علاج کے خاتمے کے فوراً بعد وہاں جانے کا آرزومند تھا اور نیم صحت یابی کی حالت میں بھی یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح گرتا پڑتا وہاں پہنچ جائے۔

کیا یہ بات نسبتہً زیادہ قدرتی نہیں تھی کہ اپنی جلاوطنی کی جگہ سے نفرت کی جائے۔ اس پر لعنت بھیجی جائے اور دل میں تلخیاں محسوس کی جائیں؟ ایسی کئی زیادتیاں جو کسی طنز نگار کا ہدف بننے کی مستحق تھیں، اولک ان پر صرف مسکرا دیتا تھا، انھیں دلچسپ کہانیوں سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا تھا۔ مثال کے طور پر نئے ہیڈ ماسٹر این یرڈینو کو لیجیے جس نے سیراسوف کا شطرنج کا ڈبہ کمرۂ جماعت سے باہر پھینک دیا تھا (اس نے اس پر ایک کلیسا کی تصویر دیکھ لی تھی جو اس کے خیال میں مذہب کا پروپیگنڈہ تھا) یا پھر مقامی چیف ہیلتھ آفیسر جو ایک دیدہ دلیر قسم کی روسی لڑکی تھی۔ وہ منبر سے مقامی دانشوروں کو اپدیش دیتی لیکن اس کے فوراً ہی بعد وہ گاؤں کی عورتوں کے پاس تازہ ترین ڈیزائن کی کریب دگنی قیمت پر فروخت کرنے نکل پڑتی، پیشتر اس کے کہ یہ کریب مقامی دکانوں تک پہنچ پاتی۔ پھر وہ ایمبولنس جو گرد کے طوفان میں گھومتی رہتی تھی۔ بسا اوقات اس میں کوئی مریض نہیں ہوتا تھا۔ یہ پارٹی سکریٹری ہی کے کام آتی تھی یا پھر آس پاس کے فلیٹوں میں شیرہ اور مکھن تقسیم کرتی رہتی تھی۔ اسے خردہ فروش اور میوے کی تھوک فروشی کا بھی علم تھا۔ اس کے چھوٹے سے جنرل اسٹور میں کبھی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ چھت تک فروخت شدہ مال کے خالی ڈبے ہی رکھے ہوتے تھے۔ اسے اپنی تجارت کو مقررہ حد سے بڑھانے پر ہمیشہ بونس ملتا تھا۔ حالانکہ وہ ہمیشہ دکان کے دروازے پر بیٹھا

اونگھتا ہی رہتا تھا۔ وہ اتنا کاہل تھا کہ نہ تو تول سکتا تھا نہ ناپ سکتا تھا اور نہ کوئی چیز باندھ ہی سکتا تھا۔ پہلے وہ بڑے بڑے لوگوں کو مال سپلائی کر دیتا۔ پھر ان سے نسبتاً کم بڑے لوگوں کی فہرست تیار کرتا اور انھیں اس قسم کے مشورے دینے لگتا "مکرونی کا پورا بکس لے جاؤ، پورا بکس" یا "چینی کی بوری لے لو پوری بوری"۔ بکس یا بوری ڈپو سے سیدھی خریدار کے گھر پہنچ جاتی لیکن اسے شامل اور میسو ہی کی فروخت میں کیا جاتا اور سب سے آخر میں ضلع پارٹی کمیٹی کا ہوم سکریٹری تھا۔ وہ ہائی اسکول کے امتحان میں پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے بیٹھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ ریاضی میں وہ بالکل کورا تھا۔ ایک رات وہ دبے پاؤں ٹیچر کے گھر پر گیا، جو ایک جلاوطن تھا اور استراخاں کی ایک کھال رشوت میں اسے پیش کر دی۔

کیمپوں میں جانوروں کی سی زندگی گزارنے کے بعد اس قسم کی باتوں کو یقیناً مسکرا کر برداشت کیا جا سکتا تھا۔ کیمپوں کی زندگی کے بعد کیا چیز تھی جو مذاق نہیں تھی۔ ایسی کیا چیز تھی جو معمولی نظر نہیں آتی تھی۔

جب اپنی سفید قمیض پہن کر وہ گاؤں کی گلی میں سیر کو نکلا تھا تو اسے کتنی مسرت محسوس ہوئی تھی یہ اس کی واحد قمیض تھی جس کا کالر پھٹا ہوا تھا اور اس کے پاجامے اور جوتوں کی حالت تو بس ناگفتہ ہی تھی، سنیما کی چھت والے کمیونٹی ہال کی دیوار پر پوسٹر لگا ہوتا کہ ایک نئی پرغان[2] فلم دکھائی جا رہی ہے اور گاؤں کا مسخرہ واسیا ہر کسی کو یہ کہتا پھرتا کہ وہ یہ فلم ضرور دیکھے۔ اولگ ارزاں ترین ٹکٹ خریدتا، دو روبل کا اور سب سے پہلی قطار میں بچوں کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ مہینے میں ایک بار وہ جشن میخواری بھی مناتا تھا۔ وہ ڈھائی روبل میں بیئر کا ایک مگ خریدتا اور چائے گھر میں لاری ڈرائیوروں کے ساتھ بیٹھ کر اسے پی جاتا۔

اولگ کی جلاوطنی قہقہوں اور سرخوشی سے بھرپور تھی اور اس کے ذمہ دار بنیادی طور پر کاڈمین میاں بیوی تھے جو اس کے واقف کار تھے۔ میاں نکولائے ایوانووچ جنسی امراض

---

[1] آٹے کے سیو جو اندر سے کھوکھلے ہوتے ہیں اور پکا کر کھائے جاتے ہیں۔

[2] ۱۹۴۵ء میں روسیوں نے جرمنی میں بہت سی مغربی فلموں پر قبضہ کر لیا تھا۔ کئی برس تک سارے روس میں یہی فلمیں دکھائی جاتی رہیں۔

اور زچگی کا ماہر تھا اور اس کی بیوی کا نام ایلینا الکزنڈر دونا تھا۔ جلاوطن کا ڈمین جوڑے کو خواہ کچھ بھی پیش آتا وہ یہی کہتے رہتے "کیا عمدہ بات ہے۔ اب حالات پہلے سے کہیں اچھے ہیں۔ ہم کتنے خوش قسمت ہیں کہ دھرتی کے اس نفیس ترین گوشے میں پہنچ گئے ہیں۔"

اگر کہیں سے سفید گندم کی روٹی مل جاتی تو سبحان اللہ۔ اگر کتابوں کی کسی دکان سے پاسٹو وسکی کی تصنیف مل جاتی تو واہ کیا کہنا۔ کمیونٹی سنٹر میں اس دن ایک اچھی فلم چل رہی تھی۔ جزاک اللہ۔ ایک نیا دندان ساز آیا تھا، واہ وا۔ زنانہ امراض اور زچگی کی ایک ماہر آئی تھی، ایک اور جلاوطن، کتنی اچھی بات تھی۔ زچگی اور اسقاط حمل کا غیر قانونی کام وہ بڑے شوق سے کرتی رہے۔ نکولائے ایوانو وچ اب لوگوں کی عام بیماریوں کا معالجہ کرے گا۔ پیسہ کم سہی لیکن ذہن تو آسودہ رہے گا اور اچھوتی دھرتی پر غروب آفتاب کا منظر، نارنجی شعلے کی طرح سرخ اور ارغوانی بھلا اس کی کوئی تعریف ہو سکتی ہے۔ نکولائے ایوانو وچ، ایک چھوٹا سا نرم و نازک آدمی جس کے بال سفید ہو رہے تھے، اپنی بیوی کا بازو تھامتا اور دونوں جچے تلے قدم اٹھاتے غروب آفتاب کا منظر دیکھنے کے لیے بستی کی آخری سرحد پر پہنچ جاتے۔ (اس کی بیوی کچھ موٹی تھی اور اس کا وزن بڑھ رہا تھا جس میں خرابی صحت کو بھی دخل تھا۔ جہاں ایوانو وچ تیز رفتار تھا وہاں وہ سست رو تھی)

ایک دن جب انھوں نے اپنے لیے مٹی کا ٹوٹا پھوٹا گھروندا خرید لیا جس کے ساتھ ایک کچن گارڈن بھی تھا تو ان کی زندگی میں مستقل مسرت آگئی۔ یہ ان کی آخری جنت تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہیں جئیں گے اور یہیں مریں گے۔ (انھوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اکٹھے مریں گے، اگر ایک گیا تو دوسرا بھی جائے گا۔ پھر جینے کے لیے رہے گا ہی کیا؟) ان کے پاس کوئی فرنیچر نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے کھومار اٹووچ سے جو ایک بوڑھا جلاوطن تھا، کہا کہ وہ ایک کونے میں ایک چبوترہ بنا دے۔ یہ ان کا بستر عروسی تھا، کشادہ اور آرام دہ، ہر اعتبار سے مکمل۔ انھوں نے ایک بڑا چوڑا تھیلا لیکر اس میں بھس بھر دیا اور اس پر ایک چادر چڑھا دی۔ پھر انھوں نے کھومار اٹووچ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے لیے ایک گول میز بنا دے۔ کھومار اٹووچ حیران رہ گیا۔ اسے دنیا میں آئے ساٹھ برس ہو چکے تھے اور اس نے کبھی گول میز نہیں دیکھا تھا۔ میز گول کیوں ہو؟ "مہربانی سے "

نکولائے ایوانووچ نے اپنے ہاتھوں کو جو ایک زنانہ امراض کے ماہر ڈاکٹر کے نرم ہاتھ تھے، رگڑتے ہوئے کہا "میز کو گول ہی بناؤ۔ گول ہونا ضروری ہے" اس کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ کہیں سے پیرافین لیمپ حاصل کیا جائے۔ وہ شیشے کا لیمپ چاہتے تھے، ٹین کا نہیں۔ اس لیمپ کا سرا لمبا ہونا چاہیئے تھا۔ چراغ کی بتی دس ڈوریوں والی ہونی چاہیئے تھی سات ڈوریوں والی نہیں۔ اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ گلوب ایک سے زیادہ ہوں۔ ایسا لیمپ اشترک میں موجود نہیں تھا اس لیے اسے جوڑ جاڑ کے بنایا جانا تھا۔ اس کے مختلف حصوں کو نیک دل لوگ دور دور سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لائے۔ آخر خانہ ساز شیڈ والا لیمپ تیار ہو گیا اور اسے گول میز پر سجا دیا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں جب ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا تھا اور مرکزی شہروں کے لوگ تمنڈر لیمپوں کے جویا تھے، اشترک میں خانہ ساز گول میز پر رکھا یہ پیرافین لیمپ ایک ایسی چیز تھی جس نے مٹی کے ایک چھوٹے سے گھروندے کو دو صدی پہلے کے ایک پرشکوہ ڈرائینگ روم میں تبدیل کر دیا۔ زندہ باد۔ جب وہ تینوں گول میز کے قریب بیٹھتے تو ایلینیا الکزنڈروونا جذبے میں ڈوبی آواز میں کہتی "اولک تم جانتے ہو زندگی کتنی اچھی ہے۔ بچپن کے دنوں کو چھوڑ کر یہ دن میری زندگی کے مسرور ترین دن ہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سچ کہتی تھی۔ مسرت کا انحصار اس بات پر نہیں کہ کوئی کتنا امیر ہے۔ مسرت کا انحصار تو اس پر ہے کہ دل کو دل سے کتنا ربط ہے۔ مسرت کا انحصار اس نظر پر ہے جس سے ہم دنیا کو دیکھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں ہمارے اختیار میں ہیں لہٰذا جب تک آدمی چاہے خوش رہ سکتا ہے۔ کوئی اس کی اس مسرت میں مزاحم نہیں ہو سکتا۔

جنگ سے پہلے وہ دونوں ایلینیا کی ساس کے پاس رہتے تھے۔ ساس کسی معاملے میں سمجھوتہ کرنا جانتی ہی نہیں تھی۔ اپنی من مانی کرتی اور چھوٹی سے چھوٹی بات پر نظر رکھتی۔ نکولائے ایوانووچ ماں سے بہت ڈرتا تھا۔ اس لیے ایلینیا الکزنڈروونا ہمیشہ یہ محسوس کرتی رہی کہ وہ کچلی جارہی ہے۔ اس وقت وہ ایک متوسط عمر کی عورت تھی۔ اس کی زندگی کا اپنا انداز تھا اور پھر یہ اس کی پہلی شادی بھی نہیں تھی۔ ان برسوں کو اب وہ "ازمنۂ وسطیٰ" کا نام دیتی تھی۔ اس خاندان میں تازہ ہوا کے کسی جھونکے کے در آنے کے لیے کسی خوفناک حادثے کی

ضرورت تھی۔

اور خوفناک حادثہ نازل ہوگیا۔ اس کے نزول کی ذمہ داری بھی ساس پر تھی۔ جنگ کے پہلے برس میں ایک آدمی جس کے پاس کوئی شناختی کاغذات نہیں تھے، ان کے دروازے پر آیا اور پناہ مانگی۔ ساس نے اسے اپنا فرض سمجھا کہ اس بھگوڑے کو پناہ دے دی جائے اور اس سلسلے میں نوجوان جوڑے سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اپنے خاندان کے ساتھ اگرچہ وہ کافی سختی برتتی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ عیسوی رحمدلی کی بھی قائل تھی۔ بھگوڑے نے دو راتیں ان کے فلیٹ میں کاٹیں اور چلا گیا۔ وہ پکڑا گیا اور جب اس سے پوچھ تاچھ کی گئی تو اس نے اس گھر کا پتہ بتا دیا جہاں اسے پناہ ملی تھی۔ ساس کی عمر اسّی برس کے قریب تھی اسے انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ اس کی بجائے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کے پچاس سالہ بیٹے اور چالیس سالہ بہو کو گرفتار کر لیا جائے۔ پوچھ تاچھ کے دوران انھوں نے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ کیا بھگوڑا ان کا کوئی عزیز تھا؟ اگر وہ ان کا عزیز ہوتا تو ممکن تھا کہ کچھ نرمی برتی جاتی۔ کسی خاندان کا اپنے فرد کا بچاؤ کرنا قابلِ فہم تھا، کسی قدر قابلِ معافی بھی لیکن وہ شخص چونکہ ایک معمولی رنگیہ تھا جو ان کا کچھ بھی نہیں لگتا تھا اس لیے کاڈمین میاں بیوی کو دس دس برس کی سزا دی گئی۔ الزام یہ نہیں تھا کہ انھوں نے ایک بھگوڑے کو پناہ دی بلکہ یہ کہ وہ اپنے ملک کے دشمن ہیں اور عملاً سرخ فوج کی قوت کی تخریب کر رہے ہیں۔ جنگ ختم ہوگئی اور ۱۹۴۵ء میں جب اسٹالن نے عظیم معافی کا اعلان کیا تو اس بھگوڑے کو رہا کر دیا گیا۔ (مؤرخ اس بات پر ہمیشہ سر کھپاتے رہیں گے کہ آخر ایسا کیوں ہوا کہ بھگوڑوں کو باقی ہر کسی سے پہلے رہائی ملی اور غیر مشروط طور پر!) اسے یہ مطلق یاد نہیں تھا کہ اپنے بھگوڑے پن کے دوران دو راتیں اس نے کس گھر میں گزاری تھیں اور نہ وہ یہی جانتا تھا کہ وہ اپنے ساتھ دو اشخاص کو گھسیٹ کر جیل لے گیا تھا کاڈمین جوڑے پر معافی کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ بھگوڑے تھوڑا ہی تھے، وہ تو دشمن تھے۔ وہ اپنی دس برس کی سزا بھگت چکے تو بھی انھیں گھر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ آخر انھوں نے جرم افراد کی حیثیت میں تو نہیں کیا تھا، وہ تو ایک گروپ تھے، ایک تنظیم —— میاں بیوی انھیں دوامی جلاوطنی پر بھیجنا ضروری تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ کیا ہونے والا ہے، کاڈمین جوڑے

نے درخواست کی کہ انھیں ایک ہی مقام پر جلاوطن کیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ درخواست بڑی ہی جائز تھی پھر بھی خاوند کو جنوبی قازقستان بھیجا گیا اور بیوی کو کراسنویارسک کے خطے میں۔ کیا منشا یہ تھا کہ ان کی تنظیم کو توڑا جائے؟ نہیں، اس میں عناد کو دخل نہیں تھا اور نہ ایسا سزا کے طور پر کیا گیا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ وزارتِ داخلہ کے اسٹاف میں ایسا کوئی شخص تھا ہی نہیں جس کے ذمے یہ فرض ہو کہ وہ خاوندوں اور بیویوں کو ملائے۔ چنانچہ وہ الگ الگ رہے۔ بیوی کی عمر تقریباً پچاس برس تھی اور اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر سوجن آرہی تھی پھر بھی اسے ٹائیگا[1] بھیج دیا گیا جہاں واحد کام لکڑیاں ڈھونا تھا۔ (پھر بھی وہ ٹائیگا کا ذکر انتہائی دلچسپ دیہی علاقہ، کہہ کر ہی کیا کرتی تھی) ایک برس تک وہ ماسکو پرنز کا بیتی مراسلے داغتے رہے۔ آخر ایک سپیشل گارڈ بھیجا گیا جو ایلینا الکزنڈروونا کو اشترک پہنچا گیا۔

بلاشبہ اب وہ زندگی سے لطف اٹھاتے تھے۔ انھیں اشترک اور اپنے مٹی کے گھروندے سے عشق تھا۔ دنیوی آسائشوں کے سلسلے میں انھیں کسی اور چیز کی آرزو بھی کیا ہوسکتی تھی؟

دوامی جلاوطنی؟ بہت خوب۔ دوام تو کافی لمبا عرصہ ہوتا ہے اور اس عرصے میں اشترک کی آب و ہوا کا مکمل مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ نکولائی ایوانووچ نے اپنے گھر کے باہر تین تھرمامیٹر لٹکا دیے۔ پسینہ اکٹھا کرنے کے لیے ایک مرتبان رکھ دیا اور اناسٹروم سے جو ریاست کے موسمیاتی مرکز کی انچارج تھی یہ مشورہ کرنے لگا کہ ہوا کی رفتار کا زور کب کتنا ہوتا ہے۔ موسمیاتی مرکز میں خواہ کچھ ہی ہوتا ہو لیکن نکولائی کے جرنل میں اب موسمیات کے بارے میں تفصیلی اعداد و شمار درج تھے۔

اس کا باپ مواصلات کا انجینئر تھا۔ مسلسل سرگرمی اور تنظیم معمولی سے معمولی بات کی صحت کے بارے میں مکمل احتیاط اسے ورثے میں ملی تھی جس کی عادت اسے بچپن میں پڑ گئی تھی کورولینکو[2] کوئی خاص نظریہ پرست نہیں تھا پھر بھی وہ کہا کرتا تھا اور اس کے ان الفاظ کا نکولائی

---

[1] آرکٹک کے بنجر ساحل اور اچھوتی دھرتی کے درمیان صنوبر کا ایک جنگل

[2] انقلاب سے پہلے کا ایک روسی ادیب جو ان دانشوروں میں جو قوم کی خدمت کرنا چاہتے تھے بڑا مقبول تھا۔

ایوانووچ اکثر حوالہ دیتا تھا کہ "معاملات میں تنظیم ہو تو ذہن کو سکون رہتا ہے" ڈاکٹر کاڈمین کا پسندیدہ مقولہ تھا "چیزیں اپنے مقام کو پہچانتی ہیں" ہر چیز جانتی ہے کہ وہ کہاں کی ہے۔ ہمیں اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہونا چاہیئے۔

سرما کی شاموں میں نکولائے ایوانووچ کا محبوب مشغلہ جلد بندی تھا۔ اسے یہ بات بہت پسند تھی کہ پھٹی پرانی کتابیں اکٹھی کر کے، ان کی جلد بنا کر انھیں پھر سے نیا کر دیا جائے۔ انجام کار میں بھی وہ جلد بندی کی مشین بنانے میں کامیاب ہو گیا جس کا تراشائی کرنے والا پھل غیر معمولی طور پر تیز تھا۔

مٹی کے گھر کی ادائیگی کے بعد کاڈمین جوڑے نے پھر سے کفایت شعاری شروع کر دی وہ بچی کھچی چیزوں پر گزارا کرنے لگے۔ پرانے ہی کپڑوں سے کام چلا لیتے۔ مقصد یہ تھا کہ بیٹری ریڈیو کے لیے پیسے بچائے جائیں۔ پہلے انھوں نے کرد کے ساتھ جو آرائشی اور فلاحی اشیاء کے اسٹور میں اسسٹنٹ تھا یہ انتظام کیا کہ وہ ان کے لیے ایک ایک کر کے بیٹریاں الگ رکھتا رہے۔ پھر انھیں اس دہشت کا سامنا تھا جس کا سامنا ریڈیو رکھنے والے تمام جلاوطنوں کو ہوتا ہے۔ سیکورٹی افسر کیا خیال کرے گا؟ کیا ریڈیو سیٹ انھوں نے اس لیے رکھ چھوڑا ہے کہ بی بی سی کے نشریات سنتے رہیں۔ بہرحال اس دہشت پر قابو پا لیا گیا، بیٹریاں لگا دی گئیں اور ریڈیو سیٹ کا بٹن کھول دیا گیا۔ فوراً موسیقی شروع ہو گئی۔ ایک قیدی کے کانوں کے لیے اس سے بڑی مسرت کیا ہو سکتی ہے؟ بیٹریاں کرنٹ مسلسل اور ہموار دے رہی تھیں اس لیے کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ ریڈیو نے ان کی زندگی کے ہر خلا کو پر کر دیا۔ اب انھیں بیرونی دنیا سے کچھ بھی نہیں لینا تھا اور دنیا کو دینے کے لیے ان کے پاس بہت کچھ تھا۔

بہار کا موسم آیا تو ریڈیو سننے کے لیے شام کا زیادہ وقت نہیں بچتا تھا۔ زیادہ وقت وہ اپنے چھوٹے سے باغیچے کی دیکھ بھال میں صرف کرتے تھے۔ نکولائے ایوانووچ نے اپنے چھ تہائی ایکڑ کے پلاٹ کی کیاریاں اس مستعدی اور مہارت سے بنائیں کہ پرنس بولکونسکی[1] بھی جنس کی جاگیر کی نگرانی کرنے کے لیے ایک باقاعدہ باغبان اور ماہر تعمیرات تھا، اس پر

---

[1] طالسطائی کی تصنیف "جنگ اور امن" کا ایک کردار۔

رشک کرتا۔ ساٹھ برس کی عمر میں نکولائے ایوانووچ ہسپتال میں بھی پوری مستعدی سے کام کر رہا تھا وہ معینہ وقت سے ڈیوڑھے وقت زیادہ کام کرتا اور اگر کسی کو بچہ جنوانا ہوتا تو رات کو بھی دوڑتا ہوا پہنچ جاتا۔ وہ چلتا کم ہی تھا، زیادہ بھاگتا ہی تھا اور ایسا کرتے وقت اپنی سفید داڑھی کے وقار کا بھی کوئی خیال نہیں رکھتا تھا۔ ایلینا الیگزنڈروونا نے اس کے لیے کینوس کی جو صدری بنائی تھی، بھاگتے وقت اس کے کنارے پھڑپھڑاتے رہتے۔ جہاں تک کھدائی کا تعلق ہے اس کی سکت اس میں اب برائے نام ہی تھی۔ صبح زیادہ سے زیادہ وہ اس پر آدھا گھنٹہ لگاتا پھر تھک جاتا۔ بہرحال اس کے ہاتھ چاہے جواب ہی دے جائیں باغیچے کا جو نقشہ اس نے بنایا تھا وہ بے مثل تھا۔ وہ اولک کو بڑے فخر کے ساتھ اپنا باغیچہ دکھانے لے جاتا جس کی باڑ کی نشاندہی کرنے کے لیے اس وقت تک صرف دو پودے لگائے گئے تھے۔

"اولک!" وہ کہتا "میں یہاں درمیان میں سے ایک سڑک نکالوں گا۔ اس کے ایک طرف خوبانی کے پیڑ ہوں گے جن کی میں پود بھی لگا چکا ہوں۔ دوسری طرف میں انگوروں کا باغ لگاؤں گا۔ انگور کی بیلیں جڑ ضرور پکڑ لیں گی، اس کا مجھے یقین ہے۔ جہاں سڑک ختم ہوگی وہاں میں موسم گرما میں بیٹھنے کا کمرہ بناؤں گا۔ ایک حقیقی گرما گھر جیسا اشترک میں اس سے پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کی بنیاد تو میں رکھ بھی چکا ہوں۔ وہ دیکھو نصف دائرے میں لگی کچھ اینٹیں۔ اس کے آگے میں تمباکو کے پودے لگاؤں گا وہ بہت عمدہ خوشبو دیتے ہیں۔ وہاں ہم دن کی گرمی سے بچنے کو بیٹھا کریں گے اور شام کو سماوار میں سے چائے پیا کریں گے۔ تم جب کبھی چاہو آسکتے ہو، ہمہ وقت تمھارا خیر مقدم ہوگا۔"

ان کا باغیچہ کتنی ترقی کرے گا اور کیا شکل اختیار کرے گا اس کے بارے میں تو قیاس آرائی ہی کی جا سکتی تھی۔ لیکن وہ کچھ وہاں نہیں تھا جو پڑوسیوں کے باغیچوں میں اس وقت تک تھا مثلاً آلو، کرم کلا، ٹماٹر اور کدو۔

"لیکن یہ سب چیزیں تو خریدی جا سکتی ہیں،" کوئی انھیں توجہ دلاتا تو کاڈمین جوڑا

احتجاج کرتا۔ اشترک کے آباد کار کافی کاروباری قسم کے آدمی تھے وہ گائیں پالتے، اور مرغیاں پالتے۔ ایسا نہیں کہ کاڈمین جوڑے کو جانور پالنا آتا نہیں تھا لیکن ایسا کرتے وقت وہ افادیت کو بھول جاتے تھے۔ وہ یا کتے پالتے یا بلیاں۔ اس کے لیے دلیلیں وہ کچھ اس قسم کی دیتے تھے" دودھ اور گوشت تو بازار سے خریدا جا سکتا ہے لیکن کتے کی وفاداری تم کہاں سے خرید سکتے ہو؟ لٹکتے کانوں والا کالا اور بھورا بنٹِل جو ریچھ جتنا بڑا تھا یا نوکیلی ناک والا ٹوبک جس کا باقی جسم سفید اور صرف کان کالے تھے، تمھیں دیکھ کر جب چھلانگیں لگاتے ہیں تو کیا ان کے پیش نظر کوئی پیسہ ہوتا ہے؟"

ان دنوں جانوروں سے محبت کوئی خاص مستحسن نہیں سمجھی جاتی۔ جو لوگ بلیوں سے محبت کریں ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے لیکن اگر ہم جانوروں سے محبت کرنا چھوڑ دیں تو ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ہم انسانوں سے بھی محبت کرنا چھوڑ دیں گے۔

کاڈمین جوڑا اپنے جانوروں سے محبت ان کے فر کے لیے نہیں بلکہ انہی کے لیے کرتا تھا۔ جانوروں نے بھی اپنے آقاؤں کی خوئے مروّت فوراً ہی سیکھ لی تھی، کسی بھی تربیت کے بغیر۔ کاڈمین جوڑا ان سے گفتگو کرتا تو وہ پورے انہماک سے سنتے۔ گھنٹوں تک سنتے رہتے۔ ان کی رفاقت انھیں پسند تھی۔ وہ جہاں بھی جاتے ان کے ساتھ ساتھ جانا ان کے لیے بڑے فخر کی بات تھی۔ کمرے میں لیٹا ٹوبک جیسے ہی دیکھتا کہ ایلینیا الکزنڈروونا کوٹ پہن رہی ہے اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا رہی ہے تو وہ جان جاتا کہ کاڈمین جوڑا گاؤں میں سیر کے لیے جا رہا ہے۔ وہ فوراً ہی اچھل پڑتا اور اس سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ بھاگ کر باغیچے میں سے بنٹِل کو بھی اپنے ساتھ لے آتا۔ کتوں کی مخصوص زبان میں وہ بنٹِل کو اس راز سے آگاہ کر دیتا کہ کاڈمین جوڑا سیر کے لیے جا رہا ہے۔ وہ اتنے جوش سے بھاگا بھاگا آتا جیسے سیر کے لیے وہ خود بھی بیتاب ہو۔ وقت کے بارے میں بنٹِل بہت ہی محتاط تھا اور اس کا پورا دھیان رکھتا تھا۔ کاڈمین جوڑے کو سینما گھر پہنچانے کے بعد باہر بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے وہ گھومنے چلا جاتا۔ لیکن فلم ختم ہونے سے پہلے وہ ضرور لوٹ آتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ فلم صرف پانچ ریل کی تھی اسے واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ اس بات سے اسے بڑی ہی تکلیف ہوئی لیکن جب

اسے احساس ہوا کہ اس کے آقاؤں نے معاف کر دیا ہے تو پھر اچھل کود کرنے لگا۔

کتے نکولائے ایوانووچ کے ساتھ ہر جگہ جاتے، ماسوا اس وقت کے جب وہ کام پر جاتا، کیونکہ انھیں احساس تھا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر وہ ڈاکٹر کو دوپہر کے بعد ہلکے ہلکے قدم اٹھاتے ہوئے دروازے سے باہر نکلتے دیکھتے تو وہ لامحالہ طور پر جان لیتے کہ وہ کسی عورت کو بچہ جنوانے جا رہا ہے یا نہانے کے لیے۔ پہلی صورت میں جہاں وہ وہیں بیٹھے رہتے وہاں دوسری صورت میں وہ اچھلتے کودتے اس کے ساتھ چل دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہ کتے معلوم کر لیتے کہ وہ کب کیا کرنے جا رہا ہے؟ نکولائے ایوانووچ دریائے چوبیں پانچ کیلومیٹر تک تیرا کرتا تھا۔ مقامی بھی اور جلاوطن بھی، خواہ وہ نوجوان ہوں، خواہ ادھیڑ عمر کے، یہ سمجھتے تھے کہ روزانہ تیرنے کے لیے یہ فاصلہ بہت زیادہ ہے لیکن چھوٹے لڑکے یہاں تک ضرور جاتے تھے اور ڈاکٹر کا ڈمین اور اس کے کتے بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی سیر تھی جو کتوں کے لیے کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں تھی۔ راستہ پتھریلا بھی تھا اور خاردار بھی۔ بیٹل کے پنجے لہولہان ہو جاتے تھے اور ٹوبک جسے ایک بار ڈاکٹر کا ڈمین نے غوطہ دے دیا تھا، پھر دریا میں اترنے سے ڈرتا تھا لیکن اپنے فرضِ منصبی کا ان دونوں کو احساس تھا اور وہ ڈاکٹر کے ساتھ جاتے ضرور تھے۔ جب ٹوبک اور دریا میں صرف تین سو میٹر کا فاصلہ رہ جاتا تو ٹوبک پیچھے رہ جاتا، لیکن وہ اس پر معذرت ضرور کرتا، پہلے کان اٹھا کر اور پھر دم ہلا کر۔ اس کے بعد وہ لیٹ جاتا لیکن بیٹل دریا کے ڈھلوان کنارے تک ڈاکٹر کا ڈمین کے ساتھ جاتا، وہاں ایک بت کی طرح تن کر کھڑا ہو جاتا اور نیچے لوگوں کو نہاتے دیکھتا رہتا۔

فرائض ہمرکابی کا دائرہ وسیع تر تھا۔ کا ڈمین جوڑے کے علاوہ وہ اولک کی بھی ہمرکابی کرتا تھا جو اکثر ان کے یہاں جاتا رہتا تھا۔ یہ آمدورفت اتنی زیادہ تھی کہ سیکورٹی افسر کو تشویش ہونے لگی اور اس نے ان سے اس قسم کی پوچھ تاچھ کی: "تم میں اتنی دوستی کیوں ہے؟ تم میں کیا چیز مشترک ہے؟ تم آپس میں کس قسم کی بات چیت کرتے ہو؟")

بیٹل تو کبھی ہچکچا بھی جاتا تھا لیکن ٹوبک بارش ہو یا آندھی، اولک کا ساتھ ضرور دیتا

جب بارش پڑ رہی ہوتی اور گلی میں کیچڑ ہوتا تو اس کے پنجے بھیگ جاتے اور اسے سردی لگنے لگتی۔ ایسے موسم میں اسے باہر جانا پسند نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ اپنے سامنے کے پنجے پھیلاتا پھر آگے کے لیکن جاتا ضرور۔ اولک اور کاڈمین جوڑے میں پوسٹ مین کے فرائض بھی وہ انجام دیتا تھا۔ اگر وہ یہ معلوم کرنا چاہتے کہ اولک کو اس فلم میں جو اس وقت چل رہی ہوتی، دلچسپی ہے یا ریڈیو کے کسی مخصوص پروگرام میں دلچسپی ہے، یا وہ یہ جاننا چاہتے کہ خوردہ فروشی کی دکان پر ان دنوں جو چیزیں آئی ہیں ان میں سے کسی کو خریدنے میں اسے دلچسپی ہے یا نہیں تو وہ پیغام لکھ کر اولک کے پٹے میں باندھ دیتے اور صحیح سمت کی طرف اشارہ کر کے اسے کہتے "اولک کے پاس جاؤ۔" خواہ موسم کیسا ہی ہو وہ پوری اطاعت شعاری کے ساتھ اپنے سفر پر چل دیتا اور اگر اولک گھر پر نہ ہو تو دروازے پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرتا۔ یہ بات بہت عجیب و غریب تھی۔ کسی نے اُسے سدھایا نہیں تھا، کسی نے اس کی ٹریننگ نہیں کی تھی لیکن وہ ہدایات کو فوراً ہی سمجھ لیتا جیسے خیالات کی لہریں کام کر رہی ہوں۔ ان ہدایات پر وہ فوراً ہی عمل بھی کر دیتا (یہ بات البتہ قابل ذکر ہے کہ ٹوبک جب ڈاکیے کے فرائض انجام دینے جاتا تو اولک اس کی نظریاتی وفاداری کی تقویت کے لیے تھوڑی بہت مادی تحریک سے بھی کام لیتا۔)

ٹوبک کی اس ادا نے کہ اس کی آنکھوں میں مستقلاً محزونی رہتی تھی، اولک کو مخمصے میں ڈال رکھا تھا۔ وہ اپنے دانتوں سے کبھی نہیں مسکراتا تھا صرف اس کے کان مسکراتے تھے۔

بٹیل اپنے قد اور تن و توش سے کسی جرمن گڈریے کا پالتو کتا لگتا تھا۔ لیکن گڈریے کے کتوں والی عیاری اور کینہ توزی اس میں نہیں تھی۔ اس کے چہرے مہرے سے تو وہ فراخدلی برستی تھی جو ایسے جانوروں کا خاصہ ہوتی ہے۔ جو طاقتور بھی ہوں اور قوی الجثہ بھی۔ اس کی عمر کافی تھی اور وہ کئی آقاؤں کے پاس رہ چکا تھا۔ لیکن کاڈمین جوڑے کا انتخاب خود اس نے کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ وساڈزے کے پاس تھا جو ایک سرائے مالک تھا اور اسے زنجیر سے باندھ کر رکھتا تھا۔ کبھی کبھی وہ مذاق کے

طور پر اس کی زنجیر کھول دیتا اور پاس پڑوس کے کتوں پر چھوڑ دیتا۔ بٹیل دلیر اور لڑاکا کتا تھا اور گلی کے پھولے ہوئے زرد کتے اس سے ڈرتے تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بٹیل ہمدرد اور صلح جو بھی تھا۔ ایک بار جب اسے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تو اس نے کاڈمین جوڑے کے مکان کے پاس ہی کتوں کی ایک شادی میں شرکت کی۔ مقامی کتے ڈوبک کی ماں ڈولی کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ بٹیل ڈولی کو اس لیے پسند نہیں آیا کہ اس کا قد احمقانہ طور پر بڑا تھا۔ چنانچہ وہ ڈوبک کا سوتیلا باپ بننے میں ناکام رہا۔ کاڈمین جوڑے کے گھر اور باغیچے میں سے اسے خلوص اور مہربانی کی بو آتی محسوس ہوئی اور وہ وہاں آنے جانے لگا' اگرچہ اس جوڑے نے اسے کھانے کو کبھی کچھ نہیں دیا۔ وساڈزے جب گانوؤ سے گیا تو اسے ایمیلا کو دے گیا جو ایک جلاوطن لڑکی تھی اور اس کی دوست تھی پھر بھی بٹیل جب بھی موقع ملتا بھاگ نکلتا اور کاڈمین جوڑے کے ہاں آجاتا۔ ایمیلا اس بنا پر اس جوڑے سے خفا تھی۔ ایک بار واپس لے جاکر اس نے اسے زنجیر پہنادی لیکن وہ زنجیر توڑ کر بھی بھاگ نکلتا۔ آخر اس نے اسے کار کے ٹائر کے ساتھ باندھ دیا۔ وہاں بندھے بندھے اس نے دیکھا کہ ایلینا الکزنڈروونا گلی میں سے گزر رہی ہے۔ بٹیل کو دیکھ کر اس نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا لیکن بٹیل نے سرکش گھوڑے کی طرح جھٹکا دیا اور ٹائر کو کھینچتا ہوا ایک سو میٹر تک چلا گیا جہاں جاکر وہ بے دم ہو کر گر پڑا۔ اس کے بعد ایمیلا بٹیل سے دستبردار ہو گئی۔ کاڈمین جوڑے کے پاس پہنچ کر بٹیل نے اپنے نئے آقاؤں کے انسان دوستی کے اصولوں کو اپنا لیا۔ اب گلی کے کتوں سے اس نے لڑنا چھوڑ دیا اور راہگیروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ شریفانہ تھا۔

لیکن ہر جگہ کی طرح اشترک میں بھی ایسے لوگ تھے جنھیں زندہ مخلوق کو گولی مارنا مرغوب تھا۔ بہتر شکار کی عدم موجودگی میں وہ مدہوش ہو کر گلیوں میں گھومتے اور کتوں کو گولی مار دیتے۔ بٹیل کو بھی دو بار گولی لگ چکی تھی۔ اب وہ ہر اس چیز سے ڈرتا جس کا نشانہ اس کی طرف ہو۔ خواہ جس چیز سے نشانہ لگایا جائے وہ کیمرہ ہی ہو۔ فوٹو کھنچوانے کا وہ کبھی روادار نہ ہوتا۔

کاڈمین جوڑے نے بلیاں پال رکھی تھیں۔ جنھیں انھوں نے اپنے لاڈ پیار سے خوب خراب کر رکھا تھا اور جو کافی من موجی قسم کی تھیں۔ بہر حال میڈیکل سنٹر کی پگڈنڈیوں پر گھومتے

ہوئے اولک کو بیٹیل ہی یاد آرہا تھا۔ بیٹیل اور اس کا بڑا سا سر جس سے مروت ٹپکتی تھی۔ گلیوں میں گھومتا ہوا بیٹیل نہیں بلکہ کوٹھری میں سے جھانکتا ہوا بیٹیل۔ یکایک اس کا سر نمودار ہوتا۔ اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا وہ ایسا لگتا جیسے کوئی انسانی مخلوق ہو۔ اولک کو یقین ہوتا کہ ٹوبک بھی کہیں قریب ہی ہوگا اور نکولائے ایوانووچ بھی وہاں پہنچنے ہی والا ہوگا۔

وہ چاہتا تھا کہ کاڈمین جوڑے ہی کی طرح رہے۔ جو کچھ حاصل ہوا اس میں مگن۔ عقلمند آدمی بہت تھوڑے پر قناعت کرلیتا ہے۔

رجائیت پسند کون ہے؟ وہ جو کہتا ہے "ہر جگہ حالت یہاں سے بھی خراب ہے۔ ہم باقی دنیا سے اچھے ہیں، ہم بہت خوش قسمت ہیں۔" ماحول جیسا بھی کچھ ہے وہ اس میں خوش ہے اور اپنے آپ کو عذاب میں نہیں ڈالتا۔

قنوطی کون ہے؟ وہ جو کہتا ہے "یہاں کے مقابلے میں ہر جگہ حالت اچھی ہے، ہر شخص ہم سے بہتر ہے۔ ہمیں ایسے ہیں جن کی قسمت خراب ہے" وہ اپنے آپ کو مسلسل عذاب میں ڈالے رہتا ہے۔

کاش اولک ریڈیائی معالجے اور تبادلۂ افراز کے ذریعہ علاج سے بچ نکلتا اور اپاہج ہوئے بغیر وہاں جا پہنچتا۔ اگر کسی طرح وہ اپنے جنسی جذبے کو سلامت رکھ سکتا اور ہر چیز کو جو اس سے متعلق ہے۔ اس کے بغیر تو.....

کاش وہ اشترک پہنچ سکے۔ وہاں جاکر اسے کنوارے کی زندگی بسر نہ کرنا پڑے اور وہ شادی کرے۔ یہ اغلب نہیں تھا کہ زویا وہاں جائے گی اور اگر گئی بھی تو اٹھارہ ماہ سے پہلے نہیں جا سکے گی۔ انتظار، مزید انتظار۔ اس انتظار میں اس نے اپنی ساری زندگی گزار دی تھی۔ نہیں، اب یہ ممکن نہیں تھا۔

وہ کسانا سے شادی کر سکتا تھا۔ اس کا کردار مضبوط تھا اور وہ خوب موٹی تازی تھی، اگرچہ اس کا سر بھی گول تھا۔ لیکن گھر کا کام کاج وہ خوب کرے گی۔ تولیا کاندھے پر ڈالے جب وہ پلیٹیں صاف کر رہی ہوگی، تب بھی وہ ایک شہزادی نظر آئے گی۔ اس کے ساتھ زندگی اطمینان بخش ہوگی۔ گھر کا کام بہت اچھا چلے گا، اور آس پاس بچے ہی بچے ہوں گے۔

یا وہ اینا اسٹروم سے شادی کر سکتا تھا۔ اس کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ اس سے شادی کی بات اس کے ذہن میں اچانک ہی آ گئی تھی اور شاید اسی اچانک پن میں اس خیال کی دلکشی بھی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں کچھ غمگینی بھی تھی اور بے نیازی بھی لیکن اس میں ترغیب بھی شامل تھی۔ اس کی کشش کا پہلو بھی یہی تھا۔

اسے اپنی رسولیوں کا زیادہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ تو صرف صابن کے بلبلے ہیں۔ اسے تو اپنے دل پر قابو پانا چاہیئے جو قابو میں آ ہی نہیں رہا تھا۔ اسے کچھ بھی باور نہیں کرنا چاہیئے مستقبل سے کوئی توقع نہیں کرنی چاہیئے۔ کسی بھی اصلاح کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔

جو کچھ ہے اسی میں خوش رہو۔

دوامی طور پر؟ ہاں، کیوں نہیں؟ دوامی طور پر!

۲۱۔ آتی جاتی پرچھائیاں

اولک کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ساتھ اس کی ٹکر کلینک کے دروازے ہی میں ہوئی اور اس نے فوراً ایک طرف ہٹ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ وہ اپنے جسم کو کسی قدر آگے جھکا کر اتنے جوش سے چل رہی تھی کہ اگر وہ ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو اس نے اسے پٹخ دیا ہوتا۔

اولک نے ایک ہی نظر میں اس کے سراپا کا جائزہ لے لیا۔ اس کے گہرے بھورے بالوں پر نیلی ٹوپی تھی۔ اس کا سر آگے کو جھکا ہوا تھا جیسے وہ کسی تند و تیز ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے چل رہی ہو اور اس کے کوٹ کی تراش مخصوص قسم کی تھی۔ اس کا کالر عجیب و غریب تھا، بالکل سکارف کی طرح اور گلے تک بٹن لگے ہوئے تھے۔

اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ روسانووہ کی لڑکی ہے تو ممکن تھا کہ وہ پلٹ آتا لیکن اب وہ کلینک کے ویران راستوں پر اپنی معمول کی گشت پر چل نکلا۔

اودیٹی کو وارڈ کی اوپر کی منزل میں جانے کی اجازت لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اس کا باپ بہت کمزور تھا اور پھر بہرحال یہ جمعرات کا دن تھا جب مریضوں کے رشتہ داروں کو ان سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اپنے اوورکوٹ کو اتار کر اس نے اپنے ارغوانی سویٹر پر وہ سفید کوٹ ڈال لیا جو اسے دیا گیا تھا۔ یہ کوٹ بہت چھوٹا تھا اور اس کی آستینوں میں اس کے بازو بھی سما سکتے تھے، اگر وہ بچہ ہوتی۔

پرسوں تیسرے انجکشن کے بعد پیول نکولائے وچ اور بھی کمزور ہو گیا تھا۔ اتنا کمزور کہ اشد ضرورت کے بغیر اس کا دل اپنی ٹانگوں کو کمبل کے نیچے سے نکالنے کو نہیں چاہتا تھا۔ وہ بستر پر بہت ہی کم حرکت کرتا تھا اور کھانے میں بھی اسے ہچکچاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اس نے نہ تو اپنی عینک ہی لگائی اور نہ آس پاس کی گفتگو میں شرکت کی۔ اس کے گرد و پیش کا

ماحول جس پر پہلے وہ فیصلہ کن انداز میں پسندیدگی کا اظہار بھی کرتا تھا اور ناپسندیدگی کا بھی، اب دھندلا پڑتا جا رہا تھا۔ اب وہ اُس سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اس میں جو قوتِ ارادی ہوا کرتی تھی وہ اب ضعیف پڑ گئی تھی۔ اس نے اپنی کمزوری کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اور ایک گونہ خوشی کے ساتھ۔ یہ خوشی اس قسم کی تھی جو ایک آدمی کو اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اس کے ہاتھ پاؤں شل ہو رہے ہوں، موت قریب ہو اور اس میں ہلنے کی سکت نہ ہو۔ اس کی رسولی جو اسے پہلے دق کر رہی تھی، پھر خوفزدہ کرنے لگی تھی، اس نے بھی اپنا حق منوا لیا۔ اب حکمرانی رسولی کی تھی اُس کی نہیں۔

یہ جانتے ہوئے کہ اویٹی ماسکو سے ہوائی جہاز پر آئی ہے ہیول نکولائے وچ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ اس کا خوشی خوشی ہی انتظار کر رہا تھا لیکن آج مسرت میں تھوڑا بہت ڈر بھی شامل تھا۔ یہ طے پا چکا تھا کہ کاپا اسے مینائی کے خط کے بارے میں بتا دے گی اور روڈ یچیو اور گزون کے بارے میں بھی بے کم و کاست سب کچھ کہہ دے گی۔ پہلے اسے اس قسم کی باتیں بتانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن اب اس کی ذہانت اور اس کے مشورے کی ضرورت تھی۔ اویٹی بڑی ہی ذہین اور چالاک لڑکی تھی اور معاملات کے بارے میں اس کی رائے اتنی ہی دانشمندانہ ہوتی تھی جتنی اس کے ماں باپ کی۔ بسا اوقات ان سے بھی زیادہ دانشمندانہ۔ پھر بھی اسے سب کچھ بتانے سے تھوڑا بہت ڈر ضرور لگتا تھا، اس کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ اس وقت اس کے ماں باپ جس پوزیشن میں تھے کیا وہ اس کی سمجھ میں آ سکے گی؟ کیا وہ معاملہ فہمی کا ثبوت دے گی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ وہ فوراً ہی سوچے سمجھے بغیر انھیں درخورِ ملامت قرار دے دے؟ اس کے باوجود کہ اس نے اپنے ایک ہاتھ میں وزنی تھیلا پکڑ رکھا تھا اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنے شانوں کے گرد سفید کوٹ کو سنبھالے ہوئے تھی، اویٹی وارڈ میں دھوم دھڑکے سے داخل ہوئی۔ اپنا سر اس نے اب بھی آگے کو جھکا رکھا تھا، جیسے کسی تیز و تند ہوا کا مقابلہ کر رہی ہو۔ اس کا تر و تازہ اور نوجوان چہرہ دمک رہا تھا۔ اس پر اس خدا ترسانہ ہمدردی کے کوئی آثار نہیں تھے جس کے ساتھ لوگ ایسے مریضوں کی عیادت کو جاتے ہیں، جن کی حالت نازک ہو۔ اگر اس قسم کے جذبے کے کوئی آثار پیول نکولائے وچ

اپنی بیٹی کے چہرے پر دیکھتا تو اسے تکلیف پہنچتی۔

"تو ابا حالات کیسے ہیں؟ بتاؤ تو کیا معاملہ ہے؟" اس نے پلنگ پر اس کے پاس بیٹھ کر شگفتہ لہجے میں استفسار کیا۔ اس نے بڑے خلوص کے ساتھ پہلے اس کے میلے کچیلے ایک گال کا بوسہ لیا، پھر دوسرے کا "تو آج صبح تمھاری طبیعت کیسی ہے؟ جیسی ہے ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ بتاؤ نا۔"

اودیٹی کے خوشدلانہ استفسار سے پیول نکولائے وچ نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کی قوت عود کر آئی ہو، جیسے اس کی طبیعت بحال ہو رہی ہو۔ اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اپنے ساتھ تابانی لے آئی ہو۔

"تو سنو۔ اپنی بات میں کس ڈھنگ سے کہوں؟" اس کی آواز کمزور لیکن بنی تلی تھی جیسے وہ اپنے آپ سے بات کر رہا ہو۔ "سچ پوچھو تو میں یہ تو محسوس نہیں کرتا کہ رسولی گھٹ رہی ہے لیکن میرا یہ خیال ضرور ہے کہ اب میں اپنے سر کو نسبتہً آسانی سے ہلا سکتا ہوں۔ اب دباؤ کم ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم میری بات سمجھ رہی ہو۔"

اپنے والد کی اجازت لیے بغیر اس نے اس کا کالر کھول لیا، اس طرح کہ اسے ذرا بھی تکلیف نہ ہوا اور اس کی گردن کی رسولی کو دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی معائنہ کرنے والی ڈاکٹر ہو۔

"اس میں ڈرنے کی ذرا بھی بات نہیں" اس نے اعلان کیا "صرف اتنی سی بات ہے کہ ایک نس پھول گئی ہے۔ ماں نے تو کچھ اس طرح لکھا تھا کہ میں ڈر گئی تھی۔ تمھارا خیال ہے کہ تم اب اپنے سر کو زیادہ آسانی سے ہلا جلا سکتے ہو، کیوں نا؟ اس کا مطلب ہے کہ انجکشن کامیاب ہو رہے ہیں۔ بعد میں یہ گھٹنا شروع ہو جائے گی۔ اگر یہ نصف رہے گی تو کچھ زیادہ تکلیف نہیں دے گی۔ تب تم ہسپتال سے چل سکتے ہو۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو" پیول نکولائے وچ نے آہ بھر کر کہا "کاش یہ گھٹ کر نصف رہ جائے۔ پھر تو میں اس کے ساتھ بھی جی لوں گا۔"

"علاج گھر پر بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا تمھارے خیال میں انجکشن گھر پر لگ سکتے ہیں؟"

"آخر کیوں نہیں؟ تم ان کے عادی ہو جاؤ گے اور اس کے بعد تم انھیں گھر پر بھی لگوا سکتے ہو۔ ہم اس بارے میں بات کریں گے اور کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈھ ہی لیں گے۔"

پیول نکولائے وچ اور بھی مسرت محسوس کرنے لگا۔ وہ اسے گھر پر انجکشن لگوانے کی اجازت دیں یا نہ دیں لیکن اس بات پر اسے انتہائی فخر محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی بیٹی پُرعزم طور پر آمادۂ جہاد ہے اور جو کچھ چاہتی ہے اسے حاصل کرنے کے درپے ہو جاتی ہے۔ اویٹی اس پر جھکی ہوئی تھی اور وہ عینک کے بغیر بھی یہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کا مخلص اور کشادہ چہرہ زندگی کی حرارت اور جوش سے چمک رہا ہے اور اس کی متحرک بھنویں اتنی ذکی الحس ہیں کہ ہر بے انصافی پر کانپنے لگتی ہیں۔ یہ شاید گورکی نے کہا تھا "اگر تمھارے بچے تم سے بہتر نہیں تو تم باپ بننے کے اہل نہیں تھے۔ تم نے اپنی زندگی بیکار گنوائی ہے۔" پیول نکولائے وچ نے اپنی زندگی بے سود نہیں گنوائی تھی۔

پھر بھی وہ مشوش تھا۔ کیا اسے اس کا علم ہے؟ وہ کیا کہے گی؟

اویٹی نے اس موضوع پر گفتگو کرنے میں کچھ عجلت نہیں دکھائی وہ اس کے علاج کے بارے میں مزید استفسار کرتی رہی اور پوچھتی رہی کہ ڈاکٹر کیسے ہیں؟ اس نے پلنگ کے قریب کے میز کا جائزہ لیا۔ یہ پوچھتی رہی کہ اس نے کیا کھایا ہے اور جو اشیائے خوردنی خراب ہو چکی تھیں ان کی جگہ تازہ چیزیں رکھ دیں۔

"میں تمھارے لیے کچھ مقوی شراب لائی ہوں" اس نے کہا "ایک وقت میں ایک گلاس پینا۔ اور کچھ بہت عمدہ مچھلی کا اچار بھی لائی ہوں جو تمھیں بہت ہی مرغوب ہے، کیا نہیں؟ اور ماسکو سے کچھ بہت ہی نفیس سنترے بھی لائی ہوں۔"

"بہت خوب۔"

اس دوران میں وہ وارڈ کے ماحول اور اس کے مکینوں کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ اس کی اوپر کو اٹھی اٹھی بھنویں بتا رہی تھیں کہ اس کے نزدیک وارڈ بہت ہی گندہ تھا پھر بھی اس کا خیال تھا کہ اس پر جز بز ہونے کی ضرورت نہیں، صرف مسکرا دینا کافی ہے۔

اگرچہ ایسا نظر آتا تھا کہ دوسرا کوئی بھی ان کی بات سن نہیں رہا تھا پھر بھی وہ جھک کر

اپنے والد کے اور قریب ہو گئی اور وہ اس طرح گفتگو کرنے لگے کہ ان دونوں کے سوا اور کوئی کچھ سن ہی نہ سکے۔

"ہاں ابّا مجھے پتہ ہے۔ بڑی ہی خوفناک بات ہے" اوبٹی سیدھی اصل بات تک پہنچ گئی "اب سب کو اس کا علم ہے۔ ماسکو میں ہر کوئی اس کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ اسے قانونی کارروائیوں پر ہمہ گیر نظر ثانی کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔"

"ہمہ گیر؟"

"اس کے لیے لفظ ہمہ گیر ہی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ وبا کی طرح ہے۔ پنڈولم بالکل دوسری طرف گھوم گیا ہے۔ جیسے تاریخ کے پہیئے کو پیچھے کی طرف گھمایا ہی جا سکتا ہو۔ ایسا کون کر سکتا ہے؟ اس کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ چلو ایسا ہی سہی کہ بہت پہلے صحیح یا غلط طور پر لوگوں کو سزا دے کر دور دراز مقامات پر جلاوطن کر دیا گیا ہو لیکن اب انھیں واپس لانے سے فائدہ؟ یہ بڑا ہی تکلیف دہ عمل ہے۔ دوسری باتوں کے علاوہ خود جلاوطنوں کے ساتھ بھی یہ بیرحمی ہے۔ ان میں سے کچھ مر چکے ہیں۔ ان کی روحوں کو پریشان کرنے سے فائدہ؟ ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے دل میں بے بنیاد امیدیں کیوں پیدا کی جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ انتقام کی خواہش ہی جاگ پڑے۔ پھر اس کا حقیقی مطلب بھی کیا ہے کہ 'بحال کر دیا گیا'؟ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ بالکل ہی بے قصور تھا۔ کچھ تو اس نے کیا ہی ہوگا، چاہے وہ کتنی ہی معمولی بات ہو۔"

واہ۔ کتنی ذہین اور چالاک لڑکی ہے۔ جس یقین اور جوش کے ساتھ وہ بولتی رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو برحق سمجھتی ہے۔ اگرچہ اس کی مشکل کے بارے میں ابھی گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن پیول نکولائے وچ سمجھ رہا تھا کہ اس کی بیٹی ثابت قدمی سے اس کا ساتھ دے گی۔ آلا کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔

لیکن کیا تمھیں صحیح صحیح علم ہے کہ لوگ واقعی واپس آ رہے ہیں؟ کیا ماسکو میں بھی کچھ لوگ واپس آئے ہیں؟"

"ہاں ماسکو میں بھی لوگ واپس آئے ہیں۔ اہم بات یہی ہے، وہ اس طرح واپس آ رہے ہیں جیسے چیونٹیاں شیرینی پر ٹوٹ پڑتی ہیں۔ کچھ واقعات تو کافی خوفناک ہیں جنھیں المیے کہا جا سکتا ہے۔ ذرا سوچو تو۔ ایک آدمی برسوں سے امن اور چین کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

یکایک اسے طلب کیا جاتا ہے... جانتے ہو کاہے کے لیے - روبرو سامنے کے لیے ۔کیا اس کا تصور بھی ممکن ہے ؟"

پیول نکولائے وچ کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا جیسے اس نے لیمو نگل لیا ہو۔ آلا نے یہ دیکھ تو لیا لیکن اب اس کے لیے رکنا محال تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی بات شروع کر دیتی تو اسے پوری کر کے ہی دم لیتی۔

اس سے کہا گیا کہ بیس سال پہلے اس نے جو بات کہی تھی، اسے دہرائے۔ سوچو تو بھی وہ غریب کیسے یاد رکھ سکتا تھا ؟ اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا تھا ؟ اچھا اگر تمھارے دل میں یہ خواہش جاگ پڑی ہے کہ انھیں بحال کیا جائے تو بڑی خوشی سے کرو لیکن یہ روبرو سامنا کیا ؟ آخر ایسا کیوں کیا جائے کہ لوگوں کے اعصاب ہی جواب دے جائیں وہ غریب گھر گیا اور اس نے قریب قریب اپنے کو ہلاک کر لیا۔"

پیول نکولائے وچ پسینے میں شرابور بیٹھا تھا۔ یہ امکان تو اس کے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا کہ وہ روڈ کیچویلیچا نسکی یا کسی اور کے ساتھ اس کا روبرو سامنا بھی کرا سکتے ہیں۔

"احمق کہیں کے ! اول تو انھیں مجبور ہی کس نے کیا تھا کہ وہ اپنے بارے میں جعلی اعتراف ناموں پر دستخط کر دیں۔ انھیں انکار کر دینا چاہیے تھا" آلا کا حاضر دماغ مسئلے کے ہر پہلو پر غور کر رہا تھا۔ "وہ جہنم کی اس آگ کو ہوا کیسے دے سکتے ہیں ؟ انھیں ان لوگوں کا کچھ تو خیال کرنا چاہیے جو سماج کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اس رستاخیز کا ان غریبوں پر کیا اثر پڑے گا ؟"

"کیا تمھاری ماں نے تمھیں بتا دیا ہے..... اس بارے میں.... ؟"

"ہاں ابا ! اس نے مجھے بتا دیا ہے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں کہ تم ڈرو" اپنی مضبوط انگلیوں سے اس نے اس کے کاندھے کو گرفت میں لے لیا۔ "تم چاہو تو میں تمھیں بتاتی چلوں کہ اس بارے میں میں کیا سوچتی ہوں۔ ایک آدمی جو خطرے کی گھنٹی بجاتا ہے، سیاسی طور پر اپنے باشعور اور ترقی پسند ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ سماج کے تئیں اس کے ارادے بڑے ہی نیک ہیں۔ عوام اس بات کو سمجھتے ہیں اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ

کچھ معاملوں میں اس سے غلطی ہو جائے لیکن صرف وہی لوگ کوئی غلطی نہیں کرتے جو کبھی کچھ کرتے ہی نہیں۔ یہ قدرتی ہے کہ آدمی اپنی طبقاتی جبلّت کی راہ نمائی میں کام کرے جو اسے کبھی دھوکا نہیں دیتی۔"

"شکریہ! آلا تمھارا شکریہ۔" پیول نکولائے وچ کے دل میں آنسو اُمڈ رہے تھے پاک صاف کرنے والے آنسو جو اسے نجات کا احساس دلا رہے تھے "تم نے بات بڑے ہی سلیقے سے کہی ہے۔ عوام سمجھتے ہیں، عوام قدر کرتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم نے یہ احمقانہ عادت ڈال رکھی ہے کہ عوام کو کمتر درجے کے لوگ سمجھتے ہیں" اپنے پسینے سے شرابور ہاتھ سے وہ اپنی بیٹی کے ٹھنڈے ہاتھ کو تھپتھپانے لگا۔ "یہ بہت اہم ہے کہ نوجوان ہمیں سمجھیں اور ہماری مذمت نہ کریں۔ لیکن بتاؤ تو تمھارا کیا خیال ہے.... ؟ کیا قانون میں وہ کوئی ایسی دفعہ ڈھونڈ سکتے ہیں جس کے مطابق میں پکڑا جا سکوں.... ؟ میرا مطلب ہے غلط شہادت دینے کے الزام میں"!

"سنو!" آلا نے جوش بھرے لہجے میں جواب دیا "ایک مرتبہ ماسکو میں ایک ایسی جگہ موجود تھی جہاں اس قسم کے ناخوشگوار امکان پر بحث ہو رہی تھی۔ بات چیت میں ایک وکیل بھی شریک تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ غلط شہادت دینے کے خلاف جو قانون ہے اس کے مطابق صرف دو سال قید کی سزا ہوا کرتی ہے لیکن اس کے بعد دو بار تو عام معافیاں بھی ہو چکی ہیں۔ اب یہ سوال خارج از بحث ہے کہ کسی کو غلط شہادت دینے کی پاداش میں سزا دی جائے۔ رو ڈیچیو تو چوں بھی نہیں کرے گا، اس کا اطمینان رکھو۔"

پیول نکولائے وچ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی رسولی کو کچھ آرام آ گیا ہے۔

"واہ میری ذہین ننھی بیٹی!" اس نے مطمئن ہو کر خوشی خوشی کہا۔ "تم ہمیشہ صحیح جواب ڈھونڈ لیتی ہو۔ بڑی ہی موقع شناس ہو۔ تم نے تو میری طاقت مجھے لوٹا دی۔"

اپنی بیٹی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اس نے بڑے ہی احترام سے اُسے چوما۔ پیول نکولائے وچ خود غرض آدمی نہیں تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے بچوں کے مفادات کو اپنے مفاد پر ترجیح دی۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ وہ اپنے فرض کے

تیئں مخلص ہے، قوت برداشت رکھتا ہے اور جو چاہتا ہے کر کے دم لیتا ہے۔ اس کا حقیقی کارنامہ تو اس کی بیٹی تھی۔ اس کا نام اس کی بیٹی کی بدولت ہی روشن رہے گا۔

اس کا سفید کوٹ اس کے کاندھوں پر سے بار بار کھسل رہا تھا اور اسے سنبھالتے سنبھالتے وہ تھک گئی تھی۔ آخر اس نے ہنس کر کوٹ کو اپنے باپ کے ٹمپریچر چارٹ کے پاس پلنگ کی پائنتی پر پھینک دیا۔ اس وقت ڈاکٹروں یا نرسوں کے وہاں آنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔

اب آلا کے جسم پر ارغوانی رنگ کا اونی سویٹر ہی رہ گیا تھا جسے پیول نکولائے وچ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سویٹر کی آستینوں پر اور سینے پر ایک آڑھی ترچھی سفید دھاری تھی۔ دھاری کا آڑا ترچھا پن آلا کی سرگرمی اور جوشیلی حرکات سے کافی مطابقت رکھتا تھا۔

آلا کے اچھے لباس پر روپیہ صرف کرنے میں اس کے باپ نے کبھی بخل نہیں کیا تھا۔ چیزیں جو بازار سے خریدی جاتیں اور بیرونِ ملک سے بھی منگوا لی جاتیں۔ آلا کے کپڑے اعتماد بخش تھے اور اس میں ثابت قدمی اور بے لاگ پن کی ایسی صفات کو بڑھاوا دیتے تھے جو اس کی مستقل مزاجی اور دو ٹوک انداز سے پوری مطابقت رکھتی تھیں۔

"سنو" اس کے باپ نے پرسکون لہجے میں کہا، "تمھیں یاد ہے کہ میں نے تمھیں ایک چیز کے بارے میں دریافت کرنے کو کہا تھا۔ تقریروں اور اخباروں میں کبھی کبھی ایک عجیب محاورہ ملتا ہے "مسلک شخصیت پرستی"[1] کیا ان لفظوں کا اشارہ دراصل...."

"ابا! میرا خیال ہے کہ ہاں۔ مثال کے طور پر ادیبوں کی کانگرس میں یہ محاورہ بار بار استعمال ہوا اور مصیبت یہ ہے کہ کوئی یہ نہیں بتاتا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اگرچہ ہر کوئی ظاہر یہی کرتا ہے کہ وہ سمجھ رہا ہے۔"

"لیکن یہ خالص کفر ہے۔ انھیں اس کی ہمت کیسے ہوتی ہے؟"

"یہ شرمناک ہے۔ بڑی ہی بے عزتی کی بات ہے۔ کسی نے ہوا میں سرگوشی کر دی اور اب یہ

---

[1] اسٹالن ازم کے منفی اور مجرمانہ پہلوؤں پر ان دنوں سوویٹ روس میں یہی لیبل چسپاں کیا جاتا ہے لیکن اسٹالن کو عظیم وارث کا لقب بھی دیا جاتا تھا جو لینن کے وارث کی حیثیت سے اس کے کردار کے مثبت پہلوؤں کو ظاہر کرتا ہے۔

ہر جگہ چل نکلی ہے لیکن اگرچہ وہ 'مسلک شخصیت پرستی' کی بات کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ 'عظیم وارث' کی بات بھی تو کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی کسی بھی طرف زیادہ انتہا پسندانہ قدم نہ بڑھائے بہتر یہی ہے کہ آدمی اپنے رویے میں لچک پیدا کرنے وقت کے تقاضوں کو پورا کرنا ہی پڑتا ہے۔ ابا! خواہ تمھیں یہ ناپسند ہی ہو لیکن ہمارے لیے ہر نئے دور کے ساتھ مطابقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ میں نے ماسکو میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ کچھ وقت میں نے ادبی حلقوں میں بھی صرف کیا۔ کیا تمھارے خیال میں گزشتہ دو برس میں ادیبوں کے لیے اپنے رویے میں تبدیلی کرنا آسان تھا؟ بڑا ہی پیچیدہ عمل تھا لیکن یہ گروہ بھی بڑا ہی تجربہ کار ہے۔ کیا معاملہ فہمی ہے۔ تم ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہو۔"

چوتھائی گھنٹے سے اویٹی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اپنی برمحل اور دوٹوک تنقید سے ماضی کے خوفناک دنوں کا صفایا کر رہی تھی اور مستقبل کے روشن راستوں کی نشاندہی کرتی رہی تھی۔ اس دوران میں پیول نکولائیے وچ کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی صحت نمایاں طور پر اچھی ہو رہی ہے۔ اس کے حوصلے کا اب یہ عالم تھا کہ اپنی تکلیف دہ رسولی کا ذکر کرنے کی اس کے دل میں کوئی آرزو نہیں تھی۔ اب اس معاملے میں بھی کچھ زیادہ بھاگ دوڑ کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی کہ اس کا تبادلہ کسی اور کلینک میں کیا جائے۔ اب تو وہ یہی چاہتا تھا کہ بیٹھا اپنی بیٹی کی مسرور کن داستان سنتا رہے اور اپنے ساتھ وہ جو تازہ ہوا لائی تھی اس میں سانس لیتا رہے۔

"بتاؤ بتاؤ" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "بتاؤ ماسکو میں کیا ہو رہا ہے؟ تمھارا سفر کیسا رہا؟"

"ہائے" آلا نے اپنے سر کو اس طرح ہلایا جیسے وہ گھوڑا ہلاتا ہے جسے مکھیاں پریشان کر رہی ہوں "میں کیسے بتاؤں کہ ماسکو کیا ہے۔ ماسکو واقعی رہنے کی جگہ ہے۔ ماسکو ایک الگ دنیا ہے۔ ماسکو کا سفر ایسا ہے جیسے مستقبل میں کوئی پچاس برس آگے نکل جائے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ماسکو میں ہر شخص ٹیلی ویژن دیکھتا ہے۔"

"ٹیلی ویژن بہت جلد ہمارے یہاں بھی ہوگا۔"

"ضرور ہوگا لیکن یہ ماسکو کا پروگرام نہیں ہوگا۔ کہاں ماسکو کا ٹیلیویژن کہاں ہمارا! یہ تو کوئی ایسی چیز ہے جس کا اشارہ ایچ۔ جی۔ ویلز نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ ہر کوئی ٹیلیویژن

دیکھ رہا ہے۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی اس سے بہت زیادہ ہے۔ میرا خیال ہے، اور ماحول میں جو کچھ ہوتا ہے اسے میں جلدی سونگھ لیتی ہوں، کہ ہمارے طرز زندگی میں مکمل انقلاب ہونے جا رہا ہے۔ میری مراد فرجوں اور کپڑے دھونے کی مشینوں سے نہیں۔ ماحول میں اس سے کہیں زیادہ دوررس تبدیلیاں ہونے جا رہی ہیں۔ مثال کے طور پر کہیں کہیں شیشے کی پلیٹوں کے بیش دالان دیکھنے میں آتے ہیں اور ہوٹلوں میں ایسے میز رکھے جانے لگے ہیں جو کافی نیچے ہیں، واقعی نیچے ہیں۔ بالکل امریکیوں جیسے میز۔ پہلی بار جب آدمی ان میزوں کے گرد بیٹھتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے۔ پھر لیمپوں کے کپڑے کے بنے ہوئے شیڈ ہیں جیسے کہ یہاں ہمارے گھروں میں ہیں۔ یہ واقعی شرمناک ہیں بڑے ہی بے ڈھنگے ہیں اصل میں شیشے کا ہونا چاہیئے۔ پھر نئے پلنگوں کے سرہانے اب تختے نہیں لگائے جاتے، ایسے تختوں کا رواج اب ختم ہو گیا ہے۔ اب ہر جگہ کشادہ صوفوں اور کوچوں کا رواج ہے جو کافی نیچے ہوتے ہیں۔ ان سے کمرے میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے۔ ہماری زندگی کا سارا انداز بدل رہا ہے۔ اتنی تبدیلیاں ہو رہی ہیں کہ ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ ممی اور میرے درمیان اس پر کافی بات چیت ہوئی ہے اور ہم متفق ہیں کہ ہمیں ہمارے گھروں میں بہت سی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیزیں یہاں نہیں خریدی جا سکتیں۔ ماسکو سے لانا ہوں گی لیکن بعض فیشن ایسے بھی ہوں گے جو واقعی مضرت رساں ہیں اور اس قابل ہیں کہ شروع ہی سے ان کی مذمت کی جائے۔ مثلاً وہ ناچ جسے راک این رول کہتے ہیں یہ بڑا ہی مخرب اخلاق ہے۔ میں بتا بھی نہیں سکتی کیسا ہے۔ اور پھر وہ بالوں کی خوفناک پیچ دار بناوٹ۔ وہ اپنے بالوں کو عمداً بگاڑ لیتے ہیں جیسے ابھی ابھی بستر سے اٹھ کر آئے ہوں۔"

"یہ مغرب کی نشانی ہے وہ ہمارا اخلاق بگاڑنا چاہتے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اخلاقی معیار بری طرح پست ہو رہے ہیں اور فنون لطیفہ اس کا مظہر ہیں۔ مثال کے طور پر شاعری کو لو۔ اس دبلے پتلے لمبے اوتوشینکو کو دیکھو۔ بالکل گمنام، بات کا کوئی تک نہیں۔ اسے صرف اتنا کرنا پڑتا ہے کہ اپنے بازوؤں کو ادھر ادھر ہلائے اور کچھ چیخے اور لڑکیاں ہیں کہ پاگل ہوئی جاتی ہیں۔ ..."

اوپیچی کی گفتگو اب تلخ نہیں رہی تھی۔ ایک ایسے موضوع پر پہنچ کر جو پبلک کی دلچسپی کا حامل

تھا اس نے اپنی آواز کو پوری طرح بلند کر لیا تھا، کسی بھی روک کے بغیر، تاکہ وارڈ میں ہر کوئی اس بات کو سن لے۔ بہر حال ڈیوما واحد شخص تھا جس نے اس کی بات کو دلچسپی سے سننے کے لیے اپنا دھیان اس طرف کر لیا۔ وقتی طور پر اس کی توجہ اپنی پُر عذاب تکلیف سے ہٹ گئی جو ہر لمحہ اسے آپریشن کے میز کے قریب تر لے جا رہی تھی۔ باقی جو لوگ تھے ان میں سے کچھ نے تو اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ اور کچھ وارڈ سے باہر تھے۔ واڈم زتسٹر کو البتہ کبھی کبھی اپنی کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر اویٹی کی پشت پر اچٹتی سی نگاہ ڈال لیتا تھا جس پر سویٹر مضبوطی سے چڑھا ہوا تھا۔ سویٹر بالکل نیا تھا اس کا رنگ ارغوانی تھا۔ البتہ کاندھے پر سے ایک جگہ جہاں جہاں کھلی کھڑکی میں سے سورج کی ایک کرن اس پر پڑ رہی تھی، وہ ارغوانی نہیں بلکہ گہرا سرخ نظر آتا تھا۔

"اپنے بارے میں مجھے کچھ اور بتاؤ۔"

"تو ابا سنو! ماسکو کا سفر بہت ہی عمدہ رہا۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ میری نظموں کے مجموعے کو اشاعت کے آئندہ پروگرام میں شامل کر لیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ آئندہ سال ہی کے پروگرام میں۔ لیکن اس سے زیادہ جلدی کی امید بھی کیا کی جا سکتی تھی؟ اس سے زیادہ جلدی تو ناقابل قیاس ہوگی۔"

"آلا کیا تم واقعی سچ کہتی ہو؟ کیا تمھارا مطلب واقعی یہ ہے کہ ایک سال کے اندر اندر تمھاری نظموں کا مجموعہ ہمارے ہاتھ میں ہوگا؟"

"خیر ضروری نہیں کہ ایک ہی برس میں، دو بھی لگ سکتے ہیں۔"

اس کی بیٹی اس کے لیے مسرت کا طوفان لائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی نظمیں ماسکو لے گئی ہے لیکن ٹائپ شدہ اوراق میں اور ایک باقاعدہ کتاب میں جس کے سرورق پر آلا روسانووا لکھا ہو، کوئی کم فرق نہیں اور اس وقت تو یہ فرق بہت ہی زیادہ نظر آتا تھا۔

"تمھیں اس میں کامیابی کیسے ہوئی۔"

آلا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ وہ اپنے آپ سے بہت خوش تھی "ظاہر ہے" اس نے کہا "کہ میں یہ بھی کر سکتی تھی کہ کسی پبلشنگ ہاؤس میں جاؤں اور اپنی نظمیں پیش کروں لیکن اس صورت میں اس کی مطلق امید نہیں تھی کہ کوئی مجھ سے بات کرنے کا بھی روادار ہوگا

لیکن انا میوجینیا نے پہلے میرا تعارف "م، سے کرایا پھر "س، سے۔ میں نے اپنی دو تین نظمیں سنائیں۔ ان دونوں کو پسند آئیں۔ پھر انھوں نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور کسی کے نام چٹ لکھ دی۔ اس کے بعد معاملہ بالکل آسان تھا۔"

"خوب، بہت خوب" پیول نکولائے وچ کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔ اس نے اپنے قریب کے میز کو ٹٹولا اور ڈھونڈھ کر عینک اٹھالی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی قابل قدر تصنیف کو وہیں، اسی وقت پڑھ لینا چاہتا ہے۔

ڈیوما نے اپنی زندگی میں پہلی بار ایک جیتے جاگتے شاعر کو دیکھا تھا اور پھر شاعر نہیں بلکہ شاعرہ۔ وہ ورطۂ حیرت میں گم تھا۔

"ایک شاعر کی حیثیت سے میرا نام بھی بہت اچھا ہے۔ صاف اور گونجدار۔ میں کوئی فرضی نام استعمال نہیں کروں گی۔ پھر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں دیکھنے میں واقعی ایک ادیب لگتی ہوں"

"آلا! اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟ تم جانتی ہو کہ تمھیں ہر کسی کے بارے میں اتنی تفصیل سے لکھنا پڑے گا کہ اس کا ہو بہو نقشہ کھنچ جائے، اس کے دوست فوراً ہی اسے پہچان لیں۔"

"نہیں۔ مجھے ایک بات سوجھی ہے۔ انفرادی کرداروں کے بارے میں، میں سر نہیں کھپاؤں گی۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے ذہن میں جو بات آئی ہے وہ بالکل نئی ہے۔ میں براہِ راست کارخانہ ہائے کاشت کے بارے میں لکھوں گی۔ پورے کارخانہ ہائے کاشت کی تصویر کھینچوں گی۔ آخر آدمی کی پوری زندگی کا تعلق کارخانہ ہائے کاشت سے ہے۔ اکا دکا شخصیتوں سے نہیں۔"

"ہاں یہ بالکل صحیح ہے" پیول نکولائے وچ کو تسلیم کرنا پڑا لیکن ایک خطرہ ایسا تھا جو ممکن ہے اس کی بیٹی جوش میں نظر انداز کر رہی ہو۔ "لیکن کیا تم نے اس بارے میں سوچا ہے کہ ناقد تم پر ٹوٹ پڑیں گے تم جانتی ہو کہ ہماری دنیا میں تنقید کا زاویہ سماجی ہوتا ہے"

اویٹی نے اپنے سیاہ بالوں کے گچھے کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا اور مستقبل کی طرف اس بے خوفی سے دیکھنے لگی جیسے وہ کوئی امیزن ہو۔ "واقعہ یہ ہے" اس نے کہا "کہ وہ میری تحریروں

(حاشیہ ص ۴۵۱ پر)

پر کوئی شدید نکتہ چینی کر ہی نہیں سکیں گے کیونکہ اس میں کوئی نظریاتی غلطیاں ہونگی ہی نہیں۔ اگر فنی نقطۂ نگاہ سے انھوں نے نکتہ چینی کی بھی تو کسے پروا۔ وہ کس پر نکتہ چینی نہیں کرتے۔ بابیئے وسکی کو لو۔ پہلے ہر کوئی اس سے محبت کرتا تھا۔ پھر ہر کوئی نفرت کرنے لگا۔ ہر کسی نے اس کی مذمت کردی، اس کے بہترین دوستوں تک نے۔ لیکن یہ مرحلہ عارضی ہے۔ وہ اپنی رائے بدل لیں گے، پھر اسے اپنا لیں گے۔ یہ ان تبدیلیوں میں سے ایک ہے جن سے زندگی بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر پہلے وہ کہا کرتے تھے کشمکش نہیں ہونی چاہیئے، لیکن اب وہ کشمکش کے فقدان کے غلط نظریئے پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر کوئی اختلاف رائے ہوتا، اگر کچھ لوگ اب بھی پرانے طرز تحریر کی حمایت کرتے اور کچھ نئے طرز کی، اس صورت میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ واقعی تبدیلی آگئی ہے، لیکن جب ہر کوئی فوراً ہی نئے طرز تحریر کی بات کرنے لگے تو تبدیلی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ اہم چیز موقع شناسی اور معاملہ فہمی ہے، وقت کا ساتھ دینے کی صلاحیت۔ اس صورت میں ناقدوں سے کوئی جھگڑا ہوگا ہی نہیں۔۔۔۔۔ اور ہاں آیا تم نے کتابوں کے لیے کہا تھا۔ میں کچھ لائی ہوں۔ ان دنوں تمھیں ضرور پڑھنا چاہیئے۔ عام طور پر تو تمھارے پاس وقت نہیں ہوتا۔

ادیب جس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں، میں نے قریب سے دیکھا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ان کے مراسم بڑے ہی خوشگوار ہیں، کہیں اینچ پیچ نہیں ہے۔ چاہے وہ اسٹالن انعام یافتہ ہی ہوں۔ وہ بالکل ہی بے ریا لوگ ہیں۔ غرور کا نام نہیں۔ عام طور پر ہم سمجھتے ہیں کہ ادیب کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنی کھنویں تانے عرش پر بیٹھا رہتا ہے اور کسی سے میل ملاپ کا قائل نہیں ہوتا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔ وہ زندگی کی ہر مسرت سے لذت اندوز ہوتے ہیں۔ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، دوستوں کے ساتھ تفریح کو جاتے ہیں، ایک دوسرے کو ہمیشہ چھیڑتے رہتے ہیں۔ خوب قہقہے گونجتے ہیں۔ میں کہتی ہوں ان کی زندگی واقعی پُر مسرت ہے۔ لیکن جب ناول لکھنے کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو دو یا تین ہفتے کے لیے اپنے دیہی مکانوں

حاشیہ صفحہ ۴۵۰ کا:

لہ قدیم یونانیوں کے نزدیک ممالک سیتھیا یا تاتار کی دیو فطرت جنگجو عورت؛ مردنما عورت۔

میں بند کر لیتے ہیں اور ناول تیار ہو جاتا ہے۔ مجھے یہی زندگی پسند ہے، خود مختاری، آزادی اور وقار کی زندگی، ادیبوں کی یونین کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے میں پورا زور لگا دوں گی، کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کروں گی۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ تم نے یونیورسٹی سے جو ڈگریاں لی ہیں ان سے کوئی کام نہیں لوگی؟" پیول نکولائے وچ کو کسی قدر تشویش ہونے لگی۔

"ابا!" اوینی نے اپنی آواز کو دھیما کر لیا "چاہے تم کسی پہلو سے دیکھو، اخبار نویسی ایک گھٹیا درجے کا کام ہے۔ وہ تمھیں کام سونپ دیتے ہیں۔ یہ کرو وہ کرو۔ کوئی آزادی ہوتی ہی نہیں۔ ہمہ وقت مشہور لوگوں کے انٹرویو لیتے رہو۔ بھلا ادیب کی زندگی سے اس کا کیا مقابلہ تم جانتے ہو ایک ادیب ہے۔ جیسے ہی اس نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا اپنی بیوی اور بھتیجی کو بھی لکھنا سکھا دیا، اب وہ تینوں ادیب ہیں۔"

"مرحبا!"

"ادب کا پیشہ واقعی مفید ہے۔"

"آلا! خواہ تم کچھ ہی کہو۔ پھر بھی مجھے کچھ تشویش رہے گی۔ اگر کامیابی نہ ہوئی تو؟"

"کیسے ممکن ہے کہ کامیابی نہ ہو؟ ابا تم وہم میں مبتلا ہو۔ گورکی نے کہا ہے 'ہر شخص ادیب بن سکتا ہے، محنت کرے تو ہر شخص جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ اگر زیادہ ہی مشکل پیش آئی تو میں بچوں کی ادیب بن جاؤں گی۔ یہ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت عمدہ اصول ہے" پیول نکولا وچ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اصولی طور پر بات بہت شاندار ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اخلاقی طور پر تمھاری طرح صحت مند ہیں وہ ادب کو پیشہ بنانے کا پورا حق رکھتے ہیں۔"

وہ اپنے بیگ میں سے کتابیں نکالنے لگی "ذرا دیکھو تو! میں تمھارے لیے 'بالٹک کا موسم بہار'، اور 'اسے مار ڈالو' لائی ہوں۔ یہ آخری کتاب شاعری کی ہے۔ کیا تم اسے پڑھو گے" "'اسے مار ڈالو'؟ تو اسے جانے ہی دو۔"

"'ہماری صبح آ ہی چکی ہے'، 'دھرتی کی روشنی'، 'امن کے مجاہد'، 'پہاڑ کھل اٹھے'۔"

" فنارکو "پہاڑ کھل اٹھے"، میرا خیال ہے میں اسے پڑھ چکا ہوں۔"

" تم نے "دھرتی کھل اٹھی" پڑھی تھی۔ یہ "پہاڑ کھل اٹھے" ہے۔ یہ ایک اور کتاب ہے "جوانی ہمارے ساتھ ہے" اس کا مطالعہ تو بہت ضروری ہے۔ میرا خیال ہے اسی سے شروع کر دو۔ کتابوں کے نام ہی ایسے ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔ انھیں پسند کرتے ہوئے یہی بات میرے ذہن میں تھی۔"

" بہت خوب" پیول نکولائے وچ نے کہا " انھیں یہاں رکھ دو۔ لیکن کیا تم ایسی کوئی کتاب نہیں لائیں جس میں جذباتیت ہو؟"

" جذباتیت؟ نہیں ابا۔ میرا خیال تھا...... اس وقت تمھارا جو موڈ ہے..."

" اس قسم کی کتابوں کے بارے میں پہلے ہی میں کافی جانتا تھا" پیول نکولائے وچ نے کتابوں کے انبار کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کوئی ایسی کتاب ڈھونڈھ دو جو دل کو لگے۔"

" بہت اچھا" اویٹی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "میں ماں کو ڈوماس کی کتاب دے دوں گی۔ جب وہ آئے گی اپنے ساتھ لیتی آئے گی۔"

" مجھے ایسی ہی کتاب کی ضرورت ہے۔"

اویٹی اب جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

اس دوران میں ڈیوما اپنے کونے میں بیٹھا جز بز ہو رہا تھا۔ یا تو اپنی ٹانگ کی غیر مختتم تکلیف کی بنا پر اور یا اس ہچکچاہٹ پر جو اسے ایک شاندار لڑکی کے ساتھ جو شاعرہ بھی تھی، گفتگو شروع کرنے میں محسوس ہو رہی تھی۔ آخر اس میں اتنی ہمت پیدا ہو گئی کہ وہ اس سے سوال کر ڈالے اور سوال کرتے وقت نہ وہ کھانسا نہ اس نے اپنا گلا صاف کیا "معاف کرنا" اس نے کہا "کیا تم ازراہِ عنایت مجھے یہ بتا سکتی ہو کہ ادب میں خلوص کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے[۱]؟"

---

[۱] اس کے بعد جو بحث شروع ہوتی ہے وہ نوویمیر کے دسمبر ۱۹۵۳ء کے شمارے میں ولاڈیمیر پومرنتسیو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"وہ کیا؟ کیا کہا تم نے؟" اویٹی نیم مسکراہٹ کے ساتھ روادارانہ انداز میں اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ڈیوما کی بیٹھی ہوئی آواز سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بہت ہی شرمیلا ہے۔ "پھر وہی منحوس خلوص! کیا اس کا ذکر یہاں بھی پہنچ گیا ہے؟ اس تمھارے خلوص کی بنا پر پورا ایڈیٹوریل بورڈ برطرف ہو گیا تھا۔ یہاں یہ کیا گل کھلائے گا" اس نے ڈیوما کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ صاف ظاہر تھا کہ لڑکا کوئی خاص تعلیم یافتہ نہیں اور نہ زیادہ ذہین ہی ہے اس کے پاس وقت نہیں تھا لیکن یہ بھی تو مناسب نہ ہوگا کہ اس لڑکے کو اتنے بڑے اثرات کی زد میں چھوڑ دیا جائے "لڑکے سن!" اس نے زوردارانہ گرجدار آواز میں کہا جیسے وہ منبر سے بول رہی ہو "جس شخص نے وہ مضمون لکھا تھا اس نے ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیا تھا۔ کسی کتاب کو صرف اخلاص ہی کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ اگر کوئی مصنف غلط خیالات کا اظہار کرے یا غیر ملکی رویوں کا پرچار کرے تو ان کے تئیں اس کے اخلاص کا صرف اتنا مطلب ہے کہ اس کی کتاب کی مضرت رسانی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اخلاص نقصان دہ بن جاتا ہے۔ داخلی اخلاص زندگی کی صداقت شعارانہ عکاسی میں مزاحم ہو سکتا ہے۔ یہ ایک جدلیاتی راز ہے کیا تم کچھ سمجھے؟"

ڈیوما کے لیے ان خیالات کی پذیرائی آسان نہیں تھی۔ سوچنے سے اس کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں "پورے طور پر نہیں۔"

"تو اچھا میں وضاحت کرتی ہوں" اویٹی نے اپنے بازو پھیلا کر کہا۔ اس کے سویٹر پر جو آڑی ترچھی سفید لکیر تھی وہ بجلی کی طرح چمک رہی تھی "یہ کام بڑا ہی آسان ہے کہ کسی تکلیف دہ واقعہ کو لے کر اسے جوں کا توں بیان کر دیا جائے لیکن کرنا یہ چاہیے کہ آدمی گہری نظر سے کام لے مستقبل کے پودوں کا جو بیج پڑ رہا ہے اسے نمایاں کرے۔ نہیں تو اس پود کو کون دیکھے گا؟"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے آگے):

کے مضمون کے گرد گھومتی ہے۔ جب یہ مضمون شائع ہوا تھا تو کمیونسٹ پارٹی کے اخباروں نے اس پر کڑی نکتہ چینی کی تھی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ پگھلاؤ کا جو دور آنے والا تھا، یہ مضمون اس کا پہلا مظہر تھا۔

"لیکن پود ...."

"اب یہ کیا کہا؟"

"پود کو تو از خود ہی اُگنا چاہیے" ڈیوما نے جلدی سے اپنی بات پوری کر دی "اگر کوئی ہل چلا دے تو پود اُگے گی کیسے؟"

"ہاں میں جانتی ہوں لیکن ہم زراعت کی بات تو نہیں کر رہے۔ ہمارا موضوع تو یہ نہیں۔ لوگوں کو سچ سے آگاہ کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انھیں صرف بُری باتیں اور کوتاہیاں ہی بتائی جائیں۔ اس کے برعکس کیا یہ اچھا نہیں کہ اچھی باتوں کو بے خوفی سے بیان کیا جائے تاکہ وہ اور بھی بہتر ہو جائیں۔ نام نہاد تلخ صداقت، کا یہ مطالبہ آیا کہاں سے ہے؟ صداقت کے لیے یہ یک بیک ضروری کیوں ہو گیا ہے کہ وہ تلخ ہو۔ یہ روشن، اُمنگ آفریں اور خوش آئند کیوں نہیں ہو سکتی؟ ہمارے ادب کو بشاشت کا ترجمان ہونا چاہیے۔ عوام کی زندگی کے بارے میں افسردگی پیدا کرنے والے انداز میں لکھنا ان کی توہین ہے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی بے داغ اور پُر رونق ہو۔"

"مجموعی طور سے میں اس سے متفق ہوں" اویٹی کی پشت کی جانب سے ایک خوشگوار اور صاف آواز آئی "یہ سچ ہے کہ مایوسی پھیلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

اویٹی کو کسی تائید کرنے والے کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن اپنی قسمت پر اسے پورا اعتماد تھا۔ اگر کوئی کچھ کہے گا تو ہمیشہ اس کی طرفداری ہی کرے گا۔ اس نے کھڑکی کی طرف منہ پھیرا۔ اس کے سوئٹر کی آڑی ترچھی سفید لکیر سورج کی شعاع پڑنے سے چمک اٹھی۔ اسی کی عمر کا ایک نوجوان جس کے چہرے سے ذہانت برستی تھی، اپنی پنسل کی نوک سے دانتوں کو بجا رہا تھا۔

"آخر ادب کا مقصد کیا ہے؟" وہ بلند آواز میں سوچ رہا تھا، شاید ڈیوما کے فائدے کے لیے یا شاید اویٹی کے فائدے کے لیے "ادب کا فریضہ یہ ہے کہ جب ہمارا موڈ اچھا نہ ہو تو ہماری توجہ کو کسی اور طرف منتقل کر دے۔"

"ادب زندگی کا معلم ہے" ڈیوما بڑبڑایا۔ وہ اپنی بات کے بے ڈھنگے پن پر کچھ

شرما سا گیا۔

واڈم نے اپنے سر کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا۔ "معلم خاک ہے" اس نے کہا "اس کے بغیر ہمارا گزارہ بہرحال ہو جاتا ہے۔ تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ ادیب ہم عملی کارکنوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں۔"

اس نے اور آلا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انھوں نے بھانپ لیا کہ وہ دونوں ایک ہی مزاج کے ہیں۔ اگرچہ ان کی عمر ایک ہی تھی اور یہ قدرتی تھا کہ انھیں ایک دوسرے کی نظر بھا جائے لیکن ان میں سے ہر ایک اپنے معین راستے پر ثابت قدم تھا اور اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ نگاہوں کے اس اتفاقیہ تبادلے کو کسی قسمت آزمائی کا آغاز سمجھ لیا جائے۔

"زندگی میں ادب کی اہمیت کو عام طور پر بہت ہی بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے" واڈم نے اپنی دلیل کو جاری رکھتے ہوئے کہا "کبھی کبھی کتابوں کی اتنی تعریف کی جاتی ہے کہ انھیں آسمان پر چڑھا دیا جاتا ہے جس کی وہ مستحق نہیں ہوتیں مثال کے طور پر GARGANTUA AND PANTAGRUEL کو لو جس نے اسے نہیں پڑھا وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ یہ کوئی بہت ہی حیرت انگیز کتاب ہوگی۔ لیکن پڑھو تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں عریانی کے سوا کچھ نہیں۔ اسے پڑھنا تضیع اوقات ہے۔"

"ادب میں عاشقانہ جذبات کی جگہ ضرور ہے۔ موجودہ دور کے ادیبوں کی کتابوں میں بھی" ادیٹی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "ان کا ذکر لازمی طور پر غیر ضروری نہیں ہوتا۔ حقیقی ترقی پسندانہ نظریاتی افکار کے ساتھ جب ان جذبات کو ملا دیا جاتا ہے تو ادب کی دلکشی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر۔۔۔"

"بالکل غیر ضروری ہے" واڈم نے بڑے اعتماد کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "چھپی ہوئی تحریر کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ وہ جذبات کو انگیخت کرے۔ انگیخت پیدا کرنے والی چیزیں تو کسی بھی کیمسٹ کی دکان سے خریدی جا سکتی ہیں۔"

ارغوانی رنگ کے سویٹر والی میزبان پر ایک اور نظر ڈالے بغیر اور اس کا انتظار

کینسر وارڈ
الیگزنڈر سولنسٹین
مترجم: گوپال متل